تاریخِ اسلام

پروفیسر عبد القیوم رحمہ اللہ
(۱۹۰۹ـ۸۹ء)

Marfat.com

تاریخِ اسلام

اُستاذالاساتذہ
پروفیسر عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ
(۱۹۰۹ـ۸۹ء)
شعبہ عربی و علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج، لاہور
اُردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور

مکتبہ اسلامیہ
MAKTABA ISLAMIA

Marfat.com

کتاب

تاریخِ اسلام

297.9
ع 50 ت
144278
ا ب

تالیف

اُستاذ الاساتذہ
پروفیسر عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ
(۱۹۰۹ـ۸۹ء)

ناشر ---------------- محمد سرور عاصم
اشاعت ---------------- 2016ء
(دارالمعارف کی اجازت سے مکتبہ اسلامیہ نے شائع کیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

لاہور: بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369
فیصل آباد: بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204
Ph 0300-8661763 , 0321-8661763
www.facebook.com/maktabaislamia1
maktabaislamiapk@gmail.com
www.maktabaislamiapk.blogspot.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

Marfat.com

فہرست مضامین

صفحہ | عنوان

- عرض ناشر 33
- نقشہ جات 35
- انتساب 36
- گزارشِ احوال 36
- تقدیم 37
- مقدمہ 38
- دیباچہ 39

قدیم تہذیبوں کا تعارف

- تاریخ اسلام کا پس منظر، مشرق قریب میں قدیم تہذیبیں 41
- بابل و نینوا 42
- اشور (Assyrans) 43
- کنعانی یا فِنیقی 44
- عِبرانی 45
- بنی اسرائیل 62
- یہودی 62
- قدیم یونانی قوم 63
- قدیم رومی قوم 64
- عیسائیت کا ظہور 64

Marfat.com

- بزنطینی (Byzantine) حکومت 65
- ساسانی سلطنت 66
- زرتشتی 66

جزیرۂ عرب

- جغرافیائی، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حالات 68
- جزیرۂ عرب 68
- آب وہوا و پیداوار 69
- باشندے 70
- عربی زبان 71
- شعروشاعری 71
- مذہبی حالت 72
- سیاسی حالت 74
- قدیم عرب حکومتیں 75
- معاشرتی حالت 76
- بری رسومات وعادات 78
- کعبہ 78
- قریش 80
- قُصیّ کی جمہوریّت 81
- عبدالمُطّلِب کا عہد 82
- نقشہ جزیرۃ العرب عہدِ نبوی میں 83

Marfat.com

پہلا باب: (ظہورِ اسلام) سیرت النبی ﷺ

- ابتدائی حالات، خاندان، وِلادت، بچپن، جوانی، تجارت اور نکاح v5
- خاندان 85
- وِلادت باسعادت 86
- تربیت 86
- بچپن 86
- شام کا پہلا سفر 87
- ایام جوانی 88
- تجارت 89
- صدق 89
- امانت 89
- شام کا دوسرا سفر 89
- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 90
- نصبِ حجرِ اسود 90
- شرک سے پرہیز 91

دوسرا باب: آنحضرت ﷺ کی بعثت

- خلوت پسندی 92
- آغازِ نبوّت 92
- غارِ حرا میں پہلی وحی 93
- تبلیغ کی ابتداء 94

Marfat.com

توحید 94
پہلے مسلمان 94
اعلانیہ تبلیغ 95
کفار کی ایذا رسانی 96
ہجرت حبش (Abyssinia) 96
سیاسی بصیرت 102
شِعبِ ابی طالب میں محصوری 103
حضرت خَدِیجہ ؓ اور ابو طالب کی وفات 104
سفر طائف 105
فرضیت نماز پنجگانہ 106
مکے سے باہر اشاعتِ اسلام 106
اسلام یَثرِب میں 106
بیعت عَقَبۂ اولیٰ 107
بیعت عَقَبہ ثانیہ 108
مدینے تشریف لے جانے کی درخواست 108
سرداروں کا انتخاب 109
ہجرت مدینہ 109
غار ثور میں 110
غار سے روانگی 111

تیسرا باب: مدینہ میں ورُود مسعود

شوقِ دید واستقبال 112
مدینہ کے باشندے 113

Marfat.com

مسجد نبوی کی تعمیر 114
جمعہ کی ابتداء 115
پہلا خطبۂ جمعہ 115
اَذان کی ابتداء 116
مہاجرین وانصار 117
مُواخات 117
انصار کا ایثار 117
مہاجرین کی خودداری 118
معاہدۂ مدینہ 118
روزوں کی فرضیت 121
ہجرت مدینہ کی اہمیت 121

چوتھا باب: غَزَوات النبی ﷺ

جہاد فی سبیل اللہ 124
غلط فہمی کا ازالہ 125
مقصد جہاد 126

غزوۂ بدر

مقام بدر 27
اسباب 27
نقشہ غزوہ بدر 30
میدان جنگ 31

Marfat.com

- غزوۂ بدر کی اہمیت ونتائج 133
- نقشہ غزوۂ اُحد 135

غزوۂ اُحُد

- یہودیوں کا اخراج 141
- اسباب 141
- بنو قینُقاع کا اخراج 143
- بنو نضیر کا اخراج 144

نقشہ غزوۂ خندق

- غزوۂ خندق 146
- اسباب 146
- خندق کی تیاری 146
- محاصرۂ مدینہ 147
- ناکامی کے اسباب 149
- غزوہ خندق کی اہمیت 150
- بنو قُریظہ کی سزا 151
- سزا کی وجوہات 151
- غزوہ بنی مُصطلق سن 5۔ ہجری 152

Marfat.com

صُلح حُدَیبِیّہ

بیعتِ رِضوان 155
معاہدۂ صلح 155
شرائطِ صلح 155
صلح کی اہمیت 156
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا 157

ہمعصر حکمرانوں کو تبلیغ اسلام

ہِرَقل کے نام خط 159
حاکم مصر کے نام خط 161
نَجَاشی شاہِ حبشہ کے نام خط 162
کِسریٰ پرویز کے نام خط 163

غزوۂ خیبر

جنگ مُوتہ 166

پانچواں باب: فتح مکہ سے وفات تک

اسباب فتح مکّہ 168
اسلامی لشکر کا مکّے میں داخلہ 170

Marfat.com

طواف کعبہ اور بت شکنی 171
نصیحت اور معافی 171
نتائج 172

غزوۂ حنین

نیا حملہ 174
مالِ غنیمت 175

محاصرۂ طائف

قیدیوں کی رہائی 176
رضاعی بہن کی عزت 176
مالِ غنیمت کی تقسیم 177
نتائج 178
فرضیت زکوٰۃ سن 8۔ ہجری 178

غزوۂ تبوک

خطبہ تبوک 180
فرضیت حج 182
وفود کی آمد 183
حجۃ الوداع 183
خطبۂ حج 185

Marfat.com

- مدینے کی واپسی 188
- مرض الموت 189
- آخری دن 191
- وفات 191

چھٹا باب: اِسلامی تعلیمات

- عقائد اسلام 194
- عبادات 196

ساتواں باب: (1) اَخلاقِ نبوی

- صِدق 200
- امانت و دیانت 201
- عدل و مساوات 202
- رحم و کرم 204
- شجاعت 207
- رواداری 209
- سادہ زندگی 210
- سپہ سالاری 213
- سیاسی تدبُّر 216

Marfat.com

(2) عہد نبوی میں نظام سلطنت

- مالیات 218
- افسروں کا انتخاب 219
- حساب کی پڑتال 219
- مجلس مشاورت 220
- عہدیداران عہد نبوی 220
- تنخواہیں 222
- سفیر 222
- وفود کی آمد 223
- مالی نظام 223
- رجسٹر مردم شماری 224
- فوجی نظام 224

(3) ازواج النبی ﷺ

(4) اولاد نبی ﷺ

(5) معجزات النبی ﷺ

Marfat.com

خِلافتِ راشدہ

پہلا باب: حضرت ابوبکر صدیق

خلافت راشدہ 236
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی زندگی 237
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب 241
مسندِ خلافت سے پہلی تقریر 242
پہلا سیاسی منشور 243
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مشکلات 244
لشکرِ اُسامہ زید رضی اللہ عنہ کی روانگی 245
اُسامہ رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور واپسی 249

اِنسدادِ اِرتداد

منکرین زکوٰۃ سے جہاد 251
مدعیانِ نبوت کی سرکوبی 253
طُلَیحہ بن خُویلد پر حملہ 254
عرب میں سَجاح کی آمد 255
مالک کا قتل 257
مسیلمہ کذاب کا قتل 258
دیگر مُرتدّین کی سرکوبی 259

Marfat.com

- فتنہ ارتداد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شاندار کارنامہ 263

دوسرا باب: عہد صدیقی کی فتوحات

- فتح عراق 266
- ۱۔ جنگ کاظمہ 267
- ۲۔ جنگ مذار 269
- ۳۔ جنگ وَلَجہ 270
- ۴۔ جنگ اُلَیس 271
- ۵۔ فتح اَمغیشیا 272
- ۶۔ فتح حیرہ 273
- انبار کی تسخیر 275
- تسخیر عین التمر 276
- فتح دُومۃ الجندل 277
- حیرہ میں واپسی اور دیگر مقامات کی تسخیر 278
- معرکہ فراض 279
- خالد رضی اللہ عنہ کا حج 280

فتح شام

- اسباب 282
- مشورۂ جنگ 283
- جنگ یرمُوک 289
- معرکۂ یرموک کی اہمیت 292

Marfat.com

تیسرا باب: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت وسیاست

سیرت 294
حفاظت قرآن 296
غلط فہمی کا ازالہ 196
سیاستِ صدیق رضی اللہ عنہ 298

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت

مُلکی انتظام 301
مالی انتظام 303
فوجی نظام 303
غیر مسلم رعایا کی حفاظت 304
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات 305
سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ 306

چوتھا باب: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

ابتدائی زندگی 309
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا 311
شخصیت کا جائزہ 312
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب 313
خلافت کا پہلا خطبہ 314

Marfat.com

عہد فاروقی میں فتوحات

- فتح عراق 315
- جنگ قادسیہ 316
- فتح مدائن 321
- تسخیر جلولاء 322
- فتح حلوان 324
- کوفہ و بصرہ کی آبادی 324
- تسخیر الجزیرہ 325
- فتح خوزستان 325

فتح ایران

- فتح نہاوند 326
- سارا ایران زیر نگیں 327

پانچواں باب: فتح شام و مصر

- فتح دمشق 329
- تسخیر فحل 330
- فتح حمص 330

Marfat.com

فتح فِلَسطِین

جنگ اَجنادَین 331
فتح بیت المقدس 332

فتح مصر

پس منظر 335
تسخیر فَرما 336
فتح بلبیس 336
تسخیر قلعہ بابلیُون 337
فتح اسکندریہ 337
فتح طرابلس 339
مفتوحہ اقوام سے سلوک 339

چھٹا باب: عہد فاروقی میں نظام حکومت

طرزِ حکومت 341
صوبائی نظام 343
افسروں کا انتخاب ونگرانی 343
محکمہ عدالت 344
محکمہ پولیس 345
جیل خانے 345

Marfat.com

محکمۂ ڈاک 345
ٹکسال 345
محکمۂ فوج 346
مالی نظام 347
بیت المال 350
محکمۂ دیوان 351
رفاہِ عامہ کے کام 352
سنِ ہجری کا آغاز 353
غیر مسلم رعایا سے سلوک 353

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت وسیاست

سیرت 355
سیاست فاروقی رضی اللہ عنہ 357
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت 361

ساتواں باب: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

ابتدائی زندگی 363
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب 365

عہد عثمانی میں فتوحات

فتح طبرستان 366

Marfat.com

تسخیر خراسان 366
فتح طخارستان 367
تسخیر آذربائیجان و آرمینیا 368
فتح قبرص 368
مصر پر رومی حملہ 368
فتح طرابلس 370
اندلس پر حملہ 371
بحری جنگ 371
مصحفِ عثمان رضی اللہ عنہ 372

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت و سیاست

سیرت عثمانی رضی اللہ عنہ 374
سیاست عثمانی رضی اللہ عنہ 375
فتنۂ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ 377

عہد عثمانی میں نظامِ حکومت

نظام میں تبدیلی 379
اصلاحات 379
شکایات کا ازالہ 379
تنخواہوں میں اضافہ 380
بحری فوج اور بیڑہ 380
رفاہ عامہ کے کام 380

Marfat.com

آٹھواں باب: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

- ابتدائی زندگی 382
- انتخاب 383
- انتظامی مشکلات 384
- افسروں کی معزولی 384
- حضرت عائشہ ؓ اور جنگِ جمل 385
- حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا مشورہ 386
- نیا دارالخلافہ 389
- جنگِ صِفّین 390
- ثالثوں کا فیصلہ 391
- ظہورِ خوارج 393
- جنگ نَہر َوان 395
- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مصر پر قبضہ 396
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت 398

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت وسیاست

- سیرت 399
- سیاست 399

Marfat.com

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت

- خلافت سے دستبرداری 403

نواں باب: خلافت راشدہ پر تبصرہ

- خلیفہ کا مفہوم 404
- خلافت کا مفہوم 404
- خلفاء اربعہ 405
- جمہوری طریقۂ انتخاب 405
- عہدہ وزارت 406
- عہدہ کاتب 406
- خلفاء کا ذاتی کردار اور شخصی زندگی 406
- عدالت 407
- افسروں کا انتخاب اور نگرانی 407
- عوام کی آسائش 408
- مشاورتی حکومت 408
- بیت المال 408
- محکمہ فوج 409
- عدل ومساوات 409
- غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ سلوک 409
- فتوحات کی وسعت 410
- محکمۂ احداث 410

۱۴۲۴۷۸

Marfat.com

- جیل خانوں کا محکمہ 410
- محکمہ ڈاک 410
- محکمہ ٹکسال 411
- صوبائی نظام 411
- سن ہجری کا آغاز 411
- رفاہِ عامہ کے کام 412
- تہذیب وثقافت 412
- اشاعت اسلام 413
- تعلیم قرآن 413
- تعلیم حدیث 414
- مساجد کا قیام 414
- مکاتب فکر 414

بنواُمیہ کا عہدِ حکومت

- اموی خلفاء 417
- بنوامیہ کا شجرۂ نسب 418
- اُموی عہد حکومت 419
- اموی عہد کے اہم واقعات 420

پہلا باب: امیر مُعاوِیہ رضی اللہ عنہ

- بنوامیہ 423

Marfat.com

اسلامی حکومت میں بنو اُمیہ کی خدمات 424
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات 424
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت 425
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمال 425
مشرقی فتوحات 426
ترکستان کی فتوحات 426
افریقہ میں عقبہ کی پیش قدمی 427
قسطنطنیہ کا محاصرہ 428
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کی بغاوتیں 429
امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات 430
یزید کی ولی عہدی 431
امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست 434

دوسرا باب: یزید بن معاویہ

حادثہ کربلا محرم سن 61۔ہجری 438
شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ 439
امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت 440
مدینہ پر حملہ 441
مکہ کا محاصرہ 441

Marfat.com

معاویہ ثانی

تیسرا باب: مروان بن حکم

- مروان بن حکم 443
- عربوں کی خانہ جنگی 443
- مرج راہط کا معرکہ 445
- توابین 446

چوتھا باب: عبدالملک بن مروان

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

- مختار بن ابی عبید ثقفی 449
- خوارج 450
- عراق پر عبدالملک کی فوج کشی 450
- مکہ کا محاصرہ 451
- ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کا خاتمہ 451
- ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی سیرت 452

Marfat.com

حجاج بن یوسف ثقفی

- حجاج کے ابتدائی حالات 454
- حجاج کا داخلہ عراق میں 454
- خارجیوں کی بغاوت 456
- ابن اشعث کی بغاوت 456
- واسط کا آباد ہونا 458
- حجاج کی سیرت 458

عبدالملک کی فتوحات اور اصلاحات

- افریقہ کی جنگیں 459
- رومیوں کے ساتھ جنگیں 460
- عبدالملک کی اصلاحات 461

پانچواں باب: خلیفہ ولید

- ولید بن عبدالملک 463
- فتح ترکستان 464
- فتح سندھ 465
- شمالی افریقہ 467
- فتح اَندَلُس 467
- نقشہ اندلس 468

Marfat.com

فتح اندلس کے نتائج 471
رومیوں سے لڑائیاں 472
بحری انتظامات اور فتوحات 472
ولید کے عہد کے رفاہی کام 472
ولید کا عہد حکومت 473
زین العابدین علی رضی اللہ عنہ 474

چھٹا باب: سُلیمان بن عبدالملک

سلیمان کی تخت نشینی 475
نامور سپہ سالاروں سے بدسلوکی 475
فتح جرجان وطبرستان 477
قسطنطنیہ کا محاصرہ 477
سلیمان کی وفات اور سیرت 478

ساتواں باب: عمر بن عبدالعزیز

عمر بن عبدالعزیز کی سیرت 479

عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات

جاگیروں کی واپسی 480
فدک کا معاملہ 481
عاملوں کا محاسبہ 482

Marfat.com

ذمیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک 482
بدگوئی کی موقوفی 483
بیت المال کی اصلاحات 483
رفاہِ عامہ کے کام 483
اصلاحات کا نتیجہ 484
فرانس میں عربوں کا داخلہ 484
عمر بن عبدالعزیز کی وفات 485

یزید بن عبدالملک

یزید بن مُہلب کی بغاوت 486
دولت بنی اُمیہ کا اِنحطاط 487
یزید ثانی کی وفات 488

آٹھواں باب: ہشام بن عبدالملک

وسط ایشیا کے سیاسی حالات 490
آرمینیہ اور قفقاز کی جنگیں 491
عربوں کی پیش قدمی فرانس میں 491
جنگ طورش 492
عربوں کی پیش قدمی مشرقی فرانس میں 493
جزائر بحر المتوسط 494
بربروں کی بغاوت 494

Marfat.com

دعوتِ عبّاسیّہ

- دعوتِ عباسیہ کا آغاز 495
- دعوتِ عباسیہ کی ترقی 497
- امام محمد باقر 498
- ہشام کی وفات 499

نواں باب: ولید ثانی

یزید ثالث

مروان ثانی

- عباسی دعوت کی کامیابی 503
- جنگ زاب اور مروان کا قتل 504
- بنوامیہ کا خاتمہ 505
- بنوامیہ کے زوال کے اسباب 505
- اسلامی حکومت اموی عہد میں (نقشہ) 509

دسواں باب: اُموی عہد پر تبصرہ

- بنوامیہ کے عہد حکومت کی خصوصیات 510

Marfat.com

- اموی سلطنت کا نظم ونسق 512
- عہد اموی کا فوجی نظام 513
- عہد بنی اُمیہ کے مالی انتظامات 514
- اشاعت اسلام 516
- عہد بنی اُمیہ کی معاشرت 517
- عہد بنی اُمیہ کی علمی ترقی 518
- فنون 520

بنو عباس کا عہد حکومت

- پہلے دس عباسی خلفاء 521
- عباسی عہد کی خصوصیات 522
- عباسی عہد کے پانچ دور 524
- پہلا دور 524
- دوسرا دور 525
- تیسرا دور 526
- چوتھا دور 526
- پانچواں دور 527
- خلافت بنی عباس 528

پہلا باب: ابو العباس السفّاح

- سفاح کے ملکی انتظامات 529
- عہدہ وزارت 529

Marfat.com

- فتوحات 530
- سفاح کی وفات 530
- بنوعباس کا شجرۂ نسب 531
- ابوجعفر منصور 532
- خلیفہ منصور 532
- عبداللہ بن علی کی بغاوت 532
- ابومسلم کا قتل 532
- عبدالرحمن الداخل اندلس میں 533
- رومیوں کے ساتھ جنگ 533
- علویوں اور عباسیوں کے تعلقات 534
- نفس زکیہ کا خروج 535
- بغداد کا آباد ہونا 535
- مہدی کی ولی عہدی 537
- منصور کے عہد کے علمی حالات 537
- منصور کی سیاست اور سیرت 538

دوسرا باب: محمد مہدی

- مہدی کی خلافت 540
- زنادقہ کا استیصال 540
- مہدی کی وفات اور سیرت 541

Marfat.com

خلیفہ ہادی

تیسرا باب: ہارون الرشید

- ہارون الرشید کی خلافت 543
- رومیوں کے ساتھ جنگیں 543
- امین اور المامون کی ولی عہدی 544
- برامکہ کا عروج 544
- برامکہ کا زوال 546
- برامکہ کا شجرۂ نسب 547
- ہارون کے عہد کی علمی ترقی 547
- بیت الحکمۃ 547
- ہارون الرشید کی سیرت 548

محمد الامین

- امین کی خلافت 550
- امین اور ماموں کی باہمی جنگ 550
- بغداد کا محاصرہ اور امین کی وفات 551

Marfat.com

چوتھا باب: المامون

- مامون کا قیام مرو میں 553
- شورشیں اور بغاوتیں 553
- مامون کا داخلہ بغداد میں 554
- فتح صِقلّیہ 555
- عربوں کی حکومت صقلیہ میں 556
- رومیوں کے ساتھ جنگ 556
- اہل عجم کا غلبہ مملکت اسلام میں 557
- مامون کے عہد میں علمی ترقی 558

اعتزال

- ابتداء 560
- مُعتزِلی عقائد 560
- عقیدہ ''خلق قرآن'' 562

پانچواں باب: مُعتَصِم باللہ

- ترکوں کو داخلہ اسلامی فوج میں 564
- سامرّا کی آبادی 565
- رومیوں کے ساتھ جنگ 565

Marfat.com

واثق باللہ

❁ دورِ اول کے اہم واقعات کا خلاصہ 568

چھٹا باب: ترکوں کا غلبہ

المُتوکل علی اللہ

❁ ترک لشکریوں کے خلاف متوکل کی جدوجہد 571
❁ سامرا کی عمارات 572
❁ متوکل کا قتل 572
❁ متوکل کی سیرت 573
❁ مستنصر باللہ 574
❁ مستعین باللہ 574
❁ مستعین باللہ کا قتل 574

خودمختار حکومتیں

❁ خودمختار حکومتوں کی ابتداء 575
❁ طبرستان کی علَوی حکومت 576
❁ خاندان صفاریہ 576
❁ طولونی خاندان 577

Marfat.com

- معتمد علی اللہ 577
- حدیث نبوی e کی تدوین 578
- خاندانِ سامانیہ 579

ساتواں باب: فرقہ اسمٰعیلیہ

- فرقہ اسمٰعیلیہ کی ابتداء 581
- اسمٰعیلی دعوت 582
- قرمطی تحریک 584
- قرامطہ کا ظہور 584
- مُعتضِد باللہ 585
- بحرین کی قرمطی حکومت 585
- مکتفی باللہ 586
- بنوحمدان 586
- مقتدر باللہ 587
- خاندانِ فاطمیہ کی ابتداء 587
- القاہر باللہ 588
- راضی باللہ 588
- امیر الامراء کا تقرر 589
- المتقی للہ 589
- مستکفی 590

Marfat.com

آٹھواں باب: عباسی عہد کا تیسرا دور، دیلم کا زمانہ

خاندان بویہ یا دیالمہ کی ابتداء 591

بنو بویہ بغداد میں 592

مطیع للہ 593

دولت فاطمیہ مصر میں 593

طائع للہ 594

بنو بویہ کی مذہبی اور سیاسی روش 595

نواں باب: عباسی عہد کا چوتھا دور، سلاجقہ کا زمانہ

القائم بامر اللہ 596

سلجوقی سلطنت

سلاجقہ کی اہمیت اسلامی تاریخ میں 597

سلاجقہ کی ابتداء 597

طغرل بیگ سلجوقی 598

الپ آرسلان سلجوقی 599

جنگ ملازگرد 600

ایشیائے کوچک کی فتح 600

نظام الملک طوسی 601

مدرسہ نظامیہ 602

Marfat.com

- ملک شاہ سلجوقی 602
- حسن بن صباح 603
- سلاجقہ کی خانہ جنگی 605
- سلطان غیاث الدین محمد 605
- سلطان سنجر سلجوقی 606
- سلاجقہ کی متفرق شاخیں 607
- اتابیگ 607

دسواں باب: صلیبی جنگیں

- پہلی صلیبی جنگ 609
- بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ 610
- عمادالدین زنگی 611
- نورالدین زنگی 611
- دوسری صلیبی جنگ 612
- فاطمیہ مصر کا زوال 613
- سلطان صلاح الدین کا عروج 613
- بیت المقدس کی فتح 614
- تیسری صلیبی جنگ 615
- سلطان صلاح الدین کی سیرت اور وفات 616
- صلیبی جنگوں کا خاتمہ اور ان کے نتائج 616
- صلیبی جنگوں کے اثرات 617

Marfat.com

گیارہواں باب: عہد عباسی کا پانچواں دور
سلاجقہ کے زوال سے سقوط بغداد تک

- بغداد کی حالت سلاجقہ کے بعد 618
- خلیفہ الناصر 619
- خوارزم شاہیہ 619
- تاتاریوں کا ظہور 620
- غارتِ تاتار 621
- خلیفہ مستنصر باللہ 623
- مستعصم باللہ 624
- سقوطِ بغداد 624

دولت عباسیہ کے زوال کے اسباب

- ترکوں کی چیرہ دستی 626
- عربوں کی بددلی اور علیحدگی 627
- علویوں کی مخالفت 627
- شخصی حکومت کی خرابیاں 629

بارہواں باب: عباسی نظام حکومت وثقافت

- عباسی نظام حکومت وثقافت 631

Marfat.com

- خلافت 631
- وزارت 632
- مرکزی حکومت کے شعبے 632
- محکمہ قضاء 634
- صوبہ جات 634
- فوجی نظام 636

اندلس میں اسلامی حکومت

- فتح اندلس 638
- اندلس کے امیر 639
- عبدالرحمن الداخل 640
- عبدالرحمن الناصر (ثالث) 642
- الحکم ثانی بن عبدالرحمن الناصر 643
- ہشام بن حکم 643
- قرطبہ کی شان وشوکت 644
- مدینۃ الزہراء 645
- ملوک الطوائف 646
- مرابطین 647
- موحدین 647
- سلطنت غرناطہ 648

Marfat.com

عہد عباسی کی ثقافت، معاشرتی واقتصادی حالات

- معاشرت 649
- اقتصادی حالات 650
- علم وادب 651
- فنون لطیفہ 652
- کتب خانے 653
- مدرسے 653

Marfat.com

عرض ناشر

الحمدللّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الأمین، أما بعد:

تاریخ نگاری ایک فن ہے اور اس فن میں اہل علم نے بہت سی خدمات سرانجام دی ہیں، متقدمین ومتاخرین ائمہ دین نے اس موضوع پر خاص توجہ مرکوز کی اور اسلامی تاریخ سے جڑے ہوئے کسی بھی حصے کو نظر انداز کیے بغیر صفحۂ قرطاس کی زینت بنا دیا، چونکہ یہ سارا مواد عربی زبان میں ہے اور عربی سے نا آشنا لوگ اپنی تاریخ سے بھی آشنا نہیں ہو پاتے، چنانچہ اس حقیقت کا اِدراک کرتے ہوئے معروف علمی شخصیت پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ نے اردو زبان میں ''تاریخ اسلام'' مرتب کی جو جامعیت و نافعیت کا عظیم شاہکار ہے اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ اُردو زبان میں اس سے قبل ایسی کوئی کاوش منظر عام پر نہیں آئی کیونکہ جو کتب مارکیٹ میں دستیاب ہیں وہ تاریخ کم اور رطب و یابس کا مرکب زیادہ لگتی ہیں۔ زیر نظر کتاب میں تاریخی واقعات کے چناؤ میں صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے جو اسے دوسری کتب سے مزید ممتاز کر دیتی ہے۔ پروفیسر صاحب کے فرزند ارجمند میجر زبیر قیوم (ر) نے اپنے والد محترم کی وفات کے بعد ان کی کتب اور دیگر تحریروں کو منظر عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا ہے جسے وہ اپنے علمی ذوق کی بنا پر بڑی خوبصورتی سے نبھا رہے ہیں۔ تاریخ اسلام کی اشاعت کے لیے انھوں نے مکتبہ اسلامیہ پر اعتماد کیا جو یقیناً ہمارے ادارے کی سعادت ہے۔

قارئین کرام! ہماری ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قاری اور کتاب کا تعلق گہرے سے گہرا ہوتا چلا جائے اور اس میں کسی قسم کی دراڑ نہ آئے، لہٰذا حُسنِ انتخاب کے بعد پوری تندہی سے ظاہری و باطنی حسن سے آراستہ کر کے ہی کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ دیگر کتب کی طرح ہماری اس پیش کش کو بھی تحسین کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مولف، ناشر و جملہ معاونین کی نجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

محمد سرور عاصم

مدیر مکتبہ اسلامیہ

لاہور فیصل آباد

Marfat.com

نقشہ جات

- جزیرۃ العرب (عہد نبوی میں) ۸۳
- جنگِ بدر ۱۳۰
- جنگِ اُحد ۱۳۵
- جنگِ خندق ۱۴۵
- نقشہ اندلس ۴۶۸
- اسلامی حکومت (عہد بنواُمیّہ میں) ۵۰۹

Marfat.com

اِنتساب

اُن شہیدوں اور غازیوں کے نام جن کی

بہادری اور شجاعت کے کارنامے تاریخِ

اِسلام کی زینت بنے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشِ احوال

(اشاعتِ اوّل)

یہ کتاب تاریخ اسلام کے طالب علموں کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اس کتاب کو طلبہ کے لیے ہر لحاظ سے مکمل اور مفید بنایا جائے۔ مستند تاریخی معلومات درج کی گئی ہیں۔ اور ہر جگہ طلبہ کی ضروریات اور معیار کا خیال رکھا گیا ہے۔

کتاب کی تیاری میں تمام قدیم و جدید کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

چند ضروری نقشہ جات بھی شامل کر دیے گئے ہیں تا کہ واقعات کے سمجھنے میں طلبہ کو آسانی ہو۔

کتاب کی افادیت کو بڑھانے کے لئے تمام مشورے بصد شکریہ قبول کئے جائیں گے۔

مؤلف

(اکتوبر۔ ۱۹۶۵ء)

Marfat.com

تقدیم

(از: ڈاکٹر شیر محمد زمان چشتی)

(اشاعت جدید)

برصغیر پاک و ہند میں پروفیسر عبدالقیوم (۱۹۰۹ء۔۱۹۸۹ء) کا اسم گرامی بیسوی صدی کے نصف آخر میں شہرت پانے والے عربی ادب وعلوم اسلامیہ کے فضلاء واساتذہ کی صف میں ایک معروف اور محترم و مؤقر نام ہے۔ جنوبی ایشیا میں ہی نہیں، عالمی سطح پر بھی عربی و اسلامی علوم و آداب کے حلقہ میں وہ سندِ اعتبار واعتراف سے سرفراز ہوئے۔

اوّلاً زمیندارہ کالج گجرات، گورنمنٹ کالج ہوشیار پور اور لدھیانہ میں تدریسی خدمت سر انجام دینے کے بعد قیام پاکستان کے ساتھ ہی ۱۹۴۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور جیسی ممتاز درسگار سے شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ کے لیکچرار کی حیثیت سے وابستہ ہوئے، اور ۱۹۶۸ء میں ریٹائر ہونے کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ دائرۃ المعارف اسلامیہ (اُردو) میں سینئر ایڈیٹر کی حیثیت سے بیس سال سے زائد مدت بیش بہا تحقیقی وتالیفی خدمات سرانجام دیتے ہوئے بالآخر ۱۹۸۹ء میں سفرآخرت پر روانہ ہوئے۔

۱۹۵۲ء سے گورنمنٹ کالج میں اپنے منصبی فرائض کی بطریق احسن بجاآوری کے علاوہ اپنے بزرگ رفیق اور عالمی شہرت یافتہ فاضل و محقق ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کے ساتھ اعزازی طور پر یونیورسٹی اورینٹل کالج کے شعبۂ عربی میں ایم اے کی کلاسوں کی تدریس کا آغاز کیا اور ریٹائرمنٹ تک اس شعبہ کے رکن رکین رہے۔

عربی زبان وادب میں ان کے گراں قدر تحقیقی کام کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں مگر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے اچھے تدریسی کیریئر کے آغاز کے ساتھ ہی سکول اور کالج کے طلبہ کے لیے عربی زبان وادب اور تاریخ اسلام پر نہایت وقیع نصابی وغیر نصابی کتب کی تصنیف و

Marfat.com

تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔

زیرِ نظر کتاب ''تاریخ اسلام'' بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ ۶۰۰ سے زائد صفحات پر محیط اس کتاب کی پہلی اشاعت انڈس پبلشنگ کمپنی اُردو بازار لاہور کے اہتمام سے اکتوبر ۱۹۶۵ء میں ظہور پذیر ہوئی۔

آغاز میں ''گزارش احوال'' کے عنوان کے تحت فاضل مصنف کی اپنی تصریح کے مطابق یہ کتاب کالج کے طلبۂ تاریخِ اسلام کے لیے مرتب کی گئی تھی۔

۱۹۸۹ء میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے سعادت مند اور علم دوست فرزند میجر (ر) زبیر قیوم نے آپ کی منتشر علمی و ادبی تحریروں کی ترتیب اور غیر مطبوعہ تحقیقی کام کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ فوج سے تقاعد (ریٹائرمنٹ) کے بعد وہ بی بی جے پائپ انڈسٹریز کے نام سے ایک شہرت پزیر صنعتی ادارہ چلانے میں سرگرم ہیں اور اپنے ''بسطۃ فی العلم والعمل'' والدِ گرامی کی خدمت میں ایک فرزندِ ارجمند کے خراج عقیدت کے طور پر مسجدِ مبارک (متصل اسلامیہ کالج ریلوے روڈ) کی توسیع، اس کے ساتھ ایک جدید ثروت مند لائبریری اور دار المعارف کے نام سے ایک باوقار دینی تحقیقی ادارہ کے قیام جیسی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔

اسی ضمن میں عربی کے مشہور و معروف لغت لسان العرب کی فہارس کی چار جلدوں میں صوری و معنوی محاسن سے مزیّن اشاعت کے علاوہ اُن کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ اُردو اور انگریزی مضامین بھی ترتیب نو کے ساتھ شائع کر چکے ہیں۔

موجودہ کتاب کی یہ جدید اشاعت بھی ان کی اسی کاوش کا نتیجہ ہے۔

کتاب کے مواد کو مندرجہ ذیل پانچ اجزاء میں تقسیم کیا گیا ہے:

نمبر ا، تعارف۔ اسلامی تاریخ کا پس منظر۔ مشرقِ قریب میں قدیم تہذیبیں اور جزیرۃ العرب (ا۔۸۳)

نمبر ۲، ظہور اسلام۔ سیرت النبی (۸۴۔۲۳۳)

Marfat.com

نمبر۳، خلافتِ راشدہ (۲۳۵۔۴۱۵)

نمبر۴، بنو اُمیہ کا عہد خلافت (۴۱۶۔۵۲۰)

نمبر۵، بنو عباس کا دورِ خلافت (۵۲۱۔۶۳۶)

غالباً اندلس میں اسلامی حکومت کا باب بھی شامل کتاب تھا، مگر دستیاب نسخہ میں مواد نہ ملنے کے باعث یہ حصہ اس اشاعت میں شامل نہیں ہوسکا۔

جُزءِ اوّل تاریخ اسلام کے مطالعہ کے لیے تاریخی پس منظر فراہم کرتا ہے، دو ذیلی اجزاء پر منقسم اس حصہ کی پہلی فصل جزیرہ نمائے عرب کے اردگرد منصۂ شہود پر آنے والی قدیم تہذیبوں کے مختصر تذکرہ پر مشتمل ہے، جبکہ دوسری فصل میں خود جزیرۂ عرب کی سیاسی، معاشرتی اور مذہبی تاریخ کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

جزءِ دوم جس سے ظہورِ اسلام کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ کی سیرت طاہرہ کا ایک لائق ستائش جامع خلاصہ ہے جسے بجائے خود سیرت پر ایک عمدہ کتابچہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

جزءِ سوم میں خلافت راشدہ کے عہد کا تاریخی جائزہ پیش کیا گیا ہے جو اپنی معروضیت و متانت کے ساتھ ایک قابل قدر کاوش ہے، اس دور کی فتوحات کے بارے میں اصل مصادر سے مأخوذ بعض ایسی تفاصیل بھی آگئی ہیں جو اس نوعیت کی عام کتابوں میں نہیں ملتیں۔

جزءِ چہارم بنو اُمیہ کے دور خلافت کا احاطہ کرتا ہے اس کے شروع میں ہی اُموی خلفاء کی فہرست مع سنین (ہجری و عیسوی)، اُن کا شجرۂ نسب، عہدِ اُموی پر مختصر تبصرہ اور ہر خلیفہ کے عہد کے اہم واقعات (مع سنین) کا جدول گویا اس دور کی مختصر تصویر قاری کے ذہن پر منعکس کر دیتا ہے۔

جزءِ پنجم بنو عباس کے دور کی تاریخ پر مشتمل ہے اس کے آغاز میں ابوالعباس سفاح سے المتوکل تک پہلے دس خلفاء کے اسماء (مع سنین) بنو عباس کا شجرۂ نسب، عہدِ عباسی پر مختصر تبصرہ اور پانچ صدیوں پر محیط عباسی خلافت کے پانچ تاریخی ادوار کی تصریح اور ہر دور کا مختصر جائزہ دیدیا گیا

Marfat.com

ہے، اس جامع خلاصہ کی روشنی میں عہد عباسی کی پوری تاریخ کی تفہیم کو آسان کر دیا گیا ہے۔

کالج کی سطح کے لیے لکھی گئی اس کتاب میں مصادر و مراجع کے حوالے بجا طور پر غیر ضروری سمجھے گئے ہیں، مگر اس نوعیت کی دیگر نصابی کتب کے تناظر میں اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ تمام معلومات معتبر اور مستند اور اصل مآخذ پر مبنی ہیں۔ جبکہ تاریخ کے عام اساتذہ و مصنفین کی بالعموم ان عربی مصادر تک رسائی نہیں ہوتی، صحیح تلفظ کے لیے غیر مانوس اسماءِ رجال و امکنہ پر ضروری اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مقامات و وقائع کی بہتر تفہیم کے لیے حسب موقع کل ٦ نقشہ جات بھی شامل کتاب ہیں۔

اس کتاب کے بغور مطالعہ سے احوال و واقعات کا مفصل خاکہ تاریخی تسلسل کے ساتھ آپ کے ذہن میں محفوظ ہو جائے گا، فکر و تدبر کے ساتھ آپ کسی بھی دور کے تنقیدی اور معروضی جائزے (Objective criticism) کے لیے صحیح اور مستند معلومات کے اس ذخیرے کا مؤثر استعمال کر سکتے ہیں، تاریخی سیاق و سباق میں اس خطے اور اس دور کی اسلامی تاریخ کا یہ بنیادی خاکہ مزید مطالعہ و تحقیق کے لیے بھی آپ کی کاوش کو آسان تر بنا دے گا۔

مثال کے طور پر پروفیسر فلپ خُوری حِتّی (P.K.Hitti) کی معروف و مقبول کتاب اے ہسٹری آف دی عربینز (A History of the Arabians) نصف صدی سے زائد گزر جانے کے بعد آج بھی اپنے موضوع پر ایک قابل قدر جامع تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے کثیر التعداد حواشی سے مصادرِ اصلی (Original sources) اور معاصر فضلاء کی تحریروں کے بارے میں بھی نہایت مفید راہنمائی ملتی ہے۔

اگر آپ تاریخ، اسلامیات یا عربی میں ایم اے کی سطح کے طالب علم ہیں یا وفاقی، صوبائی پبلک سروس کمیشن کے مقابلے کے امتحان میں تاریخ اسلام کے پرچے کا امتحان دے رہے ہیں جہاں ذریعۂ اظہار کے طور پر انگریزی زبان کے استعمال کی ہی اجازت ہے تو زیر نظر کتاب کا مطالعہ حِتّی کی تاریخ جیسی کتابوں سے بہتر اور سریع الفہم استفادہ کے لیے آپ کا

Marfat.com

راستہ آسان کر دے گا۔

آخر میں جناب زبیر قیوم کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس ناچیز کو مکرم و محترم استاذِ گرامی پروفیسر عبدالقیوم صاحب مرحوم و مغفور کی اس تصنیف کی جدید اشاعت کے لیے یہ تقدیمی سطور تحریر کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

(شیر محمد زمان چشتی)
ایم اے (پنجاب)، پی ایچ ڈی (ہارورڈ)
سابق وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
سابق وائس چانسلر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی
وسابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

اسلام آباد
۱۲ جنوری ۲۰۱۵ء

Marfat.com

مقدمہ

(از: پروفیسر محمد یحیٰ جلالپوری)

کتاب کی تصنیف کے وقت ہر مصنف ایک واضح مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے۔ استادِ محترم پروفیسر عبدالقیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ اسلام کو پڑھ کر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا مقصد محض تاریخی حقائق کو اچھے اسلوب کے ساتھ پیش کر دینا نہیں تھا بلکہ پڑھنے والوں میں تاریخ کے مطالعہ کا ذوق پیدا کرنا، پوری غیر جانب داری سے اسباب و نتائج پر غور کرتے ہوئے واقعات کی گہرائیوں میں اترنے، قوانینِ قدرت کو سمجھنے اور ان سے حاصل ہونے والے اسباب و عبر کی جستجو کی طرف مائل کرنا بھی تھا۔ تاریخ کے مطالعے کا یہ انداز نہ صرف علمی اور فکر انگیز ہے بلکہ اس سے قاری کو ایک اچھوتا لطف بھی حاصل ہوتا ہے۔

پروفیسر صاحب بحیثیت استاد اپنی اس کتاب کے ذریعے اپنا یہ عظیم مقصد حاصل کرنے میں مکمل طور پر کامیاب رہے۔ آج بھی اس کتاب کا مطالعہ کرنے والا اگر وہ غبی نہیں تو مطالعہ تاریخ کا رسیا اور حقائق کا جویا بن جاتا ہے۔ انھوں نے تاریخ اسلام کے اہم ترین ادوار کو جس طرح فصاحت، خوبصورت تسلسل اور لطیف تجزیے کے ساتھ پیش کیا ہے وہ انھی کا حصہ ہے۔

یہ خوبیاں اس کمال کے ساتھ ہمارے دور کے اکثر تاریخ نویسوں کے ہاں نظر نہیں آتیں۔

کتاب کا سب سے ضخیم اور سب سے وقیع حصہ اس کا پہلا حصہ ہے جو سیرت نبوی پر مشتمل ہے۔ دنیا کے عظیم رہنما اپنے اپنے زمانے کے حالات کے دھارے کے رخ پر چلتے ہوئے اپنی عظیم صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں اور اپنی اپنی قوموں کی امنگوں اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل کرتے اور نام پاتے ہیں۔ انبیا کی قیادت یکسر مختلف قیادت ہوتی ہے۔ وہ حالات کے دھارے پر نہیں چلتے، حالات کے دھارے کے رخ یکسر بدلنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کا کامل ترین نمونہ ہیں۔ آپ نے تمام انبیا سے بڑھ کر ان کی

Marfat.com

نسبت انتہائی مختصر عرصے میں حالات کے رخ کو بدترین خرابی اور تباہی سے مکمل طور پر موڑ کر پوری انسانیت کو فلاح کی طرف گامزن کر دیا۔ آپ اور آپ کے تربیت یافتہ رجال کار کا عہد ہر اعتبار سے، انسانی تاریخ کا بے مثال اور روشن ترین عہد ہے۔

غیر جانب دار مورخوں کے نزدیک آپ ﷺ تاریخ انسانی کے کامیاب ترین رہنما ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا عہد نبوت محض تیئس سال پر مشتمل ہے۔ ان تیئس برسوں میں جو عظیم الشان تبدیلی آئی، جس طرح کے واقعات رونما ہوئے، جن شدید مزاحمتوں کا آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جو تعداد میں کم اور وسائل کے اعتبار سے کمزور تھے، سامنا کرنا پڑا، ان تمام باتوں کا اس طرح احاطہ کرنا کہ ایک ایک چیز کا نقش واضح ہوتا جائے، تبدیلی کی ہر عظیم کاوش اور اس کاوش کی راہ میں اٹھائی جانے والی مشقتوں، لگنے والے زخموں کا اور ان سب کے باوجود بدترین دشمنوں سمیت ہر انسان کے لیے اپنے دامن کی رحمتوں کو وسیع کیے رکھنے کی تفصیلات کا احاطہ کرنا ان کو خوبصورتی سے قارئین کے ذہن نشین کرتے چلے جانا صاحبِ کتاب کی کامیابی کی دلیل ہے۔

کتاب کو پڑھ کر تاریخ کی اس عظیم ترین اور کامیاب ترین جدوجہد کا واضح نقشہ ذہن میں ابھرتا چلا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کے وہ اچھوتے پہلو جو اس عظیم جہد و جہد کی کامیابی کے ضامن تھے نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کا ساتھ دینے والوں کی شخصیتوں میں جو عظیم تبدیلیاں آ رہی تھیں وہ ایک تسلسل سے نظروں کے سامنے نمایاں ہوتی جاتی ہیں اور جس طرح غیر جانبداری کا تقاضا ہے، ان ساتھیوں کی شخصیتوں کے وہ پہلو بھی سامنے آتے جاتے ہیں جن کے مزید نکھرنے اور سنورنے کی ضرورت تھی۔ جنگ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی کے ساتھ واپس چلے جانے والوں کی بات ہو یا حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کا اپنا مورچہ چھوڑ دینے کا واقعہ سب کا تذکرہ موجود ہے۔

اس عہد کی عدیم المثال کامیابیوں کے سفر کا تذکرہ اس طرح تسلسل سے کیا گیا ہے کہ حالات بدلنے کے تمام عوامل، کیے جانے والے فیصلوں کی حکمتیں، تبدیلیوں سے پیدا ہونے والی مزید تبدیلیوں، واقعات سے جنم لینے والے مزید واقعات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لہرانے لگتا

Marfat.com

ہے۔قاری کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ عالم اسباب کا عالم ہے اور کامیابی یا ناکامی کا انحصار بنیادی طور پر قوانینِ قدرت کے مطابق ان اسباب کے فائدہ اٹھانے پر ہے۔

بظاہر سمجھ میں نہ آنے والی ان دیکھی مدد بھی اس سلسلے میں کی جانے والی جدوجہد کے رخ کے عین مطابق ہوتی ہے۔

اس خوبصورت کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی بڑے انقلاب کی بنیاد دراصل اس انقلاب پر ہوتی ہے جو انسانوں کی شخصیت اور سیرت میں پیدا ہوتا ہے۔

ان کی جدوجہد کا ہدف درست ہو، طریق کار صحیح ہو اور مقصد کی حقانیت پر یقین ہو تو کامیابی قدم چومتی ہے۔

اسی طرح ان گروہوں یا افراد کا تذکرہ کرتے ہوئے جن کا کردار تاریخ میں قابل رشک نہ تھا بلکہ واضح طور پر منفی تھا، انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا اور ان کی خامیوں اور خرابیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خوبیوں کو بھی قاری کے سامنے پیش کر دینا سچے اور باکمال تاریخ نویس کا شیوہ ہوتا ہے۔ پروفیسر عبدالقیوم صاحب اس حوالے سے بھی بہت اونچے مقام پر فائز ہیں۔قرآن نے سورۃ المائدۃ آیت:۸ میں ہمیں یہی سکھایا ہے کہ ''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ''

پروفیسر صاحب نے اس ذمہ داری کو انتہائی خوبی کے ساتھ نبھایا ہے۔خوارج یقیناً ایک شورش پسند باغی گروہ تھا لیکن پروفیسر صاحب نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ مثلاً آپ لکھتے ہیں: ''مہلب خارجیوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھا جو انتہائی درجہ کے جانباز اور سرفروش واقع ہوئے تھے، ان کا ایک ایک فرد سینکڑوں پر بھاری تھا، ان کو زیر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔'' (ص:۴۵۶)

پروفیسر صاحب نے جہاں بھی ان کا تذکرہ کیا تصویر کے دونوں رخ ساتھ ساتھ دکھائے۔ آپ لکھتے ہیں: ''خوارج بڑے بہادر، نڈر اور جانباز لوگ تھے۔ جب شکست کھاتے تو عارضی طور پر دب جاتے مگر مناسب موقع پاتے ہی پھر اٹھ کھڑے ہوتے۔غرض انھوں نے ایران کے مختلف

Marfat.com

صوبوں میں کئی سال تک ہنگامہ برپا رکھا۔ لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے، عورتوں اور بچوں تک کو بے رحمی سے قتل کیا۔'' (ص: ۴۵۰)

حجاج بن یوسف کے بارے میں مسلمانوں کی رائے ہمیشہ منفی رہی۔ اس نے لوگوں پر جو مظالم ڈھائے ان کی وجہ سے وہ اپنے دور کی تاریخ کی ایک ''ولن'' (ناپسندیدہ کردار) رہا۔ یہاں پروفیسر صاحب نے اس کی شخصیت کو بھی انتہائی غیر جانب داری کے ساتھ پیش کیا بلکہ مخالفانہ نہیں ہمدردانہ زاویے سے اس پر نظر ڈالی اور اس کی شخصیت کے دونوں پہلوؤں کو بلا کم و کاست پیش کر دیا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جس وقت اس نے عراق کی ولایت سنبھالی وہاں کے لوگ اموی حکومت سے سخت متنفر تھے اور اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ لہٰذا ان کو مطیع بنانے کے لیے حجاج کو بڑی سختی کرنی پڑی اور ہزاروں لوگوں کا خون بہانا پڑا۔ اس طریق سے وہ عراق میں امویوں کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی خونریزی کے لیے ایسا بدنام ہوا کہ اس کی جفاکاری اور سفا کی ضرب المثل بن گئی اور تاریخ کی کتابوں میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گئی۔ سختی کے ساتھ حجاج میں کچھ خوبیاں بھی تھیں...... (ص: ۴۵۸، ۴۵۹)

پروفیسر صاحب نے عام مورخین کے برعکس تاریخی روایات کو قبول یا رد کرنے کے لیے اعلیٰ معیار اپنایا۔ ان کے مصادر انتہائی بلند پایہ ہیں۔ سیرت میں انھوں نے صحیح احادیث کو اصل مآخذ قرار دیا۔ ان میں بھی بخاری اور مسلم کی احادیث کو ترجیح دی۔ یہ بات ان کی کتاب میں درج حقائق کے حوالہ جات سے واضح ہو جاتی ہے۔ خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہی صورت نظر آتی ہے۔ بعد کے ادوار میں انھوں نے انتہائی محتاط مورخین مثلاً طبری، ابن سعد، ابن کثیر وغیرہم کی روایات کو ترجیح دی ہے۔ ان کے اس التزام کی بنا پر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ ان کی کتاب تاریخ کی مستند ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ ماہرانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیوں سے یہ کتاب اور بھی زیادہ وقیع ہو گئی ہے۔ اس کے مطالعے سے آغاز کرنے والے طلبا اور دیگر قارئین کے ذہن میں تاریخ اسلام کا انتہائی صحیح اور متوازن نقش اجاگر ہوگا اور وہ اس افراط و تفریط سے

Marfat.com

محفوظ رہیں گے جو اکثر تاریخ نویسوں کے ہاں عام طور پر نظر آتی ہے۔

یہ کتاب طالب علموں ہی کے لیے نہیں، ہر پڑھے لکھے شخص کے مطالعے کے لیے انتہائی اہم ہے کیونکہ تاریخ پر صحیح اور مستند نقطہ نظر رکھے بغیر کوئی شخص کس طرح پڑھا لکھا کہلا سکتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ کتاب تاریخ کی ایک روکھی پھیکی کتاب نہیں۔ اس کا طرز بیان اتنا شگفتہ ہے کہ اسے پڑھنا شروع کریں تو جتنا بھی وقت گزر جائے اسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہمیں یقین ہے تاریخ کا ذوق رکھنے والے قارئین تو ایک طرف تاریخ بیزار حضرات بھی اس کتاب کے مطالعے سے تاریخ کے مطالعے کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ پروفیسر عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علمی ذخیرے کی اشاعت کرنے والوں سب کی مساعی کو قبول فرمائے۔

پروفیسر محمد یحییٰ جلالپوری

سابق پروفیسر اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

سابق پروفیسر یونیورسٹی آف نائیجیریا (افریقہ)

188-A پی۔سی۔ایس۔آئی۔آر II لاہور

بدھ یکم جون 2016ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

(از: حافظ محمد اسلم شاہدروی)

تاریخِ اسلام تصنیف وتالیف کا اہم موضوع اور دنیا بھر کے لوگوں کے مطالعہ کی دلچسپی کا مرکز ہے۔ پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیات وسیرت کے بعد خلفاء راشدین، خلفاء بنوامیہ، خلافت بنوعباس وغیرہ پر بہت کچھ لکھا اور شائع کیا گیا ہے۔ اس موضوع میں توجہ طلب امر یہ ہے کہ عرب کے چند دیہاتی، بوریا نشین کس طرح اپنے وقت کی سپر طاقتوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور صدیوں سے قائم موروثی خاندانی ومخصوص مذہبی لیکن مضبوط حکومتوں کو ختم کر کے فرمانروائے عالم بن گئے۔

دنیا میں بسنے والے انسانوں کی اکثریت ظلم وستم کی چکی میں پس رہی تھی اور آسمانی یا مذہبی کتب وتعلیمات کی روشنی میں ایک نجات دہندہ کی منتظر تھی۔ چند برسوں کی محنت سے قائم ہونے والا اسلامی معاشرہ جو ایک عظیم سیاسی اور سماجی نظام بن گیا، اُسے دنیا بھر کے لوگ نجات دہندہ سمجھ کر قبول کرنے لگے۔

اس نظام کے تحت عدل ومساوات کے حقیقی تصورات پر مشتمل یہ نظام حکومت سات سو سال تک دنیا کے زیادہ تر حصے میں ایک مرکزی نظام کے تحت قائم رہا، اس دوران اس کی حدود وسعت پذیر رہیں اور خلق خدا خدائی برکات سمیٹتی رہی۔

زیرِ نظر کتاب میں علومِ اسلامی وعربی کے ماہر، ممتاز دانشور، عظیم مفکر و ادیب، استاذ الاساتذہ جناب پروفیسر عبدالقیوم نے اس وسیع موضوع کے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ پروفیسر صاحب کے احوال وتصنیفی خدمات کا ذکر آئندہ سطور میں ہوگا۔

تاریخِ اسلام اکتوبر ۱۹۶۵ء میں انڈس پبلشنگ ہاؤس اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع

Marfat.com

کی گئی۔ یہ کتاب بنیادی طور پر ان لوگوں کے لیے لکھی گئی ہے جو تاریخ کے مطالعہ کا آغاز کر رہے ہوں، لیکن فاضل مصنف نے اس کو ایسی جامعیت سے تالیف کیا ہے کہ یہ منتہی طالب علموں ہی کے لیے نہیں، فضلاء اور سکالرز کے لیے بھی ایک عظیم تحفہ ہے۔

اس کتاب کے چند حصے ہیں، ہر حصے میں باب بندی کی گئی ہے، ہر حصہ بجائے خود اپنی تفصیلات کے ساتھ مستقل اور علیحدہ کتاب بن سکتا ہے، ہر باب کے آخر میں تجزیہ و تحلیل نچوڑ کے طور پر کتاب کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔

تاریخِ اسلام کے حرف بحرف مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصنیف کے لیے:

ا۔اختصار ۲۔جامعیت ۳۔آسان الفاظ کا چناؤ اور ۴۔معتبر واقعات کو بنیاد بنایا گیا ہے، ان اصولوں پر مرتب کی گئی اِس کتاب میں کچھ اور خوبیاں اور امتیازات بھی پیدا ہو گئے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

ا اور ۲۔ اختصار و جامعیت: مؤلف نے ان دونوں کا اکٹھا التزام کیا ہے، سات صدیوں کی علمی، ادبی، سیاسی اور تہذیبی تاریخ کو کم و بیش پانچ سو صفحات میں سمیٹ لینا اور ایسی عبارات میں سمو دینا اُن ہی کا خاصہ ہے کہ جن عبارات میں اکتاہٹ والی طوالت اور تشنگی والا اختصار بالکل نہیں ہے۔

اس کی ایک مثال: ''ہجرت مدینہ کی اہمیت'' کا عنوان ہے، جو صرف دو صفحات پر مشتمل ہے، لیکن اس میں اسلامی جدوجہد کا خلاصہ آ گیا ہے، اس میں مکی زندگی کی بالخصوص دعوتی مشکلات، ہجرت کی اہمیت، یثرب کی جغرافیائی اہمیت، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی کاوشیں، اسلامی تقویم (کیلنڈر) کا آغاز، مواخات، آزاد اسلامی معاشرت، ہجرت کے ثمرات، اسلامی غزوات، مملکت اسلامیہ کا جغرافیائی محل وقوع اور پھیلتا ہوا حدود اربعہ، اسلامی ممالک کی صورت حال، اُس اسلامی مملکت کی اب تک جاری برکات، دین کے لیے ایثار و قربانی کے ثمرات وغیرہ دسیوں بلکہ بیسیوں موضوعات اختصار و جامعیت کی لڑی میں بڑی خوبصورتی سے پروئے گئے ہیں۔

Marfat.com

دوسری مثال: خطبۂ تبوک کا نہایت عمدہ الفاظ میں ترجمہ اور پھر اس پر مختصر تبصرہ سونے پر سہاگہ ہے۔

اختصار، جامعیت، عبارت کی عمدگی اور خوبصورت منظر کشی کی ایک مثال دو سطروں میں آپ بھی پڑھ لیجیے! آنحضرت ﷺ کے وصال شریف پر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''اللھم الرفیق الأعلیٰ فرماتے فرماتے آنکھ کی پتلی بدل گئی اور روح پاک جنت الفردوس میں پہنچ گئی۔''

جنگ جمل کا خلاصہ اور حالات کا تجزیہ نہایت جچے تلے الفاظ میں ہے۔ نیز جہادی معرکوں میں اسلامی فتح کا راز، صفحہ ۳۲۱ پر بہت ہی عمدہ پیرائے میں ہے۔

دو ایک مقامات پر مؤلف نے بہت زیادہ اختصار کیا ہے، مثلاً: نمازِ پنجگانہ کے ضمن میں صرف چار سطروں میں واقعۂ معراج کا ذکر ہے۔ اسی طرح غزوۂ بنی المصطلق کے ضمن میں واقعۂ افک کا ذکر تین سطروں میں ہے۔

۳۔ آسان الفاظ کا چناؤ: مؤلف نے اس کتاب کی تصنیف میں آسان الفاظ کا انتخاب کیا ہے، اس انتخاب میں آسانی اور روانی کے علاوہ کثیر المعانی کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، یعنی ایسے الفاظ جو خود مختصر ہیں مگر وہ وسیع تر معنی و مفہوم رکھتے ہیں، کسی لمبے مفہوم کے بیان سے گریز کرتے ہوئے ایسے محاورات استعمال کیے گئے ہیں جو مختصر اور جامع طور پر پورے مفہوم کا لب لباب ادا کر دیں۔

اس طرح یہ خَیرُ الْکَلَام مَاقَلَّ وَدَلَّ (بہتر کلام وہ ہے جو چھوٹا ہو مگر اپنا مفہوم بتا دے) سے پورے طور پر تعبیر ہے۔ چند ایسے الفاظ و محاورات مع مفہوم درج ذیل ہیں:

سرفراز کیا گیا: عطا کیا گیا...... لے دے ہوئی: بحث و تمحیص...... تُل گئے: پختہ ارادہ کرلیا۔ ناخنِ گرہ کشا: مشکلات اور پیچیدگیاں دور کرنے والا...... گھمسان کا رن: زبردست معرکہ...... ستم رسیدگان: جنھیں تکالیف پہنچی ہوں...... قابل گردن زدنی و کشتنی: مارے اور قتل کیے جانے کے لائق...... تتر بتر: بکھیرنا، جدا کرنا...... دم دلاسا: حوصلہ دینا...... کشتوں کے پشتے: مقتولوں کے

Marfat.com

ڈھیر...... علانیہ: اعلانیہ کی جگہ پر...... جاتا رہا: ختم ہوگیا، مکمل ہوگیا...... صحرانوردی: صحراؤں میں پھرنا...... یکہ وتنہا: تن تنہا، اکیلا...... محرم اسرار، یارِ غار: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف...... بات پاگئے: مطلب سمجھ گئے...... پوچھ بھیجا: پوچھنے کے لیے بھیجا، سوال کیا...... ڈھونگ رچانے کا شوق چرایا: جھوٹی شہرت اور ناموری کے لیے کچھ کرنا...... شہر لے لیے: فتح کر لیے...... ادھار کھائے بیٹھا تھا: تیار تھا، مُستعد تھا...... جھلّا کر: غصے میں آ کر۔

متروک الفاظ: تاریخ اسلام میں کچھ الفاظ یا محاورات ایسے بھی آ گئے ہیں جو آج سے نصف صدی قبل بہت مستعمل تھے لیکن اب بہت کم مستعمل ہیں یا ان کا استعمال بالکل متروک ہو گیا ہے، مثلاً: زک اٹھائی: پریشانی یا تکلیف اٹھائی...... نیک چلنی: اچھا چال چلن...... بہتیرا: بہت زیادہ...... رسالہ: لشکر، قافلہ...... کھیت رہے: قتل ہوئے، مارے گئے...... نہ محض: نہ کہ محض...... پرگنے: حصے، وصولی والے افسران...... مال ڈھور: مویشی چوپائے...... تاب مقاومت: مقابلے کی ہمت...... دون ہمت: کم ہمت...... پکڑے آئے: پکڑے گئے...... جزرسی: کنجوسی...... ہوا خواہ: خیر خواہ...... پیرنا: تیرنا وغیرہ۔

بعض الفاظ کے لکھنے کا انداز اب بدل گیا ہے حالانکہ پہلے والا بہتر تھا مثلاً: علیحدگی کے لام پر پہلے کھڑی زبر لگاتے تھے اور تاریخ اسلام میں لگائی گئی ہے کیونکہ یہ ''علٰی حِدَتِہٖ'' سے بنا ہے۔ ٹھہرنا کو پہلے یاء کے ساتھ ٹھیرنا لکھتے تھے۔ موقع کو پہلے موقعہ لکھتے تھے۔

تاریخِ اسلام میں ''پانسہ بدل دیا'' محاورہ استعمال ہوا ہے جواب ''پانسہ پلٹ دیا'' لکھا جاتا ہے۔ پتلے دبلے کو اب دبلے پتلے لکھا جاتا ہے۔ ''برسر'' کو مفرد استعمال کیا گیا ہے لیکن اب مرکب استعمال ہوتا ہے جیسے برسرِ مجلس، برسرِ میدان۔

عبارت کی آسانی کے لیے مؤلف نے کی بجائے اور کے بجائے دونوں لفظ لکھے ہیں۔ اسی طرح اُن کے جان و مال اور اُن کی جان و مال بھی دونوں طرح لکھے ہیں۔ اُس کے طرز اور اُس کی طرز بھی دونوں طرح لکھا گیا ہے۔

۴۔ معتبر واقعات: مؤلف نے پوری کتاب میں معتبر واقعات کو ہی جگہ دی ہے، اس

Marfat.com

طرح اسے ''صحیح تاریخ اسلام'' بھی کہا جاسکتا ہے۔ یہ حدیث شریف، سیرت النبی ﷺ، سیرت صحابہ، رجال، تاریخ، شعر، ادب، جغرافیہ وغیرہ موضوعات پر ہزاروں کتب کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔

اس کتاب کے واقعات پر حوالے لگانے کا مفصل طور پر بھی اہتمام کیا گیا۔ دارالمعارف کے رکن حافظ محمد فیاض آسی نے جب تخریج کی تو ایک ایک واقعہ کئی کتابوں سے مل گیا۔ اس مفصل تخریج کے بعد اُس کا معمولی سا حصہ شامل اشاعت کر دیا گیا، تاکہ حوالوں تک رسائی میں آسانی رہے۔

مؤلف نے شروع سے آخر تک ہجری اور عیسوی تاریخوں اور سالوں کا باقاعدہ اہتمام کیا ہے جس سے اس کتاب کی تاریخی اور تحقیقی حیثیت اور بھی پختہ ہوگئی ہے۔

ان بنیادی اصولوں کو سمجھ لینے کے بعد چند خوبیاں اور امتیازات ذکر کیے جاتے ہیں جو اس کتاب کے اجمالی اور تفصیلی جائزے سے معلوم کیے جاسکتے ہیں:

منظر کشی میں کمال: مؤلف کو منظر کشی اور تصویر کشی میں بڑی مہارت ہے۔ واقعات اور حالات کے بیان میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا بچشمِ خود ملاحظہ کر رہا تھا، اور پھر اسلوبِ نگارش ایسا عمدہ ہے کہ قاری بھی اپنے تصور میں خود کو اس زمانے یا موقع پر موجود محسوس کرتا ہے۔ منظر کشی کی یہ عمدگی وسیع مطالعہ اور اس کے بعد وسعتِ ظرفی کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ مقالاتِ پروفیسر عبدالقیوم (اردو، دو جلد) پر آج سے آٹھ برس قبل راقم نے ایک دیباچہ لکھا تھا، اس میں بھی پروفیسر صاحب کی منظر کشی کی خوبی کو ذکر کیا گیا تھا۔

شخصیات کا سراپا، شہروں اور دیہات کا جغرافیائی محل وقوع، حکومتوں کے حصول اور زوال کے پس منظر اور پیش منظر، مذاہب وافکار کے قیام و وجود کے اسباب، ان کے ماننے والوں کے احوال اور تعلق کے اسباب وغیرہ معاملات پر پروفیسر صاحب جب لکھتے ہیں تو خوب لکھتے ہیں اور النجوم الزاہرۃ کے ابن تغری بردی، وفیات الاعیان کے ابن خلکان، کتاب الوافی بالوفیات کے الصفدی اور شذرات الذھب کے ابن العماد کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔

حقائق کا ادراک: پروفیسر صاحب کے ہاں تاریخی، سیاسی، ثقافتی، مذہبی اور سماجی حقائق کا ادراک بہت بلند درجے کا ہے، ان کے مطالعہ کی وسعت انھیں معاملات کی تہہ تک لے جاتی

Marfat.com

ہے، اوران پر جو حقائق منکشف ہوتے ہیں وہ انھیں کھلے لفظوں میں غیر جانبداری کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

حقائق کا ادراک انھیں عظمتوں کے اعتراف پر بھی آمادہ کرتا ہے، جو ہر سچے، مخلص اور معتدل صاحبِ علم کی شان ہوتی ہے، اس کا اظہار نوکِ زبان وقلم سے اس کی طرف سے بلاخوف و خطر ہوتا ہے۔

سات سو سال سے زائد عرصہ پر محیط اس تاریخ میں بے شمار لوگوں کے لیے عظمتوں کا اعتراف اور حقائق کا وسیع تر ادراک پروفیسر صاحب کی تحریر کا ایک نمایاں امتیاز ہے۔

تحریکوں اور شورشوں پر نظر: گزشتہ عنوان کی روشنی میں مزید توضیح یہ ہے کہ پروفیسر صاحب کی ہر علاقے اور ہر زمانے کی تاریخ کے ساتھ ساتھ مذہبی، سیاسی یا سماجی تحریکوں اور شورشوں پر بھی گہری نظر ہے۔

کون سی تحریک کس نے برپا کی؟ اس کے پس پردہ یا درپردہ عوامل کیا تھے؟ اس تحریک میں شامل ہونے والے سچے جذبے پر تھے، یا مخلص نہیں تھے؟ پھر یہ کہ انھیں اپنی تحریک اور شورش پر پوری بصیرت تھی یا وہ اس کے لیے استعمال کیے گئے؟ وغیرہ۔

اس طرح کے کئی سوالات جو کسی قاری کے ذہن میں پیدا ہوسکتے ہیں، ان کے جوابات از خود تاریخ اسلام کا حصہ بنا دیے گئے ہیں، جیسا کہ شروع میں گزارش کی گئی ہے کہ کتاب میں کہیں پر بھی ایسا اختصار نہیں ہے جو تشنگی چھوڑ دے۔

حقائق کے ادراک کے ساتھ ساتھ ایسی تحریکوں پر نظر کسی ''صاحبِ نظر'' کا ہی کمال ہے۔

غیر جانبداری: تاریخ اور سیرت لکھنے والوں کے ہاں عموماً اپنے مسلک یا نظریات کی طرف جو میلان ہوتا ہے، وہ ان کی تحریر کو بھی متاثر کرتا ہے۔ مؤرخ کا قلم بہت کم غیر جانبدار رہتا ہے۔ جدید محققین کے ہاں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ کوئی مؤرخ یا سوانح نگار غیر جانبدار نہیں ہوتا۔ اس کے نظریات، احساسات اور جذبات کو اس کی تحریر میں ضرور دخل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ کی کتب کو عموماً معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

Marfat.com

لیکن پروفیسر صاحب نے اپنے قلم کو جانبداری سے بہت حد تک بچایا ہے، ان کا یہ طرزِ عمل ان کی دیگر تصنیفات میں بھی واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب جیسے عظیم انسائیکلوپیڈیا کے لیے برسوں کی تحریری خدمات میں انھوں نے یہی اصول برقرار رکھا۔ پروفیسر صاحب کے اپنے مضامین اور جن مضامین کی انھوں نے تصحیح یا نظر ثانی کی اُن میں غیر جانبداری کا اُصول اپنایا، اختلافی نقطۂ نظر کو رد نہ کیا اور نہ ہی چھپایا بلکہ اختلاف کرنے والے کے نام سے یا بریکٹ میں اُسے ضرور شامل کر دیا۔

اس کتاب کو زیادہ تر غیر جانبدار ہی پایا گیا ہے لیکن کسی شخص کی طرف سے مخصوص زاویۂ نگاہ سے کسی مقام پر جانبداری کا اعتراض بھی چنداں بعید نہیں ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت عمدہ ہے، اس مختصر کتاب کے مطالعہ سے انسان صدیوں کی تاریخ بہت آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور یاد بھی رکھ سکتا ہے۔

سکول، کالج، یونیورسٹی اور مدارس دینیہ کے طلباء کے لیے تاریخ اسلام کے موضوع پر اس طرح کی مختصر مگر جامع کتاب اردو میں دستیاب نہیں۔

علماء، اساتذہ اور عوام الناس بھی اس سے برابر استفادہ کر سکتے ہیں۔

آخری گزارش: کتاب کے مختلف ابواب یا حصوں کے بارے میں استاد محترم ڈاکٹر شیر محمد زمان چشتی حفظہ اللہ نے اپنی تقدیم میں وضاحت فرما دی ہے، انھوں نے سرسری ورق گردانی کے بعد چند مقامات پر حاشیہ میں توضیحی نوٹس دیے ہیں، وہ چاہتے تھے کہ اپنے استاد محترم پروفیسر عبدالقیومؒ کی اس عمدہ کتاب پر مکمل توضیحات دے دی جائیں لیکن عمر کے تقاضے سے صحت نے اجازت نہ دی۔ اگر وہ یہ کام کر دیتے تو اس کتاب کی افادیت پر چار چاند لگ جاتے۔

پروفیسر عبدالقیومؒ کے ایک اور لائق شاگرد، میرے استاد محترم پروفیسر محمد یحییٰ جلالپوری حفظہ اللہ نے بھی اس کتاب کے بعض حل طلب مقامات پر نظر ثانی فرمائی، اور اس کی نئی اشاعت پر ایک مختصر مگر جامع مقدمہ بھی تحریر فرمایا جس میں مطالعہ تاریخ کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کتاب کے

Marfat.com

امتیازات بیان کرتے ہوئے اس کے اسلوب نگارش کی خوبیاں بیان کی ہیں۔

اس نئی اشاعت پر حواشی میں چند حوالہ جات کے علاوہ اس کے متن میں کچھ ترمیم نہیں کی گئی، البتہ کتابت کی چند غلطیوں کی اصلاح ضرور کردی گئی ہے۔

اس نئی اشاعت کا اہتمام مؤلف مرحوم کے فرزند میجر زبیر قیوم بٹ (ر) نے دارالمعارف کی طرف سے کیا ہے، ان کے قائم کردہ اس علمی و تحقیقی ادارے کا تعارف اور مؤلف کے احوال و تصنیفات کا مختصر ذکر آگے آرہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کا نفع عام فرمائے اور اس کے مؤلف کو جزائے خیر دے۔ آمین

ذیل میں پروفیسر عبدالقیومؒ کے مختصر احوال اور تصانیف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

پروفیسر عبدالقیوم (۱۹۰۹ء۔۱۹۸۹ء)

پروفیسر عبدالقیوم کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاجِ متعارف نہیں ہے، ان کی پیدائش ۱۹۰۹ء کو لاہور میں ہوئی، قرآن مجید پڑھنے اور ابتدائی تعلیم کے بعد انھوں نے ۱۹۲۶ء میں منشی فاضل، ۱۹۲۷ء میں میٹرک پھر ایف اے۔ ۱۹۳۲ء میں بی اے آنرز۔ اور ۱۹۳۴ء میں ایم اے عربی کرلیا۔ ۱۹۳۶ء میں لسان العرب کی فہارس بنائیں اس کام کو اس زمانے میں عالمی سطح پر سراہا گیا، اسی زمانے میں نوادرالاخبار کو بھی ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے حکم پر ایڈٹ کیا، ۱۹۳۹ء سے ۱۹۶۸ء تک وہ عربی زبان وادب کی گورنمنٹ کالجز میں تدریس کرتے رہے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں انھوں نے بطور مدیر اور سینئر مدیر اکیس برس تک خدمات انجام دیں۔ اس کے لیے بے شمار مقالات ترجمہ اور نظر ثانی کیے، بہت سے موضوعات پر نئے مقالات لکھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس ادارتی ٹیم میں شامل تھے جس نے اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی نہ صرف تکمیل کی بلکہ اس میں وہ مشرقی اور اسلامی رنگ پیدا کیا جس پر بجا طور پر ناز کیا جاسکتا ہے، پروفیسر صاحب کی تصنیفی خدمات درج ذیل ہیں:

۱۔ فہرست شعرائے لسان العرب، طبع پنجاب یونیورسٹی لاہور

Marfat.com

۲۔فہرست قوافی لسان العرب //

۳۔فہرست انصاف الابیات لسان العرب //

۴۔تحقیق کتاب نوادرالاخبار

۵۔تاریخ ادب عربی (کتاب الوسیط کا ترجمہ)

۶۔تاریخ ادبیات پاکستان وہند جلد اول بحیثیت خصوصی مدیر

۷۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ تقریباً ۲۱۔جلدیں بحیثیت مدیر و سینئر مدیر

۸۔مقالاتِ پروفیسر عبدالقیوم (اُردو ۲ جلدیں)

۹۔مقالات پروفیسر عبدالقیوم (انگریزی ا جلد)

(Some notes on Islamic History and Arabic Literature)

۱۰۔آئینہ اسلامیات (اول)۔بی اے و مابعد کے طلباء کے لیے، طبع ۱۹۶۶ء

۱۱۔آئینہ اسلام۔ایف اے کے طلباء کے لیے، طبع لاہور

۱۲۔فہم اسلام۔بی اے کے طلباء کے لیے، طبع ۱۹۵۷ء

۱۳۔رہبر اسلامیات۔ڈگری کلاسز کے لیے، (فضل اقبال صدیقی کے فرضی نام سے)

۱۴۔مطالعہ اسلامیات برائے بی اے، طبع لاہور

۱۵۔خلافتِ راشدہ۔بی اے اسلامیات آپشنل، طبع لاہور

۱۶۔تاریخ اسلام۔(عہد قبل از اسلام سے زوالِ بنوعباس تک)، طبع لاہور

۱۷۔تفسیر سورۃ الانفال، طبع لاہور

۱۸۔آئینہ اسلامیات (دوئم)۔سورۃ النساء، طبع لاہور

۱۹۔اسلامی تعلیم۔طلبائے انٹرمیڈیٹ کے لیے، طبع لاہور

۲۰۔علوم اسلامیہ۔بارھویں جماعت کے لیے طبع ۱۹۶۲ء

۲۱۔مدارج الادب اول

۲۲۔مدارج الادب دوئم

Marfat.com

۲۳۔ مدارج الادب سوئم، طبع لاہور ۱۹۵۳ء

۲۴۔ صحرائی نظمیں (انگریزی)

۲۵۔ عربی گرائمر (انگریزی)

۲۶۔ سیرت نگاری اور تنقید (انگریزی)۔ یہ تینوں کتابیں مطبوع ہیں۔

۲۷۔ سمطُ الدرر کے مطالعہ کے لیے معاون (انگریزی) طبع ۱۹۳۴ء

۲۸۔ عربی ادب اور انگریزی میں شاعری کے نمونے (انگریزی)

یہ کتاب سر فضل حسین کی یادگار کے طور پر شائع ہوئی۔

اِن سوانح کا ماٗخذ مقالات پروفیسر عبدالقیوم کا مقدمہ ہے۔

۲۹۔ ترجمہ تاریخ الادب العربی، از شیخ احمد الاسکندرانی

۳۰۔ محمد یہ پاکٹ بک، محمد عبداللہ معمار کے فرضی نام سے

۳۱۔ علامہ مشرقی کے تذکرہ پر انگریزی میں نقد و تبصرہ

۳۲۔ عربی لغت کی تاریخ

ان چار کتابوں کا ذکر شیخ نذیر حسین کے مضمون میں ہے، جو اورینٹل کالج میگزین لاہور کی پروفیسر عبدالقیوم کے لیے خاص اشاعت ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔

دارالمعارف:

پروفیسر عبدالقیوم صاحب عالم اور معلم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک علم دوست انسان تھے، مختلف علوم وفنون کی مہارت، تاریخ، ادب، لغت، سیرت، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ علوم اسلامیہ پر اُن کی نظر بہت وسیع تھی، وقت کے کبار اساتذہ اور دائرہ معارف کے ساتھیوں کی علمی صحبت نے اُن کو اپنے وقت میں علوم کا مرجع اور معتبر علمی رائے والی شخصیت بنا دیا تھا، طلباء کے علاوہ ہم عصر اور بڑے صاحب علم بھی اُن سے استفادہ کرتے رہے، دُنیا میں علم کی روشنی پھیلانا بالخصوص علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت ان کی زندگی کا مقصد وحید تھا۔

Marfat.com

اُنھوں نے دو درجن سے زائد کتابوں کے علاوہ بیس سے پچیس ہزار صفحات تک اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مضامین کی خواندگی، تصحیح اور تحقیق کا فریضہ سرانجام دیا۔علم کے فیضان کو عام کرنے اور اس کی روشنی کو پھیلانے کے وہ عمر بھر خواہاں رہے، وہ لکھتے بھی رہے اور لکھنے کے منصوبے بھی مرتب کرتے رہے اُنھوں نے تین علمی منصوبوں کے نقشے بنا رکھے تھے جن کی وہ تکمیل کرنا چاہتے تھے۔

۱۔سیرت النبی ﷺ پر ایک جامع تصنیف

۲۔سیرت النبی ﷺ پر ایک مختصر تصنیف

۳۔تاریخ علوم اسلامیہ

لیکن مشیتِ خداوندی نے ان کو ان خاکوں کی تکمیل کا موقع نہ دیا۔

اب اُن کے لائق فرزند میجر زبیر قیوم بٹ نے اسلامی و عربی علوم کی ترویج واشاعت اور اپنے والد مرحوم کے منصوبوں کی تکمیل کا بیڑہ اُٹھایا ہے، ۲۰۰۸ء میں اُنھوں نے اپنے بزرگوں کی قائم کردہ لاہور کی قدیمی مسجد الجامع المبارک، متصل اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور کی بالائی منزل پر اس کام کا مختصر طریقے سے آغاز کیا ابتداء میں راقم الحروف کو متعین کیا گیا۔

۲۴۔دسمبر ۲۰۰۹ء کو اس کا باقاعدہ افتتاح کیا گیا، اس میں سیرت پاک اور تاریخ علوم اسلامیہ کے دو شعبے قائم کیے گئے، آہستہ آہستہ بعض مبتدی لکھاریوں کی مدد بھی حاصل کی گئی۔کسی منتہی لکھاری کی تلاش ہنوز جاری ہے، فی الحال سیرت میں راقم حافظ محمد اسلم شاہدروی کے زیرنگرانی تین ساتھی محمد زکریا ملتانی، حافظ محمد فیاض آسی اور قاری احسان الٰہی علمی تحریری کام کر رہے ہیں، لائبریرین، کمپوزر اور ناظم کی خدمات ان کے علاوہ ہیں۔

سیرت پاک کا کام دو ہزار صفحات سے زائد مسودہ کی شکل میں ہے، چھ چھ سو صفحات کی تین جلدیں نظر ثانی کے مراحل میں ہیں، چوتھی جلد زیر تحریر ہے، پانچ صد صفحات تک مقدمہ سیرت لکھا جا چکا ہے۔تاریخ علوم اسلامیہ میں دو ہزار سے زائد صفحات مسودہ کی شکل میں ہیں جن پر مزید کام جاری ہے۔ارادہ ہے کہ یہ علمی کام معتبر ہوں اور اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کے طریقے اور معیار

Marfat.com

کے مطابق ہوں۔ ادارے کو جناب پروفیسر محمد یحییٰ جلال پوری کی علمی سرپرستی حاصل ہے۔

مسجد کے قریب ہی ادارہ اپنی نوتعمیر کردہ پانچ منزلہ پرشکوہ عمارت میں منتقل ہو گیا ہے، جس کے گراؤنڈ فلور کو مصلّی النساء یعنی خواتین کے لیے مسجد، اور ٹاپ فلور کو محققین کی رہائشوں کے لیے مختص کیا گیا ہے، جبکہ درمیان کی تین منزلوں پر لائبریری کے لیے وسیع ہال بنائے گئے ہیں۔

اِدارے میں ''پروفیسر عبدالقیوم لائبریری'' بھی قائم کر دی گئی ہے جس میں ہزاروں عربی کتب ایک خاص سلیقے سے رکھی گئی ہیں، اندازہ ہے کہ لاہور میں اس سے بڑی عربی واسلامی لائبریری شاید اب کوئی دوسری نہ ہوگی۔ اردو کتب کا ایک بڑا حصہ لائبریری میں شامل کیا گیا ہے، آئندہ اردو کے حصے کو وسعت دی جائے گی، فارسی کی کتب بھی لائبریری کی زینت ہیں۔

اللہ تعالیٰ میجر زبیر صاحب کی خدمات قبول فرمائے، ان کے والد کی حسنات قبول فرمائے، ان کے علمی منصوبوں کی اپنی رحمت سے تکمیل فرمائے اور اس کتاب کا نفع عام فرمائے۔ آمین

حافظ محمد اسلم شاہدروی (ایم اے۔ ایم فل)

رکن دارالمعارف، لاہور

تحریر بتاریخ ۲۶ ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ بمطابق ۳۱۔ اگست ۲۰۱۶ء

Marfat.com

تاریخ اسلام کا پس منظر

مشرق قریب میں قدیم تہذیبیں

دریاؤں کی وادیوں نے قدیم انسانی تہذیب کو جنم دیا، بالخصوص دریائے نیل، دِجلہ، فُرات اور سندھ کی وادیوں میں قدیم تہذیبیں پروان چڑھیں۔ اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ان وادیوں میں بسنے والے لوگ زیادہ ترقی یافتہ تھے۔

ان کی ترقی وتہذیب چند باتوں سے خاص طور پر ظاہر ہوتی ہے:

(الف) انھوں نے مل جل کر رہنے کے لیے بستیاں بنائیں۔

(ب) وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور تحریر کے ذریعے اپنے خیالات دوسروں تک پہنچا سکتے تھے۔

(ج) وہ مل جل کر کام کرتے اور ایک دوسرے کی مدد اور اعانت کرتے تھے۔

(د) وہ سوچ بچار کر کے اپنی مشکلات کا حل تلاش کرتے اور اَسرار قدرت کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔

(ھ) قدیم تہذیب کے مرکزی شہروں میں سے بعض تو پانچ ہزار سال بلکہ اس سے بھی پہلے موجود تھے۔

(و) اہل بابل ونینوا، اَشوری، یونانی، رومی اور ایرانی اپنی اپنی تہذیب کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں۔

پرانے زمانے میں دِجلہ وفرات کی وادی بہت سرسبز وشاداب تھی۔ اس وادی کے جنوبی حصے میں سُمیری قوم آباد تھی۔ سُمیریوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے۔ یہ لوگ زراعت، تجارت اور

Marfat.com

صنعت وحرفت میں بڑے ماہر تھے۔ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی افراط تھی۔ یہ لوگ تہذیب وتمدّن میں مشہور اور نامور ہوئے ہیں۔ البتہ اُنھوں نے جو شہر بسائے ان کو ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہر شہر الگ تھا۔ اس کے دیوتا الگ تھے۔ تیوہار الگ اور ہر شہر کا بڑا پروہت الگ۔ یہی بڑا پروہت شہر کا حاکم اور بادشاہ بھی تھا۔

بابل ونینوا

پرانے زمانے میں بابل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو دِجلہ وفُرات کی وادی میں واقع تھا اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے ایک خوش حال اور بڑا شہر بن گیا۔

تقریباً چار ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ شام کے علاقے سے ایک قوم نے آکر بابل پر قبضہ کرلیا۔ پھر آس پاس کے علاقوں کو فتح کر کے وادی کے اوپر کے حصے اور نچلے حصے پر بھی قابض ہوگئے۔ اب یہ ساری بستی بابل کی سلطنت کہلانے لگی۔

اہل بابل نے مفتوحہ علاقوں کے لوگوں سے بہت کچھ سیکھا۔ اُنھوں نے سُمیریوں کے خیالات اور ایجادوں سے بھی بڑا فائدہ اُٹھایا۔

اہل بابل کی تہذیب دُنیا کی قدیم تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ اُنھوں نے لکھنے کا طریقہ سمیریوں سے سیکھ کر اس میں کچھ کانٹ چھانٹ کی۔ کاغذ کی بجائے وہ مٹی کی تختیوں پر لکھتے تھے۔ اہل بابل نے بہت سے قانون تو سمیریوں سے لیے اور کچھ قانون نئے بنائے۔

بابلیوں نے باقاعدہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ تجارت اور لین دین کے نئے طریقے نکالے۔

اہل بابل کا مشہور بادشاہ حُمورَبی تھا۔ اس نے سلطنت کو منظّم کر کے ایک ضابطہ قانون تیار کیا۔ حمور بی کا دعویٰ تھا کہ یہ قانون اس پر انصاف کے دیوتا نے اتارا ہے۔ اس نے ان قوانین کو ایک ستون پر کندہ کرادیا تھا۔ اس مجموعہ قوانین میں مختلف طبقات کے حقوق وفرائض کی وضاحت کی گئی تھی اور جرائم کی سزائیں مقرر کی گئی تھیں۔

اہل بابل نے فلکیات یعنی علم النجوم اور اجرامِ سماوی کا خوب مطالعہ کیا۔ وہ چاند اور سورج

Marfat.com

گرہن کا صحیح اندازہ لگا سکتے تھے۔ بابلیوں نے سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کر کے ہر ایک مہینے کا الگ نام رکھا اور سات دن کا ہفتہ مقرر کیا۔

اشور (Assyria)

بابلیوں کی آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے لوگ شمال کی طرف بڑھنے شروع ہوئے اور ایک نئے شہر کا وجود عمل میں آیا۔ اس نئے شہر کو انھوں نے اپنے دیوتا کے نام پر اشور کہنا شروع کیا۔ اشوری لوگ پہلے تو اہل بابل کے ماتحت رہے لیکن جب انھوں نے حِطّی قوم سے لوہے کے ہتھیار بنانا سیکھ لیا تو وہ بڑے طاقتور بن گئے اور ایک مستقل حکومت قائم کر کے نینوا (Nineveh)[1] کو صدر مقام بنا لیا پھر آس پاس کے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اشوری بڑے وحشی اور خون خوار لوگ تھے۔ ۷۲۲ء قبل مسیح میں اشوریوں نے اسرائیل کو فتح کر لیا لیکن بالآخر کلدانیوں (Chaldeans) اور ایرانیوں نے اشوریوں کو شکست دے کر نینوا پر قبضہ کر لیا۔

کنعانی یا فِنیقی

تین ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ بُحَیرہ روم کے مشرقی کنارے پر شام کے ساحل کے ساتھ ساتھ کنعان (Canaan) یا فنیقہ (Phoenicia) آباد تھا۔ اس علاقے کے باشندے کنعانی یا فِنیقی کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مچھلیاں پکڑتے، جہاز اور کشتیاں چلاتے اور خوب تجارت کرتے تھے۔ فنیقی تاجر اپنا مال لے کر دور دور تک تجارت کے لیے جاتے اور وہاں کی تہذیب اپنے وطن میں لاتے تھے۔

فنیقیوں نے بہت سے ہنر دوسرے ملکوں سے سیکھے لیکن رومیوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ خاص طور پر لکھنے کا طریقہ۔ فنیقیوں کا لکھنے کا طریقہ بابلیوں اور مصریوں سے آسان تھا۔ ان کے ہاں صرف بائیس حروف ابجد تھے۔ یونانیوں نے ان سے لکھنے کا طریقہ سیکھ کر سارے یورپ کو سکھایا۔ فنیقیوں نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے جابجا بستیاں قائم کیں۔ ان میں

[1] Socrates، ۴۷۰ تا ۳۹۹ ق م، ایتھنز کا مشہور فلسفی اور معلم

Marfat.com

قرطاجنہ (کار تھیج) نے بڑی شہرت پائی۔

عِبرانی (Hebrew)

عبرانی قوم کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے جو عراق کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر کنعان یا فنیقیہ میں جا آباد ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستی کے خلاف جہاد کیا اور توحید کی تبلیغ کی۔

بنی اسرائیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا۔ چنانچہ ان کی اولاد بنی اسرائیل مشہور ہوئی جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ قحط کی وجہ سے اسرائیلی لوگ مصر میں جا بسے۔ جب فرعون کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیج کر بنی اسرائیل کو نجات دلائی۔ فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر میں غرق کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو مقدس کتاب تورات ملی اور موسوی شریعت عطا ہوئی۔ اس شریعت کی بنیاد دس احکام پر ہے۔

بعدازاں بنی اسرائیل نے کنعان فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ ان میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے پیغمبر اور بادشاہ کی حیثیت سے بڑا نام پایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس میں عالی شان محل بنائے اور ایک عظیم الشان عبادت گاہ تعمیر کی۔

یہودی

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کمزور ہو گئے، سلطنت تقسیم ہو گئی اور بیت المقدس کی حکومت کے حامی صرف یہودا اور ابن یمین کے قبیلے رہ گئے۔ یہی لوگ بعد میں یہودی کہلائے۔ یہودی مذہب میں بڑا غلو اور سختی کرنے لگے۔ ۵۸۶ء قبل مسیح میں بابلیوں کے بادشاہ بُخت نصر نے یہودیوں پر حملہ کر کے بہت سے یہودی تہ تیغ کر دیے اور بہت سے قیدی بنا لیے۔ بعد میں رومیوں نے یہودیوں کو زیرنگین بنا لیا مگر جب یہود نے بغاوت کی تو رومی حکمرانوں نے بیت المقدس کو تباہ کر دیا اور یہود کا قتل عام کیا۔

Marfat.com

قدیم یونانی قوم

یونان کا علاقہ بُحَیرہ روم کے کنارے واقع ہے۔ قدیم زمانے میں یونان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر ریاست خودمختار تھی۔ ان ریاستوں میں سپارٹا اور ایتھنز کی ریاستیں زیادہ مشہور تھیں۔ دونوں کے نظام حکومت اور قانون میں بڑا فرق تھا۔ یونانیوں کا طرزِ حکومت جمہوری تھا۔ سیاست میں اُنھوں نے فرد کے حقوق کو تسلیم کیا اور شہریوں کو نظم و نسق میں شریک کیا۔ سپارٹا کے باشندے شمشیر و سنان کے دھنی تھے۔ ان کا نظام حکومت فوجی انداز کا تھا۔ وہ سخت کوش، جفاکش اور بہادر تھے۔ ان کی گھریلو زندگی بھی اسی قسم کی تھی۔ اس کے مقابل ایتھنز کے لوگ جمہوریت پسند تھے۔ ان کے ہاں تعلیم و تربیت کے لیے اعلیٰ قسم کے سکول موجود تھے۔ وہ جسمانی صحت اور طاقت کے ساتھ ساتھ قوم کی دماغی اور ذہنی نشوونما کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ ورزش بھی کرتے اور علوم و فنون میں بھی نمایاں حصہ لیتے تھے۔

یونانیوں نے علم و ادب میں بڑی شہرت حاصل کی۔ بالخصوص فنون لطیفہ اور فن تعمیر، فلسفہ و طب، ریاضی و علم ہیئت، ادب، تاریخ نگاری اور ڈراما نویسی میں بڑا نام پیدا کیا۔ رزمیہ اور عشقیہ شاعری میں بڑی ترقی کی۔ سُقراط (۱)، افلاطون (۲) اور ارسطو (۳) جیسے مشہور فلسفی، بُقراط (۴) اور جالینوس (۵) جیسے نامور طبیب سرزمین یونان میں پیدا ہوئے۔ ارشمیدس (۶) مشہور ریاضی دان اور علم ہیئت کا ماہر تھا۔ اُقلیدس (۷) نے علم ہندسہ میں نام پایا۔

---

(۱) Socrates، ۴۷۰ تا ۳۹۹ ق م، ایتھنز کا مشہور فلسفی اور معلم

(۲) Plato، ۴۲۷ تا ۳۴۷ ق م، مشہور یونانی فلسفی، Republic کا مصنف

(۳) Aristotle، ۳۸۴ تا ۳۲۲ ق م، مشہور یونانی فلسفی، افلاطون کا شاگرد اور سکندر اعظم کا استاد۔ منطق، مابعد الطبیعیات اخلاقیات، سیاسیات وغیرہ پر معروف تصانیف

(۴) Hippocrates: ۴۶۰ تا ۳۷۷ ق م، یونانی طبیب جسے طب کا باوا آدم کہا جاتا ہے

(۵) Galen، ۱۳۰ تا ۲۰۰ء (تخمیناً)، یونانی طبیب، فلسفہ اور طب پر کتابیں لکھیں

(۶) Archimedes: ۲۸۷ تا ۲۱۲ ق م، یونانی ریاضی دان اور صاحب ایجادات، جو سسلی میں پیدا ہوا تھا

(۷) Euclid: تیسری صدی قبل مسیح کا یونانی ریاضی دان، جیومیٹری پر بنیادی کتاب کا مصنف، جو اسی کے نام اقلیدس سے موسوم ہوئی

Marfat.com

مسلمانوں نے یونانی علوم وفنون کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے اپنے دامن کو علم وحکمت سے بھر لینے کے علاوہ قدیم یونانی علوم کو ہمیشہ کے لیے محفوظ بھی کر دیا۔

یونانی فاتح سکندر اعظم نے متمدّن دنیا کے ایک بڑے حصے کو فتح کیا۔سکندر اعظم کے بعد یونانی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔

قدیم رومی قوم

ہزاروں سال ہوئے کہ رومی لوگ اٹلی پر قبضہ کر کے وہاں آباد ہو گئے اور مختلف مقامات پر بستیاں بنالیں۔

ان میں سے ایک قبیلہ لاطینی کے نام سے مشہور تھا۔اس قبیلے نے دریائے ٹائبر کے کنارے روم (Rome) یا رومہ کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور اسی شہر کی نسبت سے وہ رومی مشہور ہوئے۔

رومی بڑے تنومند، محنتی اور جفاکش تھے۔ وہ اعلیٰ درجے کے سپاہی اور سیاستدان ثابت ہوئے۔اُنھوں نے اپنی جنگی مہارت کی وجہ سے آس پاس کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔متمدّن دنیا کے مغربی حصے ان کے زیرِنگین تھے۔رومی حکمران طاقتور بھی تھے اور اچھے حاکم بھی۔ رومیوں نے عدل و انصاف کے بعض بنیادی اُصول وضع کیے۔ ان کا یہ مجموعۂ قانون عام طور پر قابلِ قبول سمجھا گیا۔ابتداء میں رومی حکومت میں جمہوری اور شورائی نظام کارفرما تھا۔ ایک مجلسِ شوریٰ تھی جس میں سب شہروں کے نمائندے شامل ہوتے تھے لیکن آخر کار شہنشاہیت غالب آ گئی۔ان کا پہلا شہنشاہ آگسٹس [1] تھا۔

رومی بادشاہوں کا عام لقب قیصر (Caesar) تھا۔

عیسائیت کا ظہور

آگسٹس کے عہدِ حکومت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس وقت فِلَسطین رومیوں کے ماتحت تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی اصلاح کے لیے ان تھک کوششیں کیں لیکن

① Augustan: ۲۷ق م تا ۱۴ء

Marfat.com

یہودیوں نے ان کی ایک بات بھی نہ مانی، اُلٹا ان کے دشمن ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنا عہد جوانی ناصرہ شہر میں گزارا تھا اس لیے انھیں مسیح ناصری کہتے تھے اور ان کے ماننے والوں کو نصرانی۔ نصرانیوں کو عیسائی اور مسیحی بھی کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کا دین پھیلنے لگا اور آہستہ آہستہ اٹلی میں جا پہنچا اور شاہ قسطنطین [1] (قیصر روم) نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ پھر رومی حکومت کی بدولت عیسائیت کو بڑی قوّت اور عظمت حاصل ہو گئی اور عیسائیت بہت سے ملکوں میں پھیل گئی۔

بزنطینی حکومت

شاہ قسطنطین نے ۳۳۰ء میں رومہ کو چھوڑ کر شہر بزنطیم (Byzantium) کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس وقت سے بادشاہ کے نام پر اس شہر کا نام قسطنطنیہ مشہور ہو گیا۔ اور قسطنطنیہ کے قدیم نام بزنطیم کی وجہ سے مشرقی حصّہ سلطنت کو بزنطینی سلطنت (Byzantine empire) کہتے ہیں۔ چوتھی صدی کے آخر تک مسیحیت رومی سلطنت میں پھیل چکی تھی۔ مذہب کو بنیادی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ادب، شاعری اور فنون لطیفہ مذہب کے تابع تھے۔ رومی یہ بھی مانتے تھے کہ ان کے بادشاہوں کو حکمرانی کا منصب خدا نے عطا کیا تا کہ وہ عوام کو فائدہ پہنچائیں۔ رومیوں پر یونانی اثر غالب تھا۔ رومی تجارت کرتے تھے۔ اُنھوں نے بڑے بڑے شہر بسائے۔ عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ کھیل تماشے اور رتھوں کی دوڑ کے علاوہ کتابیں پڑھنے کا بھی شوق رکھتے تھے۔ بزنطینی حکومت تقریباً ایک ہزار برس (۱۴۵۳۔۳۹۵ء) تک قائم رہی۔ رومی سلطنت کی عظمت وشوکت شاہ جستنین (Justinian ۵۶۵۔۵۲۷ A.C) پر ختم ہو گئی۔ اس وقت ان کی سرکاری زبان لاطینی (Latin) تھی اور ان کا مجموعہ قوانین بھی لاطینی زبان میں مرتب ہوا تھا۔ بزنطینی حکومت پندرھویں صدی عیسوی کے وسط (۱۴۵۳ء) تک قائم رہی۔ عہد نبوی میں مصر اور شام کے علاقے بزنطینی سلطنت کے ماتحت تھے۔ خلافت راشدہ میں شام، فلسطین اور مصر مسلمانوں نے فتح کر لیے۔ عثمانی سلطنت کے مشہور حکمران سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں

[1] Constantine: ۲۸۰ تا ۳۳۷ء، دورِ حکومت: ۳۰۶ تا ۳۳۷ء

Marfat.com

قسطنطنیہ پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ اس وقت سے آج تک یہ شہر ترکوں کے قبضے میں چلا آتا ہے۔ اس کو آج کل استنبول کہتے ہیں۔

ساسانی سلطنت

ایران ہزاروں سال پرانا ملک ہے۔ یہاں کئی خاندانوں نے حکومت کی، ایران میں بڑے نامور بادشاہ ہو گزرے ہیں جن میں سائرس، دارا اور نوشیروان عادل خاص طور پر مشہور ہیں۔ ۲۲۶ء میں اَرْدشیر اول نے ساسانی سلطنت قائم کی۔ ساسانیوں اور رومیوں کے درمیان چار سو برس تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر کار مسلمانوں نے ۶۵۱ء میں ایران کو فتح کر لیا۔ خسرو دوم کے عہد میں ساسانی سلطنت نے بڑا عروج حاصل کیا۔ نوشیروانِ عادل اسی خاندان کا ایک مشہور اور دانشمند بادشاہ گزرا ہے۔ جب حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے تو ایران پر نوشیروان عادل حکمران تھا۔

ساسانیوں نے ملکی انتظام کے لیے عمدہ اور اعلیٰ قسم کے اُصول بنائے تھے۔ اس عہد میں ایران تہذیب و تمدن میں دنیا کے اکثر ممالک سے آگے تھا، ساسانی خاندان کے بادشاہ کسریٰ کہلاتے تھے۔ وہ مطلق العنان فرماں روا تھے۔ ان کو شکار اور عمارتوں کا بڑا شوق تھا۔ ایرانی لوگوں کو مصوری، بت تراشی اور نفیس کپڑا بُننے میں بڑی مہارت تھی۔ نقش ونگار کے لیے بھی ایرانی مشہور تھے۔

زرتُشتی

ایران کے قدیم لوگ زرتُشت کے پیرو تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ سات سو برس پیشتر تھا۔ زرتُشت کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بدی کے درمیان ہمیشہ جنگ رہتی ہے۔ نیکی کا دیوتا یزدان ہے اور بدی کا اَہرِمَن۔ اس نے لوگوں کو نیکی کی دعوت دی۔ زرتُشت کے پیرو زرتُشتی کہلاتے ہیں۔ وہ آگ کو مقدّس مانتے ہیں اور ان کے عبادت خانوں میں آگ روشن رکھی جاتی ہے اس لیے ان کے معبد کو آتش کدہ کہتے ہیں۔ زرتُشیوں کو عرب مجوس کہتے ہیں۔ عام لوگ اُنھیں آتش پرست کہتے ہیں۔ پاکستان میں وہ پارسی کہلاتے ہیں۔

اردشیر اول نے زرتُشتی مذہب کو سلطنت کا مذہب قرار دے کر بڑا رواج دیا۔ اس کے عہد

Marfat.com

میں مُوبد یعنی مذہبی پیشوا مذہبی اور سیاسی معاملات میں بڑا دخل رکھتے تھے۔ جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کر لیا تو یہ مذہب آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ البتہ بعض زرتشتی برصغیر پاک و ہند میں چلے آئے اور پارس (فارس) یعنی ایران سے آنے کی وجہ سے پارسی کہلائے۔ ①

یہ مختصر سا تعارف ہے ان تہذیبوں کا جو اسلام سے پہلے دنیا میں موجود تھیں اور جن کی اکثریت سے اسلام کو سابقہ پڑا اور بالآخر اسلام ان سب پر غالب آیا۔

❀❀❀

① اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۳۴۹/۵

Marfat.com

جزیرۂ عرب

جغرافیائی، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حالات

جزیرۂ عرب

عرب کا ملک ایک جزیرہ نما ہے۔ اس کے تین طرف پانی ہے۔ یعنی مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بُحَیرَہ عرب، مغرب میں بُحَیرَۂ احمر (یا بُحَیرَہ قلزم) اور شمال میں عراق اور شام کے ملک ہیں۔ لیکن عرب اپنے ملک کو جزیرہ عرب کہتے ہیں۔

جزیرۂ عرب پاکستان کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کا اکثر حصہ ریگستان اور پہاڑ ہے۔ پہاڑوں کی بعض چوٹیاں دس ہزار فٹ تک بلند ہیں۔ ملک کا درمیانی حصہ خشک ہونے کی وجہ سے بنجر اور غیر آباد ہے۔ البتہ اس کے کنارے اور ساحلی علاقے سرسبز اور شاداب ہیں اور انھی علاقوں میں اکثر لوگ آباد ہیں۔

جزیرۂ عرب کا رقبہ دس لاکھ مربع میل ہے۔ حجاز، یمن، حَضرَ مَوت، عُمان، اَحساء اور نجد اس کے مشہور صوبے ہیں۔ حجاز کا صوبہ سب سے زیادہ مشہور ہے کیونکہ اسی صوبے میں حضرت رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تھے۔ یہ صوبہ جزیرۂ عرب کے شمال مغرب میں بُحَیرَہ احمر کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ اس صوبے میں دو بندرگاہیں ہیں، جدّہ اور یَنبُع، حجاز کے مشہور شہروں میں مکّہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ اور طائف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف ہے جو مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ صاحبِ توفیق مسلمان ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حج بیت اللہ کے لیے یہاں آتے ہیں۔ ہمارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ یہیں پیدا ہوئے تھے۔ شہر مکہ کے چاروں طرف بلند اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ شہر کا شمالی حصہ اونچائی پر ہے اور جنوب کا پستی میں۔ مکّہ کو بکّہ بھی کہتے تھے۔

مدینہ منوّرہ کا اصلی نام یثرِب تھا۔ یہ شہر مکہ کے شمال میں تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر واقع

Marfat.com

ہے۔اُحد پہاڑ مدینہ کے شمال میں ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد اسی شہر میں سکونت اختیار فرمائی۔آپ ﷺ کی مسجد اور روضۂ مبارک اسی شہر میں ہیں۔

طائف کا شہر اپنے باغات اور شادابی کی وجہ سے مشہور ہے۔یہ شہر مکے سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً ۷۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلند ہونے کی وجہ سے یہاں پانی عام ہے اس لیے پھل اور سبزیاں بہت ہوتی ہیں۔طائف کو حجاز کا صحت افزا مقام کہنا بے جا نہ ہوگا۔طائف اور مکے میں تجارتی روابط تھے۔اہل مکہ میں سے دولت مند لوگوں نے طائف میں باغات خرید رکھے تھے۔ ①

حجاز کے جنوب میں یمن کا صوبہ ہے۔یمن بُحَیرۂ احمر کے کنارے عدن تک پھیلا ہوا ہے۔ زیادہ تر پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے جزیرۂ عرب میں سب سے زیادہ زرخیز اور سرسبز صوبہ ہے۔یہاں کے مُلوکِ یمن شہرہ آفاق تھے۔قدیم زمانے میں ان کی تجارت ممالکِ مشرق ادنیٰ اور ہندو پاک سے قائم تھی۔ ②

حَضرَ موت، عُمان اور اَحساء بھی ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ آباد ہیں۔البتہ نجد جزیرۂ عرب کے وسط میں واقع ہے۔سطح مرتفع ہونے کے سبب زرخیز اور شاداب علاقہ ہے۔

عرب میں دو مشہور صحرا ہیں۔شمال میں بادیہ سماوہ یا نفود ہے جو ۱۸۰ میل لمبا ۱۴۰ میل چوڑا ہے۔اور جنوب میں رُبع خالی ہے۔اندازہ کیا گیا ہے کہ اس کا رقبہ پچاس ہزار مربّع میل ہے۔ یہاں پانی اور سبزہ محض نام کا ہوتا ہے۔

آب و ہوا اور پیداوار

جزیرۂ عرب کی آب و ہوا گرم خشک ہے۔بارش بہت کم ہوتی ہے۔دن کے وقت سخت گرمی پڑتی ہے اور شدت کی گرمی میں بادِ سموم چلتی ہے۔

یہاں کا مشہور پھل کھجور ہے۔کہیں کہیں باجرہ، جَو اور گیہوں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ طائف

① البروسوی، اوضح المسالک، ص: ۴۴۷
② الاندلسی، معجم ما استعجم: ۱۴۰۱/۲

Marfat.com

کے پھلوں میں انار اور انگور بہت مشہور اور لذیذ ہیں۔

عربوں کے پالتو جانوروں میں گھوڑا، اونٹ اور بھیڑ بکری زیادہ مشہور ہیں، لیکن اونٹ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس پر سوار ہو کر عرب بے آب و گیاہ صحراؤں کو طے کرتے تھے۔ اونٹوں کا گوشت کھاتے اور دودھ پیتے تھے۔ تجارتی مال بھی اونٹ پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے تھے۔ اونٹ پر اتنا بوجھ لاد دیتے تھے کہ اسے ریگستان کا جہاز کہا جاتا ہے۔

باشندے

جزیرہ عرب کے باشندے دو طرح کے ہیں:

(۱) شہروں اور گاؤں میں رہنے والے حضری کہلاتے ہیں۔ حضری لوگ عام طور پر تجارت، کھیتی باڑی یا صنعت و حرفت کے ذریعے پیٹ پالتے ہیں۔

(۲) صحرا اور بادیہ میں رہنے والے بدوی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ اونٹ اور بھیڑ بکریاں پال کر گزارہ کرتے ہیں۔ بدو لوگ کھانے پینے کی چیزوں کے لیے اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں۔ جہاں کھانے پینے کی چیزیں مل گئیں، وہاں خیمے لگا لیے اور جب ختم ہو گئیں تو دوسری جگہ چل دیے۔

ماہرین نسب نے عربوں کو دو گروہوں یعنی شمالی عربوں اور جنوبی عربوں میں تقسیم کیا ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ شمالی عرب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں اور عدنانی کہلاتے ہیں اور جنوبی عرب قحطانی کہلاتے ہیں۔ پھر عدنانیوں کی دو شاخیں بتائی گئی ہیں، رَبیعہ اور مُضر۔ یہ سب چھوٹے بڑے قبائل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ خوراک کی قلت اور اقتصادی زبوں حالی کی وجہ سے عربوں میں جنگ و جدال کی عادت پیدا ہو گئی تھی۔ بدو عرب بڑے سادہ مزاج تھے۔ صنعت و حرفت، زراعت اور تجارت سے نفرت کرتے تھے۔ جانوروں کو پال کر انھی کا دودھ پیتے اور گوشت کھاتے قحط کے زمانے میں سوسمار بھی کھا لیتے تھے۔ ①

عرب کے رہنے والے مختلف خاندانوں اور قبائل میں منقسم تھے ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا تھا۔ قبیلے کے سب افراد اپنے سردار کا حکم مانتے تھے۔

① آلوسی، بلوغ الأرب: ۳۴۶/۳

Marfat.com

قبائلی زندگی نے عربوں میں خاندانی اتحاد اور یکجہتی پیدا کر دی تھی ۔خون اور نسب اتفاق اور اتحاد کا بڑا ذریعہ تھا۔

ہر شخص کا فرض ہوتا تھا کہ اپنے خاندان اور قبیلے کی عزت و ناموس کی حفاظت کرے۔

قبیلے کا سردار شیخ کہلاتا تھا۔ اس کی رائے قابل قدر اور قطعی سمجھی جاتی تھی ۔بعض اوقات سردار قبیلہ کو بھی عوام کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔ قبیلے کا سردار امن کے زمانے میں اپنے علاقے کا بادشاہ ہوتا تھا اور جنگ کے زمانہ میں سپہ سالار۔ تلوار، نیزہ اور تیر عربوں کے مشہور ہتھیار تھے۔

عربی زبان

عربی زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔عربوں کو اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ اس کے مقابلے پر تمام دنیا کو عجمی یعنی بے زبان اور گونگا سمجھتے تھے۔عربی زبان میں ایک ایک چیز کے لیے بہت سے الفاظ اور نام ہیں۔ نیز ایک ہی لفظ کئی معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اس وجہ سے زبان بہت وسیع ہے۔ دوسری زبانوں کے مقابلے پر اس کے صیغے بھی چودہ ہیں۔ واحد، تثنیہ اور جمع، حاضر، غائب اور متکلم، مذکر اور مونث سب کے لیے الگ الگ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ پھر ایک ہی لفظ میں تھوڑی سی تبدیلی یا اضافے سے معنے بدل جاتے ہیں۔اس طرح عربی زبان میں الفاظ کا ذخیرہ بہت زیادہ ہوگیا ہے۔

اظہارِ خیال کے لیے نثر و نظم دونوں کا استعمال عام تھا۔ نثر میں عربوں کی ضرب الامثال محاورے اور خطبات اب تک یادگار ہیں۔عربوں کے خطیب اپنی فصاحت و بلاغت جادو بیانی اور سحر طرازی سے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

شعر و شاعری

شعر و شاعری عربوں کی گھٹی میں تھی ۔شاید ہی کوئی ایسا شخص نظر آئے جو شعر گوئی کا ذوق نہ رکھتا ہو یا جسے شعر و شاعری سے شغف نہ ہو۔عربوں کے نزدیک شاعر اپنے قبیلے کی عزت و ناموس کا محافظ و نگران ہوتا تھا۔ شاعر اپنا اور اپنے خاندان کا نسب شعروں کے ذریعے محفوظ کر لیتا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے جنگی کارناموں کو شاعری کے ذریعے دوام بخشتا اور اپنی قوم کی بہادری، مہمان

Marfat.com

نوازی، سخاوت اور دوسری خاندانی خوبیوں کا ذکر کر کے اپنے قبیلے کے نام کو روشن کرتا۔ میدانِ جنگ میں اپنی آتش بیانی اور شعلہ مقالی سے فوج کی ہمت بڑھاتا اور گزشتہ فتوحات کا ذکر کر کے قتل و غارت گری پر اکساتا تھا۔

عربی زبان میں تمام اصناف شعر موجود ہیں۔ شاعر مدح بھی کرتے تھے اور ہجو بھی۔ ان کے ہاں عشق و محبت کے جذبات کی بھی کچھ کمی نہیں۔ وہ مناظرِ قدرت کی تصویر بھی پیش کرتے۔ ذاتی کارناموں اور قبائلی مہموں کو بھی اشعار میں محفوظ کر لیتے اور اپنے قبیلے کی تاریخ بھی شعروں میں بیان کرتے ہیں۔ عربی شاعری میں استعارہ اور تشبیہ عام استعمال ہوتی ہے۔

عربوں کی شاعری حقیقت نگاری کا مرقع ہے۔ ان کے ہاں مبالغہ، تکلّف اور تصنّع کا نام نہیں ملتا۔ سادگی اور خلوص عربی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ عربی شاعری عربوں کے قومی اخلاق اور تاریخ کی پوری آئینہ داری کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی شاعری کو ان کا قومی روزنامچہ قرار دیا گیا ہے۔ عربی شاعری میں حکیمانہ اقوال و افکار بھی بکثرت موجود ہیں۔

عربی شاعری کی وسعت اور ہردلعزیزی کا یہ حال ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے ہزاروں شاعروں کے نام اور ان کا کلام اب تک محفوظ ہے۔ قدیم ترین شاعری کے بہترین نمونے کتاب الحماسة ، سَبع مُعلّقات ، الـمُفَضَّلِیَات، الاَصْمَعِیَّات، کتاب الاَغانی وغیرہ میں موجود ہیں۔

عربوں کا دستور تھا کہ حج کے موسم میں دینی اجتماع اور عُکاظ کے قومی میلے کے موقع پر شاعر ادبی محفلیں جماتے۔ جہاں اپنا بہترین کلام سنایا کرتے تھے۔ روم اور فارس میں آمد و رفت کی وجہ سے عرب شاعروں کا رومیوں اور ایرانیوں سے میل جول اور اختلاط تھا۔ جس کا اثر ان کی شاعری میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی میل ملاپ کے باعث دینی افکار و خیالات بھی قدیم عربی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔

مذہبی حالت

(۱) اسلام سے پہلے زمانے کو زمانۂ جاہلیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت

Marfat.com

میں جزیرۂ عرب کے باشندوں کی اکثریت بُت پرست تھی۔ بت پرستی کی داغ بیل ایک شخص عَمرو بن لُحَی نے ڈالی تھی۔ وہ ملک شام سے ھبل نامی ایک بت لایا جسے کعبہ کے پاس نصب کر دیا۔ بس پھر کیا تھا مدتوں کی بھٹکی ہوئی اور علم وحلم سے محروم قوم نے بت پرستی کو اپنا شعار بنالیا اور اسی میں نجات سمجھی۔

ہر قبیلے کا بت جُدا تھا۔ قریش کا سب سے بڑا بت ھبل تھا جو انسانی شکل وصورت کا اور عقیق احمر کا بنا ہوا تھا۔ بیت اللہ شریف میں جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے ایک خدا کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا، ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔

ایک بت کا نام مَنات تھا جو مکے اور مدینے کے درمیان ساحل سمندر پر نصب کیا گیا تھا۔ قبیلۂ اوس، خزرج اور ازد کے لوگ اس کی عبادت وتعظیم کرتے تھے اور اس کی نسبت سے عبد منات اور زید منات نام رکھتے تھے۔

طائف میں ایک بت تھا جسے لات کہتے تھے۔ یہ مربع شکل کا پتھر تھا۔ بنوثقیف اس کے پجاری اور متولی تھے۔ اسی طرح اَلْعُزّٰی بھی بڑا مشہور بت تھا جو وادی نخلہ میں بصورت درخت پُجتا تھا اور اسی کی نسبت سے عبدالعزّٰی نام رکھا جاتا تھا۔ یَنْبُع (مشہور بندرگاہ) میں سُواع نامی بت پوجا جاتا تھا۔ بنولحیان اس کے متولی تھے۔ بنوکلب کے ہاں ودّبُت کی پوجا ہوتی تھی۔ اسی طرح یَعُوق، یَغُوث اور نَسر بھی بتوں کے نام تھے۔

(۲) بت پرستوں کے علاوہ جزیرۂ عرب میں صابئین بھی موجود تھے۔ یہ لوگ چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔

(۳) جزیرۂ عرب کے مشرق بالخصوص بحرین میں آتش پرست یعنی مجوس بھی پائے جاتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا میں خیر اور شر دو قوتیں کارفرما ہیں۔ ان کے نزدیک روشنی اور نور خیر کی علامت تھی اور ظلمت وتاریکی شر کی۔

وہ لوگ آگ کو اس لیے پوجتے تھے کہ وہ روشنی اور نور کا سرچشمہ ہے۔

(۴) اس کے علاوہ اسلام سے پہلے جزیرۂ عرب میں یہودی بھی آباد تھے۔ یمن، خیبر، تیماء

Marfat.com

اور یثرب میں ان کی تعداد خاصی تھی۔ بنو قُریظہ، بنو نضیر اور بنو قَینُقاع مشہور یہودی قبیلے تھے۔ یہودی کھیتی باڑی، آہن گری اور اسلحہ سازی میں بڑے ماہر تھے۔

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہیں۔ ان کی مقدس کتاب تورات ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ یہودی حشر نشر اور جزا و سزا پر ایمان رکھتے تھے۔

(۵) جزیرۂ عرب میں عیسائی بھی بستے تھے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے۔ ان کی مقدس کتاب کا نام انجیل ہے۔ عیسائیت نے قبیلہ تغلِب، غسّان، قُضاعۃ اور یمن کے علاقے میں قبولیّت حاصل کی۔ عیسائی مذہب جزیرہ عرب میں چوتھی صدی عیسوی میں داخل ہوا۔ مشرقی روم کے پادریوں نے عرب میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے سرتوڑ کوشش کی لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ البتہ نَجران کے بہت سے باشندوں نے عیسائیت کو قبول کرلیا۔

نجران بڑا آباد اور زرخیز علاقہ تھا۔ نجران کے بہت سے لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ریشمی اور دیگر کپڑے بننے کے کارخانے بھی تھے۔ نیز چمڑے اور اسلحہ جات کے لیے مشہور تھا۔ عرب کے عیسائی شاعر بھی مشہور ہیں۔ نَجران کے عیسائیوں کا ایک وفد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینے حاضر ہوا تھا۔

(۶) عرب میں چند لوگ ایسے بھی موجود تھے جو توحید کے قائل تھے، ان کو حُنَفاء (حنیف کی جمع) کہتے تھے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے پابند تھے اور شرک اور دوسری بری رسموں سے اجتناب کرتے تھے۔ نیز لوگوں کو بت پرستی اور جاہلیت کی برائیوں سے روکتے تھے۔

سیاسی حالت

ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب میں مروجہ طرز کا کوئی باقاعدہ نظام حکومت موجود نہ تھا۔ جھگڑوں کے فیصلے کے لیے کوئی عدالت نہ تھی۔ امن قائم رکھنے کے لیے پولیس کا محکمہ نہ تھا اور بیرونی حملوں کی روک تھام کے لیے کوئی فوج بھی نہ تھی۔

عربوں کے ہاں اپنا کوئی سکہ اور ٹکسال بھی موجود نہ تھا۔

جزیرۂ عرب کے باشندے مختلف قبیلوں میں منقسم تھے۔ ہر ایک قبیلے کا اپنا اپنا سردار ہوتا

Marfat.com

تھا۔ سردار کا انتخاب کرتے وقت اس کی عمر، اثر و رسوخ، شخصی وقار و احترام، دولت کی کثرت اور ذاتی اقتدار و جاہت کو مدِ نظر رکھا جاتا تھا۔ عام طور پر سرداری ایک خاندان میں محدود ہو کر رہ جاتی تھی۔ قبیلے کا سردار جنگ کے وقت سپہ سالار ہوتا تھا اور امن کے زمانے میں قوم اور قبیلے کا خادم و نگران۔ اکثر اوقات انفرادی و ذاتی انتقام شخصی حق تصور ہوتا تھا۔ افراد انتقام کے معاملے میں خود مختار تھے۔ بعض اوقات یہ انفرادی معاملہ قبائلی چپقلش کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔

معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا ہو جاتا اور یہ جھگڑا کئی کئی نسلوں اور پشتوں تک رہتا تھا۔ جب کسی قبیلے کو موقع ملتا اپنے دشمن قبیلے پر حملہ کر کے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا۔ قبیلہ بکر اور تغلب کے درمیان ایک اونٹنی کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا اور یہ سلسلہ چالیس برس تک جاری رہا۔ عربوں کے ہاں یہ واقعہ جنگ بسوس کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ گھوڑے دوڑانے پر بنو عبس اور ذبیان کے درمیان تنازع ہو گیا اور اس کو جنگ داحس و غبراء[1] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں قبائل بھی برسوں تک برسرِ پیکار رہے۔[2]

زمانۂ جاہلیت میں جنگوں کا ایک اور مشہور سلسلہ بھی ہے جو ایام الفجار یا جنگ فجار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ جنگیں زیادہ تر چار متبرک اور مقدس مہینوں میں لڑی گئیں۔ اس لیے فجار کے نام سے موسوم ہوئیں۔ کیونکہ عرب ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مقدس مہینوں میں لڑنے جھگڑنے کو ان مہینوں کی عزت و حرمت کے منافی سمجھ کر جنگ سے اجتناب کرتے تھے، ان جنگوں میں قبیلۂ قریش، ہوازن، قیس، عیلان اور کنانہ نے حصہ لیا تھا۔

قدیم عرب حکومتیں

اس قبائلی نظام کے علاوہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے چند قدیم عرب حکومتوں کا پتہ بھی چلتا ہے۔ یہ حکومتیں باقاعدہ طور پر صاحب تاج و تخت حکمرانوں کے زیرِ نگیں تھیں۔ ان میں زیادہ مشہور حکومت کا نام سلطنت معین اور سباء ہے۔ حکومت معین بڑی دولت

① گھوڑے اور گھوڑی کے نام جن کی دوڑ سے یہ فتنہ شروع ہوا اور ۴۰ سال تک دونوں فریقوں میں جنگ جاری رہی
② دینوری، المعارف، ص: ۲۶۲

Marfat.com

منداور صاحب ثروت تھی۔اس کی تجارت دور دراز علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں بادشاہت وراثت سمجھی جاتی تھی۔ دولت مَعینیہ کا پتہ آثار قدیمہ کی کھدائی سے چلا ہے۔اس سلطنت کے ۲۶ حکمرانوں کے نام ملے ہیں۔اس کی حکومت نَجران اور حضَرموت کے درمیانی علاقوں پر تھی۔اس کا عہد حکومت از ۱۳۰۰۔تا ۶۵۰۔قبل مسیح تھا۔

دولت سَبَأ بھی حکومتِ مَعین کے ہم پلہ تھی۔ یہاں کے باشندے تجارت کے لیے بحری جہاز بھی استعمال کرتے تھے۔تجارت اور تہذیب وتمدن میں سبأ کے لوگوں نے بڑا نام پیدا کیا۔ سَبَأ کی مشہور ملکہ بَلقیس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔[①] اس خاندان کا عہد حکومت از ۹۵۰۔تا ۱۱۵۔قبل مسیح تھا۔مَعین اور سَبَأ کے علاوہ دولت حِمیَر بھی بڑی شہرت کی مالک تھی۔

رومی اور فارسی حکمرانوں کی سیاسی اغراض کے باعث دو اور چھوٹی چھوٹی سرحدی حکومتیں بھی قائم ہوچکی تھیں۔یعنی عراق میں سلطنتِ حِیرہ اور شام میں سلطنتِ غسّان۔

معاشرتی حالت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے قومی اخلاق میں سخاوت وفیاضی،شجاعت و بہادری،عزت نفس،خاندانی وقار،جذبۂ حرّیت،وفاداری اور ایفائے عہد کے اوصاف بڑے نمایاں ہیں۔

جغرافیائی حالات نے عربوں میں سخاوت اور فیاضی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔اہل ثروت اور دولت مند طبقہ کا اخلاقی اور قومی فرض ہوتا تھا کہ مہمانوں کی خاطر تواضع کرے۔ حاجت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرے۔غریب اور بے کس لوگوں کی امداد واعانت کرے۔خود بھوکا رہ کر مہمان کی ضیافت کرنا یا محتاج کی حاجت پوری کرنا،مروّت اور جوانمردی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔صحراؤں میں بعض لوگ اپنے گھروں کے سامنے کسی اُونچی جگہ رات بھر آگ روشن رکھتے تاکہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر یا قافلہ روشنی کو دیکھ کر ادھر آنکلے۔ایسے مسافروں کے لیے رات کے وقت کھانے پینے کا انتظام بھی ہوتا تھا۔یہ خوبی صرف دولت مند لوگوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ غریب اور مفلس لوگ بھی مہمانوں اور مسافروں کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ مہمان

① النمل:۲۷/۱۹-۴۴

Marfat.com

نوازی اور سخاوت میں حاتم طائی کا نام اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔

عربوں کی وفاداری بھی ضرب المثل تھی۔ وہ اپنے خاندان اور قبیلے کے بڑے وفادار تھے۔ آپس میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، عرب ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ اگر مصیبت کے وقت اکثریت غلط راہ اختیار کر لیتی تو دانش مند لوگ بلکہ سرداران قبیلہ وفاداری کی خاطر قوم کا ساتھ دیتے، خواہ جان ہی دینی پڑے۔

زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں ایک بڑی خوبی ان کی بہادری اور شجاعت تھی اپنے خاندان اور قبیلے کی آن اور عزت و ناموس کی خاطر جان پر کھیل جانا باعث فخر سمجھا جاتا۔ قدیم عربی شاعری درحقیقت شجاعت و بہادری اور سرفروشی و دلیری کی پوری داستان ہے۔ عربوں کا یہ عقیدہ تھا کہ قبیلے کی عزت اور وقار میں شخصی عزت و وقار مضمر ہے اور قبیلے کی ذلت سب کی ذلت ہے۔

عورتوں کی عزت کی حفاظت کرنا اور قبیلے کی شہرت اور نیک نامی پر حرف نہ آنے دینا عربوں کے نزدیک مروّت اور جوانمردی میں شامل تھا۔ آزادی اور خودمختاری بھی جاہلی عربوں کا قومی کردار تھا۔ عرب انفرادی اور قومی آزادی کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ انھیں یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ کسی شخص یا قبیلے کی آزادی چھن جائے۔

عرب وعدے کے بڑے پکے تھے۔ ایفائے عہد کی خاطر جان یا عزیز سے عزیز چیز قربان کر دینا ان کے لیے معمولی بات تھی۔ ایک دفعہ وعدہ کر لیتے تو پھر اپنے الفاظ سے کبھی نہ پھرتے سَمَوْأل بن عادِیاء کا نام ایفائے عہد کے لیے ضرب المثل بن گیا ہے۔ بدعہدی اور وعدہ خلافی عربوں کے ہاں بہت بڑا عیب سمجھا جاتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت کے عربی معاشرہ میں عورتوں کو اچھی خاصی آزادی حاصل تھی۔ عورت کاروبار اور تجارت کر سکتی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ معاشرہ عورت کو عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اگرچہ بیاہ شادی کے معاملے میں والدین یا ولی اور سرپرست کو پورے اختیارات حاصل تھے، پھر بھی لڑکی کی رضامندی اور خوشنودی کا خیال رکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ میاں بیوی کی علیحدگی کے معاملے میں بھی بعض اوقات عورت کی مرضی کو دخل ہوتا تھا۔ عرب عورتیں مردوں کے ساتھ میدان جنگ میں جاتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی

Marfat.com

کرتیں اور لڑائی کے وقت مردوں کو بہادری اور بے جگری سے لڑنے پر اکساتی تھیں۔

بری رسوم و عادات

زمانۂ جاہلیت کے عرب معاشرہ میں جہاں بہت سے اوصاف اور خوبیاں موجود تھیں، وہاں عرب معاشرہ کئی بُری رسموں اور بدعادتوں کا شکار تھا۔ عرب بڑے توہم پرست تھے۔ تفاءل (شگون لینا) کا عام رواج تھا۔ پرندوں کی پرواز اور جانوروں کی آواز سے فال لی جاتی تھی۔ جِنّات سے ڈرتے تھے۔ شراب نوشی عربوں کی گھٹی میں داخل تھی۔ شراب نوشی اور مے خوری کو اپنے اشعار میں فخریہ بیان کرتے تھے۔ جُوا اور قمار بازی بھی عام تھی۔ عربوں کا مال و دولت اونٹ تھے۔ قمار بازی میں بھی اونٹوں کی ہار جیت ہوتی تھی۔

اِفلاس اور عار کی وجہ سے بعض قبیلے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ان قبیلوں میں جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو اسے زندہ ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔

سودی لین دین کا بھی رواج تھا۔ سود کی شرح بڑی ظالمانہ تھی، سرمایہ دار طبقہ سود کے طفیل غریبوں کا خون چوستا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر جنگ و جِدال تک نوبت پہنچ جاتی تھی اور کئی کئی قبیلے برسوں تک برسرِ پیکار رہتے تھے۔ غربت و اِفلاس کی وجہ سے لوٹ مار اور چوری ڈاکہ عام تھا۔ پرائے جانوروں کو ہانک کر لے جانا اور ایک دوسرے کو قتل کر دینا فخر و غرور کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔

عرب اپنے دشمنوں سے بڑی بدسلوکی کرتے تھے۔ وہ دشمن کو معاف کر دینا جانتے ہی نہ تھے۔ خون کا بدلہ خون عربوں کا قومی نعرہ تھا۔ ان کے نزدیک اِنتقام اور جنگ و جِدال ہی میں زندگی کا راز پنہاں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ بدلہ ضرور لیا جائے۔ اِنتقام کی کوئی میعاد مقرر نہیں۔ جب بس چلے اور موقع ہاتھ آئے انتقام لے لینا چاہیے۔

کعبہ

جزیرۂ عرب میں مکہ مکرّمہ بڑا مشہور اور مرکزی شہر ہے جو ایک تنگ مگر طویل وادی میں واقع ہے۔ تمام علاقہ بنجر اور غیر زرعی ہے۔ شہر کے چاروں طرف اُونچے اُونچے پہاڑ ہیں۔ مکہ بندرگاہ

Marfat.com

سے تقریباً ۴۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ مکے کو اُمُّ القُریٰ، بَلَدِ امین اور بَکّہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بکہ اور مکہ بابلی زبان میں بَیت یعنی گھر کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں، اس لیے بعض مورخوں نے بیت العتیق بھی مکّہ مکرّمہ کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس مقدّس شہر کی شہرت اور بزرگی و برکت بیت اللہ یا کعبہ کی وجہ سے ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بنایا تھا۔ کیونکہ یہ مکعب عمارت ہے اس نسبت سے اسے کعبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکے میں آباد کیا تو آپ علیہ السلام نے دعا مانگی تھی:

> ''اے اللہ! میں نے ان لوگوں کو بے آباد اور غیر زرعی بستی میں بسایا ہے تو مہربانی فرما، اس شہر کو امن و سلامتی کا مرکز قرار دے، لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی اور ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں حج بیت اللہ کا اعلان کر دو۔ لوگوں سے جیسے بھی بن پڑے گا یہاں پہنچیں گے۔ چنانچہ لوگ ہر طرف سے بیت اللہ شریف میں حاضر ہونے لگے۔

بیت اللہ کو بیت الحرام، بیت العتیق اور کعبہ کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

کعبہ کا انتظام، حاجیوں کی خدمت اور مکے کی حکومت ابتداء میں بنو جُرہُم کے ہاتھ میں رہی۔ اس کی بدولت قبیلہ جُرہم کو بڑا اقتدار اور تسلّط حاصل ہو گیا۔ بعدازاں بنو خُزاعہ نے بنو جُرہُم کو جلاوطن کر کے زمامِ حکومت خود سنبھال لی۔ بنو خُزاعہ تقریباً تین سو برس تک کعبہ کے متولی اور پاسبان رہے۔ اس عرصے میں اُنھوں نے شرک و بدعت کو بڑا رواج دیا۔ بالخصوص ھُبل بت کی پوجا کو عام کر دیا۔ ①

پانچویں صدی عیسوی میں قبیلۂ قریش نے بڑی قوت حاصل کر لی نتیجہ یہ ہوا کہ قریش نے بنو خُزاعہ کو مار بھگایا۔ چنانچہ ۴۴۰ء میں کعبہ کا انتظام اور مکے کی حکومت قریش کے سردار قُصَیّ بن کِلاب کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس وجہ سے قُصَیّ کا اقتدار اور اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔ حاجیوں کی

① المسعودی، مروج الذہب: ۲/ ۵۴، ۶۱

Marfat.com

خدمت اور مہمان نوازی، پانی کا انتظام اور کعبہ کی تولیت و پاسبانی سب کچھ قُصَیٰ نے سنبھال لیا۔ کعبہ کے اردگرد کی جگہ کو متبرک و مقدس قرار دے کر اس میں قتل و خون ریزی اور جنگ و جدال کو ممنوع ٹھہرایا۔ اس طرح کعبہ کی خدمت و پاسبانی قریش میں منتقل ہوگئی۔ ①

قریش

بیت اللہ کے متولی اور پاسبان ہونے کی وجہ سے قریش تمام قبیلوں میں بڑی قدر و منزلت اور عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے جس طرح جزیرۂ عرب میں کعبہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اسی طرح قبائل عرب میں قریش کو مرکزی قوت سمجھا جاتا تھا اور قریش کی سرداری اور رہنمائی ایک مسلّمہ امر تھا۔

قبیلۂ قریش کے پہلے صاحب اقتدار و اختیار سردار کا نام قُصَیٰ بن کلاب تھا۔ یہی وہ سردار تھا جس نے قریش کے مختلف خاندانوں کو اکٹھا کر کے ان میں اتفاق و اتحاد پیدا کیا اور خود بیت اللہ شریف کا دینی و مذہبی سردار اور مکے شریف کا پہلا جمہوری حاکم قرار پایا۔ قُصَیٰ بڑا دانا، ہوش مند اور جمہوریت پسند راہنما تھا۔ اس نے مکّہ مکرّمہ میں جمہوری نظامِ حکومت کی داغ بیل ڈالنے کی کوشش کی اور جمہوری اُصولوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے بہت سے انتظامی شعبے اور محکمے قائم کیے۔ اس کے دو فائدے ہوئے، ایک تو یہ کہ مختلف خاندانوں کو اقتدار اور خدمت کے بہانے اپنے ساتھ رکھا، دوسرے یہ کہ ذمہ داری کے علاوہ تمام اُمور میں کفایت، خوش اسلوبی اور حسن کارکردگی پیدا ہوگئی۔

قُصَیٰ کی جمہوریت

قُصَیٰ کے جمہوری نظام میں چار چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) قُصَیٰ نے دارُالنّدوہ کی بنیاد رکھی۔ دارُالندوہ عربوں کا پہلا اسمبلی چیمبر تھا۔ یہاں قریش کے تمام خاندانوں کے سردار اور دانشمند لوگ جمع ہوتے اور سیاسی، اجتماعی، مذہبی اور قومی مسائل پر غور و فکر کے بعد فیصلے کرتے، شادی بیاہ کے معاملات بھی یہیں طے پاتے۔ چالیس برس سے کم عمر کے لوگ دارالندوہ کے رکن نہ بن سکتے تھے۔ دارالندوہ وزارت داخلی اور عدلیہ کے

① المسعودی، مروج الذہب: ۶۳/۲

Marfat.com

برابر تھا۔ [1]

(۲) اَللِّواء یا عَلَم (قومی جھنڈا) کا شعبہ۔ دراصل یہ شعبہ وزارتِ دفاع یا محکمہ دفاع کے برابر تھا۔ جنگ کے تمام اُمور اس محکمہ کے سپرد تھے۔

(۳) کعبہ شریف کی تولیت اور پاسبانی۔ یہ شعبہ بنُو عبدِالدّار کے سپرد تھا۔ مُتوَلّی کے بغیر دوسرا کوئی شخص کعبہ کا دروازہ کھولنے کا مجاز نہ تھا۔ بیت اللہ کی کُنجی مُتوَلّی کعبہ کے پاس رہتی تھی۔ کعبہ کی تمام خدمات مُتوَلّی کے سپرد تھیں، جسے عرب حاجِبِ کعبہ (یعنی کعبہ شریف کا دربان اور پاسبان) کہتے تھے۔

(۴) حاجیوں کے لیے کھانے پینے کا اہتمام۔ لوگ دُور دراز علاقوں سے حج بیت اللہ کے لیے مکہ مکرّمہ میں آتے۔ اہل مکہ حاجیوں کے پینے کے لیے زمزم کے پانی سے بہت سے حوض بھر دیتے اور کھجوریں ڈال کر پانی کو میٹھا اور شیریں بنا دیتے تھے۔ ظہور اسلام کے وقت پانی پلانے کا انتظام عباس بن عبدُ المُطلِب کے سپرد تھا۔

قُصیّ سے پہلے قریش کے صرف چند گھرانے حاجیوں کے لیے ضیافت اور مہمان نوازی کا اہتمام کرتے تھے۔ قُصیّ نے اس خدمتِ حُجّاج کو ایک قومی تحریک کی شکل دے کر قریش کے تمام گھرانوں پر قومی ٹیکس لگا دیا۔ قریش کا ہر فرد سال کے بعد ایک مقررہ رقم ادا کرتا۔ اس رقم کو عربوں کی اصطلاح میں خَرج کہتے تھے۔ اس طرح جتنی رقم جمع ہوتی، وہ حاجیوں کی مہمان نوازی پر صرف کر دی جاتی تھی۔ قُصیّ کی موت کے بعد اس کا بیٹا عبد مناف ضیافت و مہمان نوازی کا انتظام کرتا رہا۔ پھر عبد مناف کا بیٹا ہاشم، پھر ہاشم کا بیٹا عبدُ المُطلِب۔ پھر عبدُ المُطلِب کے بیٹے ابو طالب اور عبّاس یکے بعد دیگرے یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

قریش کے خاندان میں ہاشم نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔ ہاشم نے قریش کے لیے غیر ممالک بالخصوص شام اور حبش کے ملکوں میں تجارتی اور کاروباری سہولتیں حاصل کر کے قریش کی تجارت کو بڑا فروغ دیا۔

---

[1] الازرقی، اخبار مکہ: ۲/ ۲۵۲

Marfat.com

عبد المطلب کا عہد

جب حضرت محمد ﷺ کے دادا عبد المطلب قبیلے کے سردار بنے تو سارے عرب میں قریش کی شہرت کا ڈنکا بجنے لگا۔ عبد المطلب کے زمانے میں بئر زمزم (زمزم کا کنواں) مٹی وغیرہ سے بھر گیا تھا۔ یہ وہی چشمہ یا کنواں ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے تلاش کیا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شدت کی پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ چاروں طرف کہیں پانی نظر نہ آیا۔ آپ علیہ السلام نے ایک جگہ زور سے پاؤں مارا تو پانی زمین سے پھوٹ کر بہنے لگا۔ اس چشمہ کو بئر زمزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہر حال عبد المطلب نے اس چشمے کو دوبارہ صاف کرایا۔ مٹی وغیرہ نکلوا کر از سر نو پانی جاری کیا۔

عبد المطلب کے عہد میں یمن کے حاکم ابرہہ نے چالیس ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر کے بیت اللہ شریف کو منہدم کرنا چاہا لیکن عبد المطلب نے کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے، اللہ اپنے گھر کی خود حفاظت کرے گا۔ چنانچہ جب ابرہہ کی ہاتھیوں والی فوج نے مکہ کے قریب مُغمّس کے مقام پر ڈیرے ڈالے تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول اور جھنڈ بھیج کر دشمنانِ کعبہ کو نیست و نابود کر دیا۔ قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں یہ واقعہ مذکور ہے اور تاریخ میں اس کو عامِ فیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

❀❀❀

Marfat.com

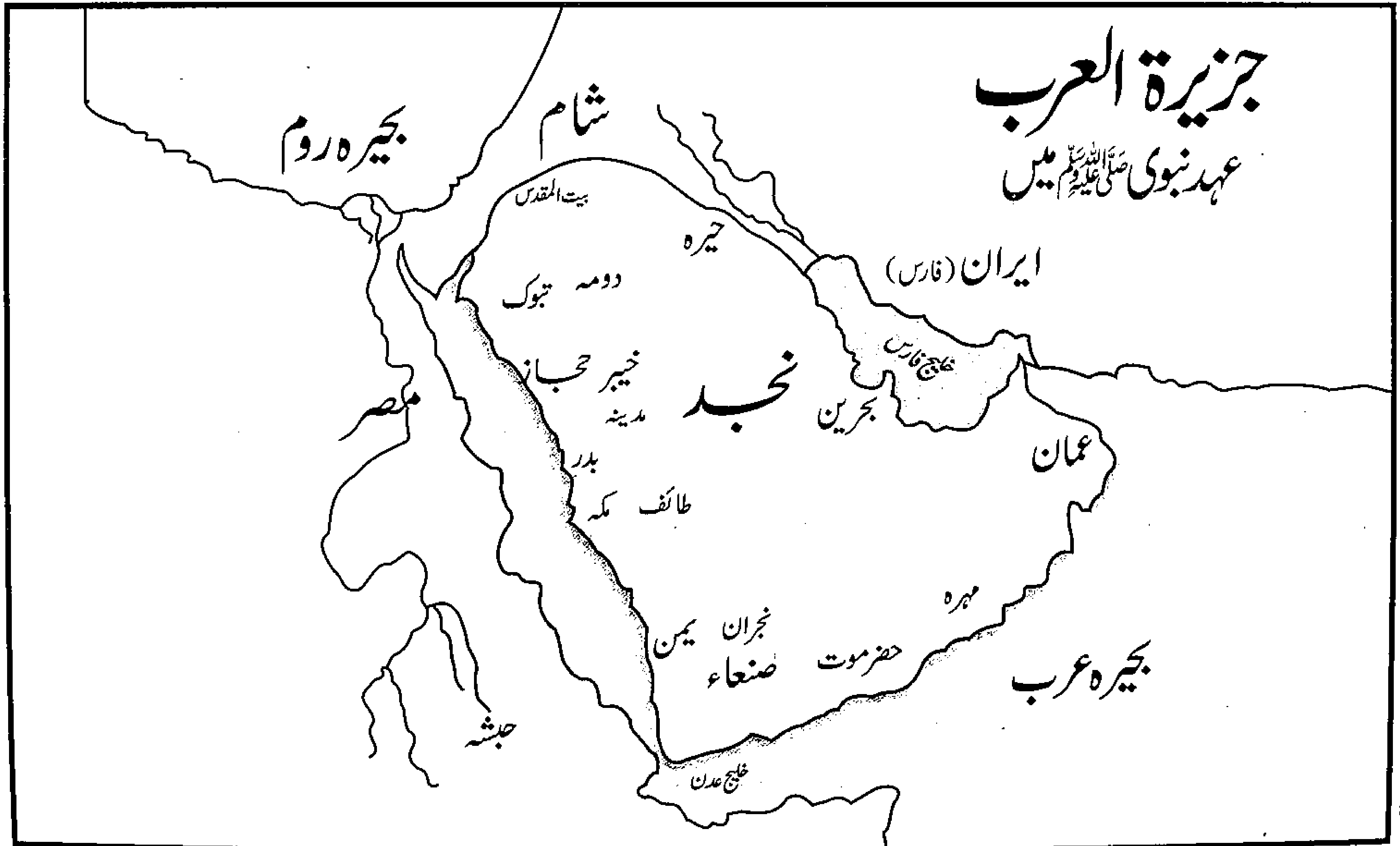
جزیرۃ العرب
عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں
بحیرہ روم
شام
بیت المقدس
حیرہ
ایران (فارس)
دومہ
تبوک
خلیج فارس
خیبر
حجاز
مصر
نجد
بحرین
مدینہ
عمان
بدر
طائف
مکہ
مہرہ
نجران
یمن
حضرموت
صنعاء
بحیرہ عرب
حبشہ
خلیج عدن

Marfat.com

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(ظہورِ اسلام)

Marfat.com

پہلا باب

سیرتُ النبی ﷺ

ابتدائی حالات

خاندان، وِلادت، بچپن، جوانی، تجارت اور نکاح

خاندان

حضرت رسول اکرم ﷺ قریش کے معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔آپ ﷺ کے دادا کا نام عبدُ المُطلِب تھا اور عبدُ المُطلِب کے والد کا نام ہاشم بن عبد مناف بن قُصَیّ بن کلاب تھا۔ یہ لوگ قریش کے سردار تھے۔ بیت اللہ شریف کا انتظام اور حاجیوں کی خدمت و مہمان نوازی اسی خاندان کے سپرد تھی۔

عبدُ المُطلِب کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔قبیلۂ قریش کے علاوہ دوسرے خاندان بھی ان کی بڑی عزت و تعظیم کرتے تھے۔عبدُ المُطلِب کے بارہ بیٹے تھے:

(۱) عبدالکعبہ (۲) ضِرار (۳) قُثَم (۴) زُبَیر (۵) مُقَوَّم (۶) حارِث (۷) ابو لَہَب (۸) غَیداق (۹) حمزہ (۱۰) عباس (۱۱) ابوطالب (۱۲) عبداللہ۔ ①

حضرت عبداللہ سب سے چھوٹے اور ماں باپ کے بڑے لاڈلے اور پیارے تھے۔ جب آپ جوان ہوئے اور کاروبار کرنے لگے تو آپ کا نکاح یثرب کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی بی بی آمنہ سے ہوا۔تھوڑا عرصہ بعد حضرت عبداللہ تجارت کے لیے ملک شام کو روانہ ہوئے مگر وہاں پہنچ کر بیمار ہو گئے۔ بیماری کی حالت میں واپس آرہے تھے کہ یثرب سے گزرتے ہوئے اپنی ننہال میں ٹھہر گئے اور وہیں وفات پائی۔ ②

---

① ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۸۵

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۴۶/۲

Marfat.com

وِلادتِ باسعادت

حضرت عبداللہ کی وفات کے چند مہینے بعد بتاریخ ۲۰۔اپریل ۵۷۱ء بروز پیر اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کو ایک سعادت مند بیٹا عطا کیا جس کا نام دادا نے محمد (ﷺ) رکھا۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی وِلادت باسعادت پیر کے دن ربیع الاوّل کے مہینے میں ہوئی۔ بعض ربیع الاول کی ۹۔تاریخ بتاتے ہیں اور بعض ۱۳، اور ۱۲۔ یہ سال عامِ فیل کے نام سے مشہور ہے۔ ①

تربیت

مکّہ مکرّمہ کے شُرفاء کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے دودھ پیتے بچوں کو اچھی تربیت کے لیے صحرا یا دیہات میں بھیج دیتے تھے تا کہ ننھے بچے کھلی اور صحت بخش تازہ ہوا میں پرورش پائیں۔

جب ہمارے پیغمبر ﷺ چھ ماہ کی عمر کو پہنچے تو آپ ﷺ کو بھی قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون مائی حلیمہ کے سپرد کر دیا گیا۔ مائی حلیمہ آپ ﷺ کو شہر سے باہر لے گئیں، جہاں آپ ﷺ چار پانچ برس تک رہے۔ اس عرصہ میں ایک مرتبہ مائی حلیمہ آپ ﷺ کو واپس مکہ لائیں مگر شہر میں وبا پھیلی ہوئی تھی، اس لیے حضرت آمنہ نے اپنے نورِ نظر اور لختِ جگر کو دوبارہ مائی حلیمہ کے سپرد کر دیا، تا کہ چندے اور شہر سے باہر کھلی اور صاف ہوا میں پرورش پائیں۔ ②

مائی حلیمہ کے اپنے بال بچے بھی تھے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ بچپن میں ان بچوں کے ساتھ کھیلتے رہے اور ذرا بڑے ہوئے تو اُن کے ساتھ مل کر بکریاں چرانے لگے۔ چار پانچ سال کے بعد مائی حلیمہ آپ ﷺ کو مکّہ مکرّمہ میں واپس لے آئیں۔ آپ ﷺ بڑے توانا اور تندرست تھے۔ آپ ﷺ کو صحت مند اور موٹا تازہ دیکھ کر آپ ﷺ کے دادا اور آپ ﷺ کی والدہ محترمہ بہت خوش ہوئیں۔

بچپن

گھر میں واپس آئے تو اپنی والدہ محترمہ کے پاس رہنے لگے۔ حضرت آمنہ کو اپنے پیارے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۵۵/۲
② ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۱۰۲

Marfat.com

بیٹے کا بڑا خیال تھا۔ وہ آپ ﷺ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی تھیں۔ جب حضرت رسول خدا ﷺ کی عمر سوا چھ برس کی ہوئی تو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ آپ ﷺ کو ساتھ لے کر یثرب میں اپنے میکے گئیں۔ وہاں ایک مہینہ قیام فرمانے کے بعد جب واپس تشریف لا رہی تھیں تو مدینہ اور مکہ کے درمیان مقام اَبْوَاء میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئیں۔ ①

اس سفر میں حضرت رسول مقبول ﷺ کی کھلائی اور خادمہ اُمِ اَیْمَنْ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد اُمِ ایمن آپ ﷺ کو لے کر مکہ واپس آئیں اور آپ کے دادا کے سپرد کیا۔ ہونہار بردا کے چکنے چکنے پات، دادا کی دُور بین نگاہ نے چھوٹے بچے کا مستقبل بڑا روشن دیکھا۔ بڑی قدر و منزلت اور لاڈ اور پیار سے پالا۔ دادا اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ بچہ جوان ہو کر نہایت برگزیدہ اور عظیم الشان ہستی قرار پائے گا۔

والدہ کی وفات کے بعد دادا نے گود میں لے کر آپ ﷺ کی تربیت و کفالت کا ذمہ لیا مگر دادا بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ ابھی دو سال بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ عبدُ المُطّلِب نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا۔ دنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے عبد المُطّلِب نے آپ ﷺ کو اپنے بیٹے ابو طالب کے سپرد کر دیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ دادا کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ ﷺ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا۔

ابو طالب نے حضرت رسول مقبول ﷺ کو بڑی محنت اور شفقت سے پالا اور اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ کی نگرانی اور خبر گیری کی۔

شام کا پہلا سفر

بارہ برس کی عمر میں آپ ﷺ شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے۔ مہربان چچا کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اور وہ تجارت کا مال لے کر ملک شام کو جایا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی کم سنی کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے مگر

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱۶۸/۱۔ جناب عبدالمطلب کی والدہ یعنی حضرت عبداللہ کی دادی سلمٰی بنت عمرو یثرب کے بنونجار قبیلے سے تھیں، اس اعتبار سے ننھیال کا لفظ لکھا جاتا ہے۔ ورنہ حضرت آمنہ کا میکہ اور آنحضرت ﷺ کی ننھیال مکہ مکرمہ سے ہی تھا۔

Marfat.com

آپ ﷺ کا اصرار و اضطراب دیکھ کر ابو طالب آپ ﷺ کو ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے۔

یہ آپ ﷺ کا پہلا سفر تھا۔ اسی سفر میں بُصریٰ کے بَحیرا راہب کی دُور بین نظریں علاماتِ نبوت بھانپ گئیں اور اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو شام میں نہ پھرائیں، کیونکہ یہودیوں کی طرف سے خطرہ ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے غلاموں کے ساتھ آپ ﷺ کو یثرب پہنچا دیا۔ ①

اس وقت عرب میں لکھنے پڑھنے کا دستور نہ تھا۔ اس لیے حضرت رسول مقبول ﷺ نے بھی لکھنا پڑھنا نہ سیکھا۔ البتہ شفیق چچا کے ساتھ رہ کر کاروبار کرنا خوب سیکھ لیا۔

ایام جوانی

حضرت رسول مقبول ﷺ اپنے چچا کے زیر سایہ پرورش پا کر آہستہ آہستہ جوانی کی عمر کو پہنچے مگر نہ لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ بہت کھیلے اور نہ جوانی میں جوانوں کی بُری صحبت میں بیٹھے۔

جب آپ ﷺ کی عمر چودہ برس کے قریب ہوئی تو قریش اور قَیس عَیلان کے قبیلوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی جنگِ فِجار کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی اپنے قبیلے کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے۔ البتہ آپ ﷺ کا کام صرف اتنا تھا کہ آپ ﷺ ترکش سے تیر نکال کر اپنے چچا کو پکڑاتے جاتے تھے۔ ②

آئے دن کی لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ کر قریش کے نیک دل لوگوں نے سوچا کہ امن و امان قائم رکھنے کے لیے آپس میں ایک معاہدہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ سب نے مل کر یہ عہد کیا کہ ہم میں سے ہر آدمی مظلوم کی حمایت کرے گا اور اب کوئی ظالم مکہ معظمہ میں رہنے نہ پائے گا۔ حضرت رسول مقبول ﷺ بھی اس معاہدے میں شریک تھے۔ یہ معاہدہ ''حِلفُ الفُضُول'' کے نام سے مشہور ہے۔ ③

---

① بیہقی، دلائل النبوۃ: ۲/۲۴

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۸۴

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۲۸

Marfat.com

تجارت

جب آپ ﷺ جوان ہوئے تو شرفائے قریش کی طرح آپ ﷺ نے بھی تجارت شروع کردی۔ تجارت کے سلسلہ میں آپ ﷺ نے یمن، شام اور دوسرے علاقوں کا سفر کیا۔ آپ ﷺ کے پاس اپنا سرمایہ نہ تھا، اس لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر کاروبار کرتے تھے۔ ①

صدق

آپ ﷺ کی سچائی، نیکی اور اچھے برتاؤ کی بڑی شہرت تھی۔ آپ ﷺ ہر بات میں ہمیشہ سچا وعدہ کرتے اور جو وعدہ کرتے، اسے پورا کرتے تھے۔ تجارتی لین دین میں آپ ﷺ ہمیشہ نرمی سے کام لیتے تھے۔ تجارت کے کاروبار میں آپ ﷺ نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا۔ آپ ﷺ معاملہ کے بڑے صاف اور سچے تھے۔ اسی لیے صادق مشہور ہوئے۔ ②

امانت

قریش کے لوگ آپ ﷺ کی ایمانداری، دیانتداری اور اچھے برتاؤ کی وجہ سے آپ ﷺ پر پورا بھروسہ رکھتے تھے۔ وہ اپنا سرمایہ آپ ﷺ کے سپرد کردیتے تھے۔ کئی لوگ اپنا روپیہ پیسہ آپ ﷺ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے۔ اسی لیے لوگ آپ کو امین کہتے تھے۔

شام کا دوسرا سفر

مکہ مکرمہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا نامی ایک بیوہ خاتون رہتی تھیں۔ انھوں نے اپنا روپیہ تجارت میں لگا رکھا تھا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ اس بیوہ خاتون کا سامان لے کر پھر ملک شام کو گئے اور شہر بُصریٰ تک سفر کیا۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام مَیسرہ کو بھی آپ ﷺ کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس تجارت میں بڑا نفع ہوا۔ واپس آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی سچائی، نیکی، دیانتداری اور اچھے اخلاق کی شہرت سنی اور آپ ﷺ کے برتاؤ اور کام سے بہت خوش ہوئیں۔ ③

① مقریزی، امتاع الاسماع: ۸/ ۱۷۴
② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۱۸۹
③ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۲/ ۶۵

Marfat.com

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

اس سفر سے واپس آئے دو تین مہینے گزرے تھے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی درخواست کی۔ اس وقت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال کی۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست قبول فرمالی اور چند روز کے بعد رسم نکاح بڑی سادگی سے انجام پا گئی۔ اس تقریب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ مشہور ہیں۔[1]

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کاروبار برابر کرتے رہے اور اس سلسلے میں عرب کے مختلف شہروں میں آتے جاتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت، دیانت، نیکی اور سچائی کا ہر طرف چرچا تھا۔

نَصبِ حَجرِ اَسوَد

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس ۳۵ برس کی ہوئی تھی کہ زور کا مینہ برسنے کی وجہ سے کعبہ کی عمارت خراب ہو گئی۔ قریش کے سب خاندانوں نے مل کر کعبہ کو نئے سرے سے بنانا شروع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے دوسرے لوگوں کی طرح پتھر اٹھا کر لاتے اور تعمیر کعبہ کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

کعبہ کی دیوار میں ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جسے حَجر اَسوَد کہتے ہیں۔ جب اس پتھر کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو قریش میں اس بات کے متعلق جھگڑا ہو گیا کہ حجر اسود کون اٹھا کر نصب کرے۔ ہر خاندان کی خواہش تھی کہ ہم اس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھیں۔ آخر یہ رائے ٹھہری کہ جو آدمی کل صبح سویرے سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو وہی اپنی رائے سے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے اور اس کا فیصلہ ہم سب لوگ دل سے مان لیں گے۔

اب خدا کا کرنا دیکھو کہ صبح سویرے جو آدمی سب سے پہلے کعبہ میں آیا وہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر سب لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امین ہیں۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۹/۲

Marfat.com

ہم آپ ﷺ کا فیصلہ بخوشی قبول کریں گے۔

آپ ﷺ نے اس پتھر کو اپنی چادر میں رکھا اور ہر خاندان کے سردار کو کہا کہ وہ اس چادر کے ایک ایک کونے کو تھام لے اور سب مل کر چادر اوپر کو اٹھائیں۔ چنانچہ سب نے مل کر چادر کو اوپر اٹھایا۔ جب پتھر اپنی جگہ پر آ گیا تو آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح یہ جھگڑا حضرت رسول اکرم ﷺ کی برکت سے ختم ہو گیا۔ اور تلوار چلتے چلتے رہ گئی۔ ①

شرک سے پرہیز

اس زمانے میں عرب کے لوگ بت پوجتے تھے اور اُن میں ہر قسم کی بُرائیاں موجود تھیں۔ مگر حضرت رسول مقبول ﷺ بچپن سے بہت نیک اور اچھے تھے۔ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے اور ہر برے کام سے بچتے رہے۔ جوانی میں بھی نیک اور پاک رہے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی شخص کو نہ ستایا۔ ہر ایک سے اچھا برتاؤ کیا۔ زندگی بھر بتوں کی پوجا سے بچتے رہے۔ آپ ﷺ مشرکانہ رسوم سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔

آپ ﷺ نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کبھی نہ کھایا تھا۔ ②

❀❀❀

① ابن سعد، الطبقات الکبری: ۱/۱۴۵

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۸۲۶

Marfat.com

دوسرا باب

آنحضرت ﷺ کی بعثت

سال پر سال گزرتے چلے گئے ۔ حضرت رسول اکرم ﷺ تجارتی کاروبار میں بڑا مصروف رہے ۔کاروبار میں آپ ﷺ کی نیک نامی ، دیانتداری ،صدق وامانت اور معاملات کی صفائی نے آپ ﷺ کی شہرت کو چار چاند لگا دیے ۔

نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ فارغ البال اور مالدار ہو گئے تھے ۔آپ ﷺ اپنی دولت غریبوں اور محتاجوں کی امداد واعانت میں صرف کرتے اور فراغت کے اوقات ذکر الٰہی اور فکرِ معاد میں گزارتے تھے ۔

خلوت پسندی

حضرت رسول اکرم ﷺ بعثت یعنی پیغمبر ہونے سے پہلے اکیلا رہنا پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کیا کرتے اور اس دنیا کے متعلق غور وفکر فرمایا کرتے تھے شہر مکہ کے قریب ایک پہاڑ کی کھوہ تھی جس کو غارحرا کہتے ہیں ۔ حضرت رسول اکرم ﷺ لوگوں سے الگ رہنے کے لیے اس غار میں جا بیٹھتے ۔کئی کئی دنوں کا کھانا ساتھ لے جاتے اور دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ کر رات دن ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور اسی غار میں بیٹھ کر اپنی قوم اور ساری دنیا کی حالت کے متعلق سوچا کرتے تھے ۔ ①

آغازِ نبوّت

جب حضرت رسول اکرم ﷺ کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو غارِحرا میں آفتابِ نبوت طلوع ہوا اور تاج رسالت آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھ کر پیغمبری سے سرفراز کیا گیا ۔ نبوت کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا ۔آپ ﷺ جو خواب دیکھتے وہ سچا نکلتا ۔ برابر چھ ماہ تک حضرت

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری:۳

رسول اکرم ﷺ کو سچے خواب نظر آتے رہے۔ اس کے بعد رسالت و نبوت کی ذمہ داریاں آپ ﷺ کو سونپی گئیں۔ ①

غارِ حرا میں پہلی وحی

۱۷ رمضان المبارک کا ذکر ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ حسب عادت غارِ حرا میں ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام وہ فرشتہ ہیں جو پیغمبروں کے پاس خدا کا پیغام لے جانے پر مقرر تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ''پڑھیے'' آپ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو بڑے زور سے دبایا اور کہا: پڑھیے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس طرح تین دفعہ آپ ﷺ کو زور سے دبانے کے بعد کہا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ ②

''یعنی اپنے اُس خُدا کا نام پڑھیے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔''

یہ پہلی وحی تھی جو حضرت رسول مقبول ﷺ پر نازل ہوئی۔

اس وحی کا آنا تھا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ پر اپنی اُمت کی تعلیم کا بڑا بوجھ ڈال دیا گیا۔ آپ ﷺ ڈر گئے، دل کانپ گیا۔ فوراً گھر واپس آئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے کمبل پہناؤ۔ اُنھوں نے آپ ﷺ پر کمبل ڈال دیا۔ جب ذرا سکون ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا کہ:

''آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں۔ غریبوں، محتاجوں اور بیکسوں پر رحم فرماتے ہیں۔ مسکینوں کے کام آتے ہیں اور حق معاملات میں مظلوموں کی حمایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچنے دے گا۔''

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کو اپنے چچیرے بھائی وَرَقہ بن نَوفل کے پاس

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳

② العلق: ۱/۹۶

Marfat.com

لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل بڑا عالم فاضل آدمی تھا اور تورات خوب جانتا تھا۔ اس نے سارا واقعہ سن کر کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ پھر کہا: اے کاش! میں اس وقت طاقتور اور تندرست ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو گھر سے نکال دے گی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا ایسا ہوگا؟ وَرَقہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو بھی اس قسم کا پیغام لے کر آئے ان کی قوم نے ایسا ہی کیا۔ ①

تبلیغ کی ابتداء

تھوڑے عرصے کے بعد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان اور اپنی قوم کو بت پرستی سے روکیں اور دین اسلام کی ہدایت کریں۔ چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چپکے چپکے اسلام کا پیغام سنانا شروع کیا۔ ②

توحید

یہ دین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ اسی نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ اسی نے زمین بنائی، آسمان بنایا۔ وہی مینہ برساتا اور ہوا چلاتا ہے۔ وہی اولاد دیتا ہے۔ وہی پھل پھول اور اناج اُگاتا ہے۔ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

پہلے مسلمان

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔ مردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ لڑکوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ اس کے بعد کچھ اور لوگ ایمان لائے۔ ③

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳

② ابن سعد، الطبقات الکبری: ۱/۱۹۹

③ ابن الاثیر، الکامل: ۲/۵۷

Marfat.com

تین برس تک حضرت رسول اکرم ﷺ چپکے چپکے لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلاتے رہے، جو لوگ نیک اور سمجھ دار تھے اُنھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ کے سمجھانے پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رسول اکرم ﷺ پر ایمان لے آئے۔ ① دیگر ایمان لانے والے حضرات میں ابوذر غفاری، عمار، خبّاب، اَرقم، سعید بن زید اور صُہیب رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ②

حضرت اَرقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو پہلا دارالتبلیغ اور اشاعتِ اسلام کا مرکز بنایا گیا۔ ③

اِعلانیہ تبلیغ

اب حضرت رسول اکرم ﷺ کو خدا کی طرف سے حکم ملا کہ آپ ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ اور نڈر ہو کر کھلے بندوں ایک خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ ④ یہ حکم ملتے ہی آنحضرت ﷺ نے کھلم کھلا بتوں کی پوجا سے روکنا شروع کیا۔ قریش مکہ ایک خدا کا نام سن کر بڑے سٹ پٹائے اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ بتوں کی پوجا سے روکتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کے دُشمن بن گئے۔

جو شخص حضرت رسول اکرم ﷺ پر ایمان لے آتا، قریش مکہ اس پر بڑی سختی کرتے۔ کمزور اور غریب مسلمانوں کو طرح طرح کے عذاب دیتے۔ کسی مسلمان کو تو قید و بند کے ذریعے تکلیف پہنچاتے۔ کسی کو بھوکا پیاسا رکھ کر ستاتے۔ کسی کو دوپہر کی گرمی میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سزا دیتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ کسی طرح اسلام کو چھوڑ دیں۔ لیکن مسلمان بڑی بڑی تکلیفیں اٹھاتے اور ہر قسم کا دُکھ برداشت کرتے مگر حضرت رسول اکرم ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔

آنحضرت ﷺ قریش کی دشمنی کو خاطر میں نہ لائے۔ آپ ﷺ نے بڑی بے باکی اور

① ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص:۱۸۴

② ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص:۱۸۶، ۱۸۷

③ الازرقی، اخبار مکہ: ۲/۲۰۰

④ الشعراء: ۲۶/۲۱۴

Marfat.com

جرأت و ہمت سے لوگوں کو خدا کا حکم سنایا۔ ایک خدا کی طرف بلایا اور بتوں کی پوجا سے منع کیا۔ تبلیغ حق کی خاطر آپ ﷺ نے بڑے جتن کیے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے قریش کے سرداروں کو کھانے پر بلایا۔ کھانے کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ نے سردارانِ قریش کو اسلام کی دعوت دی۔ ①

ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قریش کو پکارا تو آپ ﷺ کی آواز سُن کر قریش کے بڑے بڑے سردار اس پہاڑی کے نیچے آ کر جمع ہو گئے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے تمھارے دشمنوں کا ایک لشکر جرار جمع ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے؟ سب نے ہم آواز ہو کر کہا:

ہاں بے شک، کیونکہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

پھر حضرت رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے خدا کا پیغام نہ مانا تو تم پر بڑا سخت عذاب نازل ہوگا۔

یہ سن کر ابو جہل بول اٹھا: کیا تم نے یہی سنانے کے لیے ہمیں یہاں بلایا تھا؟ یہ کہنے کے بعد وہ اُٹھ کر چلا گیا، قریش کے دوسرے سردار بھی ناراض ہو کر چلے گئے۔ ②

کفار کی ایذا رسانی

جب قریش نے حضرت رسول مقبول ﷺ کی زبان سے ایک خدا کا نام سنا تو بہت بگڑے۔ بتوں کی پوجا سے روکنے پر وہ آپ ﷺ کے دشمن بن گئے۔ کفار نے آنحضرت ﷺ کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچائیں اور طرح طرح سے ستایا۔ آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ غریب اور بے کس مسلمانوں کو بہت دُکھ دیے۔ رسّی سے باندھ کر انھیں پیٹتے۔ دوپہر کے وقت گرم ریت پر لٹا دیتے۔ بعض مسلمان مردوں اور عورتوں کو نیزے

① ابن الجوزی، الوفا: ۱/۱۴۷

② ابن الجوزی، الوفا: ۱/۱۴۶

Marfat.com

مار کر شہید کر دیا۔ آنحضرت ﷺ ان تمام تکالیف ومصائب کو برداشت کرتے اور خدا کا حکم برابر سناتے رہے ۔تبلیغ دین میں آپ ﷺ نے جس جوانمردی ،جرأت و ہمت اور استقلال و استقامت کا ثبوت دیا وہ مندرجہ ذیل واقعات سے ظاہر ہے:

اکثر اوقات کفار مکہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے تھے تاکہ رات کے وقت اندھیرے میں آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہو جائیں۔ قریش کے بدبخت لوگ آپ ﷺ کے گھر کے دروازے پر گندگی پھینک جاتے تھے تاکہ آپ ﷺ کی صحت خراب اور دل پریشان ہو۔

ایک دن آنحضرت ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک شخص عُقبہ بن ابی مُعَیط آیا۔ اس نے اپنی چادر کو بل دیے اور جب آنحضرت ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے چادر کو آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر اتنے پیچ دیے کہ آپ ﷺ کا گلا گھٹنے لگا، حضرت رسول اکرم ﷺ تکلیف کے باوجود پورے اطمینان سے سجدے میں پڑے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور اُنھوں نے دَھکے دے کر عُقبہ کو ہٹا دیا۔ ①

ایک دن حضرت رسول اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے گئے، قریش بھی وہاں جا پہنچے۔ بدبخت عقبہ گیا اور اُونٹ کی اوجھڑی اٹھا لایا۔ جب آپ ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑی آپ ﷺ کی پیٹھ مبارک پر رکھ دی۔ آپ ﷺ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں اور اُنھوں نے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا۔ ②

جب کفار مکہ کی تمام شرارتیں بے سود ثابت ہوئیں تو وہ ہنسی اُڑانے پر اُتر آئے۔ اُنھوں نے رسول اکرم ﷺ کو تنگ کرنے اور ستانے کے لیے باقاعدہ انجمن بنائی اور ہنسی مذاق سے تکلیف پہنچانے لگے۔ کفار آپ ﷺ پر آوازے کستے، ٹھٹھا مخول کرتے، لیکن حضرت رسول اکرم ﷺ سب کچھ برداشت کرتے اور ایک اللہ کی طرف برابر بلاتے رہے۔

قریش نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی تکلیفوں کو صبر کے ساتھ

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۸۵۶

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۴۰

Marfat.com

برداشت کرتے ہیں اور سچی بات کہنے سے باز نہیں آتے، تو ایک دن قریش کے سردار اکٹھے ہو کر آپ کے چچا ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ تم اپنے بھتیجے کو سمجھا دو کہ وہ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دے، ورنہ پھر ہماری تمھاری لڑائی ہے۔ سردارانِ قریش یہ بات کہہ کر واپس چلے آئے۔

ابو طالب نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو بلا کر سارا قصہ سنایا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا:

> چچا جان خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا۔ جب ابو طالب نے یہ سنا تو کہا: اے بھتیجے! تم اپنا کام کیے جاؤ، میں تمھارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ ①

اس کے بعد قریش نے ایک اور داؤ چلایا۔ وہ ایک شخص عُمارہ بن ولید بن مغیرہ کو لے کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہنے لگے: دیکھو یہ عمارہ ہے جو قریش میں سب سے زیادہ بہادر، جوانمرد اور حسین ہے۔ اے ابو طالب! تم اسے اپنا بیٹا بنا لو۔ اس کی عقل و خرد اور طاقت و قوّت تمھارے کام آئے گی، اور اپنے بھتیجے (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کو ہمارے سپرد کر دو۔ تمھارا یہ بھتیجا ہمارے اور تمھارے آبائی دین کی مخالفت کرتا ہے۔ اس نے ہماری قوم میں افتراق پیدا کر دیا ہے اور ہمارے عقلمندوں کو بت پوجنے کی وجہ سے بے وقوف ٹھہراتا ہے۔ تم آدمی کے بدلے آدمی لے لو، ہم اسے قتل کر دیں گے۔

ابو طالب نے کہا:

> یہ تو بڑا بُرا سودا ہے۔ کیا میں اپنا بیٹا اس لیے تمھارے حوالے کر دوں کہ تم اسے قتل کر دو اور تمھارا بیٹا اس لیے لے لوں کہ اسے پال پوس کر پھر تمھارے حوالے کر دوں۔ ②

قریش نے حضرت رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو دُکھ دیے اور تکلیفیں پہنچائیں مگر جب

① ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص:۱۹۶

② سہیلی، الروض الانف: ۵/۲

Marfat.com

ستانے سے کام نہ چلا تو دھمکیوں پر اُتر آئے۔ جب دھمکیوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو قریش نے سوچا کہ لالچ دینا چاہیے، شاید آپ ﷺ لالچ میں آ جائیں۔ اس غرض کے لیے قریش نے اپنے ایک سردار عُتبہ کو آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپ ﷺ سے کہا: اگر آپ مکے کا بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو ہم آپ کے سامنے مال و دولت کے انبار لگا سکتے ہیں۔ آپ جو مانگیں ہم دینے کو تیار ہیں۔ آپ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

اس کے جواب میں حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تمھارا معبود صرف ایک اللہ ہے۔ اسی کی عبادت کرو۔ اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہ ٹھہراؤ۔ وہی سارے جہان کا مالک اور پالن ہار ہے۔[1]

جب قریش کا یہ داؤ بھی ناکام رہا تو وہ بڑے شرمندہ ہوئے۔ آخر ایک دن قریش مکہ نے ولید بن مغیرہ کے مکان پر جمع ہو کر مشورہ کیا کہ حج کا موسم آ رہا ہے۔ لوگ باہر سے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے آئیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پردیسی لوگ ان کا پیغام سُن کر ان کے ساتھ ہو جائیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ بات طے کر لو اور پھر سب ڈٹ کر اس پر عمل کرو۔

قریش نے کہا: ''ہم حاجیوں کو کہہ دیں گے کہ یہ شخص کاہن ہے۔'' ولید بن مغیرہ بولا: ہم خوب جانتے ہیں کہ کاہن اور کہانت کیا چیز ہے۔ یہ شخص کاہن نہیں۔ پھر قریش نے کہا: ہم کہہ دیں گے کہ یہ شخص مجنوں و دیوانہ ہے۔ ولید کہنے لگا: دیوانگی اور جنون کو ہم خوب سمجھتے ہیں۔ یہ دیوانہ بھی نہیں۔ یہ سن کر قریش بولے: ہم کہیں گے کہ یہ شخص شاعر ہے۔

ولید بن مغیرہ نے کہا: ہم جانتے ہیں کہ شعر و شاعری کیا چیز ہے۔ یہ شخص شاعر بھی نہیں ہے۔ آخر قریش نے ولید سے پوچھا کہ تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کہیں۔ اس نے جواب دیا کہ اس شخص کے کلام میں شیرینی اور حلاوت ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے۔ اس کی بات میں تاثیر ہے جو کانوں کی راہ سے دل میں اتر جاتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم کہو ساحر ہے جو باپ بیٹے، میاں بیوی اور بھائی بھائی میں جدائی اور افتراق ڈال دیتا ہے۔[2]

---

① سہیلی، الروض الانف: ۳۶/۲

② ابن الاثیر، الکامل: ۱/۲: ۷

Marfat.com

آخر یہی رائے ٹھہری اور اس فیصلے کے مطابق قریش زائرین بیت اللہ کو کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر اور جادوگر ہے، اس کی بات نہ سُنیے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ آپ ﷺ کی آواز زائرین بیت اللہ کے ذریعے دور دور علاقوں میں پہنچنے لگی۔

ہجرت حبشہ

قریش مکہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو ستایا، دھمکایا، لالچ دیا اور جب کوئی داؤ نہ چل سکا تو غریب مسلمانوں پر اور زیادہ سختی شروع کر دی۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ اب مسلمانوں کے لیے مکہ مکرّمہ میں رہنا دشوار ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ ملک حبش کو چلے جائیں۔ اور فرمایا کہ ''وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے ہاں لوگوں پر ظلم نہیں ہوتا۔ اس کا ملک راست بازی اور صدق کی سرزمین ہے۔'' آپ کی اجازت پا کر نبوت کے پانچویں سال بارہ مردوں اور چار عورتوں نے کشتی میں سوار ہو کر حبش کو ہجرت کی۔ ① بعد میں اور مسلمان بھی وہاں جا پہنچے۔ اب ان کی تعداد علاوہ بچوں کے ۸۳ مردوں اور ۱۷ عورتوں تک پہنچ گئی۔ ② حبش کا عیسائی بادشاہ نجاشی ایک نیک دل اور عادل حکمران تھا۔ اس نے مسلمانوں سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ نجاشی کے ملک میں مسلمانوں کو امن و سلامتی اور سُکھ چین کی زندگی نصیب ہوئی۔

ان مہاجرین میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، آپ کی بیوی حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسولِ خدا ﷺ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کی بیوی حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ ③

جب قریش نے دیکھا کہ حبش میں مسلمانوں کو آرام و اطمینان سے رہنے کا موقع مل گیا ہے تو انھیں بڑا رنج و قلق ہوا اور وہ بے چین ہو گئے۔ اُنھوں نے فوراً مجلسِ مشاورت بلائی اور فیصلہ کیا کہ دو مضبوط و مقتدر آدمی نجاشی کے دربار میں جائیں اور کسی نہ کسی طرح وہاں سے مسلمانوں کو نِکلوا دیں۔

① ابن حجر، فتح الباری: ۷/۱۸۸
② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۳۰
③ ابن حجر، فتح الباری: ۷/۱۸۸

Marfat.com

اس مقصد کے پیشِ نظر عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو قریش کا نمائندہ بنا کر نجاشی کی خدمت میں بھیجا گیا۔ قریش کے یہ دونوں نمائندے تحفے تحائف لے کر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے اور رسمی ملاقات اور نذرانے و تحفے پیش کرنے کے بعد نجاشی کی خدمت میں یہ عرضداشت پیش کی:

''اے بادشاہ سلامت! ہمارے چند بے وقوف نوجوانوں نے اپنا وطن چھوڑ کر آپ کے ملک میں پناہ لی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قوم کا مذہب ترک کر کے حضور والا کا مذہب اختیار نہیں کیا، بلکہ ایک ایسا نیا مذہب اختیار کیا ہے جس سے نہ حضور والا آشنا ہیں اور نہ ہم اس سے آگاہ ہیں۔ ہم نے جناب والا کی قدم بوسی کا شرف اس لیے حاصل کیا ہے کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ ان میں قریش کے شرفاء کی اولاد بھی شامل ہے۔ ان نوجوانوں نے مذہب تبدیل کر کے قریش کی ناک کاٹ ڈالی ہے۔''

نجاشی کے درباری عرض پرداز ہوئے:

''اے بادشاہ سلامت! اگر ان لوگوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے تو یہ انھیں اپنے وطن اور قوم میں پہنچا دیں گے۔''

نجاشی بڑا سمجھ دار، انصاف پسند اور دُور بین بادشاہ تھا۔ اس نے مسلمان مہاجرین کو طلب کر کے ان کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اے بادشاہ سلامت! ہم لوگ جاہل تھے۔ بُت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے اور ہر قسم کی برائی کا ارتکاب کرتے تھے۔ ہمسائے کو ستاتے تھے۔ طاقتور کمزور کو مارتا تھا۔ آخر خدا نے ہم میں سے ایک آدمی کو رسول بنا کر بھیجا۔ ہم اس کے باپ دادا سے خوب واقف ہیں اور اس کی دیانتداری، صدق وامانت اور نیکی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خدا کی طرف بلایا اور کہا کہ ہم بتوں کی پوجا چھوڑ دیں، سچ بولیں، بری

Marfat.com

باتوں سے بچیں۔ دھوکہ فریب نہ کریں۔ یتیم کا مال نہ کھائیں، محتاجوں اور غریبوں کی امداد کریں، ایک اللہ کی عبادت کریں۔ ہم نے اس کی باتوں کو مان لیا ہے۔''

پھر نجاشی نے پوچھا! تمھارے پاس پیغام خدا میں سے کوئی چیز ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔

نجاشی بولا: مجھے پڑھ کر سناؤ۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم تلاوت کی۔ اس میں حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وِلادت کا بیان ہے۔ نجاشی سن کر بڑا متاثر ہوا۔ اس کی آنکھوں سے اس قدر آنسو ٹپکے کہ داڑھی تر ہوگئی۔ پادریوں پر بھی بڑا اثر ہوا۔ پھر نجاشی کہنے لگا۔ یہ پیغام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام دونوں ایک ہی خدا کی طرف سے ہیں۔ پھر قریش کے نمائندوں کو مخاطب کر کے کہا:

''تم دونوں واپس چلے جاؤ۔ خدا کی قسم! میں ان مہاجرین کو تمھارے حوالے نہ کروں گا۔''[1]

مسلمانوں کو نجاشی کے ملک میں امن وچین نصیب ہوا اور قریش منہ کی کھا کر نامُراد لوٹے۔

سیاسی بصیرت

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ملک حَبَش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دینے میں جس سیاسی بصیرت، معاملہ فہمی اور دانشمندی کا ثبوت دیا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ یہ بات غور طلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین حبشہ کو کیوں منتخب فرمایا، حالانکہ جزیرہ عرب میں بیسیوں قبائل تھے۔ آپ کسی ایک قبیلہ کو پسند کر سکتے تھے لیکن اس میں قریش کا اقتدار اور اثر و رسوخ آڑے تھا۔ یثرب و نجران کے علاقوں کو بھی پسند نہ فرمایا، حالانکہ یثرب میں یہودی اہل کتاب تھے اور نجران میں عیسائی۔ اسی طرح یمن کا علاقہ بھی موجود تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں بھیجنا اس لیے مناسب نہ سمجھا کہ یہ علاقہ اہل فارس کے زیر اثر تھا اور اہل فارس کسی آسمانی دین کے پیرو نہ تھے۔ نیز کسریٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے تھا۔ حیرہ کا علاقہ

① احمد بن حنبل، المسند: ۲۰۲/۱

Marfat.com

مکۂ مکرمہ سے بہت دُور اُفتادہ تھا۔ ملک شام بھی بہت دُور ہونے کی وجہ سے خارج از بحث تھا۔ پھر ان ملکوں سے قریش کے تجارتی تعلقات بھی تھے۔ ہوسکتا تھا کہ غریب مسلمان جو خفیہ طور پر وطن کو خیر باد کہہ کر ایک اجنبی ملک میں آباد ہونے کے لیے جارہے تھے۔ قریش کے ہاتھوں زیادہ تکلیفیں اٹھاتے۔

اس کے برعکس حضرت رسول اکرم ﷺ کو خوب معلوم تھا کہ نجاشی نیک دل اور عادل بادشاہ ہے۔ کسی قسم کا بیرونی دباؤ اور اقتدار اس کے عدل و انصاف پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ انھیں وجوہات کی بنا پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ملک حبش سرزمینِ صدق ہے اور وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ ہجرت کے لیے ملک حبش کا انتخاب سیاسی بصیرت اور دانش مندی کا بہترین ثبوت تھا۔

اس ہجرت کا ایک سیاسی اثر یہ ہوا کہ سارے عرب میں یہ مشہور ہوگیا کہ چند افراد نے اسلام قبول کیا تو قریش مکہ نے اُنھیں وطن چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ پھر ان مہاجرین کی بدولت اسلام کی آواز عرب سے باہر ملکوں میں پہنچنے لگی۔

شعبِ ابی طالب میں محصوری

جب قریش کی ساری تدبیریں ناکام رہیں اور ان کے جور و ظلم کے باوجود مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی تو قریش نے حضرت رسول خدا ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بنو ہاشم اور بالخصوص عبدُ المُطّلِب کے خاندان کے خلاف ایک نیا قدم اٹھایا۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ عبدُ المُطّلِب کی اولاد اور بالخصوص خاندانِ نبوت سے بالکل مقاطعہ کر کے ان کا دانہ پانی بند کردیا جائے۔ چنانچہ فیصلے کے مطابق عہد نامہ لکھا گیا۔ جس کی رُو سے یہ قرار پایا کہ:

(۱) کوئی شخص خاندانِ ہاشم اور اولادِ عبدُ المُطّلِب سے کسی قسم کا لین دین نہ کرے۔

(۲) کوئی مرد ان دونوں خاندانوں کے ہاں شادی بیاہ نہ کرے۔

(۳) کوئی شخص ان کو اپنی لڑکی نہ دے۔

(۴) کوئی ان کے ساتھ تجارتی تعلقات نہ رکھے۔ جب تک یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لیے قریش کے حوالے نہ کردیں۔

Marfat.com

یہ عہد نامہ لکھ کر کعبہ شریف میں لٹکا دیا گیا۔

جب حضرت رسول مقبول ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ اپنے سارے خاندان سمیت مکّہ مکرّمہ کی ایک گھاٹی میں جس کو شِعبِ ابی طالب کہتے تھے پناہ گزین ہو گئے۔ یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال کا ہے۔

قریش تین برس تک اس عہد نامے کی پابندی کرتے رہے اور اُنھوں نے ہر چند کوشش کی کہ خاندان نبوت کو کوئی چیز نہ پہنچنے پائے۔ پھر بھی خاندانِ نبوت کے کچھ خیر خواہ اور ہمدرد پوشیدہ طور پر تھوڑا بہت ان کو پہنچا آتے تھے، تین سال تک یہی حالت رہی۔

آخر کار قریش کے چند افراد کو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے حال پر رحم آیا اور اُنھوں نے تہیہ کر لیا کہ اس عہد نامے کو ختم کر دیا جائے اور خاندان نبوت کو شعب ابی طالب سے باہر نکالا جائے۔ ایک شخص زُہیرؒ بن اُمیہ نے لوگوں کو عہد نامہ توڑ دینے پر اُکسایا اور کہا: ''اے اہل مکہ! کیا ہمیں یہ بات زیب دیتی ہے کہ ہم تو کھائیں، پئیں اور پہنیں اور بنو ہاشم اور بنو مطلب بھوکے ہلاک ہو جائیں؟ اُنھیں خرید و فروخت کی بھی اجازت نہیں! بخدا! میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک کہ اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ عہد نامے کو پھاڑ نہ دوں گا۔''

ابو جہل نے اس کی مخالفت کی لیکن اتنے میں قریش کا ایک سردار مُطعِم بن عَدی نامی اٹھا اور عہد نامے کو کعبے سے اُتار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس طرح قریش کا یہ ناپاک عہد نامہ ختم ہوا اور خاندان نبوت کے افراد تین برس تک مصائب و تکالیف سے دوچار ہونے کے بعد شعب ابی طالب سے نکل کر اپنے گھروں کو واپس آئے۔ ①

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات

نبوت کے دسویں سال یعنی اس واقعہ کے چند ماہ بعد حضرت رسول مقبول ﷺ کے مہربان چچا ابو طالب کا انتقال ہوا۔ جب تک وہ زندہ رہے آنحضرت ﷺ کی ہر طرح حمایت کرتے رہے۔ پیارے چچا کی وفات کے چند روز بعد آپ ﷺ کی ہمدرد اور غمگسار بیوی حضرت

① ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ ص: ۱۹۸

Marfat.com

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی وفات پائی۔ ان دونوں کی وفات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ ہوا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کی وفات کے بعد قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بھی زیادہ تکلیفیں پہنچانے اور گستاخی و بےادبی سے پیش آنے لگے۔ [۱]

سفرِ طائف

ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں اور بالخصوص ابولہب، عُقبہ بن ابی معیط اور حکم بن عاص کی، جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہتے تھے۔ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں پہنچانے میں پیش پیش تھے اور نماز اور کھانے کے اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گندگی اور کوڑا کرکٹ پھینک دیتے تھے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت خراب ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پریشان خاطر نظر آنے لگیں۔

اس ظلم و تعدی کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ کوئی اور قبیلہ تلاش کیا جائے جو اسلام کی دعوت کو قبول کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتا ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جا کر وہاں کے سرداروں کو اسلام کی طرف بلایا اور توحید کا پیغام سنایا۔ یہ شہر مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق کو ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اپنی شادابی کے لیے حجاز بھر میں مشہور ہے۔ [۲] اس وقت بنوثقیف کا قبیلہ یہاں آباد تھا۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر میں پورا ایک مہینہ رہے اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔ مگر ان بدقسمت لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر کان نہ دھرے بلکہ اُلٹا بےادبی سے پیش آئے اور اہل مکہ سے زیادہ سنگدل ثابت ہوئے۔ طائف کے شریر لوگوں نے پتھر مار کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لہولہان کر دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی بڑا صبر و تحمل کیا۔

طائف کے لوگوں کی بدسلوکی دیکھ کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں واپس تشریف لے آئے۔ مکہ میں داخلہ مُطعم بن عدی کی حمایت میں ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف میں جا کر طواف کیا اور نماز پڑھی۔ کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موسم میں باہر سے آنے والے قبیلوں کو اسلام کی طرف

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۹۰/۲

② یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۱۲_۸/۴

Marfat.com

بلانا شروع کیا۔

فرضیّت نماز پنجگانہ

نبوت کے گیارھویں سال اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی۔ اپنی نزدیکی عطا کی اور بڑی بڑی نعمتیں نازل کیں۔ آسمانوں کی اس سیر کو معراج کہتے ہیں۔ ایک رات حضرت جبرائیل علیہ السلام آکر آنحضرت ﷺ کو براق پر سوار کر کے خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ لے گئے۔ پھر سات آسمانوں کی سیر کی۔ جہاں بہت سے پیغمبروں سے ملاقات بھی ہوئی۔ اسی معراج میں پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی تھی۔ ①

مکّے سے باہر اشاعتِ اسلام

طائف کے سفر سے واپس آکر حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ سب قبیلوں اور خاندان کے لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلایا جائے۔ چنانچہ نبوت کے گیارھویں سال آپ ﷺ نے عربوں کے میلوں میں تشریف لے جانا شروع کیا۔ میلوں کے علاوہ موسم حج میں بھی آپ ﷺ مختلف خاندانوں کو دین اسلام کی ہدایت فرماتے تھے۔ ②

اسلام یثرِب میں

اسی سال حج کے موسم میں یثرِب کے کچھ لوگ مکہ میں آئے۔ یثرِب کا شہر مکہ مکرمہ سے دو سو میل کے فاصلے پر ہے، یثرِب کو اب مدینہ شریف کہتے ہیں۔ حضرت رسول اکرم ﷺ ان لوگوں سے بھی ملے اور اُنھیں اسلام کی ہدایت فرمائی۔ ان میں سے چھ آدمی مسلمان ہو گئے۔ جب یہ لوگ وطن واپس گئے تو اسلام کا پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔ اب یثرِب میں حضرت رسول اکرم ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔ ③

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۴۹

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴۲۲/۱

③ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۴۲۰/۲

Marfat.com

بیعتِ عَقَبَہ اُولیٰ

دوسرے سال ۱۲ نبوت کو حج کے موقع پر یثرِب کے بارہ آدمی آ کر آنحضرت ﷺ سے ملے اور مسلمان ہو گئے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ:

(۱) ہم ایک خدا کی عبادت کیا کریں گے اور کسی کو اس کا شریک اور ساجھی نہ بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور بدکاری نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد یعنی لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کھائیں گے۔

(۵) ہم نبی ﷺ کی فرمانبرداری اور اطاعت کیا کریں گے۔ [۱]

اس پختہ وعدہ کو بیعت کہتے ہیں۔ یہ بیعت عَقَبَہ مقام پر پہلی مرتبہ ہوئی تھی، اس لیے اسے بیعت عَقَبَہ اُولیٰ کہتے ہیں۔ عَقَبَہ منیٰ کے قریب واقع ہے۔ اس بیعت کو بیعتُ النساء بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بیعت عورتوں کی شرائط پر تھی۔

ان لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیجا جائے جو ہمیں اسلام کی باتیں سکھائے۔ مدینے میں جا کر لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلائے اور بتوں کی پوجا سے منع کرے۔ جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آنحضرت ﷺ نے اس کام کے لیے حضرت مُصعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بڑے امیر گھرانے کے آدمی تھے۔ اسلام لانے سے پہلے بڑی آن بان سے رہتے اور بہت قیمتی پوشاک پہنتے تھے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو آگے پیچھے نوکر چاکر ہوتے تھے۔ مگر جب مسلمان ہو گئے تو قیمتی پوشاکوں اور ظاہری ٹھاٹھ اور نمائش کو بالکل چھوڑ دیا۔ بڑی سادہ زندگی بسر کرنے لگے۔ جن دنوں آپ یثرِب میں اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، ان دنوں ان کے کندھے پر صرف کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا جسے اٹکانے کے لیے اگلی طرف کیکر کے کانٹے لگا لیا کرتے تھے۔

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۸

Marfat.com

مدینے میں پہنچ کر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے گھروں میں پھر پھر کر اسلام کا پیغام پہنچانا شروع کیا۔ ان کی باتیں سن سن کر لوگ مسلمان ہونے لگے اور ایک سال کے اندر اندر بہت سے گھرانے مسلمان ہو گئے۔ اس طرح یثرب میں اسلام خوب پھیلنے لگا۔ ①

بیعتِ عقبہ ثانیہ

اگلے سال ۱۳ نبوت کو حج کے موقع پر ۷۵ اشخاص یثرب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسی جگہ حاضر ہو کر ایمان لے آئے۔ ان میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ ان میں سے ہر ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی قسمیں کھائیں اور ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا۔ ②

مدینے تشریف لے جانے کی درخواست

ان لوگوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے شہر میں تشریف لے چلیں اور غریب و کمزور مسلمانوں کو جن پر مکہ میں ظلم ہوتا ہے یثرب میں بھیج دیں۔

اس موقع پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے مدینے والوں سے کہا کہ تمھیں بڑی مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو کچھ کرو خوب سوچ سمجھ کر کرو۔ یثرب والوں نے پوری پوری امداد کا وعدہ کیا۔

یثرب کا ایک سردار عرض کرنے لگا۔ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے ہمارے تعلقات ہیں، اب یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اسلام طاقتور ہو جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر مکے واپس چلے جائیں۔''

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا:

''ایسا نہیں ہوگا۔ تمھارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں''③

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۳۱

② ابن الجوزی، الوفا: ۱/ ۱۷۸

③ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۳۸

Marfat.com

سرداروں کا انتخاب

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان لوگوں میں سے بارہ سردار مقرر فرما دیے۔ ہر خاندان کا ایک ایک سردار تھا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہر سردار اپنے اپنے خاندان کا نگران اور ذمہ دار ہے اور میں ساری قوم کا نگران ہوں۔ تم یثرب میں اسلام پھیلاؤ، مکے میں یہ کام میں خود کروں گا۔ ①

ہجرت مدینہ

جب قریش مکہ مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں دینے لگے اور یثرب میں اسلام خوب پھیل گیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت فرما دی کہ وہ وطن چھوڑ کر یثرب چلے جائیں۔ ہجرت کرنے والوں کو قریش مکہ کی بڑی سختیاں برداشت کرنا پڑیں اور بڑے ظلم سہنے پڑے۔ مشکلات اور مصیبتوں کے باوجود بہت سے مسلمان چھپ کر یثرب چلے گئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر اور ہتھیار لگا کر کعبہ شریف میں آئے۔ طواف کیا اور دشمنوں کو للکارا مگر کسی کافر کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اب مکہ مکرمہ میں چند مسلمان رہ گئے تھے۔ مشہور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکے میں رہے۔ قریش نے سوچا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے کہ آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے تدبیریں سوچی جانے لگیں۔ آخر یہ طے پایا کہ عرب کے ہر ایک مشہور قبیلے سے ایک ایک جواں مرد چُن لیا جائے، یہ سب جوان رات کے اندھیرے میں آنحضرت ﷺ کے گھر کو گھیر لیں، جب آپ ﷺ صبح کی نماز کے لیے باہر نکلیں تو یہ سب اپنی اپنی تلوار سے وار کر کے آپ ﷺ کو قتل کر دیں۔ ②

اِدھر کفار مکہ نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا، اُدھر حضرت رسول اکرم ﷺ کو اس منصوبے کی خبر ہو گئی، آپ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا، جب رات کو کفار نے حضرت رسول

① ابن حبیب، المحبر، ص: ۲۶۸

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۲۷

Marfat.com

اکرم ﷺ کا گھر آگھیرا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

تم میرے بستر پر میری سبز چادر لے کر لیٹ جاؤ، کوئی فکر کی بات نہیں، کوئی آدمی تمھارا بال بیکا نہ کر سکے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بے فکری سے مزے کی نیند سو رہے اور آنحضرت ﷺ خدا کی حفاظت میں باہر تشریف لے گئے اور کفار مکہ کی آنکھوں میں خاک ڈالتے سورۂ یٰسین پڑھتے صاف نکل گئے۔ کسی شخص نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو جاتے نہ دیکھا۔ یہ واقعہ ۲۷۔ صفر ۱۳۔ نبوت کا ہے۔ ①

غارِ ثور میں

حضرت رسول اکرم ﷺ سیدھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور فرمایا کہ ہجرت کا حکم آگیا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ہمرکاب ہو کر شرفِ رفاقت کی اجازت چاہی۔ جلدی سے سفر کا سامان لیا۔ ایک تھیلے میں ستو ڈالے اور رات کے اندھیرے میں دونوں بزرگوار مکے سے نکل پڑے اور چار پانچ میل کے فاصلے پر پہاڑ کی ایک کھوہ تک، جس کو غارِ ثور کہتے ہیں پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو باہر ٹھہرایا۔ خود اندر جا کر غار کو صاف کیا اور پھر عرض کیا کہ آپ ﷺ بھی تشریف لے آئیں۔

قریش مکہ پیچھے آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کفار کو دیکھ کر گھبرائے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ جب قریش مکہ آپ ﷺ کا کوئی کھوج نہ پا سکے تو ناکام واپس چلے گئے۔ پھر اُنھوں نے اعلان کر دیا جو شخص آپ ﷺ کو پکڑ لائے اسے ایک سو اونٹ انعام دیے جائیں گے۔

حضرت رسول مقبول ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین دن تک اس غار میں رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روزانہ چھپ کر آتے اور قریش مکہ کی باتیں اور حالات سنا جاتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر رضی اللہ عنہ رات کے وقت بکریاں لا کر دودھ دے جاتا۔ بکریوں کے آنے جانے سے پاؤں کے نشان بھی مٹ جاتے۔ ②

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۸۳

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۹۰۵

Marfat.com

غار سے روانگی

چوتھے دن حضرت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غار سے نکل کر یثرب کو روانہ ہوئے۔ ایک شخص عبداللہ بن اُریقط مدینے کا راستہ بتانے کے لیے ساتھ ہو لیا۔

یثرب کا راستہ بالکل ویران اور سنگلاخ تھا۔ راہ میں نہ کوئی سایہ دار درخت تھا نہ پانی۔ عام طور پر مشرقی راستہ استعمال ہوتا تھا جو بلادِ نجد کے سامنے سے گزرتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے بحیرۂ احمر کے سامنے والا مغربی راستہ اختیار کیا۔ یہ راستہ اختیار کرنے کے باوجود آپ ﷺ کبھی اِدھر مڑ جاتے کبھی اُدھر، کبھی ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے اور کبھی ساحل سے دُور ہٹ کر چلتے۔ پیچ کھاتے اور راستہ بدلتے ہوئے آپ ﷺ منزلیں طے کرتے چلے گئے تاکہ قریش کے کھوجی سراغ نہ پا سکیں۔ مختلف راہوں سے گزرتے ہوئے بالآخر آپ ﷺ وادیٔ عقیق میں داخل ہوئے اور وہاں سے ۱۲ ربیع الاول کو قُباء میں جا پہنچے۔ قباء میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرمایا۔ وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ قباء اور مدینہ منورہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ قباء میں چار دن قیام رہا۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی وہ تمام امانتیں واپس کر دیں جو حضرت رسول اکرم ﷺ کے پاس رکھی ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے قباء میں تشریف لانے سے تیسرے روز حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

❁❁❁

[1] محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۹۰۶

Marfat.com

تیسرا باب

مدینہ میں ورودِ مسعود

قباء میں چار دن قیام فرمانے کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ نے یثرب کا قصد فرمایا۔ یہ جمعہ کا دن تھا راستے میں نماز جمعہ کا وقت آ گیا۔ بنوسالم کے محلے میں نماز جمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا۔ تاریخ اسلام میں جمعہ کی ابتداء اسی دن سے ہوئی۔ ① اس کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو کر یثرب کی طرف چل پڑے۔

شوقِ دید و استقبال

اہل یثرب کو آپ ﷺ کی روانگی کا علم ہو چکا تھا۔ وہ بڑی بے چینی سے آپ ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب حضرت رسولِ مقبول ﷺ کی زیارت کے لیے بے تاب تھے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کا سن کر سارے شہر میں خوشی و مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ سرود و شادمانی کے شادیانے بجنے لگے۔ گلی کوچے نعروں سے گونج رہے تھے۔ شہر کے معزز لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر سڑک کے دونوں جانب کھڑے تھے۔ آپ ﷺ جس قبیلے کے سامنے سے گزرتے وہ عرض کرتا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ گھر، یہ مال و دولت اور یہ جان و دل حاضر ہے۔ آپ ﷺ سب کا شکریہ ادا کرتے اور دعا دیتے ہوئے گزر جاتے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کو دیکھنے کے لیے عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور معصوم بچیاں دَف بجاتی اور یہ اشعار گاتی تھیں۔ (مطلب یہ ہے):

ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب
چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے
شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا

---

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۹۴

Marfat.com

حکم کی تیرے اِطاعت فرض ہے

بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

حضرت رسول اکرم ﷺ اونٹنی پر سوار تھے۔ ہر آدمی کی یہ خواہش تھی کہ آپ ﷺ اس کے مہمان بنیں۔ اس مقصد کے لیے لوگ اونٹنی کو اپنے مکان کے سامنے روکنا چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ہر آدمی کو یہ جواب دیتے: ''چھوڑ دو اسے حکم مل چکا ہے۔'' آخر چلتے چلتے اونٹنی اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اب مسجد نبوی ﷺ ہے۔ آنحضرت ﷺ اُتر پڑے اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔

یثرب میں تشریف فرما ہونے کی تاریخ ۱۶۔ ربیع الاول (۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) ہے۔ ①

ہجرت کے بعد یثرب کو طیبہ یا مدینہ منورہ یا مدینۃ النبی ﷺ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا سال بھی اسی ہجرت سے شروع ہوتا ہے۔ ہجرت سے پہلے واقعات کی تاریخ عام الفیل کے حساب سے شمار ہوتی تھی۔ ②

مدینہ کے باشندے

آپ ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ منورّہ میں تین گروہ تھے۔

۱۔ مہاجرین: یہ وہ لوگ تھے جو اسلام قبول کر لینے کے بعد مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں آبسے تھے۔

۲۔ اَنصار: یہ مدینہ کے باشندے تھے جنھوں نے اسلام قبول کر کے قریش کے مقابلہ پر پیغمبرِ اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی نصرت و امداد کی۔ اکثر انصار اَوس و خزرج کے قبائل میں سے تھے۔ انصار نے ہمیشہ جان و مال قربان کر کے خُدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کی۔

۳۔ یہودی: یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے۔ مدت سے جزیرۂ عرب میں

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۹۴

② الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱/ ۳۲

Marfat.com

آباد تھے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ مشہور یہودی قبیلے تھے، یہودی اسلام کے سخت دشمن تھے، قریش مکہ کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما رہے، یہودی بڑے مالدار تھے۔ صنعت و حرفت، تجارت اور زراعت سب ان کے ہاتھ میں تھی۔ سودی لین دین بھی کرتے تھے۔ اسلام دشمنی کی پاداش میں یہودیوں کو پہلے مدینہ سے پھر سارے جزیرۂ عرب سے نکال دیا گیا۔

۴۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کے تشریف لانے کے بعد مدینے میں ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا۔ یہ منافقین کی جماعت تھی۔ یہ لوگ زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتے لیکن دل سے اسلام کے دشمن تھے۔

منافقین کا وجود سیاسی رقابت کا رہینِ منت تھا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے مدینے میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش جاری تھی۔ ایک شخص عبداللہ بن اُبی (منافقین کا سردار) چاہتا تھا کہ مدینے میں اس کو سیاسی اقتدار حاصل ہو اور خزرج و اوس کے قبیلے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اس شخص کی اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اس ناکامی و شکست نے بغض و حسد کی آگ بھڑکا دی اور درپردہ یہ شخص اسلام دشمنی پر اُتر آیا۔ اس گروہ کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر آتا ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ منورہ میں پہنچ کر حضرت رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو مسجد نبوی کے نام سے مشہور ہوئی۔ شروع میں یہ مسجد کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر اس مسجد کو تعمیر کیا تھا۔

نماز با جماعت کے علاوہ سیاسی اور اجتماعی لحاظ سے اسلام میں مسجد کو بڑی اہمیت تھی۔ تمام مشورے، اجلاس و اجتماع اور وفود کا قیام مسجد میں ہوتا تھا۔ مسجد کے بعد آپ ﷺ نے اپنا حجرہ بنوایا۔ پھر دوسرے حجرے تعمیر ہوئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں سات مہینے قیام فرمانے کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔[1]

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴۸۹/۳

Marfat.com

مسجد کے ایک حصہ میں ایک چھت والا چبوترا بنایا گیا جسے صُفہ کہتے تھے۔ یہاں نادار اور بے گھر لوگ رہتے تھے۔ یہ لوگ علم دین سیکھتے تھے اور تبلیغ و اشاعت کی تربیت حاصل کرتے تھے۔ وہ صبر و توکل کے پیکر تھے۔ ان لوگوں کو اصحابِ صُفہ کہتے تھے۔ ①

جمعہ کی ابتداء

جب تک پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام مکے میں مقیم رہے ارکانِ اسلام کی ادائیگی میں پوری آزادی حاصل نہ کر سکے۔ جونہی مکے سے ہجرت کر کے مدینے کے قرب و جوار میں پہنچ کر آزادی کی فضا میں سانس لیا، اسلامی نظام حیات اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل شروع کر دی۔ نماز جمعہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی پہلی کڑی تھی۔

ہجرت کے وقت جب مدینے تشریف لائے تو پہلے قُباء میں حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں چار روز تک قیام فرمایا اور وہاں کے مسلمانوں کے لیے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ جمعہ کے دن قباء سے روانہ ہوئے تو نماز کا وقت بنو سالم کی بستی میں آ گیا۔ چنانچہ نماز جمعہ بنو سالم میں ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا۔ ②

پہلا خُطبہٗ جمعہ

اس جمعہ کے خطبہ میں حمد وثناء کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''لوگو! اپنے لیے زادِ راہ تیار کرو۔ بخدا! تم میں سے کوئی اچانک مر جائے گا اور اپنا گلّہ بغیر گلّہ بان کے چھوڑ جائے گا۔ پھر اس کا رب جس کا کوئی ترجمان اور دربان نہیں، اس سے فرمائے گا: کیا میرے رسول نے آ کر تجھے میرا پیغام نہیں پہنچا دیا تھا؟ کیا میں نے تجھے مال و دولت اور نعمتوں سے نہیں سرفراز کیا تھا؟ اب بتا تو اپنے لیے کیا توشہ لایا ہے؟ اس وقت وہ آدمی دائیں بائیں دیکھے گا لیکن اسے کچھ نظر نہ آئے گا۔ پھر وہ اپنے

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۵۵

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۹۴

Marfat.com

سامنے دیکھے گا اور سوائے جہنم کے اور کچھ دکھائی نہ دے گا۔ پس جو شخص آدھی کھجور دے کر بھی دوزخ سے بچ سکتا ہے اسے ضرور بچنا چاہیے۔ جسے یہ بھی میسّر نہ آسکے تو اچھی بات بتا کر دوزخ سے بچ جائے۔ کیونکہ ایک نیکی کے بدلے دس سے سات سو نیکیوں تک اجر ملتا ہے۔ والسلام۔"(۱)

یہ خطبہ بڑا مختصر لیکن بڑا جامع ہے۔ نیک سیرت، نیک کردار اور نیک چلنی پر آپ ﷺ نے بڑا زور دیا ہے۔ اگر اس خطبہ کی رُوح کو سمجھ لیا جائے تو انسانی معاشرہ تمام برائیوں سے پاک ہو کر جنت کی زندگی کا نمونہ بن سکتا ہے۔

اَذان کی ابتداء

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مسلمان نماز کے لیے بغیر کسی اذان یا گھنٹی کے جمع ہو جاتے تھے۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ نماز کے لیے مسلمانوں کو بلانے کے لیے کوئی تدبیر سوچنی چاہیے۔ ایک دن اس موضوع پر گفتگو ہونے لگی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ عیسائیوں کی طرح ناقوس بجایا جائے۔ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ یہودیوں کی طرح بُوق یعنی بگل بجا دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ کوئی آدمی نماز کے لیے پکارا کرے۔(۲)

اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے وقت "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" پکارا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح بلند آواز سے لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرتے تھے۔(۳)

ایک دن حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص سبز کپڑے پہنے قبلہ رُو ہو کر اللہ اکبر اللہ اکبر پکار رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خواب سچا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آکر اسی طرح کا خواب سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس سے پہلے بذریعہ وحی اسی اذان کا حکم مل چکا ہے۔

(۱) بیہقی، دلائل النبوۃ: ۲/ ۵۲۴

(۲) محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۰۴

(۳) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۴۶، ۲۴۷

Marfat.com

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو بلند آواز تھے، اذان کے کلمات سکھا کر اذان پکارنے کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ ①

مہاجرین و انصار

جن لوگوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور مدینے آئے، وہ مہاجرین کہلاتے ہیں اور جن لوگوں نے مدینے شریف میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی مدد کی، وہ انصار کہلاتے ہیں۔

مؤاخات

مہاجرین اپنا گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر مدینے شریف میں آ بسے۔ ان کے پاس نہ تو رہنے کے لیے مکان تھے اور نہ روزی کا کوئی بندوبست، وہ بالکل پریشان اور تباہ حال تھے۔ اس بے سرو سامانی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ اس بھائی چارے کا نام مؤاخات ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت عثمان بن مالک رضی اللہ عنہ کو، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کو، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو، اسی طرح ہر ایک انصاری کے لیے ایک مہاجر بھائی مقرر کر دیا۔ ②

انصار کا ایثار

مؤاخات کے بعد انصار نے بڑے ایثار اور فراخدلی سے کام لیا اور مہاجرین کے ساتھ ایسی دوستی اور ہمدردی کا ثبوت دیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہر ایک انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر میں جگہ دی۔ اپنے کھیت بانٹ دیے اور خوشی خوشی اپنے کاروبار اور تجارت میں

① سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد: ۴۹۹

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۵۰۶/۳، ۵۱۱

Marfat.com

شریک کر لیا۔ مہاجرین اور انصار کا یہ بھائی چارہ اتنا مضبوط ہو گیا کہ وفات کے بعد وہ ایک دوسرے کے مال و دولت کے وارث بنتے تھے۔ انصار کے حسن سلوک اور فیاضی کی وجہ سے مہاجرین یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ مدتوں سے مدینے میں رہتے چلے آرہے ہیں۔

مہاجرین کی خودداری

مہاجرین تجارت کرتے تھے۔ وہ بڑی محنت اور کوشش سے کام کرتے اور آہستہ آہستہ اس لائق ہو گئے کہ اپنا الگ کاروبار کرنے لگے۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ان کے انصاری بھائی نے ہر ایک چیز کا نصف حصہ دینا چاہا تو اُنھوں نے کہا کہ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف بازار کا رستہ بتادو۔ بازار دیکھنے کے بعد اُنھوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں بہت دولت پیدا کر لی اور کاروبار کو دوسرے ملکوں تک پھیلا دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کپڑے کی تجارت شروع کی اور کاروبار میں خوب ترقی کی۔[۱] اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔[۲] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تجارتی مال ایران تک جاتا تھا۔[۳]

مہاجرین نے بڑی محنت اور دیانت سے کاروبار کیا اور تھوڑی ہی مدت میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

معاہدۂ مدینہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو یہاں کے دو قبیلے اَوس اور خزرج آپس کی لڑائیوں سے تنگ آچکے تھے۔

مدینے کے یہودی بڑے دولت مند تھے۔ ان کی تجارت دُور دُور ملکوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ مدینے کے آس پاس ان کی آبادیاں تھیں جن میں چھوٹے چھوٹے قلعے بھی تھے۔

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۸۶،۱۷۲/۳

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۶۰/۳

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۷۸/۳

Marfat.com

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال ارادہ فرمایا کہ مدینہ منورہ میں امن قائم رکھنے کے لیے یہودیوں سے معاہدہ کرلیا جائے تاکہ ایک طرف مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات مضبوط ہو جائیں اور شہر میں امن اور اطمینان کی حالت پیدا ہو جائے اور دوسری طرف کسی بیرونی حملے کی روک تھام ہو سکے۔

(الف) اس معاہدے کے دو حصے تھے۔ پہلا حصہ انصار اور مہاجرین کے متعلق تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ

(۱) تمام مسلمان خواہ انصار ہوں یا مہاجرین ایک ہی اُمت ہیں۔

(۲) یہ اُمت دوسری قوموں اور جماعتوں سے بالکل الگ ہے۔

(۳) سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور دُشمنوں کے مقابلے پر متحد ہو کر لڑیں گے۔

(۴) کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا۔

(۵) نہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کسی کافر کو مدد دے گا۔

(۶) شرارت پسند اور فتنہ انگیز عناصر کا قلع قمع کرنے کے لیے محلّہ دار امن کمیٹیاں قائم کر کے فیصلہ کیا کہ اس ضمن میں کسی قرابت داری کا خیال نہ رکھا جائے گا۔

(ب) اس معاہدے کا دوسرا حصہ یہودیوں کے متعلق تھا۔ اس میں اقرار کیا گیا تھا کہ

(۱) یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح رہے گی۔

(۲) دونوں ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔

(۳) اگر دونوں فریقوں میں سے کسی ایک پر کوئی بیرونی قوت حملہ کرے تو دونوں مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

(۴) اگر دُشمن سے جنگ شروع ہو جائے تو یہودی بھی مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کے اخراجات برداشت کریں گے۔

(۵) یہودیوں کی دوست قوموں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو یہودیوں کے ہیں۔

Marfat.com

(۶) مدینہ منورہ کے اندر گشت وخون سب قوموں پر حرام ہوگا۔

(۷) اگر دونوں قوموں میں کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو حضرت رسول اکرم ﷺ کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ ①

اس معاہدہ کی رُو سے مسلمانوں کو ایک الگ قوم قرار دیا گیا۔ نسل وخون کے رشتے ختم کر دیے گئے اور اس کی جگہ دین اور عقیدے کے رشتے کو اتحاد و اتفاق کا سرچشمہ ٹھہرایا۔ دینی تعلق کو نسلی اور خاندانی تعلق پر ترجیح دی گئی۔

مسلمانوں کے جماعتی اور اجتماعی مفاد کو انفرادی مفاد پر ترجیح دی گئی۔

رفاہ عام کے کاموں نیز سیاسی اور اجتماعی معاملات میں یہودیوں اور مسلمانوں کو برابر کے حقوق و فرائض کا ذمہ دار ٹھہرا کر اسلام کی طرف آنے والوں کے لیے میدان ہموار کر دیا۔ نیز اعلان فرما دیا کہ مُسلم اور غیر مسلم حقوقِ شہریت میں برابر ہیں۔

اس معاہدے کی رُو سے حضرت رسول اکرم ﷺ کو مدینے میں مسلمانوں کا قائد و رہنما تسلیم کر لیا گیا اور آپ ﷺ کے حاکمانہ سیاسی اقتدار اور عدل وانصاف کا بھی اعتراف کرتے ہوئے آپ ﷺ کو تمام جھگڑوں اور تنازعات میں منصف مان لیا گیا اور آپ ﷺ کا فیصلہ قطعی اور حتمی قرار دیا گیا۔

اس معاہدے پر مدینے کے تمام قبیلوں اور قوموں نے دستخط کیے تھے۔ اس کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ مدینے کے آس پاس کے قبیلوں کو بھی اس معاہدے میں شامل کر لیا جائے۔ اس کے دو فائدے ہوں گے:

(۱) قبائل کی خانہ جنگی ختم ہو جائے گی۔

(۲) قریش مکہ ان قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف اُکسا نہ سکیں گے۔

اس نیک مقصد کی خاطر حضرت رسول اکرم ﷺ نے قبائل میں سفر کر کے کئی قبیلوں کو اس معاہدے میں شامل کر لیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے پہلے سال کا ہے۔ اس طرح اسلام کا سیاسی اور دینی نظامِ حکومت پہلے ہی سال معرض وجود میں آ گیا۔

---

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۵۰۱/ ۵۰۴

Marfat.com

روزوں کی فرضیّت

جب دلوں میں توحید پوری طرح راسخ و جاگزیں ہو چکی، نماز کی عادت پڑ گئی، قرآن مجید اور احکام الٰہی سے اُنس و محبت پیدا ہو گئی، مدینے پہنچ کر مسلمانوں نے آزاد سیاسی فضا میں سُکھ کا سانس لیا، اسلام کے سیاسی و دینی نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی جا چکی اور مسلمان خدا کی راہ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو برداشت کرنے کے لیے آمادہ نظر آنے لگے تو ۲ ہجری میں رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

روزے آہستہ آہستہ فرض ہوئے اور ان کی تعداد بھی تدریجی طور پر مقرر ہوئی۔ ابتداء میں مہینے کی تخصیص نہ تھی۔ جب ۲ ہجری میں شعبان کا مہینہ آیا تو حضرت رسول مقبول ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اب کی مرتبہ ماہِ رمضان روزوں کا مہینہ ہوگا، چنانچہ سب مسلمانوں نے رمضان میں روزے رکھے۔[۱] جب رمضان ختم ہونے میں دو دن باقی رہ گئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کے اجتماع میں صدقۂ فطر اور نمازِ عید الفطر ادا کرنے کا حکم سنایا۔[۲]

ہجرت مدینہ کی اہمیّت

تاریخ اسلام میں اس ہجرت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جب پیغمبر خدا ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے آئے تو تاریخ اسلام میں ایک نہایت ہی شاندار باب کا آغاز ہوا۔

مکی زندگی میں کفار مکہ کی دشمنی اور مشرکین قریش کی مخالفت کی وجہ سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کُھلے بندوں ممکن نہ تھی۔ جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے، مشرکین اُنھیں سخت تکلیفیں پہنچاتے اور ان کے لیے جینا محال کر دیتے تھے۔

مدینہ میں اسلام کو آزاد فضا میسّر آئی اور دین اسلام کی تبلیغ کُھلم کھلا ہونے لگی۔ انفرادی و اجتماعی آزادی کی وجہ سے اسلام بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ ہجرت سے کچھ پہلے مدینہ میں تبلیغ کے لیے زمین ہموار ہو چکی تھی۔ بیعت عَقَبہ اُولیٰ اور بیعتِ عَقَبہ ثانیہ کی بدولت مدینہ میں مسلمانوں

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲/۴۱۷

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۵۰۳، ۱۵۱۲

Marfat.com

کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ یہی جان نثار مسلمان بعد میں انصار کے معزز لقب سے سرفراز ہوئے۔ حضرت مُصعَب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے یہ مخلص جماعت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ ملک حبش میں اگرچہ کچھ مسلمانوں کو سکون مل گیا لیکن وہاں تبلیغ و اشاعت کے مواقع پیدا نہ ہو سکے۔ زبان کی دقت کے علاوہ وہاں کا ماحول چنداں سازگار نہ تھا۔ پھر وہ جگہ عرب اور بالخصوص بیت اللہ شریف سے بہت دُور تھی اور یہی بیت اللہ مسلمانوں کا دینی مرکز بننے والا تھا۔

مدینہ دفاعی حیثیت سے بھی مضبوط اور محفوظ شہر تھا۔ پہاڑوں اور نخلستانوں کی وجہ سے دشمنوں کی زد سے قدرے بچا ہوا تھا۔

علاوہ ازیں مدینہ ایسی شاہراہ پر واقع تھا جہاں سے اکثر آنے جانے والے قافلوں کو گزرنا پڑتا تھا۔ مدینے میں رہ کر مسلمان سیاسی اور معاشی دباؤ ڈال سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳۔ نبوت، ۶۲۲۔ عیسوی میں مدینہ کو ہجرت فرمائی اور اسی نسبت سے اسلامی تقویم یعنی سن ہجری کا آغاز ہوا۔ ①

مدینہ میں پہنچ کر اسلامی مؤاخات کی بدولت مسلمان ایک مضبوط ملت اور متحدہ قوم بن گئے۔ سیاسی اور معاشی اعتبار سے مسلمان نہ صرف آزاد تھے بلکہ روز بروز مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کو دینی اُخوت اور اسلامی برادری میں اس طرح منظم کر دیا گیا کہ غلام و آقا، حاکم و محکوم اور ادنیٰ و اعلیٰ کے امتیازات یکسر مٹا دیے۔ نسل اور قومیت کی بجائے تقویٰ کو معیار فضیلت قرار دیا۔ یہودیوں سے معاہدہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان صلح و امن کی زندگی چاہتے تھے اور دوسری قوموں کے لیے خطرہ نہ بننا چاہتے تھے۔ ہجرت کے بعد اسلام سارے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا۔ اسلام کا پیغام دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ان کے سربراہوں کے ذریعے پہنچایا گیا۔

ہجرت کے بعد اسلام کے بدترین دشمنوں کو سرنگوں کیا گیا۔ مخالف قوتوں کا زور توڑ دیا گیا اور بدر، احد، خندق کی جنگوں میں مسلمانوں کے سیاسی تدبر اور فوجی قوت کا لوہا منوایا گیا۔ فتح مکہ سے مسلمانوں کو بیت اللہ کی تولیت کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۸۸/۲

Marfat.com

ہجرت مدینہ کی بدولت اسلامی فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور بعد میں عرب کے مسلمان قیصر وکسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں کے وارث بنے۔ افریقہ کے صحراؤں میں پہنچے، اندلس کو فتح کیا، چین اور یورپ کی سرحدوں تک بڑھتے چلے گئے۔

یہ ہجرت کا انعام تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک مجبور ومقہور اقلیّت کو ایک غالب اور فاتح اکثریت بنادیا اور ایسی عظیم الشان حکومت عطا کی کہ آج تک اس کے آثار اسلامی حکومتوں کی شکل میں موجود ہیں۔

ہجرت سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان جب بھی دین اور مذہب کے لیے قربانی اور ایثار کرتا ہے تو اس کا شاندار صلہ پاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وطن عزیز کو محض اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر چھوڑا تو اس کا اتنا بڑا انعام ملا کہ آج تک آپ ﷺ کی اُمت اس انعام سے بہرہ مند چلی آرہی ہے۔

❀❀❀

Marfat.com

چوتھا باب

غزوات النبی ﷺ

قریش مکہ کو حضرت رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ایسی دشمنی تھی کہ گھربار اور مال ومتاع چھوڑ کر مدینے آجانے کے بعد بھی چین نہ لینے دیا۔ اُنھوں نے مدینے کے بت پرست قبیلوں اور یہودیوں سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو تنگ کرنا اور ستانا شروع کر دیا۔

جب رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ قریش مکہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اور مسلمانوں کو مدینے میں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکم پا کر اپنے ساتھیوں کو اجازت دے دی کہ وہ اپنی حفاظت اور دین کے بچاؤ کے لیے خدا کی راہ میں لڑیں۔ جس لڑائی میں حضرت رسول اکرم ﷺ خود شامل ہوئے اس کو غزوہ کہتے ہیں۔ ایسی بہت سی لڑائیاں غزوات کہلاتی ہیں۔ ①

جہاد فی سبیل اللہ

ذاتی حفاظت اور دین کو بچانے کے لیے خدا کی راہ میں لڑنے کو جہاد فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

جہاد کے تین درجے ہیں:

(۱) جہادِ نفس: اپنے آپ کو حق وصداقت اور رشد و ہدایت کی تلاش و جستجو پر مجبور کرنا جہادِ نفس ہے۔ اس کے بغیر دین و دنیا کی سعادت حاصل نہیں ہوسکتی۔ پھر علم کے بعد عمل کے لیے نفس کو مجبور کرنا، علم و عمل کے بعد تعلیم و تبلیغ کے ذریعے دین حق کو پھیلانا اور اس کی راہ میں مصائب و تکالیف کو خندہ پیشانی اور صبر واستقلال سے برداشت کرنا بھی جہاد نفس ہے۔

(۲) جہادِ شیطان: شیطان ایمان میں شکوک وشبہات پیدا کر کے انسان کو گمراہ کرنا چاہتا

---

① حافظ ابن حجر، فتح الباری: ۷/ ۲۷۹

Marfat.com

ہے۔اس سلسلے میں شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کرنا جہاد شیطان کہلاتا ہے۔اس کے بعد شیطان کے پیدا کردہ برے خیالات اور بد ارادوں کو روکنے اور ان سے بچنے کی کوشش کرنا یقین اور صبر پیدا کرتا ہے۔

(۳) جہادِ کفار و منافقین: دل و زبان سے، مال و جان سے خدا کی راہ میں کافروں اور منافقوں سے برسرِ پیکار ہونا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو کوئی جہاد کے بغیر یا کم از کم اس کی تمنا کیے بغیر مرجائے، اس کی موت مسلمانوں کی موت نہیں ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے منافق کی موت ہے۔"[1]

جہادِ نفس اور جہاد شیطان فرض عین ہے۔ جہادِ کفار و منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ۔اگر ضرورت کے مطابق لوگ میدانِ جنگ میں مصروف ہوں تو باقی اُمت پر فرض نہیں ہوتا مگر بصورت دیگر سب پر فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ با قاعدہ نظامِ حکومت کی صورت میں یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔اگر عوام سستی کریں تو حکومتِ وقت جبری بھرتی کر سکتی ہے۔ حکومت کی موجودگی میں اَفراد کو انفرادی طور پر اجازت نہیں۔

جہاد سے دین کی حفاظت و مدافعت اور خدا کا بول بالا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

بعض ناواقف اور بے سمجھ لوگوں نے جہاد سے یہ مطلب نکالا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا، حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔قرآن مجید میں اس بات کی صراحت و وضاحت کر دی گئی ہے کہ دین کے معاملے میں جبر ہرگز جائز نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز جن حالات میں کیا وہ سب کے سامنے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں جب اعلان توحید کیا گیا تو کس کے ہاتھ میں تلوار تھی؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، زُبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، سعد

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۹۱۰

Marfat.com

بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور کئی جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے جری اور نڈر بھی مسلمان ہوئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور جنگجو سپہ سالار بھی اسلام لائے۔ آخر کس کی تلوار نے ان شیر دل بہادروں کو گھائل کیا۔ یہ لوہے کی تلوار نہ تھی بلکہ دلائل و براہین کی سیف برّاں تھی جو اپنے جوہر دکھا گئی۔ یہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت تھی جس نے ان بہادروں کے دلوں کو موہ لیا۔

درحقیقت اسلام کی سچائی، عدل وانصاف، مساوات اور اخوت ہی تو تھی جو دلوں کو مسخر کر رہی تھی۔

مقصدِ جہاد

جہاد کی ایک غرض وغایت ذاتی دفاع تھی۔ مظلوم کو قرآن مجید نے اجازت دے دی کہ وہ ہتھیار اٹھائے اور ناحق بے وطن کیے جانے کا انتقام لے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کمزور وناتواں مردوں، عورتوں اور بچوں کی فریاد سن کر ان کی امداد واعانت کو نکلو۔ جہاد کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ تبلیغ واشاعت کی راہ سے روک ٹوک ختم کر دی جائے تاکہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو کسی قسم کی مزاحمت پیش نہ آنے پائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے اسلام لانے کی پاداش میں کیا کچھ روا نہیں رکھا گیا۔

جب قریش مکہ نے دوسرے عرب قبائل سے گٹھ جوڑ کر کے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ٹھانی تو تمام مشرکوں سے لڑائی کو جائز قرار دے دیا گیا۔ جب یہود مدینہ نے بدعہدی کر کے مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے تعاون کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ قرآن مجید اجازت دے دی کہ بدعہدی اور خیانت کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دو اور انھیں چن چن کر قتل کر دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ستائیس چھوٹی بڑی جنگوں اور مہموں میں شرکت فرمائی اور 38 لڑائیوں اور مہموں پر لشکر روانہ فرمائے۔ ان جنگوں میں غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر اور غزوۂ مُوتہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ [1]

---

[1] الواقدی، کتاب المغازی: ۱/۷

Marfat.com

غزوۂ بدر

مقامِ بدر

مکے اور مدینے کے درمیان ایک چھوٹی سی بستی ہے جسے بدر کہتے ہیں۔ یہ جنگ اسی گاؤں کے قریب ہوئی تھی اس لیے اس کا نام غزوۂ بدر ہوا۔ یہ غزوہ سن ۲۔ ہجری میں ہوا تھا۔

بدر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے۔ تقریباً پانچ میل لمبا اور چار میل چوڑا۔ اطراف میں پہاڑ ہیں جو دُور سے سفید ریت کے تودے نظر آتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں سے ایک کو العُدْوَةُ الدُّنْیا اور دوسرے کو الْعُدْ وَةُ الْقُصْوٰی کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک بلند پہاڑ ہے جسے جَبَل اَسْفَل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے پیچھے دس بارہ میل کے فاصلہ پر سمندر ہے۔ مکے سے شام کو جاتے آتے مقام بدر سے گزرنا پڑتا تھا۔ ①

اسباب

قریش مکہ نے مسلمانوں پر مظالم توڑ کر اُنھیں ہجرت پر مجبور کیا۔ ملک حبش اور مدینے میں پہنچ کر کوشش کی کہ مسلمانوں کو پناہ نہ ملے۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی جائیدادیں اور مکانات ضبط کر لیے۔

ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مسلمان مدینے میں بیٹھ کر قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا چاہتے تھے اور قریش کے تجارتی قافلوں کو، جو مدینے سے گزر کر ملک شام کو آتے جاتے تھے، روک کر اپنی نئی قوت اور طاقت کا مظاہرہ کر کے انھیں مجبور کرنا چاہتے تھے کہ وہ مدینے سے گزرنے کے لیے مسلمانوں سے اجازت حاصل کریں۔ قریش کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے احسان مند ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب مسلمان قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنا چاہتے تو قریش لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے۔ اس سلسلے میں قریش نے کئی مرتبہ چڑھائی کا ارادہ کیا۔ معمولی جھڑپوں میں ایک دو مرتبہ تو قریش کو بڑی زک اٹھانی پڑی۔

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۱/۳۵۷

Marfat.com

اس اجمال کی تفصیل مختصراً یہ ہے:

آنحضرت ﷺ قریش کے حالات بالخصوص ان کے تجارتی اور اقتصادی حالات سے باخبر رہنا بڑا ضروری سمجھتے تھے اور اس مقصد کی خاطر جاسوسی دستے روانہ فرماتے رہتے تاکہ مشرکین مکہ جیسے شدید دشمنوں کے حالات کی اطلاع ملتی رہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ نے ماہ رمضان سن ا۔ ہجری میں حضرت حمزہ بن عبد المُطلب رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین کے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ قریش کے ایک قافلے کے بارے میں حالات معلوم کریں اور ضرورت ہو تو اس قافلے کو روکیں۔ ابو جہل کے ساتھ تین سو آدمی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ابو جہل سے آمنا سامنا ہو گیا لیکن چند ایک آدمیوں کے بیچ بچاؤ سے بغیر لڑائی کے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ ①

ماہ ربیع الاول، سن ۲۔ ہجری میں آپ ﷺ بنفس نفیس قریش اور بنو ضَمرہ کا قصد کرتے ہوئے موضع وَدّان کی طرف نکلے۔ موضع ودان مدینہ اور مکہ کے درمیان مقام اَبواء سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ بنو ضمرہ نے سمجھوتا کر لیا تو آپ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ ②

ماہ رَجب سن ۲۔ ہجری میں آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلے کے بارے میں اطلاعات حاصل کرنے کے لیے روانہ فرمایا اور راز داری کے پیش نظر ایک خط دے کر حکم دیا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھولا جائے۔ جب خط کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ ”مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے مقام پر قیام کرو اور قریش کی دیکھ بھال کر کے ان کے حالات کے متعلق اطلاع دو“۔ یہ مختصر سا جاسوسی قافلہ نخلہ میں جا ٹھہرا۔ وہاں سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ عمرو بن حَضرمی کی سربراہی میں گزرا۔ مسلمان اس سے الجھ گئے اور قریش کا سالار قافلہ عَمرو بن حضرمی مارا گیا اور عثمان بن عبداللہ اور حَکَم بن کَیسان کو گرفتار کر کے قافلے سمیت مدینہ میں لا کر آنحضرت ﷺ کے حضور میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ بڑے ناراض ہوئے اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں کو ڈانٹ پلائی کہ تم نے حرمت والے مہینے میں جنگ کی اور خون بہایا، حالانکہ میں نے تمھیں لڑائی کا حکم قطعاً نہ دیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۵۹۵

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۵۹۱

Marfat.com

مال غنیمت کو ہاتھ نہ لگایا اور ان قیدیوں کو رہا کر دیا۔[1]

حکم بن کیسان تو اسلام لے آیا اور مدینہ منورہ میں ہی رہ گیا۔

سن ۲۔ ہجری میں حضرت رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ملک شام سے آرہا ہے۔ اس قافلہ میں بے شمار مال و دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکے سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقیہ بچ نکلا تھا۔ اب اس قافلے کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور ۳۱۳ جانبازوں اور فداکاروں کو لے کر چل دیے۔

جب ابوسفیان کو خبر ملی تو اس نے قریش مکہ کو اطلاع بھیجی اور وہ ایک ہزار کا لشکر لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکل پڑے۔ ابوسفیان نے راستہ بدل لیا اور سمندر کے کنارے کنارے مکہ جا پہنچا۔

جب ابوسفیان خطرہ سے بچ کر نکل گیا تو اس نے قریش کو جو مدینہ کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے لکھا کہ واپس آ جاؤ کیونکہ قافلہ بالکل بچ گیا ہے۔ یہ خط ملنے کے بعد قریش لوٹنا چاہتے تھے مگر ابوجہل کہنے لگا کہ ہم بدر تک تو ضرور ہی جائیں گے۔ وہاں اُتر کر آرام کریں گے، عربوں کو خوب کھلائیں پلائیں گے تاکہ ہمارا رُعب اور دبدبہ بیٹھ جائے۔

ادھر قریش مکہ غرور و نخوت سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ اُدھر آنحضرت ﷺ کو قریش کے حالات کی اطلاع مل رہی تھی۔ مسلمان بھی آنحضرت کی سرکردگی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ خدا کی امداد مسلمانوں کے ساتھ تھی۔ مجاہدین اسلام تیز تیز بڑھے جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ابر کرم بھیج کر موسم خوشگوار بنا دیا۔

مسلمانوں کی طرف ہلکے سے چھینٹے پڑ گئے۔ سفر میں سہولت ہوگئی۔ کفار کی جانب بارش بڑی تیز اور موسلا دھار تھی، ان کا سفر مشکل ہوگیا۔ مسلمانوں نے پہلے پہنچ کر بدر کے چشمے پر قبضہ کر لیا۔

---

① الواقدی، کتاب المغازی: ۱/ ۱۳، ۱۹

Marfat.com

نقشہ غزوہ بدر

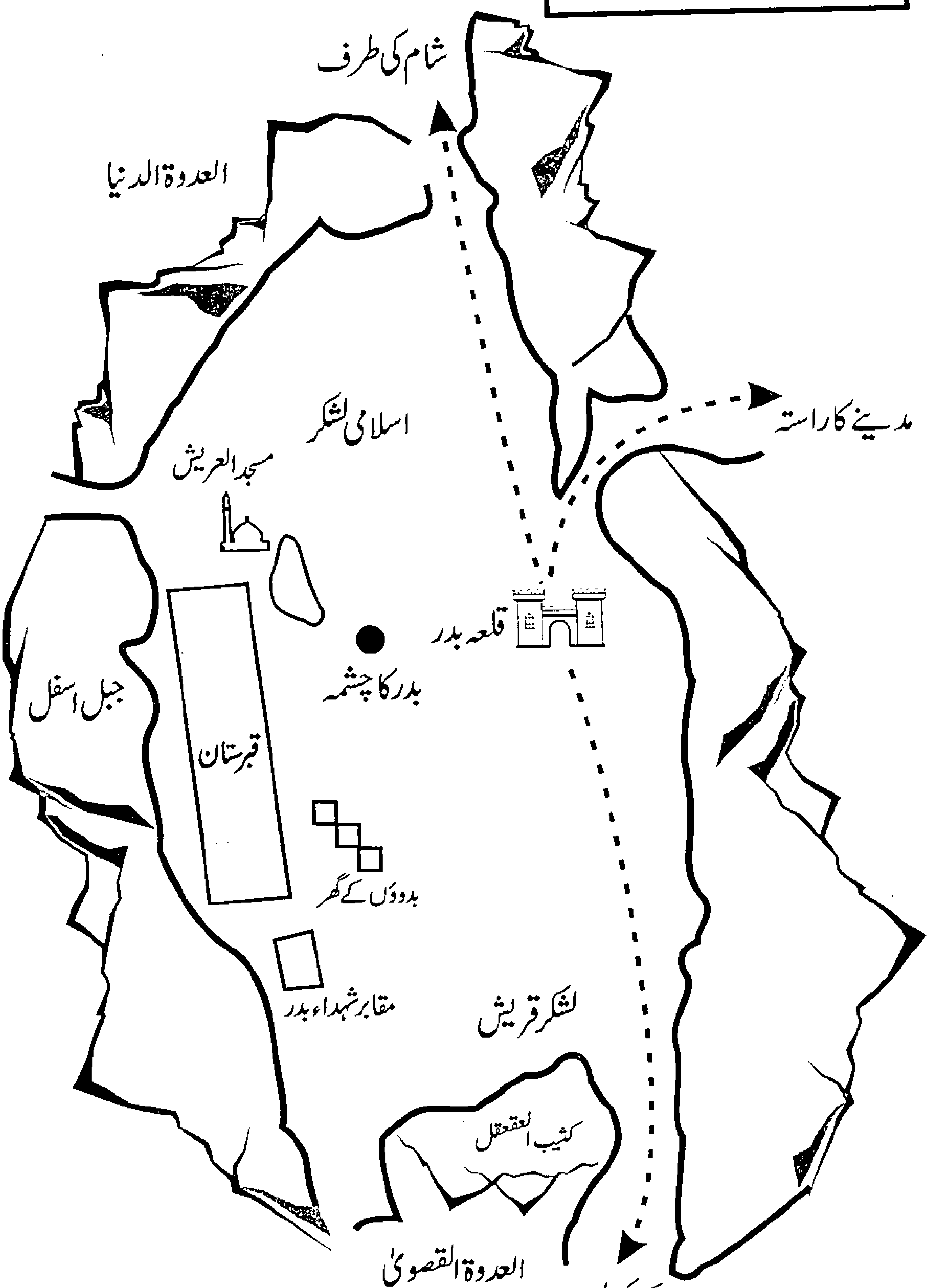

Marfat.com

میدانِ جنگ

قریش مکہ کے پاس بڑا ساز و سامان تھا، مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی پورے نہ تھے۔ کافر ایک ہزار کے لگ بھگ تھے، مسلمان صرف ۳۱۳۔ مگر مسلمانوں کے دلوں میں ایمان و اسلام کا جوش اور بازوؤں میں حق و صداقت کا زور تھا۔ ۳۱۳ مخلص فداکاروں نے ایک ہزار کے لشکر جرار کو تین تیرہ کر دیا۔①

جب مشرکین کے دستے مقابل پر اُترے تو حضرت رسول اکرم ﷺ بارگاہِ الٰہی میں سر جھکائے دعا مانگنے لگے:

''اے اللہ! یہ قریش اپنے ساز و سامان اور فخر و غرور کے ساتھ آ گئے ہیں۔ یہ اس لیے آئے ہیں کہ تیرے ساتھ جنگ کریں اور تیرے رسول ﷺ کو جھوٹا ثابت کریں۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر۔''②

''اے اللہ! میں تجھے تیرے وعدے اور عہد کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر بندے مٹ گئے تو پھر زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔''③

حضرت رسول مقبول ﷺ رات بھر ایک ٹیلے پر نماز میں مصروف رہے۔ یہ جمعہ کی رات اور ۱۷۔ رمضان سن ۲۔ ہجری کی تاریخ تھی۔ صبح ہوئی تو دونوں لشکر صف آراء ہوئے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی صفوں کو بنفسِ نفیس درست فرمایا۔

جنگ شروع ہوئی تو نصرتِ الٰہی اور تائیدِ غیبی نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کا سر قلم کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عُتبہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔ انصار کے دو نوجوان ابوجہل کی تاک میں نکلے

---

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۶۳

② بیہقی، دلائل النبوۃ: ۳۵/۳

③ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۶۳

Marfat.com

اور عُقابی شان سے ایسے جھپٹے کہ دیکھتے دیکھتے ابوجہل خاک وخون میں تڑپنے لگا۔ ایک دوسرے مسلمان نے آگے بڑھ کر اس کا سرتن سے جُدا کر دیا۔

ولید، عُتبہ اور ابوجہل کا مارا جانا تھا کہ قریش کا فخر وغرور خاک میں مل گیا۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور ہمت ہار کر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے انھیں مارنا اور پکڑنا شروع کیا۔ قریش کے ستر بڑے بڑے آدمی کھیت رہے، ستر قید ہوئے، باقی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ اس جنگ میں کل چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ ①

یہ پہلی شاندار فتح تھی جو مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔ جنگ کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ اور مسلمان خدا کا شکر ادا کرتے اور فتح کے گیت گاتے مدینے کو واپس ہوئے۔ دُشمنوں پر رُعب طاری ہو گیا اور مدینے کے بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ مالِ غنیمت حضرت عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کی زیرنگرانی مدینے کی طرف روانہ کیا گیا۔ جب مدینے کے قرب وجوار میں پہنچے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔

کچھ جنگی قیدیوں کو تو فدیہ لے کر رہا کر دیا گیا اور جو فدیہ ادا نہ کر سکے ان کے ذمہ دس دس مسلمان بچوں کی تعلیم کا کام لگا دیا گیا۔ جب وہ دس دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھا چکے تو انھیں بھی چھوڑ دیا گیا۔ ②

جنگ بدر کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب حضرت رسول مقبول ﷺ جہاد کے لیے نکلے تھے، آپ ﷺ کی بیٹی حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا، زوجہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیمار تھیں۔ آپ ﷺ ان کی تیمارداری کے لیے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ جب پیغامبر فتح کی خوشخبری لے کر مدینے پہنچا تو حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کو قبر میں دفن کیا جا رہا تھا۔ ③

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۳۶/۲

② ابن سید الناس، عیون الاثر: ۲۸۶/۱

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴۰۰/۴

Marfat.com

غزوۂ بدر کی اہمیّت ونتائج

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح کو سیاسی، تاریخی اور دینی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جو لوگ قریش مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے اور مشرکین و کفار کے جو رو ستم سے بچنے کے لیے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر غریب الوطن بنے، ان کی یہ چھوٹی سی اقلیّت آج بڑے بڑے جابر اور ظالم سرداروں کو نیچا دکھانے کے قابل ہو گئی۔ جنگ بدر کو اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ اس میں چند حق پرستوں اور توحید کے ماننے والوں نے مشرکین مکہ اور باطل پرست قوتوں کو زبردست دھکا لگایا۔ اس فتح کے بعد ظلم کا زور ٹوٹ گیا۔ شرک کو خوب جھنجھوڑا گیا۔ کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے اور ان کی ہمتیں دوبالا ہو گئیں۔ مسلمان ایک آزاد ملّت اور خود مختار اسلامی حکومت کے معزز شہری بن گئے۔

معرکۂ بدر میں اسلام کی فتح درحقیقت مسلمانوں کی ترقی کا پہلا زینہ تھی۔ یہ فتح اسلام کی شان وشوکت کا سنگِ بنیاد ثابت ہوئی۔ فتح بدر سے مسلمانوں کا رُعب ودَبدبہ قائم ہو گیا۔ مدینہ کے منافق سہم گئے۔ یہودیوں پر بھی مسلمانوں کا رُعب چھا گیا۔ کچھ عرب قبائل جو اب تک مذبذب تھے، اسلام کی آغوش میں پناہ لینے لگے۔

فتحِ بدر اسلام کی صداقت وحقانیت کی بہت بڑی دلیل ثابت ہوئی۔ ۳۱۳ نہتے مسلمانوں نے ایک ہزار کے مسلح لشکرِ جرار کو مار بھگایا۔ حق کو سربلندی نصیب ہوئی اور کفر و شرک کو سرنگوں ہونا پڑا۔ مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار اور اسلام کے سخت دشمن مثلاً: ابوجہل، عُقبہ، ولید، شَیبہ، اُمیّہ بن خلف اور سعد اس جنگ میں مارے گئے۔ ان کے قتل نے کفار کی کمر ہمّت توڑ دی اور مسلمانوں کی مخالفت کا زور بھی ٹوٹ گیا۔

فتحِ بدر نے منافقوں کے باطل ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور مدینہ کے شریر عناصر بھی دب کر رہ گئے۔ اس فتح کے بعد یہودیوں کی بد باطنی اور اسلام دشمنی ظاہر ہو گئی۔ مسلمان ان کے بارے میں زیادہ محتاط ہو گئے اور بعد میں یہی فتح ان کی جلاوطنی کا پیش خیمہ بنی۔

Marfat.com

قرآن مجید نے اس فتح کا تفصیل سے ذکر کیا اور مال غنیمت کی تقسیم وغیرہ کے احکام بتائے۔ نیز بتایا کہ اللہ کا فضل وکرم شامل ہو تو ایمان ہمیشہ کفر پر غالب آتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی حق پرستوں کے ساتھ ہوگی۔ حق ہمیشہ غالب رہے گا اور کفر و باطل مغلوب۔ اللہ کی طرف سے نصرت و اعانت مسلمان کے لیے ہر وقت اتر سکتی ہے۔ اس فتح نے یہ بتا دیا کہ قلت و کثرت کو چنداں اہمیت نہیں، بلکہ اہمیت تو نصرتِ غیبی اور تائید الٰہی کو حاصل ہے۔

مختصر یہ کہ بدر کے اس معرکہ کفر و اسلام میں شرک پرست اور اسلام دشمن عناصر پر بڑی کاری ضرب لگی۔ دشمنانِ اسلام ذلیل و خوار ہو کر خائب و خاسر لوٹے۔ مسلمانوں کو غلبہ اور عزت سے نوازا گیا اور ان کے حوصلے بلند تر ہو گئے۔

❀❀❀

Marfat.com

نقشہ غزوہ احد

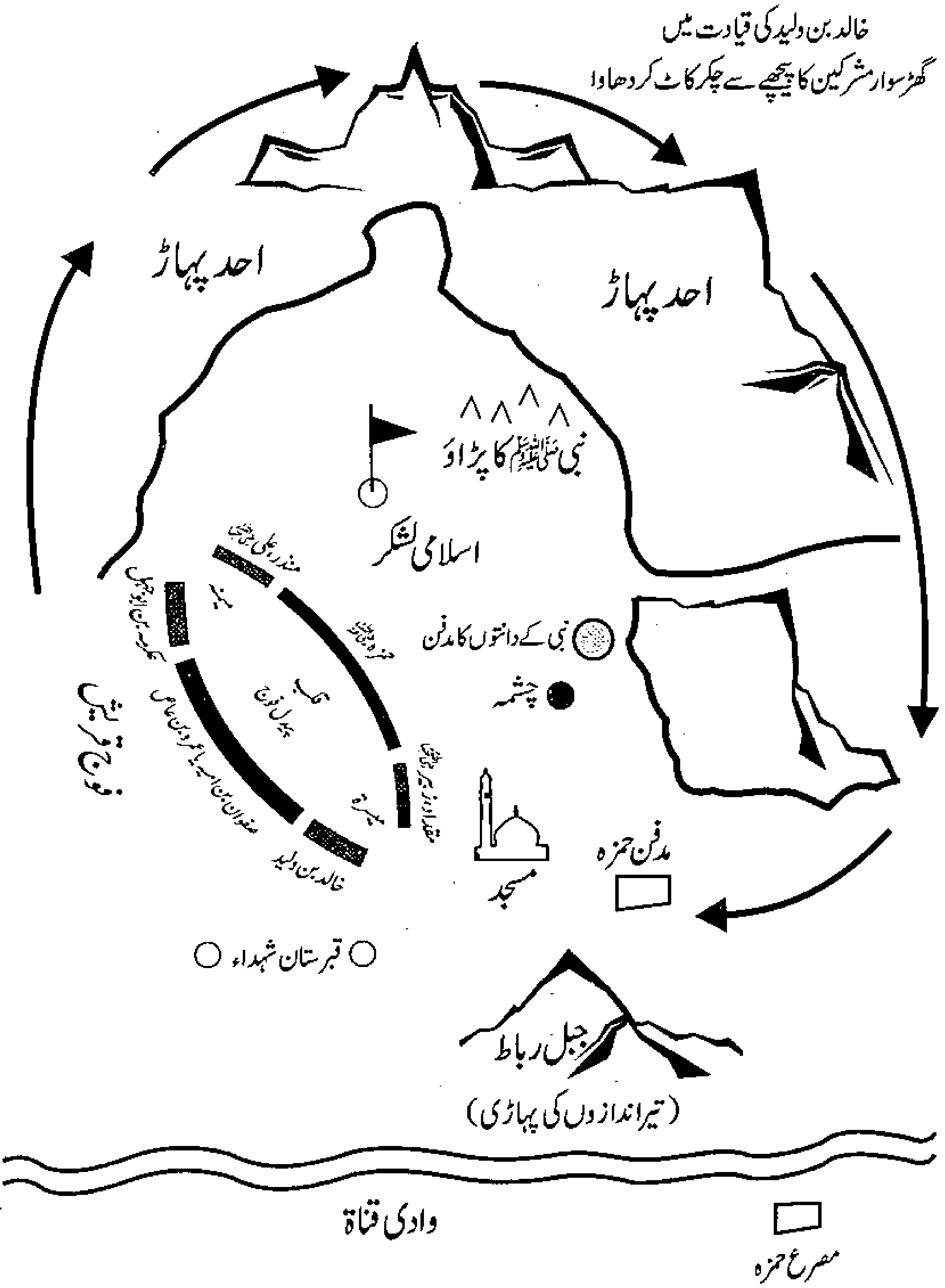

Marfat.com

غزوۂ اُحُد

مدینہ منورہ کے شمال میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے جسے جبل اُحُد کہتے ہیں۔ یہ پہاڑ شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ جبل اُحُد کے درمیان میں ایک جگہ نیم دائرے یا محراب کی سی شکل کا ایک وسیع میدان بن گیا ہے۔ اُحد کے جنوبی دامن میں وادی قُناۃ ہے۔ وادی قُناۃ کے نیچے یعنی جنوب میں جبل عُیُنَین ہے۔ اب یہ جَبَل الرُّماۃ کہلاتا ہے کیونکہ غزوہ احد میں یہاں تیراندازوں کو متعین کیا گیا تھا۔ ①

جنگ بدر میں شکست کی بدنامی کا داغ دھونے اور قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے قتل کا انتقام لینے کے لیے قریش مکہ نے زبردست تیاری شروع کی۔ ابوسفیان کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ مشرکین مکہ اور عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا گیا۔ سال بھر ساز وسامان فراہم ہوتا رہا۔ آخر کار سن ۳ ہجری میں تین ہزار کا ایک لشکر تیار ہو گیا جس میں سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھڑ سوار، ڈھول، باجے، تاشے، شراب کے مٹکے لشکر کے ساتھ تھے، سرداروں کی بیویاں بھی ہمراہ تھیں تاکہ بہادری سے لڑنے پر اُکساتی رہیں۔ قریش کو اپنی طاقت وقوت اور ساز وسامان پر بڑا ناز تھا۔ ابوسفیان تین ہزار کا مسلّح لشکر لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مدینے کی طرف چل دیا۔ برق رفتاری سے منزلیں طے کرتے ہوئے لشکر قریش نے مدینے سے آگے بڑھ کر اُحُد پہاڑ کے پاس ڈیرے ڈالے۔ ②

حضرت رسول اکرم ﷺ نے پہلے سے جاسوس مقرر فرما دیے تھے۔ جب ابوسفیان اپنے لاؤ لشکر کو لے کر مکے سے روانہ ہوا تھا تو آپ ﷺ کو خبر پہنچ چکی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ ③

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۱۰۹/۱

② ابن الجوزی، الوفا: ۲۳۲/۲

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۰۴،۵۰۲/۲

Marfat.com

اس فیصلے کے بعد آنحضرت ﷺ اُٹھے اور گھر میں جا کر اپنا جنگی سامان پہن کر باہر تشریف لائے۔ لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائی اور جم کر مقابلہ کرنے اور مصائب و آلام کو بہادری کے ساتھ برداشت کرنے کی تلقین فرمائی۔ پھر اپنی فوج کو اُحد کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ جب اسلامی فوج شہر سے باہر جمع ہوئی تو آپ ﷺ نے رضا کارانِ اسلام کا معائنہ فرمایا، کم عمر بچوں کو واپس بھیج دیا۔ البتہ عورتوں کی کافی تعداد ساتھ رکھی گئی جو لڑائی کے وقت زخمیوں اور دیگر سپاہیوں کی خدمت کرتی رہیں۔ ان میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو مشکیزے بھر بھر کر پانی لاتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ [1]

مسلمانوں کی تعداد تقریباً سات سو تھی۔ نکلے تو ایک ہزار تھے لیکن منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور ان کی ہمتوں کو پست کرنے کے خیال سے تین سو ہمراہیوں کو لے کر راستے سے لوٹ گیا۔ صرف ایک سو مسلمانوں کے پاس زرہیں تھیں۔ پچاس سوار اور پچاس تیر انداز تھے۔ [2]

پہلے دن اسلامی فوج اسی مقام پر ٹھہری رہی جہاں نبی کریم ﷺ نے فوج کا معائنہ کیا تھا۔ شب خون سے بچاؤ کے لیے رات کے وقت پچاس رضا کار گشت کرتے رہے۔ [3] دوسرے دن ہفتہ تھا۔ صبح سویرے ہی اسلامی فوج نے پیش قدمی شروع کی اور آگے بڑھ کر جبل اُحد کے وسیع میدان کے اندر پڑاؤ ڈالا۔ یہ بہترین اور محفوظ ترین جگہ تھی۔ اسلامی لشکر کے پیچھے پہاڑ کی ایک گھاٹی تھی اور یہ ڈر تھا کہ دشمن پیچھے سے وادی قُناۃ کے راستے آ کر حملہ نہ کر دے۔ اس حملے کے بچاؤ کے لیے حضرت رسول مقبول ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت و سرکردگی میں حکم دیا کہ وہ اس گھاٹی کی حفاظت کریں اور اپنی جگہ نہ چھوڑیں، خواہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست۔ انھی تیر اندازوں کی نسبت سے اب اس گھاٹی والے پہاڑ کو جبل

---

[1] محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۸۷۹، ۲۸۸۳

[2] ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲/۵۰۴، ۵۰۵

[3] ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲/۵۰۷

Marfat.com

الرُّماۃ کہتے ہیں۔ ①

اس دن حضرت رسول کریم ﷺ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں اور جھنڈا حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ② مشرکین مکہ کا سپہ سالار ابوسفیان تھا اور رسالہ کی کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی۔ ③

جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی۔ کفار نے کئی بار آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ منہ کی کھا کر پسپا ہونے پر مجبور ہوئے۔ خالد بن ولید کا رسالہ آگے بڑھا تو مسلمان تیراندازوں نے خالد کے گھوڑسواروں کے منہ پھیر دیے۔ مسلمانوں کے شہسوار حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیراندازوں کی معاونت کر رہے تھے۔ خالد کا رسالہ بری طرح پسپا ہوا، کفار کے پاؤں اُکھڑ گئے، دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

جب گھاٹی والے تیراندازوں نے کافروں کو بھاگتے دیکھا تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال و اسباب لوٹنے کے لیے بھاگے۔ ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہتیرا سمجھایا لیکن فتح کی خوشی میں وہاں کون سنتا تھا۔ تیرانداز بھی گھاٹی خالی کر کے مال غنیمت لوٹنے لگے۔ ④

خالد نے گھاٹی کو تیراندازوں سے خالی پا کر موقع غنیمت سمجھا اور پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملے سے مسلمان گھبرا گئے۔ خالد کا رسالہ مسلمانوں کو تیروں اور نیزوں سے بری طرح زخمی کرنے لگا، مسلمان بڑے پریشان ہوئے۔ پریشانی و اضطراب کے عالم میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ پیغمبر خدا ﷺ بھی کفار کے نرغے میں آ گئے لیکن آپ ﷺ نے بڑی بہادری اور استقلال سے مقابلہ کیا۔ کافروں نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ نے جام شہادت نوش فرما لیا ہے۔ اس افواہ نے مسلمانوں پر مایوسی اور اضطراب کا عالم طاری کر دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے:

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۱۸۰، ۱۹۳
② ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۳۳۱، ۳۳۴
③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۱۸۰
④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۰۳۹

Marfat.com

''رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہنا بے کار ہے۔ اے مسلمانو! اُٹھو اور آنحضرت ﷺ کی طرح تم بھی خدا کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرو۔''①

اُدھر چند جاں نثار اور فدا کار آپ ﷺ کے گرد پروانوں کی طرح گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ باوجود اس کے کہ شمع رسالت کے یہ پروانے تیروں اور نیزوں کے خلاف سِپَر کا کام دے رہے تھے، آنحضرت ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے، آپ ﷺ کے سر مبارک پر زخم آیا۔②

ستر مسلمان شہید ہوئے۔ آپ ﷺ کے پیارے چچا صاحب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ایک حبشی غلام وحشی کے نیزے سے شہید ہو گئے۔③

قریش مکہ نے آپ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلانے کے بعد فتح کے گمان میں میدانِ جنگ کو چھوڑنا شروع کیا، کچھ لوگ مکہ کو واپس چل دیے۔

آنحضرت ﷺ نے زخمی ہو جانے کے باوجود بڑی ہمت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ آپ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے لیکن اتفاق سے آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو اٹھایا اور پہاڑ کے اوپر بلند جگہ پر لے گئے تاکہ مرہم پٹی کریں۔ تھوڑی دیر آرام فرمانے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ ﷺ نے یہ اعلان کرا دیا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ زندہ و سلامت ہیں۔ آپ کی سلامتی کی خبر سن کر پریشان اور منتشر مسلمان جمع ہونے لگے اور نبی کریم ﷺ پہاڑ کے اوپر جس جگہ آرام فرما رہے تھے وہاں پہنچ گئے۔

اس اجتماع کو دیکھ کر دُشمن کے کچھ آدمی مسلمانوں کی طرف بڑھے مگر مسلمان بلندی پر تھے۔ اُنھوں نے کفار پر سنگ باری کی۔ دُشمن بھاگ گئے اور اپنے واپس جانے والے ساتھیوں کے پیچھے مکے روانہ ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمان شہداء کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع کیا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے ان سب کی نماز جنازہ پڑھی اور انھیں دفن کرنے کا حکم دیا۔④

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۱۷/۲

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۰۷۳، ۴۰۷۶

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۰۷۲

④ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۱۵/۴

Marfat.com

شہیدوں کو دفن کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے آٹھ دس میل تک دشمن کا تعاقب کیا۔ جب آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اب وہ دوبارہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور نہیں ہوں گے تو آپ ﷺ مدینے واپس آ گئے۔ ①

اس جنگ میں تیئیس کافر مارے گئے تھے اور چوہتر مسلمان شہید ہوئے۔ ②

کفار اور مشرکین مکہ کی عورتوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا۔ وہ اپنے سپاہیوں کو لڑنے پر اُکساتی اور برانگیختہ کرتی تھیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہند بھی جنگ میں شریک تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا اور منہ میں ڈال کر چبانا چاہا۔ ③

اس جنگ میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری دکھائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پیارے باپ ﷺ کے زخموں کو دھویا، سر کا خون تھمتا نہ تھا۔ اس میں چٹائی جلا کر رکھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مشکیزے میں پانی لا کر زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ ④

یہ جنگ فیصلہ کن نہ تھی، کوئی فریق ہمت ہار کر میدان نہ چھوڑ گیا تھا۔ نہ کسی فریق کو پوری فتح ہوئی اور نہ کسی کو مکمل شکست، البتہ سبق اور درسِ عبرت دونوں فریقوں کو مل گیا۔ ایک طرف تو مسلمانوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ رسولِ خدا ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری میں دین و دنیا کی کامرانی اور سعادت مندی مضمر ہے اور آپ ﷺ کی نافرمانی اور حکم عدولی میں ہلاکت، بربادی اور تباہی ہے۔

دوسری جانب مشرکین اور کفار پر ثابت کر دیا کہ خدا کے رسول علیہ السلام کو بڑے لاؤ لشکر اور ساز و سامان کے باوجود بھی شکست نہیں دی جا سکتی اور یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بول بالا ہوگا اور فتح و نصرت اور غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔ البتہ بعض شرارت پسند اور اسلام دشمن عناصر کو یہ جرأت ہو گئی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف تخریبی کارروائیاں شروع کر دیں۔

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۲۲۷

② الذہبی، تاریخ الاسلام: ۲/۱۰۵، ۱۰۸

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱/۴۲۵

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۸۸۰، ۳۰۳۷

Marfat.com

یہودیوں کا اخراج

یہودی مدتوں سے مدینے میں بستے چلے آ رہے تھے۔ مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں یہودیوں نے بڑا اقتدار اور اثر ورسوخ حاصل کر لیا تھا۔ تجارت، کاروبار، زراعت، دولت و ثروت سب یہودیوں کا اجارہ تھا۔

جب حضرت رسول خدا ﷺ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کی سیاسی اور اقتصادی اہمیت کو فوراً بھانپ لیا اور سیاست کاری کے اُصول مدِنظر رکھتے ہوئے یہودیوں کو موقع دیا کہ وہ شریف انسانوں کی طرح اچھے ہمسائے اور معزز شہری ثابت ہوں۔ اسی مقصد کے پیش نظر آپ ﷺ نے سب سے پہلا سیاسی معاہدہ یہود مدینہ سے کیا اور پہلے ہی منشور میں یہودیوں کے حقوق و فرائض کی وضاحت فرما دی۔ ①

اسباب

مگر جب یہودیوں نے دیکھا کہ اسلام کی قوت روز بروز بڑھ رہی ہے اور مسلمانوں کا سیاسی اقتدار مدینے کی حدود سے نکل کر سارے عرب میں پھیلنے والا ہے تو وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور شرارتوں پر اُتر آئے۔ یہودیوں کی اسلام دشمنی کی وجوہات مندرجہ ذیل تھیں:

(۱) **مذہبی:** مدت دراز سے یہودیوں کو مدینے میں مذہبی اقتدار حاصل تھا۔ وہ ایک الہامی دین کو مانتے تھے۔ موسوی شریعت کے پیرو تھے۔ ان کے پاس الہامی کتاب تورات موجود تھی۔ مدینے کے مشرک اور بت پرست ان چیزوں سے محروم تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر یہودیوں کو اہل مدینہ پر احساس برتری کے علاوہ ایک گونہ مذہبی فوقیت حاصل تھی۔ اسلام آنے کے بعد یہود کی یہ فوقیت اور اقتدار ختم ہونے لگا۔

(۲) **اقتصادی:** اسلام سے پہلے مدینہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں کا سارا اقتصادی نظام یہودیوں کے قبضے میں تھا۔ تجارت، صنعت و حرفت، زراعت، لین دین، سودی کاروبار، یہودیوں کی اجارہ داری تھی۔ اہل مدینہ یہود کے مقروض تھے۔ اَوس و خزرج آپس میں لڑلڑ کر دم

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/ ۵۰۳

Marfat.com

توڑ رہے تھے۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینے آ گئے تو انصار کی ہمدردی اور ایثار نے مہاجرین کے حوصلے بڑھا دیے اور مدینے کے یہ نئے باشندے یعنی مہاجرین تجارت اور کاروبار میں خوب آگے نکل گئے۔ دیکھتے دیکھتے بالکل بے دست و پا اور فلاکت و افلاس کے مارے مہاجرین دولت وثروت میں کھیلنے لگے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تجارتی مال غیر ملکی منڈیوں میں آنے جانے لگا۔

یہود مدینہ یہ دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ ان کی تجارت کو ضُعف پہنچا۔ اس سے تجارتی اور اقتصادی رقابت کی آگ بھڑک اُٹھی۔ نیز انصار کی مالی حالت بہتر ہو گئی۔ وہ یہودیوں سے بے نیاز ہو کر تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ یہودیوں کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کی اقتصادی گرفت ڈھیلی ہونے پائے۔ اپنے اقتصادی اقتدار کو خطرے میں دیکھ کر مسلمانوں کی مخالفت پر تُل جانا یہودیوں کے لیے ایک طبعی امر تھا۔

(۳) سیاسی: ہجرت سے پہلے یہود مدینہ کو بڑی سیاسی اہمیت حاصل تھی۔ اُنھوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا رکھے تھے۔ اَوس اور خزرج کی باہمی آویزش ولڑائی سے یہودی فائدہ اٹھاتے تھے۔ جب اسلام مدینہ میں پہنچا تو اس نے اوس اور خزرج کے قبیلوں کو باہم شِیر وشکر کر دیا۔ صدیوں کی دشمنی اور عناد کو محبت اور پیار میں تبدیل کر دیا۔ اب مدینے کی سیاست کا مرکزی نقطہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تھی نہ کہ یہودی۔

معاہدہ مدینہ کی رُو سے یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی فوقیت و برتری کا اقرار کر چکے تھے۔ جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کی سیاسی قوت بڑی تیزی سے بڑھنے لگی۔ یہودی کب گوارا کر سکتے تھے کہ مٹھی بھر پناہ گزین ساری بستی بلکہ سارے ملک کے حکمران بن جائیں۔ مسلمانوں کی ترقی کو روکنے کے لیے یہودی کمربستہ ہو گئے اور مشرکین مکہ سے مل کر اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ یہودیوں کے تین قبیلے بڑے طاقتور تھے۔ بنو قَینُقاع، بنو نضیر اور بنو قُریظہ۔ یہ قبائل سرکشی و اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ معاہدۂ مدینہ کی شرائط کے لحاظ سے یہودیوں کا فرض تھا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں اور دوستی کا ہاتھ بڑھائیں مگر اُنھوں نے عہد شکنی کی۔ ①

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۵۱۳

Marfat.com

بنو قینُقاع کا اخراج

ایک دن بنو قینقاع کے بازار میں ایک یہودی نے ایک عرب عورت کو چھیڑا۔ یہ دیکھ کر ایک مسلمان طیش میں آ گیا۔ اس نے یہودی کو قتل کر دیا۔ پھر یہودیوں نے اس غیرت مند مسلمان کو شہید کر دیا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے معاہدے کی رُو سے یہودیوں سے اس شہید کا خون بہا طلب کیا مگر یہودی فساد پر آمادہ تھے۔ قلعہ بند ہو کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ پندرہ دن کے محاصرے کے بعد یہودیوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ جو فیصلہ کریں انھیں منظور ہوگا۔ آپ ﷺ نے انھیں جلاوطن کر دیا اور وہ اپنے باغات، جائیدادیں اور زمینیں چھوڑ کر ملک شام کی طرف چلے گئے۔ یہ واقعہ سن ۲ ہجری کا ہے۔ ①

بنو نضیر کا اخراج

اسی طرح بنو نضیر نے بھی معاہدہ مدینہ کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں سے تعاون کرنے کی بجائے دشمنانِ اسلام سے ساز باز کرنے لگے۔ غزوہ اُحد میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا۔ پھر جب ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم ﷺ ایک خون بہا کی رقم کا حصہ وصول کرنے کی غرض سے بنو نضیر کی بستی میں تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ ﷺ ایک دیوار کے پاس بیٹھے تھے کہ یہودیوں نے سازش کی کہ اوپر سے ایک پتھر گرا کر آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہودیوں کے اس ناپاک ارادے کی اطلاع کر دی۔ آپ ﷺ وہاں سے اُٹھے اور مدینے واپس تشریف لے آئے۔

مدینے پہنچ کر آپ ﷺ نے بنو نضیر کو لکھ بھیجا کہ معاہدۂ مدینہ کی تجدید و تعمیل کرو اور بصورتِ دیگر مدینے سے نکل جاؤ۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور انھیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بذریعہ الہام خبر دی کہ یہودیوں نے میرے قتل کی سازش کی تھی اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا ہے کہ یہودیوں سے جنگ کی تیاری کی جائے۔ جب یہودیوں نے آپ ﷺ کے خط کا کوئی جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ یہودی قلعہ بند ہو کر مقابلے کے

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/۱۳۷

Marfat.com

لیے تیار تھے۔ مسلمانوں نے چھ دن کے محاصرے کے بعد ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹ کر نذرِ آتش کر دیا۔ یہودی ڈر گئے اور دو ہفتوں کے محاصرے کے بعد تنگ آ کر ہمت ہار بیٹھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ جان بخشی دے کر ہمیں جلاوطن کر دیا جائے مگر ہمارا خون نہ بہایا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرما کر اُنھیں جلاوطن کر دیا۔ البتہ اتنی رعایت دی کہ جتنا مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر لے جاسکیں لے جائیں۔ بہت سے یہودی تو خیبر میں آباد ہو گئے اور چند آدمی شام کی طرف نکل گئے۔ خیبر مدینے کے شمال میں تقریباً ستر میل کی مسافت پر ہے۔ ①

اسی طرح بنو قُریظہ کو بھی ان کی شرارتوں کی سزا دی گئی جس کا ذکر غزوۂ خندق کے آخر میں آئے گا۔

❀❀❀

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۰۲۸، ۴۰۳۲

Marfat.com

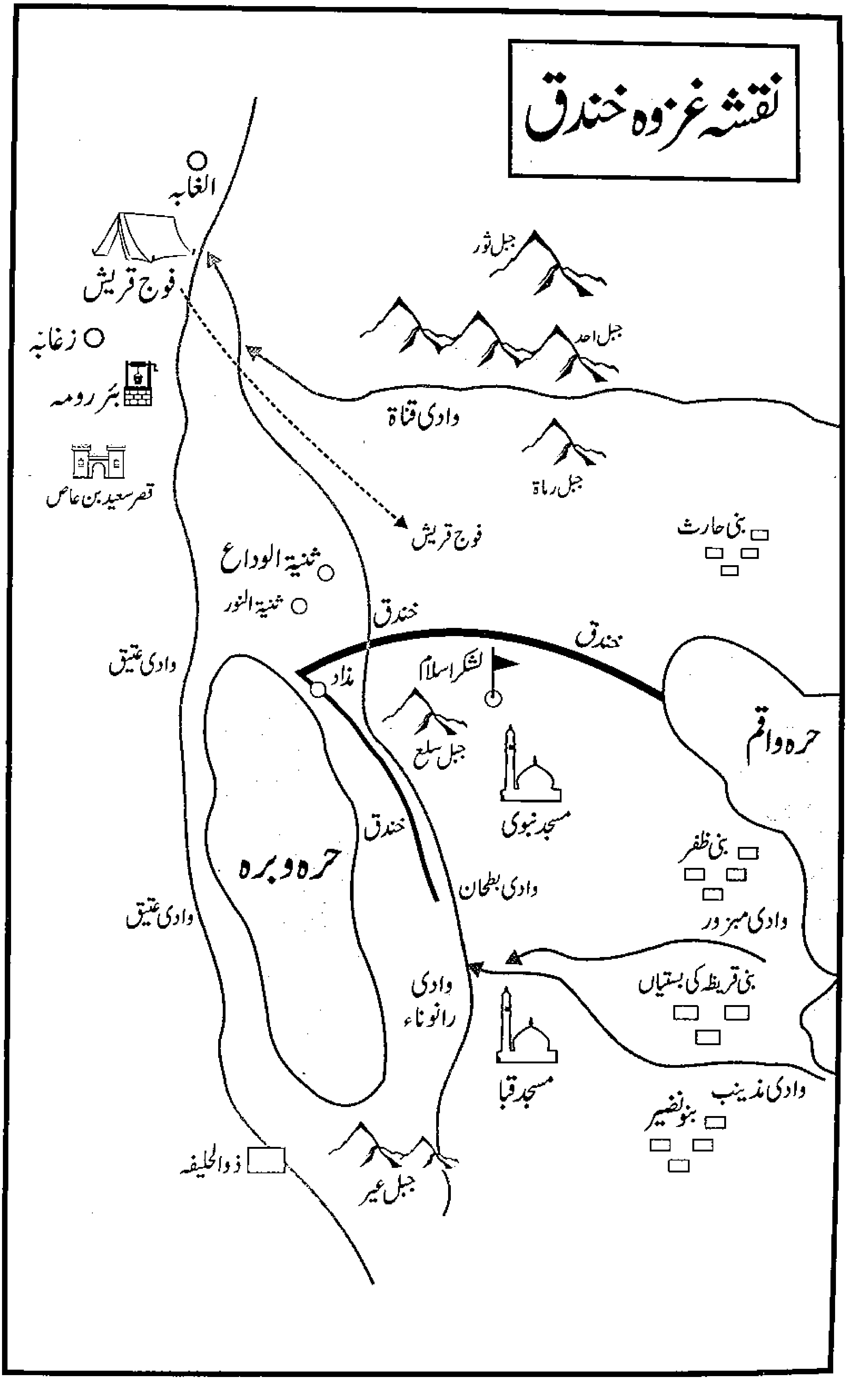
نقشہ غزوہ خندق
الغابہ
فوج قریش
زغابہ
بئر رومہ
قصر سعید بن عاص
جبل ثور
جبل احد
وادی قناۃ
جبل رماۃ
فوج قریش
بنی حارث
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
خندق
خندق
وادی عتیق
مذاد
لشکر اسلام
جبل سلع
حرہ واقم
مسجد نبوی
خندق
حرہ وبرہ
بنی ظفر
وادی بطحان
وادی عتیق
وادی مہزور
بنی قریظہ کی بستیاں
وادی
رانوناء
مسجد قبا
وادی مذینب
بنو نضیر
ذوالحلیفہ
جبل عیر

Marfat.com

غزوۂ خندق

یہ غزوہ سن ۵۔ ہجری میں ہوا۔[1] اس کا دوسرا نام غزوۂ اَحزاب بھی ہے کیونکہ بہت سے گروہ اور قبائل مدینے پر حملہ آور ہوئے تھے، یہ بھی اہم غزوہ ہے۔ قریش مکہ بنو غطفان اور یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے۔ ان سب کا سردار ابوسفیان تھا۔[2]

اسباب

اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ یہودیوں کو مدینہ سے نکل جانے کا بڑا دُکھ تھا وہ مسلمانوں سے اس کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے یہودیوں نے قریش مکہ کے پاس پہنچ کر انھیں مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اُکسایا اور اپنی امداد کا یقین دلایا۔ قریش تو پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ انھیں گمان تھا کہ جنگ اُحد میں ان کا پلہ بھاری رہا تھا اور یہ کہ ان میں اتنا دم خم ہے کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر سکیں۔ یہودیوں کے اُکسانے اور امداد کے وعدہ سے انھیں اور جرأت ہوگئی۔ پھر بنو غطفان کو بھی آمادہ کر لیا۔ بس پھر کیا تھا، تمام قبیلوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے دس ہزار کا بھاری لشکر بنا کر مدینہ شریف پر دھاوا بولنے کو چل دیے۔[3]

خندق کی تیاری

حضرت رسول اکرم ﷺ کو اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایران کے جنگی طریقوں سے واقف تھے۔ اُنھوں نے مدینہ شریف کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی۔[4] حضرت رسول اکرم ﷺ نے یہ رائے پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے بھی بذریعہ الہام خندق کا حکم ملا ہے۔ چنانچہ مسلمان لڑنے کے لیے شہر سے باہر نہیں نکلے بلکہ خندق کھود کر مدینے کے اندر بیٹھ کر مقابلہ کرتے رہے۔ جب خندق کھودنے کی تجویز طے

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۸۲/۴

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۱۵/۲

③ ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۳۹۲

④ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۲۴/۲

Marfat.com

پا چکی تو آنحضرت ﷺ چند مہاجرین و انصار کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے اور شہر کے اطراف و جوانب میں ان جگہوں کا معائنہ فرمایا جو جنگ اور محاصرہ میں اہمیت رکھ سکتی تھیں۔ خندق کھودنے کے لیے نشانات لگا دیے۔ باغات اور مکانات کے علاقے محفوظ تھے۔ حرہ مشرق سے شروع کر کے شمال اور مغرب کے علاقے کو خندق سے محفوظ کرنے کا فیصلہ ہوا۔[۱] خندق کھودنے کا کام شروع ہوا۔ حضرت رسول مقبول ﷺ اپنا مکان چھوڑ کر خندق کے متصل پہاڑی پر خیمہ لگا کر مقیم ہو گئے۔ اس خیمے کی یادگار آج تک مسجد ذُباب کی صورت میں موجود ہے۔[۲] تین ہزار مہاجرین و انصار مل کر خندق کھودنے لگے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی اپنے مبارک ہاتھوں سے خود خندق کھود رہے تھے۔ کئی کئی دن فاقے سے گزر رہے تھے مگر حوصلے مضبوط تھے اور ہمتیں بلند۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بڑی محنت سے مٹی کھودتے اور جوش کے عالم میں حسبِ ذیل شعر پڑھتے:

''ہم نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کی ہے
کہ جب تک جان میں جان ہے، ہم خدا کی راہ میں لڑتے رہیں گے۔''[۳]

محاصرۂ مدینہ

اِدھر شوال سن ۵۔ ہجری میں تین ہفتوں کی مسلسل محنت کے بعد خندق تیار ہوئی۔ شمال اور مغرب کے غیر محفوظ اطراف میں تقریباً آٹھ ہزار گز لمبی خندق کھود کر مدینے کو محفوظ کر لیا گیا۔ اُدھر دشمن کے لشکر نے آ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔[۴] آنحضرت ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو گڑھیوں اور چھوٹے قلعوں میں بھیج دیا اور خود پوری فوج کے ساتھ سَلْع پہاڑ پر ڈیرے ڈالے۔ آپ ﷺ اپنے الگ خیمے میں بیٹھ کر دشمنوں کی نقل و حرکت کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ آپ ﷺ کے اس خیمے کی یادگار مسجد الفتح کی شکل میں اب تک موجود ہے۔[۵]

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۶۷/۲
② الواقدی، کتاب المغازی: ۴۵۰/۲
③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۸۳۴
④ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۱۹/۲
⑤ الواقدی، کتاب المغازی: ۴۵۴/۲

Marfat.com

مسلمانوں کے فوجی دستے باری باری خندق کی نگہبانی کرتے اور پہرہ دیتے تھے۔ جب کبھی دشمن خندق کے کسی مقام پر حملہ آور ہوتا تو مسلمان فوج تیروں سے استقبال کرتی۔ دشمن کے سوار بھی خندق کے پار منڈلاتے رہتے اور موقع کی تلاش میں رہتے۔ بعض لوگ خندق پار کرنے کی کوشش میں کھائی میں گر کر ہلاک ہو گئے، ایک آدھ مرتبہ دشمن کے بعض سردار اپنے عمدہ گھوڑوں کو خندق کُدانے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں نے ان کا کام تمام کر دیا۔

جوں جوں محاصرہ لمبا ہوتا گیا، مسلمانوں کی تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ پندرہ بیس دن کے محاصرے کے بعد دشمنوں نے بڑا زور مارا لیکن منہ کی کھا کر نامراد و ناکام لوٹے۔

یہودیوں نے موقع تاڑ کر مسلمان خواتین کے کیمپ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمان عورتوں نے بڑی بہادری اور جرأت سے کام لے کر یہودیوں کو مار بھگایا اور ایک آدھ کو تو قتل بھی کر دیا۔ اس سے یہودی خوفزدہ ہو گئے اور سمجھے کہ قلعہ کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے۔

اُدھر قریش نے یہود بنو قریظہ کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ پچھلی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کر دیں اِدھر محاصرے کی طوالت اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے ضروری سمجھا کہ سیاسی بصیرت اور جنگی حربہ استعمال کیا جائے اور افواہیں پھیلا کر دشمن کی صفوں میں پھوٹ ڈلوائی جائے۔ یہ موقع بھی بڑا اچھا تھا کیونکہ محاصرہ کرنے والی فوج کا راشن ختم ہونے کو تھا، رَسَد پہنچنے کی اُمید نہ تھی۔

حضرت رسول مقبول ﷺ نے نُعَیم بن مسعود ایسے نو مسلم جن کا اسلام لانا ابھی مشہور نہ ہوا تھا، کو بنو قُریظہ کے پاس بھیج کر مسلمانوں کی قوت و طاقت اور فتح و کامیابی کا ان کو یقین دلایا اور سمجھایا کہ وہ پیغمبر خدا ﷺ سے خواہ مخواہ جھگڑا مول نہ لیں اور یہود کو یہ بھی اشارہ کیا کہ وہ قریش سے اس بات کی ضمانت لیں کہ وہ جنگ کو آخر تک جاری رکھیں گے اور اس ضمانت میں قریش کے سردار اور معزز لوگ اپنے پاس رکھیں، یہ مشورہ یہود کو پسند آیا۔ جب قریش کو اس کا علم ہوا تو انھیں یہودیوں کی دیانت پر شک ہونے لگا اور وہ یہ سمجھے کہ بنو قریظہ نے مسلمانوں سے کچھ ساز باز کر لی ہے۔ مسلمانوں نے اس قسم کی افواہوں کو خوب ہوا دی۔ آہستہ آہستہ ان افواہوں کا یہ اثر ہوا کہ

Marfat.com

قریش کو یقین ہو گیا کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے۔ بس پھر کیا تھا، یہودیوں اور مشرکین مکہ میں پھوٹ پڑ گئی۔[۱] ایک طرف تو دشمنوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ یہودی قریش کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھنے لگے اور قریش مکہ یہودیوں سے بدظن ہو گئے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور آندھی کا ایسا ہولناک طوفان بھیجا کہ کفار سخت پریشان ہو گئے۔ شدت کی آندھی اور سخت سردی نے ان کے ہوش وحواس گم کر دیے۔ مدینے کے ارد گرد ایک مہینے تک ڈیرے ڈالے رہنے کے بعد قریش کو ناکام ونامراد واپس جانا پڑا۔[۲]

ناکامی کے اسباب

اس محاصرہ کی ناکامی کے اسباب حسب ذیل تھے:

(۱) مسلمان متحد اور یک جان تھے۔ ان کے سامنے ایک مقدّس مقصد تھا۔ یعنی دین اور عقیدے کی حفاظت، وحدتِ عقیدہ اور وحدتِ عمل نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر رکھے تھے۔ انھیں اپنے قائد اور سربراہ پر پورا اعتماد تھا۔

اس کے مقابلے پر دشمنانِ اسلام میں نہ تو وحدتِ عقیدہ موجود تھی اور نہ ہی وحدتِ عمل۔ ان کا لشکر مختلف الخیال عناصر سے مرکب تھا۔ ان میں باہمی اعتماد بھی مفقود تھا۔

(۲) مسلمانوں نے اس مرتبہ خندق کھدوا کر اپنی اور شہر کی حفاظت کا بڑا مضبوط بندوبست کر رکھا تھا۔ خندق کا تصور عربوں کے لیے بالکل انوکھا تھا۔ دشمن خندق دیکھ کر نہ صرف حیران ہوئے بلکہ ان کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔

(۳) طویل محاصرے کے بعد بھی کامیابی کی کوئی کرن نظر نہ آئی۔ مسلمان مجاہدوں نے دشمنوں کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا اور ہر مرتبہ منہ توڑ جواب دیا۔

(۴) دس ہزار[۳] اور بقول بعض مؤرخین چوبیس ہزار کے لشکر جرار کے لیے رَسَد کا فراہم کرنا

---

① ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۴۰۵

② الواقدی، کتاب المغازی: ۴۹۱/۲

③ ابن الجوزی، الوفا: ۲۳۷/۲

Marfat.com

بذاتِ خود ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ سامان رسد کی قلت نے حملہ آوروں کے لیے تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ دشمنوں کی عددی قوت ہی ان کی بڑی کمزوری کا سبب بن گئی۔ مسلمانوں کی جفاکوشی اور صبر کی وجہ سے یہ مسئلہ ان کے لیے کوئی بہت اہم نہ تھا۔

(۵) دورانِ محاصرہ موسم غیر معمولی طور پر حملہ آوروں کے لیے پریشان کن ثابت ہوا۔ شدت کی سردی اور ہولناک طوفان، باد و باراں نے حملہ آوروں کی رہی سہی ہمت بھی توڑ دی اور وہ بددل ہو کر محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔

(۶) رسولِ خدا ﷺ کی حکمت عملی، جنگی مہارت اور سیاسی تدبر نے دشمنوں کی صفوں میں انتشار پیدا کر کے پھوٹ ڈلوا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قریش بنوغطفان سے بدظن ہو گئے اور بنوغطفان ان سے۔ اس طرح قریش اور بنوقُریظہ کے درمیان بھی منافرت اور بداعتمادی خوب پھیل گئی۔ دشمن آپس میں ایک دوسرے کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے۔

غزوۂ خندق کی اہمیّت

غزوۂ خندق یا جنگِ احزاب اسلام کے خلاف کفر و شرک کا آخری جارحانہ اقدام تھا۔ مدینہ منوّرہ میں ایک چھوٹی سی نوعمر اسلامی ریاست کو دیکھ کر کفر و شرک کے ایوانوں میں آگ لگ گئی اور وہ شمع رسالت کو بجھانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا بیٹھے۔ لیکن ہر بار منہ کی کھا کر ناکام و نامراد واپس لوٹے۔

اس مرتبہ ایک عظیم الشان لشکر جمع کر کے قریش اپنے حلیف قبائل کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن کی اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے پر تلی ہوئی تھی لیکن تائیدِ ایزدی اور نصرتِ الٰہی نادار اور کمزور مسلمانوں کے ساتھ تھی۔

قریش مکہ کی یہ آخری کوشش بھی کارگر نہ ہو سکی۔ میدانِ جنگ میں ناکامی نے انھیں اعتماد نفس سے محروم کر دیا۔ مختلف جماعتوں نے مل کر محاذ بنایا لیکن خود ہی ان کی صفوں میں انتشار پھیل گیا۔ اس غزوہ کی بدولت یہود بنی قُریظہ کی اصلیت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی اور اُنھیں مسلمانوں سے بے وفائی اور غداری کا عبرتناک سبق مل گیا۔

Marfat.com

بنوقُریظہ کی سزا

کفار کی ناکام واپسی کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ شہر میں واپس تشریف لائے اور ہتھیار کھولنے لگے تھے کہ خدا تعالیٰ نے حکم بھیجا کہ یہودیوں کو وعدہ خلافی اور غداری کی سزا دو۔ یہ حکم ملتے ہی منادی کرادی کہ ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے پہلے بنوقریظہ کے علاقے میں پہنچ جائے۔ آپ ﷺ خود بھی فوراً روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا لشکر دیکھ کر یہودی ڈر گئے اور عہد شکنی اور غداری کی معافی مانگنے لگے۔ مگر چونکہ سزا دینے کا حکم آچکا تھا، اس لیے معافی کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ پندرہ دن تک مسلمانوں نے بنوقریظہ کا محاصرہ جاری رکھا۔ بالآخر یہودیوں نے مجبوراً غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے۔ انصارِ اوس میں سے کچھ لوگ ان کو معاف کر دینے کے حق میں تھے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کا معاملہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا کہ جو فیصلہ وہ کریں اسے نافذ کر دیا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی جائیداد اور مال و دولت کو بطور غنیمت تقسیم کر لیا جائے۔ چنانچہ سات سو کے قریب یہودی قتل کر دیے گئے۔ ان مقتولوں میں ایک عورت بھی تھی جس نے ایک مسلمان خلّاد کو چکی سے شہید کر دیا تھا۔ یہ عورت تو خلّاد بن سُوید کے قصاص میں قتل ہوئی۔ اسی طرح بنونضیر کا سردار حُیَی بن اَخطب بھی ان غداروں کے ساتھ مارا گیا۔ کیونکہ وہ بنوقریظہ کے پاس آکر سازشوں اور شورشوں کی سوچا کرتا تھا۔ ①

سزا کی وجوہات

بنوقریظہ کو یہ سزا اس لیے ملی کہ اُنھوں نے مسلمانوں سے تعاون و دوستی کا عہد و پیمان کرنے کے بعد بدعہدی اور بے وفائی کی۔ یہود بنوقُریظہ مسلمانوں کے حلیف اور معاہد تھے۔ معاہدے کی رُو سے یہودیوں پر لازم تھا کہ وہ بیرونی حملہ کے وقت مسلمانوں کی اعانت اور امداد کرتے لیکن اُنھوں نے اپنے حلیف گروہ یعنی مسلمانوں کو بیرونی حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے تنہا

① ابن سید الناس، عیون الاثر: ۲/ ۷۳

Marfat.com

چھوڑ دیا اور خود غیر جانب دار بھی نہ رہے۔ کھلم کھلا قریش مکہ کا ساتھ دیا اور کئی مرتبہ کوشش کی کہ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر علیہ السلام کو غداری اور اچانک حملے سے ہراساں اور پریشان کریں۔

پھر یہ کہ جلاوطن شدہ حُیَی بن اخطب کو اپنے ساتھ مدینہ لے آئے، جس سے مسلمان اور بھی برافروختہ ہوئے۔ مزید برآں ندامت و افسوس کا اظہار کرنے کی بجائے یہود بنو قریظہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان تمام وجوہات کا تقاضا تھا کہ ایسی بدباطن و بدعہد اور غدار قوم کو ایسی ہی عبرتناک سزا ملے۔ اب مدینہ منورہ یہود کی سازشوں سے پاک ہو گیا۔

غزوہ بنی مُصطَلق ۵ھ

اس جنگ کو غزوہ مُرَیسیع بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ جنگ ایک چشمۂ آب کے قریب ہوئی تھی جسے مریسیع کہتے تھے۔ (۱) بنو مصطلق بن خُزاعہ نے اپنے سردار حارِث بن ابی ضرار کی سرکردگی میں مسلمانوں سے جنگ کی ٹھانی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو سن ۵۔ ہجری میں آپ نے لشکر لے کر ان پر چڑھائی کر دی۔ (۲) بنو مصطلق کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے مرد مارے گئے۔ عورتیں اور بچے جنگی قیدی بنا لیے گئے۔

اس غزوہ کی ایک بڑی اہمیت یہ ہے کہ بنو مصطلق کے سردار حارِث بن ابی ضرار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے سردار کی بیٹی کی عزت افزائی کی خاطر اسے ثابت بن قیس سے قید ہو جانے کے بعد آزادی دلوا کر اپنے عقد نکاح میں لے لیا۔ (۳)

جب بنو مصطلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال ٹھہرے تو اس تعلق مصاہرت کی تعظیم کرتے ہوئے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنو مصطلق نے اسلام قبول کر لیا۔

---

(۱) محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۳

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۲۹۰

(۳) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۳۰

Marfat.com

اس موقع پر انصار و مہاجرین میں ایک معمولی سی بات پر تنازع ہو گیا اور قریب تھا کہ تلوار چل جائے، آنحضرت ﷺ کی بروقت مداخلت سے تلوار چلتے چلتے رُک گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو ڈانٹ دیا اور پھر کبھی ایسی حرکت کرنے سے روک دیا۔

نیز اس غزوہ سے واپسی پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قِصہ اِفک پیش آیا جس کی وجہ سے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو چند دن سخت پریشانی اور بے چینی رہی۔ آخر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں برئیت نازل کر کے ساری بات صاف اور واضح کر دی اور تہمت کی سخت تردید کر کے تہمت لگانے والوں کے لیے سزا مقرر کر دی۔ ①

❀❀❀

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۱۴۱

Marfat.com

صُلح حُدَیبیہ

ماہ ذوالقعدہ سن ٦۔ہجری میں حضرت رسول اکرم ﷺ چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔خانہ کعبہ کی اس زیارت کو عُمرہ یعنی چھوٹا حج کہتے ہیں۔ ①

مسلمانوں کے پاس تلواروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔آنحضرت ﷺ نے ایک جاسوس پہلے سے بھیج دیا تھا تاکہ قریش کے حالات سے اطلاع ملتی رہے۔جاسوس نے خبر دی کہ قریش جنگ کے لیے تیار ہیں، آپ ﷺ سے لڑیں گے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے روکیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ لڑائی کرنے میں پہل نہ کی جائے۔اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے۔آنحضرت ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور آگے بڑھے۔

قریش نے خالد بن ولید کو ہراول دستہ دے کر بھیجا تھا۔خالد نے مسلمانوں کو دیکھا تو ڈر گیا اور دوڑا دوڑا مکے پہنچا اور قریش کو خبر دی تو قریش یہ سن کر بڑے گھبرائے۔

آنحضرت ﷺ بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچ گئے۔ حدیبیہ ایک کنواں ہے جو مکے سے ایک منزل پر واقع ہے۔یہاں قریش راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ② آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہاں سے یہ پیغام دے کر مکے بھیجا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے، ہم تو خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، ہمیں اور کوئی کام نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ ہمیں نہ روکو۔

قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باتوں پر کان نہ دھرے اور ان سے کہا کہ تم طواف کر لو۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ بات کیسے منظور کر لیتے۔

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۷۶/۴

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۷۷/۴

Marfat.com

بیعتِ رضوان

صلح کی بات چیت شروع ہوتے ہوتے پھر جھگڑا پیدا ہوگیا۔ دونوں طرف سے پتھر اور تیر برسائے گئے۔ اسی دوران میں آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ یہ خبر سن کر مسلمانوں کو بڑا غصہ آیا۔ وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ سب نے ایک درخت کے نیچے حضرت رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم دشمنوں کے مقابلہ پر لڑیں گے اور کسی حالت میں نہ بھاگیں گے۔ اس کا نام بیعتِ رضوان ہے۔ ①

معاہدۂ صُلح

خدا کا کرنا دیکھئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جلد ہی مکے سے صحیح وسلامت واپس آ گئے۔ ان کو دیکھ کر جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ اور صلح کی بات چیت پھر سے شروع ہوئی۔ جب شرطیں طے ہو چکیں تو آنحضرت ﷺ نے کاتب کو بلا کر فرمایا کہ لکھو "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ" قریش کے نمائندے سُہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ یہ سن کر مسلمان خفا ہوئے مگر آنحضرت ﷺ صلح کرنا چاہتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش کے دستور کے مطابق "بِاسۡمِکَ اللّٰھُمَّ" لکھ دو۔ جب آپ ﷺ نے "مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ" لکھوانا چاہا تو پھر سہیل بن عمرو نے اعتراض کر دیا کہ ہم تو آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے، اگر ہم یہ بات مان لیتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا؟ اس پر مسلمان تو بہت ناراض ہوئے مگر آپ ﷺ نے محمد بن عبداللہ لکھوا دیا۔ ②

شرائطِ صُلح

صلح حدیبیہ کی شرطیں یہ تھیں:

(۱) دس سال تک فریقین میں لڑائی جھگڑا بند رہے گا اور امن وامان قائم رکھا جائے گا۔

---

① ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۴۶۰

② مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۸۳

Marfat.com

(۲) مسلمان اس سال واپس جائیں اور اگلے سال آ کر خانہ کعبہ کی زیارت کریں مگر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

(۳) مسلمان اپنے ساتھ تیر اور نیزے بالکل نہ لائیں۔ صرف تلواریں لا سکتے ہیں اور وہ بھی نیاموں کے اندر بند ہوں۔

(۴) جو مسلمان مرتد ہو کر قریش کے پاس آ جائے گا اسے واپس نہیں کیا جائے گا، لیکن قریش کا جو آدمی اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا اسے واپس کر دیا جائے گا۔

مسلمان اس معاہدے کی شرطوں پر خوش نہ تھے لیکن آنحضرت ﷺ کے سمجھانے سے بات مان گئے۔ [1] جب معاہدہ مکمل ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو قربانی کے جانور ذبح کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا۔ پھر آپ ﷺ خود اُٹھے، قربانی کی اور سر منڈایا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانی کے جانور ذبح کیے اور سر منڈائے۔ [2]

صلح کی اہمیت

آنحضرت ﷺ عمرہ کے لیے تشریف لائے تھے مگر قریش مکہ نے روک دیا۔ آپ ﷺ بیت اللہ کی زیارت کیے بغیر واپس چلے گئے۔ اس زیارت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بڑی فتح عطا کی۔ اگرچہ بظاہر جنگ نہ ہوئی، نہ کسی فریق کو فتح ہوئی نہ شکست، بلکہ فریقین کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا لیکن یہ معاہدہ سیاسی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

قریش مکہ نے رسول اکرم ﷺ سے معاہدہ کر کے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ مسلمان ایک مستقل اور الگ قوم ہے، جو سیاسی اقتدار کی مالک ہے۔ اُنھوں نے اس بات کو بھی تسلیم کر لیا کہ ملک عرب میں مسلمانوں کی ایک حکومت ہے۔ اس لحاظ سے صلح حدیبیہ ایک شاندار فتح تھی۔

اس صلح کا یہ بھی فائدہ ہوا کہ ایک طرف تو حضرت رسول اکرم ﷺ قریش کی طرف سے مطمئن ہو کر یہودیوں کی سرکوبی کرنے کے قابل ہو گئے، دوسری طرف تبلیغ اسلام کی راہ میں قریش

---

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۸۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲

Marfat.com

مکہ سب سے بڑی رکاوٹ بنے بیٹھے تھے۔اس صلح نے یہ رکاوٹ بھی دور کر دی اور آنحضرت ﷺ اطمینان کے ساتھ ساری دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچانے لگے۔

مسلمانوں کے میل جول سے بعض اکابر قریش اور قائدین کفار اسلام کی حقیقت سے آگاہ ہو کر اسلام کی آغوش میں چلے آئے۔مثلاً خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما۔ ①

قریش کے مظالم سے تنگ آ کر بعض مسلمانوں نے مکہ چھوڑنا چاہا لیکن معاہدہ حُدَیبیہ کی رُو سے مدینہ میں بھی انھیں پناہ نہ مل سکتی تھی، تو وہ مجبور ہو کر قریش کے لیے خطرہ بن گئے۔

جیسا کہ ابو بصیر کا قصہ مشہور ہے۔آخر قریش نے تنگ آ کر از خود درخواست کی کہ معاہدے کی اس شق کو منسوخ کر دیا جائے۔معاہدہ حدیبیہ ابھی مکمل نہ ہونے پایا تھا کہ ایک نومسلم ابو جَندَل بن سُہَیل رضی اللہ عنہ قریش کے مظالم سے بھاگ کر پابز نجیر وہاں آ پہنچا اور مسلمانوں کی پناہ لی۔اس کے باپ سُہیل بن عَمر و نے آنحضرت ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ شرائط معاہدہ پوری کریں اور ابو جندل کو ہمارے سپرد کر دیں۔چنانچہ آپ ﷺ نے ابو جندل کو اس کے باپ سہیل کے سپرد کر دیا۔مسلمانوں نے اس بات کو بہت ہی ذلت آمیز سمجھا۔آپ ﷺ نے لوگوں کو سمجھا دیا اور ابو جندل رضی اللہ عنہ کو صبر و عزیمت کی تلقین کرتے ہوئے جلد مخلصی کی بشارت سنائی۔ ②

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین مکہ کے بعض بڑے بڑے لوگوں کو مسلمانوں سے میل جول کا موقع ملا اور وہ مسلمانوں کے بلند اخلاق اور پاکیزہ زندگی سے بے حد متاثر ہوئے۔ایک دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قریش کے اجتماع میں کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

> ”ہر عقلمند انسان کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نہ تو شاعر ہیں نہ جادوگر، آپ ﷺ کا کلام خدا کا کلام ہے۔ہر ہوش مند اور سمجھدار آدمی کا فرض ہے کہ آپ ﷺ کی پیروی کرے۔“

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۴۶۹

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲

Marfat.com

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ رضی اللہ عنہ یہ تقریر سن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور بولا: اے خالد! تیری عقل و دانش کو کیا ہوا؟

خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کچھ نہیں ہوا، البتہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔''

عکرمہ نے خالد کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی ہر چند کوشش کی اور خالد کے آباؤ اجداد کا واسطہ دے کر جوش دلایا۔ خاندانی عصبیت اور قریش کی عزت کا نام لے کر خالد کے جذبات سے کھیلنا چاہا لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے صرف ایک ہی جواب دیا کہ یہ باتیں زمانہ جاہلیت کی ہیں، اب رُشد و ہدایت اور حق و صداقت واضح ہو چکا ہے، جاہلیت کی عصبیت ختم ہو چکی ہے اور میں مسلمان ہو چکا ہوں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ مدینے جانے کے لیے گھر سے نکلے۔ راستے میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ عمرو نے پوچھا: ابوسلیمان! (خالد رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی) کہاں کا ارادہ ہے؟

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بولے ''حق و صداقت کی راہ واضح ہو چکی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے برحق نبی ہیں۔ میں مسلمان ہونے جا رہا ہوں۔ بھلا کب تک رکا رہ سکتا تھا۔''

عمرو بن عاص کہنے لگے: ''میں بھی اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے نکلا ہوں۔''

دونوں ساتھی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے۔ پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس شرط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گزشتہ گناہوں اور بداعمالیوں پر خطِ تنسیخ کھینچ دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمرو! اسلام لے آنے کے بعد تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ہجرت تمام گزشتہ بدکرداریوں اور جرموں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیتی ہے۔'' ①

---

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۲۱

Marfat.com

ہمعصر حکمرانوں کو تبلیغِ اسلام

اسلام ایک عالمگیر نظامِ حیات ہے۔ حضرت رسول مقبول ﷺ نے اسلامی دعوت و تبلیغ کو تدریجاً ہر گروہ تک پہنچانے کی کوشش فرمائی۔ پہلے اسلام کا پیغام گھر کے لوگوں کو سنایا۔ گھر کی چار دیواری سے نکل کر قریبی رشتہ داروں تک خدا کا پیغام پہنچایا۔ اس کے بعد اہل مکہ کو، پھر مکے کے آس پاس کی بستیوں کو، پھر ان مختلف قبائل کو جو حج کے لیے مکے آتے دعوت اسلام دی۔ آہستہ آہستہ آپ ﷺ کی آواز مدینے تک پہنچی۔ جب حالات سازگار ہوئے اور صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ کو یہودیوں اور مشرکین مکہ کے جھمیلوں سے ذرا فرصت ملی تو آپ ﷺ نے سلاطین اور حکمرانوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی۔

اس زمانے میں ملک عرب کے آس پاس بڑے بڑے حکمرانوں میں قیصرِ روم، شاہِ ایران، سلطانِ مصر، نجاشی حبشہ وغیرہ زیادہ مشہور تھے۔ ① آپ ﷺ نے ان حکمرانوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے۔ ان خطوط پر مہر لگانے کے لیے آپ ﷺ نے چاندی کی ایک مہر بنوائی جس میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اس ترتیب سے کھدا ہوا تھا۔

اَللّٰه

رَسُوْلُ

مُحَمَّد ②

ہرقل کے نام خط

ہرقل قیصرِ روم کے نام آپ ﷺ نے یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ جو

---

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۷۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۵

Marfat.com

سیدھے راستے پر چلا اس کے لیے سلامتی ہے۔ اسلام لے آؤ سلامتی میں رہو گے۔ اللہ تمھیں دُگنا اجر دے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تمھاری رعایا کا گناہ بھی تمھاری گردن پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آؤ ہم آپس میں مشترک بات پر جمع ہو جائیں۔ اللہ کے سوا ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک و ساجھی ٹھہرائیں۔ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب اور مالک نہ بنالیں۔ اگر تم انکار کردو تو گواہ رہو کہ ہم فرماں بردار اور مسلمان ہیں۔'' ①

قیصر روم ملک شام میں آیا ہوا تھا۔ حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اس کے پاس خط لے کر گئے۔ ہرقل خط سن کر مسلمانوں کے سفیر سے عزت و توقیر سے پیش آیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عرب میرے ملک میں موجود ہو تو اسے بلایا جائے۔ اتفاق سے سردار قریش ابوسفیان وہاں موجود تھا، اسے ہمراہیوں سمیت دربار میں حاضر کیا گیا۔

ہرقل نے پوچھا کہ آپ ﷺ کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان کے ساتھی بولے: ابوسفیان۔ چنانچہ ہرقل نے ابوسفیان کو سامنے بٹھایا اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے۔ پھر حکم دیا کہ میں اس شخص سے کچھ پوچھوں گا، اگر یہ جھوٹ بولے تو تم فوراً ٹوک دو۔

ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے تمھارے ملک میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے مجھے اس کے حالات بتاؤ۔ پہلے تو ابوسفیان نے ہرقل کو یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ اس شخص کے حالات سے دولت پناہ کو کیا سروکار، لیکن جب ہرقل نے اصرار کیا اور کہا کہ میرے سوال کا جواب دو تو پھر ابوسفیان نے کہا:

اے بادشاہ سلامت! آپ جو کچھ دریافت فرمانا چاہتے ہیں، پوچھیں:

ہرقل: اس کا حسب نسب بتاؤ۔ ابوسفیان: اس کا نسب تو خالص ہے۔

ہرقل: کیا اس کے خاندان میں کبھی کسی نے ایسا دعویٰ کیا؟ ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا اس کے خاندان میں کوئی ایسا بادشاہ گزرا ہے جس کا تاج و تخت تم نے چھین لیا ہو

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۷

Marfat.com

اور یہ شخص اس سلطنت کو واپس لینا چاہتا ہو؟ ابوسفیان: نہیں۔ ہرقل: اس کے ماننے والے کون لوگ ہیں؟

ابوسفیان: کمزور و مسکین لوگ، نوجوان لڑکے اور عورتیں اس کے پیرو ہیں۔ قوم کے معززین اور بزرگوں نے اس کو نہیں مانا۔

ہرقل: کیا لوگ اس پیغمبر کو مان کر محبت کی وجہ سے اس سے وابستہ رہتے ہیں یا نفرت کے سبب اسے چھوڑ جاتے ہیں؟ ابوسفیان: اس پر ایمان لانے کے بعد کبھی کسی شخص نے اسے چھوڑا نہیں۔

ہرقل: کیا وہ وعدہ خلافی اور بے وفائی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔ ہمارے اور اس کے درمیان صلح ہے اور ہمیں عہد شکنی اور غداری کا کوئی خدشہ نہیں۔

اس کے بعد ہرقل نے کہا کہ اگر تم نے سچ بولا ہے تو یہ سب پیغمبرانہ اوصاف ہیں۔ ہر زمانے میں پیغمبر ایسے ہی گزرے ہیں۔ پھر کہنے لگا کہ وہ دن دُور نہیں جب میری سلطنت بھی اس پیغمبر کے زیرِ نگیں ہوگی۔

ہرقل نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کروں۔ ①

حاکم مصر کے نام خط

آپ ﷺ نے حاکم مصر مقوقس کے نام یہ خط تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَانِ الرَّحِيْمِ

''اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے قبطیوں کے سردار مقوقس کے

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۵۵۳

Marfat.com

نام۔ جس نے ہدایت اختیار کی، اس پر سلامتی ہو۔

اما بعد! میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو امن و سلامتی میں رہو گے۔ اللہ تمھیں دو چند اجر دے گا۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو ہر قبطی کا گناہ تمھاری گردن پر ہے۔ اے کتاب والو! آؤ ہم آپس میں مشترک بات پر اتفاق کرلیں۔ وہ یہ کہ ہم سب ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ خدا کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنالیں۔ اگر تم روگردانی کرو تو کہو کہ گواہ رہو کہ ہم فرماں بردار (مسلمان) ہیں۔"①

مقوقِس قیصر روم کا صوبائی حاکم تھا۔ ہرقل کی طرح مقوقس مصر نے بھی آپ ﷺ کے خط کی بڑی عزت و تعظیم کی اور آپ ﷺ کے سفیر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بہت تحفے تحائف بھیجے۔ جن میں ماریہ قِبطیہ بھی تھیں جو بعد میں اُم المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کہلائیں۔②

نجاشی شاہِ حبشہ کے نام خط

حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک خط میں شاہِ حبشہ کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمَانِ الرَّحِيۡمِ

"اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی شاہِ حبشہ کے نام۔

تم پر سلامتی ہو۔ میں تمھارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو حقیقی بادشاہ ہے۔ پاک ہے۔ امن و سلامتی کا سرچشمہ ہے۔ امن دینے والا اور

① ابن سید الناس، عیون الاثر: ۲/۲۶۵
② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۶۰

Marfat.com

عدل کرنے والا ہے۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے مریم بتول کو عطا کیا جو پاکباز اور عفیفہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تھا۔ میں تمھیں اس خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اس شرط پر تعاون کا ہاتھ بڑھاتا ہوں کہ تم خدائے واحد کی اطاعت اور میری تابعداری کرو۔ اور یہ کہ تم اس پیغام پر ایمان لاؤ جو میں لے کر آیا ہوں۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے لاؤ لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کر چکا ہوں۔ تمھیں حق بات سنا دی ہے۔ تم میری نصیحت مان لو۔ جو راہِ راست پر چلا امن وسلامتی میں رہا۔'' ①

نجاشی نے آپ ﷺ کے خط کو سر آنکھوں پر رکھا اور بعض روایات میں مذکور ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور اس کی موت کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی تھی۔ مسلمان نجاشی کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ ②

کسریٰ پرویز کے نام خط

آپ ﷺ نے ایک خط شاہِ ایران کسریٰ پرویز کے نام لکھا اور اس کو دعوتِ اسلام دی۔ آپ ﷺ نے تحریر فرمایا:

''اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے کسریٰ شاہِ ایران کے نام، جس نے راہ ہدایت اختیار کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا وہ امن و سلامتی میں رہا۔ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تمام کائنات کی طرف رسول بن کر آیا ہوں تاکہ ہر زندہ شخص کو اعمالِ بد کے نتائج وعواقب

① ابن سید الناس، عیون الاثر: ۲/ ۲۶۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۲۴۵

Marfat.com

سے آگاہ کروں اور برے کاموں کی سزا سے ڈراؤں تاکہ کافروں پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ تم اسلام میں داخل ہو جاؤ، امن و سلامتی میں رہو گے۔ اگر تم نے پیغامِ حق سے روگردانی کی تو تمام مجوسیوں کا وبال تمھارے کندھوں پر ہوگا۔''①

کسریٰ پرویز کو حکومت و سلطنت پر بڑا ناز تھا۔ ایک سلطانِ جابر کی حیثیت میں اس نے آپ ﷺ کے نامہ مبارک کو اپنی توہین سمجھ کر چاک چاک کر دیا اور اپنے صوبائی حاکم یمن کو لکھا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنے آدمیوں کے ساتھ ایران بھیجے۔

جب حضرت رسول مقبول ﷺ کو معلوم ہوا کہ شاہ ایران نے برافروختہ ہو کر آپ ﷺ کے نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دے گا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے چند سال بعد مسلمانوں نے ایران پر حملہ کر کے اس کی سلطنت کو زیر نگیں کر لیا۔②

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے بحرین، بُصریٰ اور یمامہ کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے۔

غزوۂ خیبر

خیبر ایک بستی تھی جس میں یہودی رہتے تھے۔ ان یہودیوں نے غزوۂ خندق میں قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر چڑھائی کی تھی۔

حضرت رسولِ اکرم ﷺ خوب جانتے تھے کہ یہودی نہایت متعصب اور دولت مند قوم ہے اور مسلمانوں کی سخت دشمن۔ یہ لوگ اپنے مذہب کے بھی بڑے پکے تھے۔ قریش کے بہت سے آدمی بتوں کی پوجا چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے، لیکن یہودی اسلام کے پیغام کو سن کر بھی ایمان نہ لائے بلکہ آنحضرت اور مسلمانوں کی مخالفت پر تُل گئے۔ وہ اپنے آپ کو مضبوط کرنے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲/۶۵۴
② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۴

Marfat.com

اور مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے اردگرد کے قبیلوں سے ساز باز کرنے لگے، تاکہ مسلمانوں کے مقابلے میں آئندہ جنگ کے موقع پر وہ قبیلے یہودیوں کی امداد کر سکیں۔ یہودیوں نے ہر موقع پر مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دیا اور ہمیشہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔

جب رسول اکرم ﷺ صلح حُدیبیہ کے بعد مدینے میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہودیوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ اتنے لمبے سفر کے بعد بمشکل بیس دن آرام کیا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے صلح حدیبیہ والے ساتھیوں کو لے کر خیبر کا رُخ کیا۔ مسلمان فوج کے ساتھ کچھ عورتیں بھی تھیں تاکہ سپاہیوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان فوج نے جھنڈے لہرائے تھے۔ اسلامی فوج یہ ترانہ گاتی جا رہی تھی۔

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہمیں یہ ہدایت نہ ملتی۔

ہماری جانیں قربان۔

ہماری خطائیں معاف کر دے۔

ہمیں تسکین قلب عطا فرما اور ثابت قدم رکھ۔

ظالموں نے ہماری طرف ہاتھ بڑھائے ہیں اور فتنہ پیدا کیا ہے۔

ہم ان سے ڈرنے والے نہیں!

اے اللہ! ہم تیری مہربانی کے محتاج ہیں۔ [١]

جب مسلمانوں کا لشکر خیبر کی طرف روانہ ہوا تو یہودیوں کو بھی خبر پہنچ گئی۔ اُنھوں نے اپنے قلعوں کو مضبوط کر لیا۔ بال بچوں اور مال واسباب کو محفوظ جگہوں میں چھپا دیا اور خود قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے۔

مسلمانوں نے خیبر پہنچ کر یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ چھ سات دن کے بعد مسلمانوں نے ایک ایک کر کے یہودیوں کے سب قلعے فتح کر لیے۔ [٢] اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۱۹۶

② الواقدی، کتاب المغازی: ۲/۶۶۶

Marfat.com

بہادری دکھائی۔ خیبر فتح کر لینے کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کو جلاوطن کر کے ان کے کھیت اور باغ ضبط کرنے کا حکم دیا اور یہودیوں کو اجازت دے دی کہ وہ جتنا مال و اسباب لاد کر لے جاسکیں، لے جائیں۔ ①

لیکن جب جلاوطنی کا وقت آیا تو یہودیوں نے عرض کیا کہ مسلمانوں کو باغوں اور کھیتوں میں کام کرنے کے لیے مزدوروں کی ضرورت ہوگی، اگر ہمیں جلاوطن نہ کیا جائے تو ہم یہ خدمت بجا لانے کو تیار ہیں۔ مسلمانوں کے پاس اس وقت کھیتی باڑی کے لیے آدمی نہ تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کی یہ درخواست منظور فرماتے ہوئے حکم دیا کہ ہم جب تک چاہیں گے تمھیں رکھیں گے اور جب چاہیں گے نکال دیں گے۔ یہودیوں نے اس شرط کو منظور کر لیا اور آدھی بٹائی پر کھیتی باڑی کرنے لگے۔ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔ ②

ایک طرف تو خیبر کی فتح نے مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی اور دوسری طرف یہودیوں کے اقتدار اور سازشوں کا خاتمہ کر دیا۔ خیبر کے یہودیوں کی شکست دیکھ کر دوسرے علاقوں کے یہودی بھی مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے جزیہ ادا کرنے لگے۔ اس طرح یہودیوں جیسی چالاک، مسلح، طاقتور اور دولت مند قوم کی طرف سے خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

جنگِ مُؤتہ

جزیرہ عرب اور شام کی سرحد پر غسّان کا عربی قبیلہ آباد تھا۔ یہ لوگ عرصہ سے عیسائیت قبول کر چکے تھے اور قیصر روم کے باجگزار ہو کر اس کی حمایت میں رہتے تھے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے غسانی حاکم کے نام بھی ایک تبلیغی خط تحریر فرمایا تھا لیکن اس نے آپ ﷺ کے نامہ بر کو مار ڈالا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تین ہزار کا ایک لشکر روانہ فرمایا۔ ③

---

① بیہقی، دلائل النبوۃ: ۲۲۹/۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۲۸۵، ۲۳۲۸، ۲۳۳۱

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴۷۵/۴

Marfat.com

قیصر روم کی فوج سے مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوگئی۔ مُؤتہ کے مقام پر بڑا معرکہ ہوا۔ رومیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، پھر بھی مسلمان سپاہی بڑی بہادری سے لڑے۔ پہلے سپہ سالار حضرت زید رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن ابی رواحہ رضی اللہ عنہ سپہ سالار ہوئے۔ وہ بھی بہادری کے جوہر دِکھا کر جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۵ برس کی تھی۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کمان سنبھالی۔ وہ بھی بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ان کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار بنے۔ ①

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بڑی بہادری سے لڑے اور اس بے دریغی اور زور سے تلوار چلائی کہ یکے بعد دیگرے اپنی سات تلواریں دشمنوں پر مار مار کر توڑ دیں۔ ② بالآخر اپنی فوج کو اس حکمتِ عملی سے لڑایا کہ دشمنوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو کمک پہنچ گئی ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر دشمن کی اس پسپائی کو غنیمت سمجھا۔ ایک طرف تو وہ مسلمانوں کی فوج کو دشمن کے نرغے سے نکال کر بخیریت واپس لے آئے اور دوسری طرف عسکری تدبر سے دشمنوں کو پسپائی پر مجبور کر دیا۔ اس طرح میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ③ اس موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ''سیف اللہ'' یعنی اللہ کی تلوار کا لقب عطا ہوا تھا۔ ④ یہ واقعہ سن ۸۔ ہجری کا ہے۔

❀❀❀

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۶۲

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۶۵

③ الواقدی، کتاب المغازی: ۲/ ۷۶۴

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۶۲

Marfat.com

پانچواں باب

فتح مکّہ سے وفات تک

صلح نامہ حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ دس سال تک لڑائی نہ ہوگی اور حلیف واتحادی قبیلے بھی اس شرط کی پابندی کریں گے، مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ خود مکہ والوں نے سن ۸۔ ہجری میں فتح مکہ کا موقع پیدا کر دیا۔

اسبابِ فتح مکہ

فتح مکہ کا سبب یہ ہوا کہ قریش کے اتحادی قبیلہ بنوبکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخُزاعہ پر حملہ کر دیا۔ خود قریش کے بہت سے بہادروں نے بھیس بدل کر رات کے اندھیرے میں بنوخزاعہ پر تلواریں چلائیں۔ بنوخزاعہ نے تنگ آکر خانہ کعبہ میں پناہ لی مگر وہاں بھی پناہ نہ مل سکی۔ قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے صلح کو توڑ دیا۔ اب معاہدے کی شرط کے مطابق مسلمانوں پر بنوخزاعہ کی مدد فرض تھی۔ ①

بنوخزاعہ کا ایک سردار بُدَیل نامی فریاد لے کر حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قریش کی بدعہدی کے حالات سن کر آپ ﷺ کو بہت رنج ہوا۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایک طرف تو بنوخزاعہ سے امداد کا وعدہ فرمایا اور دوسری طرف قریش مکہ کے پاس قاصد بھیج کر مندرجہ ذیل تین شرائط پیش کرتے ہوئے قریش کو اختیار دیا کہ وہ کوئی ایک شرط منظور کرلیں:

(۱) بنوخزاعہ کے جو لوگ قتل ہو گئے ہیں ان کا خون بہا ادا کریں۔

(۲) بنوبکر کا ساتھ چھوڑ دیں اور ان کی کسی قسم کی حمایت نہ کریں۔

(۳) صلح حدیبیہ کے معاہدے کو توڑ دینے کا اعلان کریں۔

قریش کے سردار نے تیسری شرط منظور کرلی۔ ②

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۳۹۰/۳

② الواقدی، کتاب المغازی: ۷۸۶/۲

Marfat.com

یعنی اب حدیبیہ کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔ جب قاصد مدینے کو روانہ ہو چکا تو قریش بہت پچھتائے۔ اُنھوں نے اپنے سردار ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر مدینہ بھیجا تاکہ صلح حدیبیہ کو از سر نو بحال کیا جائے۔ ابوسفیان مدینے پہنچا، پہلے حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ وہاں سے کوئی جواب نہ ملا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا، اُنھوں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ وہاں سے انکار ہوا تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جو فیصلہ کر چکے ہیں وہ آخری ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ آپ ﷺ کو اس بارے میں کوئی مشورہ دے۔ اب بہتر یہ ہے کہ تم مسجد میں جا کر اعلان کر دو کہ میں صلح حدیبیہ کو بحال کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ ①

ابوسفیان نے واپس جا کر قریش سے یہ واقعہ بیان کیا وہ سن کر حیران ہوئے کہ بات کیا بنی، نہ یہ صلح ہے نہ جنگ، قریش عجب مشکل میں تھے، نہ تو وہ اطمینان سے بیٹھ سکتے تھے، نہ جنگ کی تیاری کر سکتے تھے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ نے فوراً تیاری شروع کر دی اور احتیاط کی کہ قریش مکہ کو خبر تک نہ ہو۔ آپ ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر نکل پڑے۔ اپنا مقصد فوج پر بھی ظاہر نہ کیا، بلکہ دکھاوے کے لیے چکر کاٹ کر اور نامعلوم راستوں سے گزرتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے۔ قریش اب تک بالکل بے خبر تھے۔ جب رات کے وقت پڑاؤ کے چولھے روشن ہوئے تو پھر قریش کو علم ہوا کہ مسلمان تو مکہ میں آ پہنچے ہیں۔ ②

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ کو جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت رسول اکرم ﷺ سے ملے اور فوج میں شامل ہو گئے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ اہل مکہ کو امان مل جائے تاکہ مکے میں خونریزی نہ ہو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسی ارادے سے باہر نکلے اور اِدھر اُدھر کسی مکہ جانے والے کی تلاش کرنے لگے، اتنے میں ابوسفیان مل گیا۔ وہ پڑاؤ کی آگ دیکھ کر حیران تھا کہ اتنا بڑا لشکر کہاں سے آ گیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ حضرت رسول اکرم ﷺ

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/۲۴۱

② ابن الجوزی، الوفا: ۲/۲۴۲

Marfat.com

ہیں اوران کا لشکر پڑاوڈالے پڑا ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ ہمت ہار بیٹھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کر لیا۔ ①

ابوسفیان کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیا گیا تاکہ اسلامی لشکر مکے میں داخل ہونے کے لیے چل پڑے۔ لشکر کا ایک ایک دستہ ابوسفیان کے سامنے گزرتا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر اس کے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ اس کے دل میں اسلامی فوج کا رُعب بیٹھ گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ اب اسے اجازت مل گئی کہ وہ شہر میں واپس جائے اور اعلان کر دے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کو امن وامان دینے کا وعدہ کیا ہے:

(۱) جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے۔

(۲) جو ہتھیار ڈال دے اور گھر کے اندر داخل ہو کر دروازے بند کر لے۔

(۳) جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے۔ ②

اسلامی لشکر کا مکے میں داخلہ

مکہ مکرمہ کے چاروں طرف اُونچے اُونچے دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ شہر میں صرف ایک بڑا راستہ ہے جو شمال سے جنوب کو جاتا ہے۔ دو چھوٹے چھوٹے راستے ہیں جو اسی بڑے راستے میں آکر مل جاتے ہیں۔ شمال میں بلندی اور اُونچائی ہے اور جنوب میں نشیب و پستی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا اور ایسی شاندار ہدایات دیں کہ جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہارت اور لڑائی کے مختلف طریقوں سے واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔ فوج کا بڑا حصہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شمال کی طرف بڑھنے لگا۔ جنوب کی طرف سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک مضبوط دستہ دے کر بھیجا گیا۔ دونوں چھوٹے راستوں سے بھی دو دستے شہر میں داخل ہوئے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ جب تک کوئی مقابلہ نہ کرے کسی پر تلوار نہ اُٹھائی جائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستے کے سوا سب دستے کسی مقابلہ کے بغیر شہر میں

---

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴۰۰/۲

② سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد: ۳۰۲۲، ۳۰۲۴

Marfat.com

داخل ہو گئے۔ صرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی فوج کو تھوڑا سا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس میں دو مسلمان شہید ہوئے اور بارہ کافر مارے گئے۔ ① کفار میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمان خوشی کے شادیانے بجاتے اور خدا کا شکر بجالاتے، فاتحانہ انداز میں شہر میں داخل ہوئے، مکہ فتح ہو گیا، اسلام کا بول بالا ہوا اور کفر ہمیشہ کے لیے دب کر رہ گیا۔ جس شہر کے رہنے والوں نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو گھر سے نکال دیا تھا، آج وہی شہری آپ ﷺ کے رحم و کرم پر تھے۔

طوافِ کعبہ اور بُت شکنی

حضرت رسول اکرم ﷺ نے مکے میں داخل ہونے کے بعد خانہ کعبہ کا رُخ کیا۔ مہاجرین اور انصار آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار تھے۔ حجر اسود کی طرف بڑھے، اسے چھوا پھر سواری پر ہی طواف شروع کر دیا۔ ②

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے ایک ایک کو مار کر زمین پر گراتے اور فرماتے تھے:

﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ ③

”یعنی حق آ گیا اور جھوٹ نکل بھاگا، جھوٹ ہمیشہ شکست اُٹھانے والا ہے۔“

نصیحت اور معافی

طواف کے بعد آنحضرت ﷺ نے خانہ کعبہ کی دیواروں پر سے تمام تصویریں مٹا دیں، پھر نماز پڑھی ④ اور کعبے کے دروازے پر کھڑے ہو کر قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

”ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اپنے بندے کو فتح دی۔ زمانۂ جاہلیت کی جھگڑا کرنے والی باتیں مثلاً: فخر، حق تلفی اور خون سب میرے پاؤں کے نیچے ہیں (یعنی آج

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۵۴۹/۴، ۵۴۸

② ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۵۳۴

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۸۷

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۸۸، ۴۲۸۹

Marfat.com

سے سب ختم ہیں) تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔''①

پھر فرمایا!'' قریش! تمھارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کروں گا۔''

سب پکار اُٹھے:'' اچھا سلوک، آپ شریف بھائی ہیں اور شریفوں کی اولاد ہیں۔''

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

''یعنی آج تم پر کچھ بھی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔''②

نتائج

فتح مکہ نے اسلام کی برتری کا اعلان کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھنے لگی۔ اس سے پہلے اسلام لانے والوں کی راہ میں کئی رکاوٹیں تھیں۔ وہ لوگ کمزور تھے، قریش کا رُعب اور دباؤ اسلام قبول کرنے میں سدِ راہ تھا۔ کچھ قبیلے قریش کے رشتہ دار تھے۔ وہ رشتہ داری کی وجہ سے مجبور تھے لیکن فتح مکہ کے بعد تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ اب لوگوں کو اسلام لانے میں پوری آزادی تھی۔ کچھ لوگ اس لیے ایمان لائے کہ وہ سمجھتے تھے کہ دین ماننے والے ہی مکہ فتح کر سکتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد تبلیغ اسلام کی پوری آزادی ہو گئی۔

❀❀❀

① محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ: ۲۶۲۸

② ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۲۵۲

Marfat.com

غزوۂ حُنَین

غزوۂ حنین سن ۸۔ ہجری میں ہوا۔ ① اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مکے سے کچھ فاصلے پر ثقیف اور ہوازِن کے قبیلے آباد تھے۔ ان کا علاقہ بالخصوص طائف بڑا شاداب اور سرسبز تھا۔ ان لوگوں نے سوچا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر قریش کی جاگیروں پر قبضہ کر لیا جائے اور مسلمانوں سے بت توڑنے کا انتقام بھی لیا جائے۔ چنانچہ فتح مکہ کے پندرہ دن بعد ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں نے مل کر عرب کے لوگوں کو بھڑکایا اور جنگ کے لیے آمادہ کیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ایک شخص عبداللہ نامی کو خبر لانے کے لیے بھیجا۔ جب آپ ﷺ کو ان کی تیاری کا یقین ہو گیا تو آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ مکے سے باہر جنگ کی جائے۔

اِدھر حضرت رسول اکرم ﷺ نے جنگ کی تیاری شروع کی۔ آپ ﷺ نے مکے کے ایک سردار صفوان بن اُمیّہ کو بلایا اور اس سے ایک سو زرہیں اور اتنے ہی ہتھیار اُدھار مانگ لیے اور بارہ ہزار کا لشکر لے کر چل پڑے۔ ②

اُدھر دشمن چار ہزار آدمی لے کر مکے کی طرف بڑھتے ہوئے وادیٔ حنین میں آ اُترے۔ دشمنوں نے اپنے سردار مالک بن عوف کے مشورے سے اپنے مویشیوں اور اہل و عیال کو بھی ساتھ لے لیا تھا تاکہ کوئی شخص بیوی بچوں کو چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نہ سکے۔ اب دشمن کے تیرانداز مسلمانوں کی تاک میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ ③

مسلمانوں کو اپنی کثرتِ تعداد پر بھروسہ تھا۔ وادیٔ حنین میں پہنچ کر وہ ایک گھاٹی کو تیزی سے طے کرنے لگے۔ رات ختم ہو چکی تھی مگر ابھی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دشمن وہاں پہلے پہنچ کر موڑوں اور پُر پیچ راستوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ مسلمان بالکل بے فکر اور بے خبر چلے جا رہے تھے کہ اچانک

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/ ۵۸۳
② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۱۵۰
③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/ ۵۸۳

Marfat.com

دشمن کے تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس ناگہانی حملے نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری سے بھاگنے لگے۔ صرف ایک سو کے قریب مسلمان میدان میں کھڑے رہ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جب چاروں طرف سے حملہ آوروں کو بڑھتے اور اپنے لشکر کو بھاگتے دیکھا تو بے نظیر شجاعت و بہادری اور استقامت و پامردی کا ثبوت دیا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے پکارنا شروع کیا:

''اے لوگو! کہاں؟ کہاں؟ اِدھر آوَ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔''①

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے بھاگ رہے تھے، یہ دیکھ کر کفار خوش ہونے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے خچر کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ وہ نہایت بلند آواز آدمی تھے۔ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انصار کو بلایا اور کہا! ''اے انصار کے لوگو!'' یہ سنتے ہی انصار دوڑے دوڑے آئے اور آنحضرت ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔②

نیا حملہ

صبح کی روشنی پھیل چکی تھی۔ دشمن کمین گاہوں سے باہر نکل آیا۔ مسلمان فوج کو از سرِ نو ترتیب دیا گیا۔ انصار اور مہاجرین کو آگے بڑھایا گیا، جنگ پھر شروع ہوئی، دشمن سے مقابلہ ہوا۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالَم تھا کہ زِرہیں اتار کر پھینک دیں۔ گھوڑوں سے کود پڑے۔ اب میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں ان کے علم بردار کا کام تمام کر دیا، اس سے کافروں کے دل ٹوٹ گئے، ہمت پست ہو گئی۔ کافروں کی فوج اس حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلی۔ ایک حصہ مالک بن عوف کی سرکردگی میں طائف کے قلعہ میں جا ٹھہرا۔ یہ سب لڑنے والے سپاہی تھے۔ دوسرا حصہ جس میں کافروں

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۱۵

② مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم: ۱۷۷۵

Marfat.com

کے اہل وعیال اور مال و مویشی تھے ۔ اَوطاس کی گھاٹی میں جا چھپا۔ اَوطاس طائف کے شمال مشرق میں کوئی چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ①

مالِ غنیمت

آنحضرت ﷺ نے ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو اَوطاس کی طرف روانہ کیا۔ ابو عامر رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر دشمن کے اہل وعیال اور زر و مال پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح مسلمانوں کو بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بھیڑ بکریاں، ۴ ہزار اُوقیہ چاندی اور چھ ہزار عورتیں اور بچے مسلمانوں کو ملے ۔ ②

محاصرۂ طائف

خود حضرت رسول اکرم ﷺ فوج لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر قلعہ طائف کا محاصرہ کرنے کے لیے فوج کو حکم دیا۔

طائف کا قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ کافروں نے قلعہ بند کر کے لڑائی شروع کر دی۔ مسلمانوں نے قلعہ شکن آلات سے قلعہ پر بار بار حملے کیے لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ قلعہ کے اندر سے کفار تیر برسانے لگے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تیروں کی زد سے بچنے کے لیے محفوظ جگہ پر رہیں۔ اس طرح مسلمان ایک مہینے تک دشمنوں کا محاصرہ کیے رہے۔ جب حضرت رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ اَوطاس میں مسلمانوں کو بڑا مالِ غنیمت ہاتھ لگا ہے تو آپ ﷺ نے سمجھا کہ کافروں کے لیے اہل وعیال کی گرفتاری اور مال و مویشی کا نقصان ایک بھاری مصیبت سے کم نہیں اور یہی سزا ان کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ طائف کا محاصرہ اُٹھا لیا جائے۔ ③

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۶۰۲/۴

② ابن سید الناس، عیون الاثر: ۱۹۳/۲

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۲۵

Marfat.com

قیدیوں کی رہائی

ابھی حضرت رسول اکرم ﷺ میدان جنگ کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے کہ قبیلۂ ہوازِن کے چھ سردار آئے اور اُنھوں نے رحم کی درخواست پیش کی۔ آپ نے دوسرے دن ان کی درخواست پر یہ حکم دیا:

''میں اپنے اور خاندان عبدالمطلب کے قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد کرتا ہوں۔''①

یہ سن کر مہاجرین اور انصار نے کہا کہ ہم بھی اپنے اپنے قیدی بلا معاوضہ رہا کرتے ہیں۔ بنوسُلَیم اور بنوفَزَارَہ② کے لیے یہ بات بالکل نئی تھی کہ دشمن کے جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ رہا کریں۔ آخر ان کے ہر ایک قیدی کا معاوضہ چھ اونٹ قرار پایا۔ یہ قیمت آنحضرت ﷺ نے ادا کر دی اور ہر قیدی کو اپنے پاس سے کپڑے دیے۔ اس طرح سب قیدیوں کو آزادی مل گئی۔③

دشمن کے جنگی قیدیوں سے اس قسم کا فیاضانہ سلوک اور خسروانہ برتاؤ آپ ﷺ کا حصہ تھا۔ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

رضاعی بہن کی عزّت

ان قیدیوں میں مائی حلیمہ سعدیہ کی ایک بیٹی بھی تھی۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اس رَضاعی بہن کو پہچان لیا۔ اس کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر زمین پر بچھا دی اور فرمایا کہ اگر تم میرے پاس ٹھہرو تو بہتر اور اگر اپنی قوم میں واپس جانا چاہو تو تمھیں اختیار ہے۔ جب اس نے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو آنحضرت ﷺ نے عزت و اکرام کے ساتھ اس کی قوم میں واپس بھیج دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ میں واپس آکر عمرہ کیا۔④

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴۸۹/۲

② بنوفزارہ

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۱۸، ۴۳۱۹

④ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴۵۸/۲

Marfat.com

مالِ غنیمت کی تقسیم

قیدیوں کے ساتھ اتنی بڑی رعایت کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم شروع کی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے ان لوگوں کو بہت سا مال مویشی دیے جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے۔ اس سے محض ان نومسلم سرداروں کی خاطر داری منظور تھی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ۴۰ اُوقیہ چاندی اور ایک سو اُونٹ دیے۔ اتنا اتنا ہی حصہ اس کے دو بیٹوں کو دیا گیا۔ اس کے بعد عام مسلمانوں کی باری آئی۔ ہر شخص کو ۴ اونٹ اور ۴۰ بکریاں ملیں۔ سواروں کو تین گنا زیادہ حصہ دیا گیا۔ ①

اس موقع پر انصار کو مالِ غنیمت میں سے کچھ بھی نہ دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا:

"کیا تمھارے لیے یہ خوشی کی بات نہیں کہ اور لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول خدا ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔" ②

تمھارا حصہ دوسرے لوگوں کے حصے سے کہیں بہتر ہے۔

"انصار مغز ہیں اور تمام لوگ چھلکا۔ اے خدا! انصار پر رحم فرما! انصار کی اولاد پر رحم فرما! انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما!" ③

یہ الفاظ سن کر انصار اتنے خوش ہوئے کہ مال و دولت لینے والوں کو یہ خوشی و مسرت نصیب نہ ہوئی تھی۔

پھر آپ ﷺ نے مدینے شریف کی راہ لی اور مکہ مکرمہ کا انتظام عتّاب بن اَسید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ ④

① الواقدی، کتاب المغازی: ۹۴۹/۳

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۳۳، ۴۳۳۴

③ احمد بن حنبل، المسند: ۱۱۷۳۰

④ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۵۰۰/۲

Marfat.com

نتائج

غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سارے ملک عرب میں مسلمانوں کا طوطی بولنے لگا۔ تمام مخالف قوتیں زور آزمانے کے بعد ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں۔ جزیرۂ عرب کی حکومت حضرت رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ میں آ گئی۔

طائف کے محاصرے میں مسلمانوں نے نئے جنگی تجربے کیے۔ پہلی مرتبہ مَنجَنیق استعمال کی۔ ① یہ ایک آلہ تھا جس کے ذریعے قلعوں اور دیواروں کو گرایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے دوسرے قلعہ شکن آلات بھی استعمال کیے۔ مثلاً دَبّابہ اور ضُبور۔ دبابہ ایک ایسا آلہ جنگ تھا جس کے اندر سپاہی بیٹھ کر قلعہ پر حملہ کرتے تھے۔ دبابہ قلعہ کی دیواروں میں سوراخ کر دیتا تھا۔ اس مشین کے اندر فوجی سپاہی بالکل محفوظ رہتے تھے۔ اس کی چھت دشمن کے تیروں اور نیزوں کو روک لیتی تھی۔ ضبور بھی دبابہ کی قسم کے آلات تھے۔ ان میں بیٹھ کر حفاظت کے ساتھ مخالفوں کے قلعوں تک پہنچ جاتے تھے۔ ②

ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے چند کاریگروں کو منجنیق اور دوسرے آلات کے بنانے اور چلانے کے لیے جُرش کے علاقے میں تربیت حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ ③

فرضیتِ زکوٰۃ ۸ھ

نماز اور روزے کی طرح زکوٰۃ بھی شروع ہی سے کسی نہ کسی شکل میں جاری ہو چکی تھی۔ ابتداء میں صرف صدقہ وخیرات کی صورت میں تھی۔ پھر آہستہ آہستہ زکوٰۃ کی مقدار، مدت، نصاب اور خرچ کی تفصیلات کے بارے میں احکام نازل ہوتے رہے۔ بالآخر فتح مکہ کے بعد سن ۸۔ ہجری میں زکوٰۃ ہر مالدار مسلمان پر فرض کر دی گئی۔ ④

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۸۳

② الواقدی، کتاب المغازی: ۳/۹۲۳

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۶۱۱

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۴۴۸، ۱۴۵۴

Marfat.com

اسلامی معاشرے میں تھوڑا بہت اقتصادی توازن اور مساوات قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس کے ذریعے مالداروں کا مال و دولت قوم کے غریب اور نادار لوگوں کے کام آسکے۔ مالدار ہاتھ سے دے کر خوش ہوں اور مفلس و بے کس لے کر مجرم اور قابل گرفت قرار نہ دیے جائیں۔ اس مقصد کی ابتداء صدقہ و خیرات پھر صدقہ فطر سے ہو چکی تھی۔ سن ۸۔ ہجری میں زکوٰۃ فرض قرار دے کر اس مقصد کی تکمیل کر دی گئی۔

غزوۂ تبوک

آنحضرت ﷺ نے سرحدِ شام کی طرف لشکر کشی کی جو غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہے۔ واقعات یوں ہیں کہ سن ۹۔ ہجری میں یہ افواہ گرم ہوئی کہ شام کی سرحد پر حدود فلسطین کے ساتھ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں سے قوت آزمانے کے لیے جمع ہو رہا ہے اور بعض عربی قبائل رومی لشکر کے ساتھ مل گئے ہیں۔ پھیلتے پھیلتے یہ افواہ حضرت رسولِ مقبول ﷺ تک پہنچی۔ آپ ﷺ نے اس افواہ پر اس لیے اعتبار کر لیا کہ جنگ مُوتہ کے بعد رومیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ ہر وقت محسوس کیا جا رہا تھا۔ عرب قبائل میں رومیوں کے حملے کی افواہیں عام طور پر اُڑتی رہتی تھیں۔ جب یہ افواہ پھیلی کہ رومیوں کا لشکر جرار فلسطین کی سرحدوں پر جمع ہو رہا ہے تو عین اس وقت شامی سوداگروں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس قافلے والوں نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی چالیس ہزار کا ایک لشکر سرحدِ شام پر ڈیرے ڈالے پڑا ہے۔ اس شہادت کے بعد آپ ﷺ کو جنگ کی تیاری کیے بغیر اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے جنگی حالات کا اعلان کر کے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ ایک طرف تو یہ سخت قحط اور تنگدستی کا زمانہ تھا۔ گرمی بھی شدت کی تھی اور سفر بھی بہت لمبا۔ بہت سے غریب مسلمان اتنے طویل سفر کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ دوسری طرف منافقین نے مسلمانوں کو بہکانے کی ہر ممکن کوشش کی۔①

ضروریات کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے چندے کی اپیل کرتے ہوئے مالداروں کو حکم

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۶۵/۲

Marfat.com

دیا کہ دل کھول کر راہِ خدا میں خرچ کریں۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی رقوم دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار اشرفیاں، تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کیے۔ ① حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال لا کر حاضر کر دیا۔ ② حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا سارا مال و متاع لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

> ''بال بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو عرض کیا کہ صدیق کو خدا اور خدا کا رسول بس۔'' ③

اعلان جنگ سن کر مسلمانوں کا تیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ اس میں دس ہزار سوار بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے چھوڑا اور خود تیس ہزار کا لشکر لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے۔ یہ مقام مدینے اور فلسطین کے درمیان تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ افواہ غلط تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا۔ سرحدی قبائل کے کئی سرداروں نے حاضر خدمت ہو کر اطاعت اختیار کی اور جزیہ دینا قبول کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلہ قوم کے سردار کو ایک امان نامہ بھی تحریر فرما دیا۔ ④

خطبۂ تبوک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں ایک اہم اور یادگار خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس کا ایک ایک لفظ پند و نصیحت کا بحرِ ذخار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''اما بعد! اے لوگو! سب سے سچی کتاب قرآن ہے۔ سب سے بڑا سہارا تقویٰ ہے۔ سب سے اچھا دین، دین ابراہیمی ہے۔ سب سے بہتر طریقہ محمدی طریقہ ہے۔ سب سے اچھی بات ذکر الٰہی ہے۔ سب سے عمدہ داستان قرآن ہے۔ سب سے اچھے کام عزیمت کے کام ہیں۔ دین میں

① محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۷۰۰، ۳۷۰۱

② محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۶۷۵

③ سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود: ۱۶۷۸

④ ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ: ۶۰۴، ۶۰۵

Marfat.com

نئے رخنے (بدعت) بدترین چیز ہے۔ بہترین راہ انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے۔ معزز ترین موت شہادت کی موت ہے۔ ہدایت کے بعد گمراہی بدترین قسم کی محرومی بصارت ہے۔ سب سے اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے۔ سب سے اچھی راہ وہ ہے جس پر چلیں۔ دل کی تاریکی بدترین تاریکی ہے۔ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ ضرورت پوری کرنے والی تھوڑی چیز بھی غفلت میں ڈالنے والی زیادہ چیز سے بہتر ہے۔ موت کے وقت کی توبہ بدترین توبہ ہے۔ اور بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو جمعہ میں آخری وقت میں شامل ہوتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

سب سے بڑا گناہ جھوٹی زبان ہے۔ سب سے بڑی دولت دل کی دولت ہے۔ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ خوف خدا حکمت و دانائی کی اساس و بنیاد ہے۔ دل میں جاگزین ہونے والی سب سے اچھی چیز یقین ہے۔ شک ایک گونہ کفر ہے۔ میت پر نوحہ کرنا جاہلیت کی رسم ہے۔

خیانت کرنا دوزخ کی آگ مول لینا ہے۔ شراب گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ یتیم کا مال کھانا بدترین روزی ہے۔ سعادت مند اور خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔ عمل کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔ جھوٹا خواب بدترین خواب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا جرم ہے۔ مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا گناہ ہے۔ مسلمان کا مال و جان دونوں قابل عزت واحترام ہیں۔

جو شخص کسی دوسرے کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا۔ جو غصہ پی جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اجر دے گا۔ جو کوئی مصیبت پر صبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا بدلہ پائے گا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اللہ اسے عذاب دے گا۔"

Marfat.com

اس کے بعد آپ ﷺ نے تین مرتبہ استغفار پڑھ کر خطبہ ختم کیا۔ ①

یہ خطبہ اس قابل ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے۔ اس کے ہر ہر لفظ پر غور کیا جائے۔ یہ پیغام اسلام کا خلاصہ ہے اور اسلامی فلسفۂ حیات کو چند الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ایک ایک جملہ اپنے اندر نصیحت و موعظت کے سمندر لیے ہوئے ہے۔

آنحضرت ﷺ تبوک میں بیس دن قیام فرمانے کے بعد جب مدینے واپس تشریف لائے تو مسلمانوں نے بڑی خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ سفر بڑا لمبا تھا اور بے شمار خطرے درپیش تھے۔ جب آپ ﷺ مدینے کے قریب پہنچے تو شہر میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ ②

فرضیتِ حج

اسلام میں حج ۹ھ کو فرض ہوا۔ ③ اسی سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر بنا کر تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج کے لیے مکے بھیج دیا۔ ④

ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ سورۂ براءۃ (دوسرا نام سورۃ توبہ ہے) کا اعلان کریں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج سے فارغ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورہ براءۃ کی پہلی چالیس آیات پڑھ کر سنائیں اور ان کے احکام کی وضاحت فرمائی کہ:

''اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پائے گا اور کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔'' ⑤

کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں بالکل برہنہ ہو کر طواف کرنے کا رواج تھا۔

① بیہقی، دلائل النبوۃ: ۲۴۲/۵
② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۰۸۳
③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۶۹۵/۴
④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۶۳
⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۶۵۶

Marfat.com

وفود کی آمد

سن ۹۔ہجری اور سن ۱۰۔ہجری میں عرب کے مختلف قبائل کے وفود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اظہار اطاعت کرنے لگے اور اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔

جب تک اسلام اور کفر کی آویزش رہی، قبائل عرب بڑی بیتابی سے نتیجہ کے منتظر تھے۔ جب حق غالب آ گیا اور باطل شکست خوردہ ہو کر بھاگ گیا تو جمہور قبائل نے اسلام کی صداقت اور سچائی تسلیم کر لی اور اپنے اپنے قبیلے کے نمائندہ اور سردار بھیج کر آنحضرت ﷺ کے حضور میں اپنی اسلام دوستی اور ایمان کا اعتراف و اقرار کیا۔ ①

ہجرت کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ نے صرف ایک مرتبہ سن ۱۰ ہجری میں حج کیا۔ اسی موقع پر آپ ﷺ لوگوں سے رُخصت ہوئے اور الوداع کہا۔ جس کی مناسبت سے حج کا نام حجۃ الوداع پڑ گیا۔ ②

حجۃ الوداع

سن ۱۰۔ہجری ذوالقعدہ کے مہینے میں یہ اعلان کیا گیا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ حج کے لیے مکہ مکرّمہ تشریف لے جائیں گے۔ یہ خبر سنتے ہی سارے عرب کے مسلمان ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے روانگی سے پہلے غسل فرمایا۔ خطبہ دیا اور اِحرام اور اس کے احکام بیان فرمائے۔ ظہر کی نماز اپنی مسجد میں جماعت سے پڑھی۔ پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے، تیل لگایا، کنگھی کی، چادر اور تہ بند باندھا اور عصر کی نماز سے پہلے پہلے روانہ ہو گئے۔ مدینے سے چھ میل کے فاصلے پر ذوالحلیفہ کے مقام پر جا ٹھہرے اور وہیں رات گزاری۔ ③

دوسرے دن پھر غسل فرمایا۔ چادر اور تہ بند باندھا اور اونٹنی پر سوار ہو کر یہ پڑھتے ہوئے

① بیہقی، دلائل النبوۃ: ۵/۳۰۹-۴۱۸

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۵/۱۱۴

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷

Marfat.com

روانہ ہوئے: " لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیکَ لَکَ "①

اے خدا! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں ۔ میں حاضر ہوں ۔ سب تعریف اور نعمت تیرے ہی لیے ہے ۔ حکومت بھی تیری ہے ۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں ۔

جدھر نظر اُٹھا کر دیکھو، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا ۔ جب آنحضرت ﷺ لَبَّیکَ فرماتے تھے تو آپ ﷺ کے ساتھ کم وبیش ایک لاکھ انسان یہی نعرہ بلند کرتے تھے اور فضا نعروں سے گونج اُٹھتی تھی ۔ اسی طرح سارا سفر طے ہوا ۔

آنحضرت ﷺ ذوالحجہ کی ۵ ۔ تاریخ ایت وار کو مکہ میں داخل ہوئے ۔ وہاں پہنچ کر حکم دیا کہ جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں ۔ وہ صرف عمرہ پر اکتفاء کریں ۔ طواف کریں صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑیں اور احرام اتار دیں ۔②

مکہ میں داخل ہونے کے بعد کعبہ نظر آیا تو جوش محبت سے فرمایا:

"اے خدا! اس گھر کی بزرگی، عزت وحرمت اور جلال وعظمت اور زیادہ کر دے ۔"③

پھر کعبہ کا طواف کیا ۔ مقام ابراہیم میں کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی ۔ پھر صفا پہاڑی پر چڑھ کر فرمایا: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیکَ لَهُ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَيْءٍ قَدِیرٌ"

"ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں ۔ اُسی کی حکومت ہے ۔ وہی تعریف کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔"

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۵۴۹

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۵۴۵، ۲۳۰۷

③ طبرانی، المعجم الکبیر: ۳۰۵۳

Marfat.com

”لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ “①

”اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے ساری جماعتوں کو شکست دی۔“

پھر دوڑتے ہوئے مروہ کی طرف چلے ۔اس طرح سات چکر پورے کیے۔عمرہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی اور اپنی بابت فرمایا کہ اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ساتھ نہ لاتا،عمرہ کے بعد احرام کھول دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔②

حضرت رسول اکرم ﷺ جب تک مکے میں ٹھہرے رہے نماز برابر اپنی قیام گاہ پر پڑھتے رہے۔جمعرات کے دن ۸۔ذوالحجہ کو آپ ﷺ سارے مسلمانوں کو لے کر منیٰ کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کیا،رات وہیں بسر کی۔

دوسرے دن ۹۔ذوالحجہ کو صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے اور ایک لاکھ چالیس ہزار ہمراہیوں کے ساتھ عرفات آ کر ٹھہرے۔دوپہر ڈھل گئی تو آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر میدان میں آئے۔اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے حج کا خطبہ دیا۔③

خطبہ حج

آپ ﷺ نے آخری حج کے موقع پر فرمایا:

”اے لوگو! میری بات سنو! عین ممکن ہے کہ میں اس سال کے بعد اس جگہ تم سے پھر کبھی نہ مل سکوں۔“④

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم:۱۲۱۸

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری:۱۵۴۵، ۲۳۰۷

③ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم:۱۲۱۸

④ احمد بن حنبل، المسند:۲۲۲۶۰

Marfat.com

''اے لوگو! تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری عزّت یعنی ایک دوسرے کو قتل کرنا اور ایک دوسرے کا مال لوٹنا اور ایک دوسرے کی عزت پر ہاتھ ڈالنا قیامت تک کے لیے تم پر اسی طرح حرام ہے، جس طرح آج کے دن اس مہینے میں اور اس شہر میں خون بہانا حرام ہے۔ تم عنقریب اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی بابت پوچھے گا۔ میں نے حق بات تمھیں پہنچادی ہے۔''②

''جس کسی کے پاس امانت ہو، وہ اس کے مالک تک پہنچادے۔ ہر قسم کا سُود باطل ہے۔ تم اپنا اصل مال لے لو، سود چھوڑ دو۔ اس طرح نہ تم پر ظلم ہوگا اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرو گے۔ اللہ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں۔''③

''جاہلیت کے سارے خون چھوڑے جاتے ہیں۔ شیطان کے فریب سے بچتے رہو!''④

''اے لوگو! تمھاری عورتوں پر تمھارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔ تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمھاری عزت کی حفاظت کریں۔ ان کا حق یہ ہے کہ تم انھیں اچھی طرح کھلاؤ، پلاؤ اور پہناؤ۔ عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔ ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

اے لوگو! میری بات اچھی طرح ذہن نشین کرلو، میں نے حق بات پہنچادی ہے۔ میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہونے پاؤ گے۔ یعنی اللہ کی کتاب اور میرا طریق۔''④

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۴۰۶

② احمد بن حنبل، المسند: ۲۰۶۹۵

③ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۲۱۸

④ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۲۱۸

Marfat.com

''لوگو! میری بات سنو اور خوب سمجھ لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''①

''اپنے غلاموں کے حق میں انصاف کرو۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔''②

''سب مسلمان برابر ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی بڑائی اور فخر حاصل نہیں۔''③

''قرض خواہ کو قرض ادا کیا جائے۔ ادھار مانگا ہوا مال واپس کیا جائے گا۔ جو ضامن بنے وہ تاوان کا ذمہ دار ہو۔''④

''لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی اُمت پیدا ہوگی۔ کان کھول کر سن لو، اپنے رب کی عبادت کرو۔ پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ بیت اللہ شریف کا حج بجالاؤ۔ اپنے حاکموں کی فرمانبرداری کرو۔ تمھیں اس کے بدلے جنّت ملے گی۔''⑤

اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری سنائی: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾⑥

''یعنی اے مسلمانو! آج میں نے تمھارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔''

خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۵۱/۳
② عبدالرزاق، المصنف: ۱۷۹۳۴
③ احمد بن حنبل، المسند: ۲۳۴۸۹
④ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۴۴۷/۵
⑤ طبرانی، المعجم الکبیر: ۷۶۶۲، ۷۶۹۷
⑥ المائدہ: ۳/۵

Marfat.com

عصر کی نمازیں ایک ساتھ ادا فرمائیں۔

قربانی کے دن حضرت رسول اکرم ﷺ نے ۶۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے اور ۳۷ اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی طرف سے ذبح کیے، یہ قربانی منیٰ پر کی گئی تھی۔

ظہر سے پہلے مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی طواف کیا۔ پھر زم زم پر آئے پانی پیا۔اس کے بعد پھر منیٰ تشریف لے گئے اور رات وہیں بسر کی۔

صبح ہوئی تو پھر کنکریاں پھینکنے تشریف لے گئے۔ منیٰ میں کل تین دن ٹھہرے رہے۔ پھر منگل کے دن ظہر کے بعد کوچ کر دیا۔ ①

مدینے کی واپسی

مکے واپس تشریف لا کر رات کو پچھلے پہر طواف الوداع کیا۔ پھر ۱۴۔ ذوالحجہ کو فجر کی نماز خانہ کعبہ میں پڑھ کر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ بھی مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینے تشریف لے چلے۔ ②

مدینے کے راستے میں مقام رَوْحاء پر ایک قافلہ ملا، جس میں سے ایک عورت نے اپنے شیر خوار بچے کو پیش کر کے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس کا بھی حج ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس کا بھی حج ہو گیا اور تجھے ثواب ملا۔ ③

واپسی پر ذوالحلیفہ میں رات بسر کی۔ صبح جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:

> ''ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اُسی کی بادشاہی ہے۔ وہی تعریف کے لائق ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس آ رہے ہیں۔ توبہ کر رہے ہیں۔ سجدہ کر رہے ہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور جماعتوں کو تن تنہا شکست دی۔'' ④

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۲۱۸

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۷۵۶

③ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۳۳۶

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۷۹۷

Marfat.com

مرض الموت

مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تین ماہ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ ﷺ نے سفر آخرت کی تیاری شروع کی۔ آپ ﷺ اُحد پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے اور غزوۂ اُحد کے شہیدوں کے لیے دعا کی۔① اس کے بعد ایک رات جنت البقیع کے مشہور قبرستان میں تشریف لے گئے اور مسلمانوں کے لیے دعا مغفرت فرمائی۔② واپس آئے تو طبیعت ناساز ہوگئی۔ یہ بدھ کا دن تھا۔ پیر کے دن بیماری زیادہ بڑھ گئی۔ سخت دردسر اور تپ کی شدّت نے بہت نڈھال کر دیا تھا۔ دردسر کی وجہ سے آپ ﷺ نے سر پر رومال باندھ رکھا تھا۔

بخار کی شدت کا یہ حال تھا کہ جسم مبارک سے سینک آتا تھا اور سب کی رائے سے آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پہنچا دیا گیا۔③

جب تک آنے جانے کی طاقت رہی، مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ سب سے آخری نماز آپ ﷺ نے مغرب کی پڑھائی۔ عشاء کی نماز کے وقت طبیعت بہت خراب ہوگئی اور حکم دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔④

وفات سے چار پانچ روز پہلے حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم سے پہلے ایسے لوگ ہوگزرے ہیں جو انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں پر سجدہ کرتے تھے تم ایسا نہ کرنا۔''⑤

''خدا ان یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے جنھوں نے انبیاء کی قبروں

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۳۴۴

② احمد بن حنبل، المسند: ۱۵۹۹۶

③ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۱۷۳/۷

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۷۱۶

⑤ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۵۳۲

Marfat.com

کو سجدہ گاہ بنایا۔[1] اے خدا! میرے بعد میری قبر بُت نہ بننے پائے۔"[2]

انھی دنوں کا ذکر ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ سر پر پٹی باندھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر سہارا دیئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ اُنھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر حضرت رسول اکرم ﷺ نے انھیں روک دیا اور ان کے برابر بائیں ہاتھ بیٹھ کر نماز پڑھائی۔[3] نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبی ﷺ کی موت سے خوفزدہ اور ہراساں ہو رہے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کسی نبی کو ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوئی جو میں تم میں ہمیشہ ہمیشہ رہوں؟ کان کھول کر سن لو! میں اپنے رب کے پاس جانے والا ہوں۔ تم وہاں آ کر مجھے ملنے والے ہو۔"[4]

اس ارشاد کے بعد آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے متعلق مفصل ہدایات اور نصیحتیں فرمائیں۔ پھر فرمایا:

"مسلمانوں میں تمھیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا کی پناہ و نگہداشت اور نصرت کے حوالے کرتا ہوں۔ خدا تمھارا محافظ ہے۔ تمھاری پرہیز گاری اور فرمانبرداری کی وجہ سے وہ تمھاری حفاظت و نگرانی کرے گا۔ بس اب میں دُنیا سے علیحدہ ہونے والا ہوں اور اسے چھوڑ جانے والا ہوں۔"[5]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ گھر میں جو کچھ بھی تھا وہ راہِ خدا میں دے دیا گیا۔

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۵، ۴۳۶

② احمد بن حنبل، المسند: ۷۳۵۸

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۹۸

④ الصالحی، سبل الہدیٰ: ۲۵۲/۱۲

⑤ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۹۲/۳

Marfat.com

آخری دن

حضرت رسول اکرم ﷺ کی بیماری گھٹتی بڑھتی رہی۔ پیر کے دن حالت بظاہر بہتر ہوگئی۔ آپ ﷺ کا حجرہ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے صبح کے وقت مسجد کی جانب والا پردہ اُٹھا کر دیکھا تو لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ خوش ہو کر مسکرائے کہ لوگ آپ ﷺ کی پاک تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور نماز میں شامل ہوگئے۔ ①

اس کے بعد آپ ﷺ اپنے حجرہ مبارک میں واپس تشریف لے آئے۔ دن جیسے جیسے چڑھتا گیا، آپ ﷺ پر غشی طاری ہوتی گئی۔ نزع کی حالت میں پانی کا ایک پیالہ سرہانے رکھا ہوا تھا، حضرت رسول اکرم ﷺ اس پیالے میں ہاتھ ڈالتے اور چہرے مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ ②

چہرہ مبارک کبھی سرخ اور کبھی زرد پڑ جاتا تھا۔ طبیعت ناساز ہوئے بارہ دن گزر چکے تھے۔

وفات

پیر کے دن ۱۲۔ ربیع الاول، سن ۱۱۔ ہجری (۸۔ جون ۶۳۲ء) کو سہ پہر کا وقت تھا۔ سینے میں سانس کی گڑگڑاہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے میں لب مبارک ہلے، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

''نماز، نماز۔ لونڈی غلام کے حقوق۔'' ③

پھر فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی''

''یعنی اے خدا! تو ہی برتر اور اعلیٰ ساتھی ہے۔'' ④

یہی فرماتے فرماتے آنکھ کی پتلی بدل گئی اور روح پاک جنت الفردوس میں پہنچ گئی۔

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۸۰، ۶۸۱، ۷۵۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۸۷

③ احمد بن حنبل، المسند: ۲۶۶۵۷

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۴۶۳

Marfat.com

مدینے شریف کی گلیوں میں شور برپا ہو گیا۔ جاں نثاروں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ مسلمانوں کی آنکھ میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران و سراسیمہ تھے۔ غم کی وجہ سے ہوش و حواس گم تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تو یہ حال تھا کہ انھیں یقین ہی نہ آتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ ① حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں گئے۔ جسم اطہر کو دیکھا۔ منہ سے منہ لگایا۔ پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ آنسو بہہ رہے تھے۔ کہا کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ ② پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں آکر یہ تقریر فرمائی:

''لوگو! جو کوئی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے تشریف لے گئے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے۔ اس کو موت نہیں۔'' ③

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ ④

''اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ بھلا اگر یہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (یعنی مرتد ہو جاؤ گے؟) اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ شکر گزاروں کو (بڑا) ثواب دے گا۔''

یہ آیت سن کر تمام مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ہر مسلمان کی زبان پر یہی آیت جاری

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۲۴۱، ۱۲۴۲

② ابن جریر، التاریخ الطبری: ۳/ ۲۰۲

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۳۶۶۸

④ آل عمران: ۳/ ۱۴۴

Marfat.com

تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادموں نے آپ کو غسل دیا۔ ①

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے وقت یہ کہہ رہے تھے:

''میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت سے وہ چیز جاتی رہی جو کسی دوسرے کی موت سے نہ گئی تھی۔ یعنی نبوت۔ غیب کی خبریں اور آسمانی وحی ختم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اتنا بڑا صدمہ ہے کہ اب سب مصیبتیں ہیچ نظر آتی ہیں اور ایسا ہمہ گیر حادثہ ہے کہ سب لوگ اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اس غم کا علاج نہیں اور یہ مصیبت جانے والی ہی نہیں۔ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، پروردگار کے حضور میں ہمارا ذکر فرمائیں اور ہمیں اپنے دل سے بھول نہ جائیں۔'' ②

حضرتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا۔ ③ اس کے بعد پہلے کنبے والوں نے، پھر مردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نماز پڑھی۔ ④

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جس حجرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا اور یہی حجرہ آج تک روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتا ہے۔

❀❀❀

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۲۷۷، ۲۸۱

② ابونعیم، دلائل النبوۃ: ۲/ ۳۴۷

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۲۷۱

④ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۸

Marfat.com

چھٹا باب

اِسلامی تعلیمات

حضرت رسول خدا ﷺ نے زندگی بھر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی۔ اسلام پھیلایا اور اسلامی تعلیمات کو رواج دینے کی مقدور بھر کوشش فرمائی۔ اسلامی تعلیمات کے کئی حصے ہیں۔ ان میں سے عقائد اور عبادات بنیادی اور اساسی اہمیت رکھتے ہیں:

عقائدِ اسلام

اسلام کے بنیادی عقائد کو اجزائے ایمان یا شرائط ایمان بھی کہتے ہیں۔ یہ بنیادی عقائد پانچ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان۔

(۵) یومِ آخرت پر ایمان۔

ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد کا زبان سے اقرار کیا جائے اور دل سے اس کی تصدیق اور عمل سے اس کی توثیق کی جائے۔ زبان کا اقرار اور دل کی تصدیق انسان اور خدا کے درمیان ایک ذہنی تعلق اور قلبی رابطہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی تعلق اور رابطہ عقیدہ ہے اور اسی عقیدے کی مضبوطی اور یقین کا نام ایمان ہے۔

اسلامی نظامِ حیات میں ایمان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس ایمان پر تمام اعمال کا دار و مدار ہے۔ ایمان کے بغیر عمل بے کار ہے۔ ایمان کی صحت اعمال کی قبولیت کی ضامن ہے۔ ایمان رحمت الٰہی اور مغفرت کا موجب ہے۔ ایمان نجات اُخروی کا باعث ہے۔ ایمان ایک صالح

Marfat.com

معاشرہ پیدا کرتا ہے۔انھی وجوہات کی بنا پر ایمان کو نظامِ اسلام کا بنیادی پتھر تصور کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ کو ماننا ایمان کا پہلا اور ضروری جز ہے۔تمام اعمال کی صحت اور قبولیت ایمان باللہ پر منحصر ہے۔اللہ تعالیٰ کے بارے میں اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ وہ ایک ہے۔پاک اور بے عیب ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔نہ اس کا باپ ہے نہ بیٹا۔وہ کسی کا محتاج نہیں۔سب اس کے محتاج ہیں۔وہی خالق ہے۔ساری کائنات اس کی مخلوق ہے۔وہی سب کو روزی دیتا ہے۔موت وحیات، صحت و بیماری، دولت مندی اور افلاس سب اسی کے اختیار میں ہے۔صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔اس کے سوا اور کوئی معبود و مسجود نہیں۔

(۲) اسلامی عقائد کی رُو سے فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں۔وہ ہمیں نظر نہیں آتے۔وہ پاک اور نیک ہیں۔ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جن کاموں پر مقرر کر رکھا ہے وہ ان کو بجا لاتے رہتے ہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت کے لیے اپنے پیغمبر بھیجے۔اُنھوں نے خدا کے احکام لوگوں تک پہنچائے۔وہ نیکی، پاکبازی اور ایمان وعمل کا بہترین نمونہ تھے۔سب سے آخری اور بزرگ نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔پیغمبروں پر ایمان لا کر ان کی اطاعت اور فرماں برداری کرنا ہدایت اور نجاتِ اخروی کا موجب ہے۔سب پیغمبروں کا ادب واحترام اور عزت وتعظیم لازمی ہے۔سب نبیوں نے توحید اور عمل صالح کی تلقین کی ہے۔حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کے بغیر مومن کی نجات ممکن نہیں۔

(۴) خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا بھی ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔توریت، زبور اور انجیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے آخری رسول ﷺ پر ایک آخری کتاب بصورت قرآن مجید نازل فرمائی۔گزشتہ الہامی کتابوں پر ایمان کے ساتھ قرآن مجید پر ایمان وعمل بھی نہایت ضروری ہے۔

(۵) الہامی کتابوں کو ماننے کے بعد یوم آخرت پر بھی ایمان ویقین بڑا ضروری ہے۔اسلامی تعلیمات میں آخرت کی زندگی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔قیامت وآخرت پر ایمان لانے کا یہ

Marfat.com

بھی مطلب ہے کہ ایک مسلمان کے نزدیک قبر کا ثواب وعذاب برحق ہے۔ نیز موت اور آخرت کا درمیانی حصہ عالم برزخ بھی برحق ہے۔ مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ جی اُٹھنا، میدان حشر میں جمع ہونا، حساب و کتاب، پھر جنت اور دوزخ سب برحق ہیں اور سب پر یقین وایمان ضروری ہے۔

عبادات

اسلامی تعلیمات میں عقائد کے بعد عبادات کا درجہ ہے۔ عقیدے کے ساتھ عمل شروع ہوتا ہے۔ یہی عمل عبادت ہے۔ ویسے تو انسان کا ہر کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے عبادت ہے لیکن یہاں عبادت سے مراد ارکان اسلام ہیں۔

ارکان اسلام پانچ ہیں یعنی عبادت کو خاص معنوں میں پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) توحید ورسالت محمدی کی شہادت

(۲) صلوٰۃ یا نماز پنجگانہ

(۳) زکوٰۃ

(۴) حج بیت اللہ

(۵) صیامِ رمضان یعنی ماہ رمضان کے روزے

ان عبادات کو آنحضرت ﷺ نے بنیادی اہمیت دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

(۱) اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) اِقامت صلوٰۃ، یعنی رات دن میں پانچوں وقت نماز کو پابندیٔ وقت اور دلی خشوع و خضوع سے ادا کرنا۔

(۳) زکوٰۃ کی ادائیگی، یعنی سال بھر میں ایک دفعہ اُصولِ شریعت کے مطابق اپنے مال کا مقررہ حصہ ادا کرنا۔

Marfat.com

(۴) حج بیت اللہ، یعنی صاحب توفیق مسلمان زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا حج کرے۔

(۵) صیام رمضان، ہر مسلمان سال بھر میں ایک مرتبہ ماہِ رمضان کے روزے رکھے۔ ①

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار اور شہادت دراصل اسلام اور خدا سے حلف وفاداری کے مترادف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے مسلمان اس اقرار کے بعد خدا کی توحید پر مضبوطی سے جم جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی خوف اور ڈر اس کے دل میں جاگزیں نہیں ہوسکتا۔ پھر اس کا تعلق زمین و آسمان کے خالق اور مالک سے اُستوار ہو جاتا ہے۔ یہی توحید اسلام کا مرکزی نقطہ ہے۔ تمام اعترافات اور تمام عبادات اس توحید کے اظہار کے لیے ہیں۔ توحید سے ملّت میں وحدتِ عقیدہ اور وحدتِ عمل پیدا ہوتی ہے۔ توحید کا فقدان شرک و کفر ہے اور شرک و کفر کے لیے آخرت میں نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔

نماز اسلام کا بہت اہم رُکن ہے۔ قرآن مجید میں نماز کی جتنی تاکید آئی ہے کسی اور عمل کی اتنی تاکید نہیں آئی۔ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز ایسا ضروری فریضہ ہے کہ ایک مسلمان گھر میں ہو یا سفر میں، تندرست ہو یا بیمار۔ امن چین زندگی سے بسر کر رہا ہو، یا میدان جنگ میں لڑ رہا ہو، نماز کسی حالت میں چھوٹ نہیں سکتی۔

اسلامی نظام حیات میں نماز کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہے کہ اسلام کے زرّیں عہد میں امامِ سیاست اور امامِ نماز ایک ہی شخص ہوتا تھا۔ جب تک آنحضرت ﷺ دنیا میں تشریف فرما رہے، آپ ﷺ دینی عظمت و جلالت کے باوجود بنفس نفیس امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ ﷺ کے بعد ہر خلیفہ اور امیر المؤمنین نماز میں امام ہوتا تھا۔ خلفائے راشدین خود امامت کراتے تھے۔ ہر عامل (گورنر) اور والی اپنے اپنے علاقے میں نماز پڑھاتا تھا۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نماز کے لیے کتنا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی اور عظیم الشان مساجد کی تعمیر کی جاتی ہے۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے خادم

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۸

Marfat.com

مقرر کیے جاتے ہیں۔ اذان دینے کے لیے مؤذن، نماز پڑھانے کے لیے امام متعین ہوتے ہیں۔ ہر گلی، ہر بازار، ہر آبادی، ہر شہر اور ہر گاؤں میں مسجد موجود ہے۔ مسجدوں کی آبادی اور دیکھ بھال کو ایمان کا معیار قرار دیا۔

اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ یہ بہت بڑی مالی عبادت ہے۔ فتح مکہ کے بعد سن ۸۔ ہجری میں زکوٰۃ ہر مالدار صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہوئی۔ قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم یکجا آیا ہے۔ زکوٰۃ اتنا اہم فریضہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف فوج بھیج کر جہاد کیا تھا۔ ①

زکوٰۃ فقیروں محتاجوں اور مسکینوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا بڑا ثبوت ہے۔ دولت مندوں کی دولت میں سے کچھ حصہ لے کر حاجت مندوں کو دینے سے بہت سی اجتماعی اور معاشرتی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

اسلام کا چوتھا رُکن حج بیت اللہ ہے۔ حج کا مطلب یہ ہے ذوالحجہ کے مہینے کی مقررہ تاریخوں میں خانہ کعبہ کی زیارت، طواف، قیامِ عرفات اور دیگر مذہبی عبادات اور مناسک ورسوم کو ادا کیا جائے۔ حج ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو جسمانی اور مالی لحاظ سے بیت اللہ تک سفر کی طاقت رکھتا ہے۔ سارے عالم اسلامی کے مسلمان حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ حج سے اسلام کی عالمگیر برادری کا بہت بڑا مظاہرہ ہوتا ہے۔ حج کے بعد ایک مسلمان گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حج انسانی معراج اور رُوحانی ارتقاء کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام کا پانچواں رُکن روزہ ہے۔ رمضان کے روزے سن ۲۔ ہجری میں فرض ہوئے تھے۔ سال بھر میں ماہ رمضان میں روزے رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ روزوں کے بے شمار اجتماعی، روحانی اور بدنی فوائد ہیں۔

❀❀❀

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۳۹۹

Marfat.com

ساتواں باب

ا۔ اَخلاقِ نبوی

حضرت رسول مقبول ﷺ نہایت مہربان، رحم دل اور ملنسار تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے محبت کرتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ بیہودہ باتوں سے آپ ﷺ کو نفرت تھی۔ آپ ﷺ بہترین رائے اور بہترین عقل کے مالک تھے۔

آپ ﷺ کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ کسی کو بُرا بھلا نہ کہتے۔ برائی کے بدلے میں برائی نہ کرتے بلکہ معاف فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملے میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے کسی غلام یا لونڈی یا جانور کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا اور نہ کسی کی جائز درخواست کو رد کیا۔ جب آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے۔ آپ ﷺ اس طرح آہستہ آہستہ باتیں کرتے کہ اگر سننے والا چاہے تو بے شک یاد رکھ لے۔ ①

انصاف کے معاملے میں نزدیک اور دُور کے لوگ سب آپ ﷺ کے لیے برابر تھے۔ آپ ﷺ مسکینوں سے محبت فرمایا کرتے۔ غریبوں میں رہ کر خوش ہوتے۔ کسی فقیر کو تنگ دستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھتے۔ کسی بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کی دلجوئی کرتے۔ بیوقوفوں کی باتوں پر صبر فرماتے۔ اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے۔ ② اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کے اخلاق کا نقشہ یوں کھینچا ہے، فرمایا: ﴿ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴾ ③

---

① احمد بن حنبل، المسند: ۲۶۲۰۹

② الاصبہانی، اخلاق النبی: ۲۱، ۳۰

③ القلم: ۶۸/۴

Marfat.com

یعنی اے رسول ﷺ! آپ حسن اخلاق کے بڑے اُونچے مقام پر فائز ہیں۔

صِدق

حضرت رسول اکرم ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ آپ ﷺ نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لین دین، کاروبار، تجارت غرض یہ کہ ہر بات میں آپ ﷺ سچ بولا کرتے تھے۔ اسی واسطے بچپن سے ہی صادق مشہور ہو گئے تھے۔

آپ ﷺ کے جانی دشمن بھی آپ ﷺ کی سچائی کا اعتراف واقرار کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قریش کو آواز دی۔ آپ ﷺ کی آواز سن کر قبیلے کے بڑے بڑے سردار اس پہاڑی کے نیچے آ کر جمع ہو گئے۔ پھر حضرت رسول اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا: اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے تمھارے دشمنوں کا ایک لشکر آ رہا ہے تو کیا تم اس بات کو تسلیم کر لو گے؟ سب نے کہا: ہاں بے شک! کیوں کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ ①

ایک دفعہ ابو جہل نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی سچائی اور صدق کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:

> ''اے محمد! میں تمھیں جھوٹا نہیں سمجھتا، لیکن تمھاری تعلیم پر میرا دل ہی نہیں ٹھہرتا۔'' ②

قیصر روم نے اپنے دربار میں ابو سفیان سے پوچھا کہ تمھارے ہاں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے سنا؟ ابو سفیان نے کہا: نہیں، پھر شاہِ روم نے کہا کہ ایسا سچا آدمی جھوٹا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ③

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ہمیشہ سچ بولا اور سچ بولنے کی نصیحت فرمائی۔ صدق اور سچائی کو جنتی لوگوں کی نشانی قرار دیا اور فرمایا کہ جو شخص سچ بولے، امانت کی حفاظت ونگہداشت کرے،

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۸۰۱، ۴۹۷۱

② محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۰۶۴

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۹۴۱

Marfat.com

حسن خلق کا مالک ہو اور حلال کی روٹی کھائے، اسے کسی چیز کا ڈر نہیں۔ ①

امانت و دیانت

حضرت رسول اکرم ﷺ بچپن سے امانت اور دیانت کے لیے مشہور تھے۔ سب لوگ آپ ﷺ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے۔ قریش مکہ کو آپ ﷺ کی امانت داری پر اتنا اعتماد اور بھروسہ تھا کہ وہ لوگ اپنا روپیہ پیسہ آنحضرت ﷺ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے۔ ②

حضرت رسول اکرم ﷺ نہایت دیانتدار اور امین مشہور تھے۔ قریش کے آدمی آپ ﷺ کی ایمان داری کی وجہ سے اپنا مال تجارت اور سرمایہ مضاربت پر آپ کے سپرد کر دیتے تھے۔ اس سرمائے سے آپ ﷺ کاروبار کرتے تھے اور منافع سب کو مل جاتا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی دیانت داری، سچائی اور ایمان داری کو دیکھ کر نکاح کی درخواست کی تھی۔ ③

ایک دفعہ بہت بارش ہوئی جس کی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ قریش مکہ نے چاہا کہ کعبہ کی عمارت پھر سے اُونچی اور مضبوط کر کے بنائی جائے۔ جب قریش کعبہ کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے پر جھگڑا ہو گیا۔

ہر خاندان کی یہ خواہش تھی کہ ہم حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھیں۔ آخر یہ طے پایا کہ جو شخص دوسرے دن سب سے پہلے کعبہ میں آئے، وہی اپنی رائے سے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے اور اس کا فیصلہ سب لوگوں کو ماننا پڑے گا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آنحضرت ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر سب خوش ہو گئے اور پکار اُٹھے:

"هٰذَا الْأَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ"

"آپ ﷺ امین ہیں۔ ہمیں آپ ﷺ کا فیصلہ بخوشی منظور ہے۔" ④

شبِ ہجرت کو قریش مکہ نے تو حضرت رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور

---

① احمد بن حنبل، المسند: ۶۶۵۲

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۸۲

③ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۱۸۹

④ طبرانی، المعجم الاوسط: ۲۴۴۲

Marfat.com

آپ ﷺ نے اپنے پیارے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے پیچھے چھوڑا کہ وہ قریش کی امانتیں انھیں واپس کر کے بعد میں آجائیں۔ ①

حضرت رسول اکرم ﷺ بڑے دیانتدار تھے۔ آپ ﷺ ہر بات میں سچا وعدہ فرماتے اور جو وعدہ فرماتے اس کو پورا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی تجارت کے ایک ساتھی عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے آنحضرت ﷺ سے اس زمانے میں خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا، بات کچھ طے ہو چکی تھی، کچھ ادھوری رہ گئی تھی۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آ کر بات پوری کر لیتا ہوں، یہ کہہ کر میں چلا گیا۔ تین دن کے بعد مجھے اپنا وعدہ یاد آیا۔ فوراً پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں، آپ ﷺ اسی جگہ بیٹھے ہیں اور میرے واپس آنے کا انتظار فرما رہے ہیں۔ ②

حضرت رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:

''جو شخص وعدہ پورا نہیں کرتا، دیانتدار نہیں کہلا سکتا۔'' ③

نضر بن حارث قریش میں سب سے تجربہ کار شخص تھا۔ ایک دن وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ:

''حضرت محمد تمھارے سامنے پل کر جوان ہوئے۔ وہ تم میں سب سے اچھے، بات میں سب سے سچے، امانت میں سب سے پکے اور امین تھے۔ اب جب ان کے بال سفید ہونے لگے اور تم کو دعوت حق دی تو تم انھیں جادوگر اور دیوانہ کہتے ہو، بخدا! وہ ساحر نہیں۔'' ④

مختصر یہ کہ دوست دشمن سب حضرت رسول اکرم ﷺ کی سچائی صدق اور امانت و دیانت کا اعتراف و اقرار کرتے تھے اور آپ ﷺ کو صادق اور امین کے معزز القاب سے یاد کرتے تھے۔

عدل و مساوات

حضرت رسول اکرم ﷺ اپنے پرائے، امیر غریب سب سے عدل کرتے اور ایک جیسا

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۸۲
② سلیمان بن اشعث، سنن ابی داود: ۴۹۹۶
③ احمد بن حنبل، المسند: ۱۲۳۸۳
④ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۲/۲۰۱

Marfat.com

برتاؤ کرتے تھے۔آپ ﷺ ہمیشہ مظلوموں کی فریاد سنتے،ان سے انصاف کرتے اور ان کا حق دلاتے تھے۔دشمنوں کو بھی آپ ﷺ کے عدل وانصاف پر پورا اعتماد تھا۔جب تک حضرت رسول اکرم ﷺ مکے میں تشریف فرمارہے،اہل مکہ اپنے جھگڑے قضیے آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لیے لے جاتے تھے۔① مدینے میں تشریف لانے کے بعد یہودی اور دوسرے مخالفین بھی اپنے مقدمات اور جھگڑوں میں آنحضرت ﷺ ہی کا فیصلہ تسلیم کرتے تھے۔②

حضرت رسول اکرم ﷺ کے عدل ومساوات کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ قرض خواہ تقاضے کے لیے آیا اور سخت سُست بکنے لگا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے مارنے چلے۔آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا:

''عمر!تمھارے لیے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اسے صبر کی۔''③

ایک دفعہ بنوثعلبہ کے کچھ لوگ مدینے میں آئے۔ان کو دیکھ کر ایک انصاری نے کہا:یارسول اللہ!ان کے باپ دادا نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا،اب اس کے بدلے میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجیے۔حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:''یہ نہیں ہوسکتا۔باپ کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جاسکتا۔''④

ایک مرتبہ ایک عورت نے چوری کی۔قریش اپنی عزّت کے خیال سے چاہتے تھے کہ اسے سزا نہ ہو اور بات دب جائے۔چنانچہ قریش نے سفارش بھی کرائی۔اس پر حضرت رسول اکرم ﷺ ناراض ہو کر فرمانے لگے:

''بنی اسرائیل اسی وجہ سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں کو سزا دیتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے تھے۔خدا کی قسم!اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو

① ابن کثیر،السیرۃ النبویۃ:۱/۲۵۷
② محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری:۳۶۳۵
③ حاکم،المستدرک:۲۲۸۴
④ احمد بن حنبل،المسند:۱۶۱۳

Marfat.com

میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔"①

ایک دفعہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ وہ دونوں فیصلے کے لیے حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دونوں کی باتیں سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا۔②

آنحضرت ﷺ ہمیشہ سب انسانوں کو برابر سمجھتے تھے۔ امیر اور غریب، گورے اور کالے، عربی اور عجمی میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دیتے خواہ وہ امیر ہو یا غریب، عربی ہو یا عجمی، مسلمان ہو یا کافر۔ آپ ﷺ ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ سچی گواہی دو۔

آخری حج کے موقع پر آپ ﷺ نے اس بات پر بڑی تاکید فرمائی کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی اور برابر ہیں۔③

رحم وکرم

حضرت رسول اکرم ﷺ بڑے رحم دل تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملے میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ قریش مکہ نے آنحضرت ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں دیں اور دکھ پہنچائے۔ مقاطعہ کر کے دانہ پانی بند کر دیا۔ آپ ﷺ شعب ابی طالب میں تین برس تک محصور رہے۔④

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات کے بعد کفار بے مروتی اور کمینگی کے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے۔ آپ ﷺ کے قتل کی سازشیں کرنے لگے اور آپ ﷺ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ان سب تکلیفوں کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، بلکہ جب انتقام کا موقع آیا تو آپ ﷺ نے رحم وکرم سے کام کیا اور بدترین دشمنوں اور سخت مخالفوں کو بھی معاف کر دیا۔⑤

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۴۷۵

② بغوی، التفسیر: ۱/۴۴۶

③ بیہقی، شعب الایمان: ۵۱۳۷

④ ابن الجوزی، الوفا: ۱/۱۵۷

⑤ ابن الجوزی، الوفا: ۲/۲۷، ۳۴

Marfat.com

آپ ﷺ کا رحم و کرم سب کے لیے عام تھا۔ آپ ﷺ دوست دشمن سب پر رحم و کرم فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے عمر بھر نہ کسی کو ستایا، نہ دکھ دیا۔ وہ ہندہ جس نے جنگ اُحد میں آپ ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا، جب آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے اس پر رحم کیا اور اسے معاف فرما دیا۔① اسی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بھی معافی دے دی۔②

وہ ابوسفیان جس نے فوج لے کر مدینے پر چڑھائی کی تھی، اس کو صرف معاف ہی نہ کیا بلکہ اس کے لیے رحم و کرم کا وسیع دامن پھیلا دیا۔ اس کی عزت افزائی اور دل جوئی فرمائی۔ فتح مکہ کے دن اس کے گھر کو بہت بڑا شرف دیا۔ فرمایا:

> ''جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوگا وہ امن پائے گا، مزید فرمایا جو شخص کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ بھی امن میں رہے گا۔''③

معاملہ یہیں ختم نہ ہوا بلکہ آنحضرت ﷺ نے اتنے بڑے رحم و کرم کا ثبوت دیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان، اس کے بیٹوں اور قریش کے دوسرے سرداروں کو ہَوازِن کے مالِ غنیمت میں سے سب سے زیادہ حصہ دیا۔④

آپ ﷺ کے رحم و کرم کا یہ حال تھا کہ فرمایا کرتے:

> اگر کوئی شخص مقروض مر جائے اور مال باقی نہ چھوڑے تو ہم اس کا قرض ادا کریں گے۔⑤

آنحضرت ﷺ غریبوں و مسکینوں سے بہت رحم و کرم سے پیش آتے تھے۔ آپ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے کہ غریبوں اور مسکینوں کے پاس بیٹھیں۔⑥

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۸۲۵
② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۲۵/۴
③ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۸۰
④ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۱۷۸/۵، ۱۸۲
⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۵۳۷۱
⑥ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۲۳۵۲

Marfat.com

ایک دن آنحضرت ﷺ نے ایک کالے رنگ کے آدمی کا ذکر فرمایا اور پوچھا کہ اسے کیا ہوا؟ کئی دنوں سے وہ نظر نہیں آیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ وفات پا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہیں کی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حقارت آمیز لہجہ میں عرض کیا کہ وہ تو یوں ہی معمولی سا آدمی تھا، مگر آپ ﷺ کے رحم وکرم نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی۔ ①

حدیبیہ کے میدان میں ایک دن آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ دشمن کے ستر آدمی چپکے سے آئے تاکہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کردیں۔ یہ سب آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ان پر رحم وکرم فرمایا اور سب کو کسی فدیہ یا سزا کے بغیر چھوڑ دیا۔ ②

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: جو شخص رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔'' ③

ایک دن حضرت رسول اکرم ﷺ ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ آپ ﷺ نے اپنی تلوار درخت سے لٹکا دی۔ ایک کافر آیا اور تلوار نکال کر آپ ﷺ کو جگایا پھر کہنے لگا کہ بتاؤ اب میرے ہاتھ سے آپ کو کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ! یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے تلوار اُٹھا کر فرمایا کہ بتا اب تجھے کون بچائے گا؟ وہ حیران ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ تجھے معاف کیا، میں بدلہ نہیں لیا کرتا۔ ④

ایک دن ایک بدو آیا۔ اس نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی چادر کو اتنے زور سے کھینچا کہ آپ ﷺ کی گردن پر نشان پڑ گیا۔ پھر بدو بولا: یا محمد (ﷺ)! خدا کا یہ مال جو آپ کے پاس ہے، اس میں سے ایک بارِ شتر مجھے بھی دلاؤ۔ آپ ﷺ نے ذرا خاموشی کے بعد فرمایا کہ مال

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۵۸، ۴۶۰

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۲۰/۲

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۰۱۳

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۹۱۰

Marfat.com

بے شک اللہ کا ہے۔ پھر فرمایا کہ اسے ایک اونٹ پر کھجوریں اور ایک پر جَو لاد دو۔ ①

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ بچوں اور جانوروں پر بھی رحم اور شفقت وکرم فرمایا کرتے تھے۔ ②

شجاعت

حضرت رسول اکرم ﷺ بچپن سے ہی بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ بڑے سے بڑے بہادر شخص کا رعب بھی نہ مانتے تھے۔ اتنے نڈر اور بے باک تھے کہ قریش کے معبودوں اور بتوں کو خاطر میں نہ لاتے۔ بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دن کسی شخص نے لات اور عُزّیٰ بتوں کا واسطہ دے کر کچھ مانگا۔ شرم وحیا کا پیکر ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا:

مجھے ان بتوں سے بڑی نفرت ہے۔ میرے سامنے ان کا نام نہ لیا کرو۔ ③

کتنی بہادری اور جرأت ہے کہ ایک چھوٹا بچہ اپنی قوم کے بتوں کے متعلق اتنی بے باکی سے نفرت کا اظہار کرتا ہے اور کسی کی پروا نہیں کرتا۔ آخر کیوں نہ ہوتا یہ کوئی معمولی بچہ نہ تھا۔ یہ مبارک بچہ نبیوں کا سردار بننے والا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی۔ آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ یمن گئے۔ قافلہ ابھی راستے میں تھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک وادی میں ایک بڑا منہ زور اونٹ ایسا بِدکا کہ رسی توڑ کر بھاگ نکلا۔ لوگ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں۔ آنحضرت ﷺ اس منہ زور اور بِدکے ہوئے اونٹ کی طرف لپکے اور بے خوف ہو کر اس کو نکیل سے پکڑ کر لائے۔

آنحضرت ﷺ بڑے دلیر تھے۔ آپ ﷺ کی ہمت اور جرأت بے مثال تھی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ قافلے کے ساتھ جا رہے تھے، راہ میں ایک وادی تھی۔ ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ قافلے والے پانی کا طوفان دیکھ کر رُک گئے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ آگے بڑھے اور فرمایا:

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۱۴۹

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۰۱۹، ۲۳۱۵

③ ابن الجوزی، الوفا: ۱/۱۰۹، ۱۱۳

Marfat.com

میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ ①

ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ مدینے میں تشریف فرما تھے کہ ایک رات مدینے شریف کے لوگ ڈر گئے۔ لوگ گھبرا کر باہر نکلے کہ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تلوار لٹکائے گھوڑے پر سوار واپس تشریف لا رہے ہیں۔ لوگوں کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شور سنا تو حالات معلوم کرنے کے لیے فوراً باہر نکل گیا۔ آپ لوگ کوئی فکر نہ کریں۔ یہ ایک قافلہ ہے جو شہر سے باہر اُترا ہے اور کوئی بات نہیں۔ ②

غزوات نبوی آپ ﷺ کی بے مثال بہادری اور شجاعت کے گواہ ہیں۔ جفاکشی اور ہمت و جرأت دیکھیے کہ تمام جنگیں اور غزوات پچپن برس کی عمر کے بعد پیش آئے۔ رات بھر عبادت کرتے ہیں، سارا دن روزہ رکھتے ہیں، پھر فکر تبلیغ، فکر ملت، فکر بنی نوع انسان ان حالات میں عمر و سن کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کی بہادری کی داد دیجیے۔ غزوۂ بدر کو لیجیے کہ جب دشمن سامنے آ کر صف آرا ہو گیا تو حضرت رسول اکرم ﷺ کی بہادری اور شجاعت دیکھنے کے لائق تھی۔ آپ ﷺ اپنی صفوں میں چکر لگا رہے تھے۔ مسلمان مجاہدوں کو ایمان و عمل صالح کی تلقین کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کی برکات بتا رہے تھے۔ اپنے افسروں اور سپاہیوں کو بہادری پر اُکساتے جاتے تھے اور ایک تجربہ کار اور ماہر جنگ سپہ سالار کی طرح بتا رہے تھے کہ دشمن کے بڑے بڑے سردار اور سالار کہاں کھڑے ہوں گے اور قتل ہو کر کہاں کہاں گریں گے۔ ③

غزوۂ اُحد اور غزوۂ حُنین میں آپ ﷺ نے جس بہادری، استقامت اور شجاعت کا ثبوت دیا، اس کی مثال تاریخ میں ملنی بڑی مشکل ہے۔ آپ ﷺ اکیلے دشمن کا مقابلہ کرتے تھے اور میدانِ جنگ چھوڑ جانے والے سپاہیوں کو واپس بلا کر از سرِ نو اُن میں بہادری اور جرأت کی رُوح پھونکتے تھے اور پھر اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کو بھاگنے کے سوا کوئی اور چارۂ کار نظر نہ آیا۔ ④

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۶۰/۳
② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۶۲۷
③ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۷۷۹
④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۸۶۴

Marfat.com

رواداری

حضرت رسول اکرم ﷺ بڑے روادار تھے۔ اپنے تو اپنے غیروں کا بھی آپ ﷺ لحاظ کرتے تھے۔ اگر کوئی دشمن بھی آجاتا تو اس سے بڑی اچھی طرح ملتے اور اس کی ضرورت پوری کر دیتے تھے۔ تکلیف کے وقت دشمن کی مدد کرنے سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مکے میں اتنا سخت قحط پڑا کہ لوگ مردار اور ہڈیاں بھی کھانے لگے۔ ابو سفیان دشمنی کے باوجود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اے محمد! (ﷺ) آپ تو لوگوں کو قریبی رشتہ داروں سے نیک سلوک کی تعلیم دیتے ہیں۔ دیکھیے آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کیجیے۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اور خوب بارش ہوئی۔ ①

مکے میں ایک عورت رہتی تھی۔ جب حضرت رسول اکرم ﷺ گلی سے گزرتے تو وہ عورت آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینک دیا کرتی تھی، ایک دفعہ وہ بیمار ہو گئی تو آپ ﷺ اس کا حال پوچھنے کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے۔

مکے کے لوگوں کے لیے غلہ نجد سے آیا کرتا تھا۔ ایک صحابی ثمامہ رضی اللہ عنہ نے یہ غلہ اس لیے بند کر دیا کہ مکے والے حضرت رسول اکرم ﷺ کے دشمن ہیں۔ جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ ② کتنی بے نظیر رواداری ہے کہ قریش تو آپ ﷺ کی جان کے دشمن ہیں اور آپ ﷺ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ وہ لوگ بھوکے رہیں۔

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا وفد حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی کہ وہ مسجد نبوی میں عبادت کرلیں۔ ③

ایک مرتبہ ایک بدّو حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ بدو کو پیشاب آیا تو وہ مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگ اسے مارنے کے لیے دوڑے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۸۲۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۷۲

③ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۵۷۴/۱

Marfat.com

جانے دو، اسے کچھ نہ کہو، پانی کا ایک ڈول لا کر بہادو۔ ①

آنحضرت ﷺ اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر غلبہ پانے کے بعد صرف معاف ہی نہ فرما دیتے بلکہ بعض اوقات ان سے بڑا لطف و کرم اور مہربانی فرماتے تھے، ان کو خوب کھلاتے۔ ان کی آسائش کا خیال رکھتے اور انعام بھی دیتے تھے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کو سب سے پہلے جنگ بدر میں قیدی ہاتھ لگے تھے، یہ اہل مکہ تھے۔ ان سے بڑھ کر اور کوئی دشمن نہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قتل کر دینے کا مشورہ دیا لیکن اس کے باوجود رحمت عالم ﷺ نے ان سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ مہمانوں کی طرح ان کی خاطر مدارات اور آسائش و آرام کا خیال رکھا۔ ②

حدیبیہ کے مقام پر ستر حملہ آوروں کو بغیر کسی جرمانہ کے آزاد کر دیا۔

جنگ حنین میں چھ ہزار قیدی ہاتھ لگے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ ان قیدیوں کو کسی شرط اور جرمانہ کے بغیر آزاد کر دیا اور بعض سے اتنی رواداری اور حسن سلوک کیا کہ ان کا معاوضہ اپنے پاس سے ادا کر کے رہائی دلائی اور اکثر قیدیوں کو خلعت اور انعام دے کر رخصت کیا۔ ③

مالک بن عوف جنگ حنین میں دشمنوں کا سپہ سالار تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسے بھی معاف فرما دیا۔ اس کے بال بچے اور اونٹ وغیرہ اسے واپس کر دینے کے علاوہ ایک سو اونٹنیاں اپنے پاس سے عطا فرمائیں۔ ④ اس قسم کی رواداری اور حسن سلوک کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں مل سکتی۔

سادہ زندگی

حضرت رسول اکرم ﷺ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُٹھنے بیٹھنے، پہننے اوڑھنے، کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی تکلف نہ تھا۔ جو کھانا، سامنے آتا کھا لیتے، کپڑا جو مل جاتا پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے۔ لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۲۰

② ابن سعد، الطبقات الکبری: ۲/۲۲

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۱۸، ۴۳۱۹

④ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۵/۱۷۸

Marfat.com

تھے۔ سامان کی آرائش سے نفرت تھی۔

آنحضرت ﷺ مویشی کو چارہ خود ڈال دیتے۔ اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے۔ گھر میں صفائی کر لیتے، بکری دوہ لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیتے، خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے، خود جا کر بازار سے سودا سلف خرید لیتے، خود اسے اُٹھا لاتے تھے، ہر چھوٹے بڑے کو سلام پہلے کر دیا کرتے، رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے، ہر امیر غریب کی دعوت قبول فرما لیتے تھے، جوتا پھٹ جاتا تو خود گانٹھ لیتے اور کپڑے کو پیوند لگا لیتے تھے۔ ①

آپ ﷺ کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ برابر ایک ایک مہینہ ہمارے چولھے میں آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کا کنبہ پانی اور کھجور پر گزران کرتا۔ ②

یہ حالت ماہِ رمضان کے علاوہ تھی۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مدینے تشریف لانے کے بعد مسلسل تین دن تک گیہوں کی روٹی کبھی نہیں کھائی تھی۔ ③

آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے کام کرنے کو کبھی عار نہیں سمجھا اور نہ کبھی محنت مشقت سے جی چرایا۔ جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپ ﷺ پتھر اُٹھا اُٹھا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔ ④ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت بھی خود کام کرتے رہے۔ ⑤ جنگ خندق کے موقع پر مدینے کے ارد گرد خندق کھودنے میں ہاتھ بٹایا اور دستِ مبارک سے بڑے بڑے پتھر توڑے۔ ⑥

آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ بیوہ یا مسکین کے ساتھ چل کر اس کا کام بخوشی کر دیتے تھے۔ ⑦ حضرت رسول اکرم ﷺ اتنی سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ باہر سے آنے والوں کو

---

① الصالحی، سیرت شامی: ۷/۳۱، ۴۱
② مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۲۹۷۲
③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۵۴۱۶
④ ابن الجوزی، الوفا: ۱/۱۱۸
⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۹۳۲
⑥ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۱۰۱
⑦ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۲۳۲۶

Marfat.com

آپ ﷺ کو پہچاننا مشکل ہوتا تھا۔ ①

ایک دفعہ حضرت رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ سفر میں تھے کہ ساتھیوں نے کھانا تیار کرنے کا ارادہ کیا۔ سب نے تھوڑا بہت کام کرنے کا ذمہ لیا۔ حضرت رسول اکرم ﷺ بھی ہاتھ بٹانے کے لیے اُٹھے اور جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کرنے لگے۔ ② ایک دفعہ کسی نے ایک خوبصورت زرکار جوڑا آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا وہ پہن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

میں نے تو اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنالی جائیں۔ ③

ایک مرتبہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی۔ آپ ﷺ نے پہن کر اتار دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دی تا کہ اس کو فروخت کر دیا جائے۔ ④

۹ھ میں جب کہ یمن سے شام تک اسلام کا ڈنکا بج چکا تھا اور اسلام کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ اسلامی جمہوریت کے صدر بھی تھے اور سپہ سالار اعظم بھی۔ اس وقت بھی آپ ﷺ کے گھر میں صرف ایک کھرّی چار پائی اور ایک چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا۔ ⑤

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جَو کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا۔ ⑥ چراغ کے لیے تیل ایک ہمسایہ سے مانگ کر لیا تھا۔ ⑦ حضرت رسول اکرم ﷺ کو سادہ زندگی سے اتنی محبت تھی کہ آپ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

''اے اللہ! آلِ محمد کو صرف اتنا دے، جتنا پیٹ میں ڈال لیں۔'' ⑧

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۹۰۶
② المقریزی، امتاع الاسماع: ۱۸۸/۲
③ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۲۰۷۱
④ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۲۰۷۰
⑤ المقریزی، امتاع الاسماع: ۱۰۹/۷
⑥ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۰۹۷
⑦ الصالحی، سیرت شامی: ۲۵۰/۱۲
⑧ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۴۶۰

Marfat.com

ایک دفعہ چٹائی پر لیٹے آرام فرما رہے تھے۔ جب اُٹھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ بدن مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اجازت ہو تو آپ ﷺ کے لیے کوئی گدا بنوا لائیں۔ فرمایا:

"مجھ کو دنیا سے صرف اتنا تعلق ہے، جتنا اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جائے۔ پھر وہ اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔"①

سپہ سالاری

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ دین اسلام جنگ وجدال کا مذہب نہیں، بلکہ صلح وسلامتی اور امن وامان کا مذہب ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ رحمت کا پیغام لے کر آئے تھے۔ لڑائی اور جنگ کی خاطر تشریف نہ لائے تھے۔ اسلام ایک نیا دینی نظام لایا جس نے پرانے اور باطل نظام کو منسوخ کر دیا۔ اسلام کی جنگیں مجبوری کی بنا پر لڑی گئیں۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے تنگ آ کر جنگ کی۔ جب آپ ﷺ کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہا تو دشمنوں کی شرارتوں کو روکنے کے لیے آپ ﷺ بھی میدانِ کارزار میں اُترنے پر مجبور ہو گئے۔

ان غزوات اور دینی جنگوں نے ثابت کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کو فنونِ جنگ میں بڑی مہارت حاصل تھی اور آپ ﷺ لشکر کشی، فوجی تربیت، عسکری نظام اور میدان جنگ میں فوج کی قیادت اور سالاری کے اُصولوں سے خوب واقف تھے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کام کا ارادہ کرتے یا کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ اپنے لشکر کے چند تجربہ کار سپاہیوں اور خاص افراد کو بلا کر مشورہ کرتے۔ مختلف خیالات اور تجویزوں کو اچھی طرح جانچتے اور جب معاملہ طے پا جاتا تو پھر بلا خوف وخطر کود پڑتے اور مشکلات سے بالکل نہ گھبراتے تھے۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر میدان جنگ میں فوج کی رہنمائی فرماتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اپنی جان پر کھیل جانے کے لیے تیار نظر آتے۔ آپ ﷺ کا یہ دستور تھا

① ابن حبان، صحیح ابن حبان: ۶۳۵۲

Marfat.com

کہ اپنے لشکر کی صفوں میں گھوم پھر کر اپنے بہادر سپاہیوں کو ہمت اور جرأت دلاتے۔ ثابت قدمی اور بہادری پر اکساتے۔ آپ ﷺ کی بہادری اور جوانمردی کو دیکھ کر آپ ﷺ کے ساتھی بھی نڈر ہو کر لڑتے تھے۔ ①

آنحضرت ﷺ کی جنگی مہارت اور عسکری قیادت بھی بے نظیر تھی۔ غزوۂ بدر میں مقامِ بدر کو میدانِ جنگ بنا کر بہترین جنگی مہارت کا ثبوت دیا اور پانی کے کنویں پر قبضہ کر کے دشمنوں کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا۔ ②

جنگ اُحد میں بھی آپ ﷺ نے فنی مہارت کا بے مثال ثبوت دیا۔ آپ ﷺ نے گھاٹی کے محافظ تیر اندازوں کو حکم دیا تھا کہ وہ گھاٹی کو ہرگز نہ چھوڑیں اور دشمن کے گھوڑوں پر تیر برساتے رہیں۔ کیونکہ گھوڑے تیروں کے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکتے۔ جب گھاٹی کے محافظوں نے آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے خلاف گھاٹی کو چھوڑ دیا تو دشمنوں نے موقع پا کر گھاٹی کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ آپ ﷺ کی ثابت قدمی، استقامت اور بہادری کی وجہ سے مسلمانوں کی فوج ہزیمت و شکست سے بچ گئی۔ ③

جنگِ خندق میں آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے وحی الٰہی کے مطابق نکلی۔ آنحضرت ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا، بلکہ خود بھی خندق کھودی۔ ④ عربوں کے لیے خندق کھود کر شہر کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کے حملوں کو روکنا بالکل نئی چیز تھی۔ وہ اس طریقۂ جنگ سے بالکل ناواقف تھے۔ جب قریش اور یہودی ہمت ہار کر ناکام واپس چلے گئے تو حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی جنگی مہارت و قابلیت اور عسکری قیادت کا سکہ سارے عرب میں بیٹھ گیا۔

صلح حُدَیْبِیَہ بظاہر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف نظر آتی تھی لیکن واقعات نے ثابت کر دیا

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۸۶۴

② بیہقی، دلائل النبوۃ: ۳/۳۵

③ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۳/۲۱۰

④ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۲۸۵

Marfat.com

کہ یہ صلح سیاسی اعتبار سے بڑی اہم تھی۔ اس صلح نے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار قائم کرنے میں سنگِ میل کا کام دیا۔ یہ صلح نامہ اس بات کی شہادت تھی کہ مسلمان بھی قریش کے مقابلے پر ایک طاقتور سیاسی اور دینی جماعت ہے۔ بین الاقوامی قانون کی رُو سے معاہدہ صرف دو برابر کی قوموں کے درمیان ہوسکتا ہے۔ یہ معاہدہ کر کے قریش نے اس بات کا اعتراف واقرار کرلیا کہ جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہے۔

جنگ حُنین میں آنحضرت ﷺ نے بے نظیر شجاعت اور استقامت کا ثبوت دیا۔ اپنی بہادری اور ثابت قدمی سے میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو دوبارہ جمع کر کے صفوں کو از سرنو ترتیب دیا اور دشمنوں کو مار بھگایا۔

محاصرۂ طائف میں مِنجَنِیقیں، دبابے اور دوسرے آلاتِ جنگ استعمال کر کے یہ ثابت کر دیا کہ سالار کی حیثیت میں آپ ﷺ نئے آلاتِ جنگ سے واقف تھے اور جنگی ضرورتوں کے پیش نظر نئے آلات کے بنانے اور استعمال کرنے کے لیے اپنے سپاہیوں کو دوسرے علاقوں میں تربیت حاصل کرنے کی خاطر بھیجنا بھی اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ بڑے ماہر سپہ سالار اور فنونِ جنگ سے واقف تھے۔ ①

آپ ﷺ کا یہ بھی دستور تھا کہ دشمنوں کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے جاسوس مقرر کرتے جو دشمنوں کی فوجی نقل وحرکت کی اطلاع آپ ﷺ تک پہنچاتے رہتے تھے۔ ②

حضرت رسول اکرم ﷺ جب ضروری سمجھتے تو جنگی معاملات میں بڑی رازداری سے کام لیتے۔ فتح مکہ کے لیے لشکر کی تیاری میں بڑی احتیاط برتی گئی اور کوشش کی گئی تھی کہ دشمنوں کو خبر نہ ہونے پائے۔ آپ ﷺ نے یہاں تک کیا کہ لشکر کی روانگی کے وقت تک کسی کو علم نہ ہونے دیا کہ کہاں جارہے ہیں۔ آپ ﷺ کی جنگی قابلیّت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا مقصد اور منزل فوج پر ظاہر نہ کر کے بلکہ دکھاوے کے لیے چکر کاٹ کر اور

---

① الواقدی، کتاب المغازی: ۲/۸۰۵-۳/۹۲۳

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۸۰

Marfat.com

نامعلوم راستوں سے گزر کر مکے پہنچے۔ رات کے وقت ساری فوج نے ایک دم آگ روشن کی جس سے مکے والے ڈر کر ہمت ہار بیٹھے۔ ①

سیاسی تدبُّر

حضرت رسول مقبول ﷺ بے نظیر سیاسی تدبر اور حکمت و دانش کے مالک تھے۔ جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو بہت تنگ کیا تو آپ ﷺ نے ہجرت کے لیے ملک حبش کو انتخاب فرما کر بہت سیاسی بصیرت و تدبر کا ثبوت دیا۔ اس وقت اور بھی علاقے تھے، خود جزیرۂ عرب کے بہت سے قبائل تھے۔ نجران اور یمن بھی موجود تھے۔ ملک شام و مصر بھی تھے۔ مگر آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو پسند نہ فرمایا۔ ہر جگہ کوئی نہ کوئی خطرہ نظر آیا۔ صرف حبش کا علاقہ ایسا تھا کہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت نے وہاں کوئی خطرہ نہ دیکھا۔

چنانچہ واقعات نے آنحضرت ﷺ کے سیاسی تدبر اور حسن انتخاب کی داد دی۔

آپ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی بھی کچھ کم حیرت افزا نہیں۔ آپ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی تو جو راستہ اختیار کیا وہ بھی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔ اوّل تو آپ ﷺ شاہراہ کو چھوڑ کر ایک غیر معروف راستے پر گامزن ہوئے۔ بُحیرہ احمر کے بالمقابل مغربی راستہ پسند فرمایا۔ پھر کبھی اِدھر مڑ جاتے کبھی اُدھر۔ کبھی آپ ﷺ سمندر کے کنارے کنارے چلتے اور کبھی بہت دُور ہٹ کر اندرون ملک میں نکل جاتے۔ مختلف وادیوں اور پہاڑی راستوں کو طے کرتے، پُر پیچ راہوں سے گزرتے اور راستے بدلتے ہوئے آپ ﷺ وادئ عقیق میں داخل ہوئے اور وہاں سے قباء میں جا پہنچے۔ مقصد یہ تھا کہ تعاقب کرنے والا دشمن نشان پا کر سراغ نہ لگا سکے۔ ②

مدینے پہنچ کر آپ ﷺ نے سب سے پہلے معاہدۂ مدینہ کی داغ بیل ڈالی۔ اس معاہدہ کی رُو سے مسلمانوں کو ایک مستقل اور الگ قوم قرار دیا۔ ان کے حقوق و فرائض اور باہمی تعلقات کی وضاحت کر دی۔ پھر اسی معاہدے کی رُو سے مدینے کے یہودیوں کے حقوق و فرائض متعین کیے۔ درحقیقت یہ معاہدہ ایک جماعتی منشور تھا جس کے ذریعے اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کی گئی اور

① الواقدی، کتاب المغازی: ۷۹۶/۲، ۸۰۳

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴۴۹/۳

Marfat.com

مختلف شہری اور دیہاتی باشندوں کے حقوق کی وضاحت اور تعیین کر دی گئی۔ ایک طرف تو یہ معاہدہ اسلام کے سیاسی نظام میں پہلا سنگ میل ہے اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کے حسنِ تدبر اور سیاسی بصیرت کا آئینہ دار۔ جزیرۂ عرب کیا، بلکہ ساری دُنیا میں اس منشور نے نئے سیاسی فکر و نظر کی بنیاد رکھی۔ یعنی خاندانی، قبائلی اور وطنی تعلقات کو توڑ کر دینی اور فکری و نظری تعلقات پر حکومت کی بنیادیں اُٹھائی گئیں۔

رنگ و نسل کے امتیازات مٹا کر دین اسلام اور عقیدۂ توحید کو قومی وحدت کا ذریعہ ٹھہرایا۔ خاندانی شرافت اور قبائلی فخر وغیرہ کا خاتمہ کر کے ذاتی کردار اور انفرادی اعمال کو شرافت و عزت کا معیار قرار دیا۔ مدینے میں قدم رکھتے ہی آپ ﷺ نے اپنے سیاسی تدبّر سے مسلمانوں کو ایک الگ قوم قرار دیا۔ مختلف عناصر مدینہ کی شہری آزادی کا اعلان فرمایا: مسلمانوں اور یہودیوں کے شہری حقوق و فرائض کی حدود مقرر کر کے اسلامی نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔ ①

آنحضرت ﷺ کے سیاسی تدبر و بصیرت کی بہترین مثال صُلح حدیبیہ سے ملتی ہے۔ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے صلح نامہ کی شرائط طے کر کے اس بات کا اقرار کیا کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہے۔ اسلام ایک قوت اور طاقت کا نام ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک جماعت کے قائد اور حکمران ہیں۔ بین الاقوامی قانون کی رُو سے قریش مکہ نے صلح نامہ پر دستخط کر کے کم از کم اتنا ضرور اعتراف کیا کہ آپ ﷺ ان کے برابر کے اقتدار و حکومت کے مالک ہیں۔

بدترین دشمنوں سے عفو و درگزر کر کے ان سے بہترین سلوک اور تالیفِ قلوب آپ ﷺ کے سیاسی تدبر کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

❀❀❀

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/ ۵۰۴

Marfat.com

۲۔عہد نبوی میں نظام سلطنت

حضرت رسول مقبول ﷺ نے مدینے میں تشریف لانے کے بعد ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جو نہ شخصی تھی نہ جمہوری۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات تمام قوانین اور نظام حکومت کا سرچشمہ تھی، مگر ضرورت کے وقت آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ بھی کرتے اور اگر ان کی رائے قابل قبول ہوتی تو اسے نافذ کرنے کا حکم صادر فرما دیتے تھے۔ ①

جب کسی قبیلے کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ اسے حکم دیتے کہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو دین سکھائیں۔ آپ ﷺ تبلیغ دین میں نرمی کرنے اور ظلم کو سختی سے روکنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

مالیات

آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ و صدقات کی فراہمی کے لیے ہر قبیلے، ہر گاؤں اور ہر شہر میں عامل، امیر اور والی مقرر کر دیے تھے۔ ② آپ ﷺ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ زکوٰۃ اور صدقات کی فراہمی باقاعدہ کی جائے تاکہ غریب لوگ اپنے امیر بھائیوں کی دولت سے کچھ حصہ حاصل کر سکیں۔

آپ ﷺ کے مبارک عہد میں آمدنی کے ذرائع یہ تھے:

(۱) فَیْء: جس علاقے کو بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا، اس کی زمین کا لگان فَیْء کہلاتا ہے۔

(۲) خراج: جو علاقے صلح کے ذریعے اسلام کے قبضے میں آئیں، وہاں کی زمین کا لگان خراج کہلاتا ہے۔ یا ان علاقوں کی زمین کا لگان جو بزورِ شمشیر فتح ہوئے لیکن وہ زمین اصل باشندوں کے قبضہ میں رہی۔

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۵۲/۴

② سہیلی، الروض الانف: ۲۲۰/۴

Marfat.com

(۳) جزیہ: وہ ٹیکس ہے جو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) پر فوجی خدمات کے معاوضے میں عائد کیا جاتا تھا۔ جزیرہ عرب میں جزیہ صرف اہل کتاب سے وصول کیا جاتا تھا، مشرکین سے نہیں۔

(۴) عُشر: اس زمین کی زکوٰۃ جس کے مالک مسلمان ہو گئے تھے۔ یا وہ زمین جو فتح کے بعد غازیوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی تھی۔

(۵) اَنفال: لڑائی میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آئے، اَنفال کہلاتا ہے۔

(۶) زکات: نقدی اور مال مویشی وغیرہ میں مقررہ نصاب کی ادائیگی۔

(۷) صدقات: خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

افسروں کا انتخاب

رسول خدا ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ ﷺ گورنروں اور افسرانِ مال کا تقرر کرتے وقت ان کی ذاتی قابلیت، دینداری اور حلم و فضل کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ ہمیشہ ایسے لوگوں کو مقرر کرتے جو عربوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جائیں۔ جنھیں ہر دلعزیزی حاصل ہو سکے اور جو اپنے فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔

نبی کریم ﷺ اپنے افسرانِ مال اور صوبائی حکام کے بارے میں حالات دریافت کرتے رہتے تھے۔ غیر موزوں اور غیر ہر دلعزیز افسروں اور عاملوں کو معزول بھی فرما دیتے تھے۔ ایک مرتبہ بَحرَین سے قبیلہ عبدالقیس کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد نے وہاں کے عامل علاء بن حَضرمی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اسے معزول کر کے اَبان بن سعید رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل نامزد کر دیا اور حکم دیا کہ قبیلۂ عبدالقیس سے اچھا سلوک کرے اور اس کے سرداروں سے عزت سے پیش آئے۔ ①

حساب کی پڑتال

نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ آپ ﷺ افسرانِ مال سے حساب کے بارے میں آمد و

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۵۹/۱

Marfat.com

خرچ کی پوری تفاصیل کی پڑتال فرمایا کرتے تھے۔ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو صدقات کی وصولی کے لیے مقرر فرمایا۔ جب وہ شخص واپس آیا تو آپ ﷺ نے حساب کی پڑتال فرمائی۔ وہ شخص عرض کرنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرمانے لگے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم ایک شخص کو مال افسر بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے علاقوں میں صدقات کی فراہمی کرے اور وہ شخص آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ مال تمھارا ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے۔ مزا تو جب تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس بیٹھا رہتا اور پھر دیکھتا کہ یہ مال اسے بطور ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہم جس شخص کو افسر اور عامل بنا کر کسی علاقے میں بھیجتے ہیں اور اس کی تنخواہ مقرر کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اگر وہ کوئی چیز بھی لیتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔''(۱)

مجلس مشاورت

آپ ﷺ ہر کام میں مشورہ کرتے تھے۔اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے چودہ مہاجرین اور چودہ انصار کی ایک مجلس مشاورت قائم کر رکھی تھی، جن میں حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت عمار، حضرت حذیفہ، حضرت ابو ذر، حضرت بلال اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم بھی تھے۔(۲)

عہدیداران عہد نبوی

عہد نبوی کے دفتری نظام یا سکرٹریٹ کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے:

آپ ﷺ کے عہد میمنت مہد میں دستاویزیں، یادداشتیں اور قرآن لکھنے کے لیے چند صحابہ رضی اللہ عنہم مقرر تھے۔ یہ لوگ عربوں کی اصطلاح میں ''کامل'' کہلاتے تھے۔یعنی جو عربی لکھنے،

(۱) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۱۸۳۳

(۲) احمد بن حنبل، المسند: ۶۶۵، ۱۲۶۳

Marfat.com

تیراندازی اور پیرنے میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ ان میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت خالد بن سعید، حضرت خالد بن ولید، حضرت مُغیرہ، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ویسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی تعداد ۴۲ تک پہنچتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ عہد نامے اور صلح نامے لکھا کرتے تھے۔

حضرت حُذَیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ صیغہ راز کے مہتمم تھے۔

حضرت حارث بن عوف مُرّی رضی اللہ عنہ محکمہ مہر (خاتم) کے ناظم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر حضرت حَنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کے سپرد بھی رہی۔

حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ مالِ غنیمت کا اندراج کیا کرتے تھے۔ (یعنی سیکرٹری ملٹری فنانس)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ حجاز کی کھجوروں کی آمدنی لکھنے پر مامور تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام اور جُہم بن صَلت صدقات کی آمدنی لکھنے پر مامور تھے۔ (وزیر مالیات)

حضرت مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور حُصَین بن نُمیر قرضے، لین دین اور معاملات لکھنے کے فرائض انجام دیتے تھے۔ (رجسٹرار)

حضرت عبداللہ بن اَرقم رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں اور حکمرانوں کے خطوط کے جواب لکھا کرتے تھے (گویا انھیں وزیر خارجہ کے اختیارات تھے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔

فارسی، رومی، قبطی، عبرانی اور حبشی زبانوں میں ترجمان کے فرائض حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انجام دیتے تھے۔ ①

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت شفاء اُمّ سلمان رضی اللہ عنہا عورتوں کو لکھنا سکھاتی تھیں۔ ②

① ابن حبیب، المحبر، ص: ۳۷۷

② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/ ۴۲۳

Marfat.com

حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اہل صُفّہ کو قرآن پڑھاتے تھے۔ ①

عہد نبوی میں مدینے کے پہلے قاضی حضرت عبداللہ بن نَوفل رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے ②

اور پہلے مبلغ حضرت مُصعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ③

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا عقاب کے نام سے مشہور تھا۔ یہ پشم کا بنا ہوا تھا اور اس پر'' لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه '' لکھا ہوا تھا۔ ④

تنخواہیں

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عَتّاب بن اَسِید رضی اللہ عنہ کو مکے کا والی مقرر کیا اور ایک درہم روزانہ ان کی تنخواہ مقرر کی۔ ⑤ بعض افسروں کی تنخواہ نقدی کی صورت میں نہ تھی بلکہ جنس میں ادا ہوتی تھی۔ بعض والیوں اور عاملوں کے لیے جاگیروں کی آمدنی کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔

سفیر

سن ۷۔ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہرقل شاہِ روم کے پاس تبلیغی خط دے کر بھیجا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن حُذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کے پاس، حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو مُقوقِس حاکم مصر کے پاس، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شاہ عُمان کے پاس، سَلِیط بن عمرو کو حاکم یمامہ کے پاس، حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو سلطان بحرین کے پاس، حضرت شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کو غسانی حکمران کے پاس اور مہاجر بن ابی اُمیہ کو شاہِ یمن کے پاس بھیجا اور ان سب حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ⑥

---

① سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد: ۳۴۱۶

② ابن حجر، الاصابۃ: ۶/ ۴۰۴

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۹۲۵

④ الاصبہانی، اخلاق النبی، ص: ۱۱۳، ۱۱۴

⑤ ابن حجر، الاصابۃ: ۷/ ۶۲

⑥ ابن الجوزی، الوفا: ۲/ ۲۵۵، ۲۷۱

Marfat.com

وفود کی آمد

سن ۹، ۱۰ ہجری میں عرب قبائل کے بہت سے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مدینے پہنچے۔ آپ ﷺ ہر وفد سے ان کی قبائلی بولیوں میں گفتگو فرماتے، جس طرح ہمارے ہاں مختلف اضلاع میں مختلف الفاظ مروّج ہیں۔ اسی طرح عرب قبائل میں بھی مخصوص الفاظ رائج تھے۔ آپ ﷺ ہر قبیلے سے اس کی بولی میں گفتگو فرماتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ بنو نہد کے وفد سے گفتگو فرما رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سن کر حیران ہوئے اور عرض کرنے لگے: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم ایک ہی باپ دادا کی اولاد ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ عربوں کے وفود سے ایسے الفاظ میں گفتگو فرماتے ہیں جو ہم نہیں سمجھتے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''میرے رب نے مجھے خود ہی تعلیم و تربیت دی ہے۔''①

جب نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انھیں اجازت دی کہ وہ مسجد نبوی میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کر لیں۔②

مالی نظام

عہد نبوی میں مال و دولت جمع کرنے کے لیے کوئی بیت المال نہ تھا۔ جب بھی مال اور روپیہ آتا تو آپ ﷺ اپنے گھر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں میں بحفاظت رکھ دیتے۔ مال مویشی یعنی اونٹ، گھوڑے، خچر وغیرہ تو جس دن آتے، اسی دن تقسیم کر دیے جاتے تھے۔③

شادی شدہ لوگوں کو غیر شادی شدہ کی نسبت دو چند حصہ ملتا تھا۔ مسلمانوں کے ایثار کا یہ حال تھا کہ جب کسی کو ضرورت نہ ہوتی تو لینے سے انکار کر دیتے اور ضرورت مند مسلمان کے گھر کا پتہ دے دیتے کہ وہاں لے جاؤ۔④

① الہندی، کنز العمال: ۷/ ۲۱۴

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۵۷۴

③ الواقدی، کتاب المغازی: ۳/ ۹۴۹

④ بیہقی، دلائل النبوۃ: ۵/ ۱۷۱

Marfat.com

رجسٹر مردم شماری

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کی مردم شماری کی جائے۔ چنانچہ ایک رجسٹر بنایا گیا اور اس میں ۱۵۰۰ مردوں کے نام درج کیے گئے۔ ①

فوجی نظام

عہد نبوی میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ ہر مسلمان سپاہی تھا اور جنگ کے وقت خدا کی راہ میں لڑنا ہر مسلمان کا قومی اور دینی فرض تھا۔ تلوار، تیر، نیزہ، کمان اور برچھی اس زمانے کے مشہور ہتھیار تھے۔ جنگ میں حفاظت کے لیے زرہ، خود اور ڈھال کا استعمال بھی ہوتا تھا۔ ②

جنگ حُنین میں منجنیق، دبابے، ضبور وغیرہ بھی استعمال کیے گئے۔ ③

یہی آلات اس زمانے کی توپیں اور ٹینک تھے۔ جُرش کے علاقے میں چند نوجوان مسلمانوں کو بھیجا گیا تاکہ آلاتِ حرب بنانا اور استعمال کرنا سیکھیں۔ ④

عہد نبوی میں مسلمان عورتیں بھی جنگ میں شرکت کرتی تھیں، البتہ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں، مجاہدین اسلام کے لیے کھانا پکائیں، میدان جنگ میں پانی پلائیں، بیماروں کی خبر گیری کریں اور مالِ غنیمت سنبھالیں۔ ⑤

اس مختصر خاکے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے علم وحلم سے عاری قوم کو ایسا باضابطہ نظام حکومت عطا فرمایا جس میں سلطنت کے تمام اُمور مختلف شعبوں اور محکموں میں تقسیم کر کے قابل اعتماد اور لائق ترین لوگوں کے سپرد کر دیے۔ مختلف عہدیداروں اور افسروں کی فہرست مذکورہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۰۶۰

② الاصبہانی، اخلاق النبی، ص: ۱۰۸

③ المقریزی، امتاع الاسماع: ۲۹/۱۴

④ الواقدی، کتاب المغازی: ۳/ ۹۲۳، ۹۲۴

⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۸۸۳

Marfat.com

نہایت عمدہ قابل رشک نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔ عہدوں اور محکموں کی تقسیم تو ایک اچھے خاصے سیکرٹریٹ کا پتہ دیتی ہے۔ اگر ان تمام شعبوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ایک مکمل دینی جمہوری سلطنت نظر آتی ہے جس میں عصر حاضر کے تمام محکمے اور وزارتیں موجود ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک نہایت تھوڑی مدت میں جزیرۂ عرب کی حالت یکسر بدل ڈالی۔ عربوں کو اور پھر ان کے ذریعے تمام دُنیا کو ایک نیا معاشرہ، نئی تہذیب، نئے عقائد، نیا دین، نیا اندازِ حکومت اور نئے اُصولِ زندگی عطا کیے۔

Marfat.com

۳۔ اَزواجُ النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خُویلد رضی اللہ عنہا

(۲) اُمّ المؤمنین حضرت سَودہ بنت زَمعہ رضی اللہ عنہا

(۳) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صِدّیقہ بنت الصدّیق رضی اللہ عنہا

(۴) اُمّ المؤمنین حضرت حَفصہ بنت الفاروق رضی اللہ عنہا

(۵) اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت خزَیمہ رضی اللہ عنہا

(۶) اُمّ المؤمنین حضرت اُم سَلمہ بنت ابی اُمیہ رضی اللہ عنہا

(۷) اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جَحش رضی اللہ عنہا

(۸) اُمّ المؤمنین حضرت جُویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

(۹) اُمّ المؤمنین حضرت صَفیہ بنت حُیَی رضی اللہ عنہا

(۱۰) اُمّ المؤمنین حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

(۱۱) اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

آنحضرت ﷺ کے ہر نکاح میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور مقصد کارفرما نظر آتا ہے۔ خواہ یہ مصلحت اجتماعی ہو یا دینی۔

(الف) عربوں کے معاشرے میں دینی مقاصد اور اجتماعی فوائد کے لیے مختلف قبائل سے رشتۂ نکاح ضروری تھا۔

(ب) آنحضرت ﷺ کا پیغام عورتوں اور مردوں کے لیے یکساں تھا۔ تبلیغی مقاصد کے پیش نظر بے شمار احکام ربانی کو ہر دو جنسوں تک پہنچانا ضروری تھا۔ عورتوں کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عورتیں مردوں سے پوچھنا یا سننا پسند نہیں کرتیں۔

ان مسائل کی تشریح و تبلیغ کے لیے عورتیں ہی موزوں تھیں۔

Marfat.com

(ج) آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آجانا بہت بڑی عزت اور بزرگی تھی۔ اس طرح شرف زوجیت بخش کر آپ چند مصیبت زدہ خواتین کی دلجوئی فرمانا چاہتے تھے۔

(۱) آنحضرت ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۴۰ برس تھی۔ نکاح کی درخواست حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہوئی تھی۔ اور وہ پہلے دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ سن ۱۰ ۔ نبوت تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں۔ پچیس سال کے اس طویل عرصے میں آنحضرت ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ①

گویا کہ پچیس برس کی عمر سے لے کر پچاس برس کی عمر تک یعنی بھرپور شباب کا پورا زمانہ آپ ﷺ نے صرف ایک ہی نکاح پر اکتفا کیا۔

اب ان اشارات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ ﷺ کے ہر نکاح پر ایک نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ اس کا پس منظر اور وجوہات کیا ہیں؟ یہ بات بھی یاد رہے کہ ہجرت کے وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۳ برس تھی۔ ②

(۲) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ اس وقت حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۰ برس سے زائد تھی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کر کے ملک حبش میں جا آباد ہوئے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت سکران بن عَمرو رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے ایک ایسی بوڑھی بیوہ کی دلجوئی فرمائی جس کا شوہر اپنے عقیدے کی خاطر وطن عزیز اور خویش واقارب کو چھوڑ کر پردیس کی مصیبتیں جھیلتا رہا۔

ایسی بوڑھی بیوہ بڑی غمزدہ اور بے یارومددگار تھی۔ اس کا باپ بہت بوڑھا اور ضعیف و ناتواں ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے ازراہِ شفقت و دلجوئی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ہجرت سے چند ماہ پیشتر اپنے عقد نکاح میں لے لیا۔ ③

(۳) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ حضرت ابو بکر

① ابن اسحاق، السیرۃ النبویۃ، ص: ۱۲۸

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۹۰۲

③ ابن الجوزی، الوفا: ۲/ ۲۰۴

Marfat.com

صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے ایثار وقربانی کا صلہ دیا جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے سے عورتوں کے مسائل واحکام کی تبلیغ وتشریح کر دی جائے۔ کیونکہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سب سے کم عمر تھیں۔ مسائل کو سمجھنے اور پہچاننے کا سلیقہ بہت زیادہ تھا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دو ہزار سے زائد (۲۲۱۰) احادیث کتابوں میں موجود ہیں۔ ①

(۴) حضرت حَفصہ بنت الفاروق رضی اللہ عنہا کے شوہر غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کی دلجوئی کی خاطر انھیں سن ۳۔ ہجری میں اپنے نکاح میں لے لیا۔ ②

(۵) حضرت زینب بنت خُزیمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح طفیل سے دوسرا عبیدہ سے اور تیسرا عبداللہ بن جَحش سے ہوا۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۳۔ ہجری میں ان سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد صرف دو تین مہینے زندہ رہیں۔ ③

(۶) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد بڑی مصائب اور تکالیف سے دو چار ہوئیں۔ پہلے ہجرت حبش میں شریک ہوئیں، پھر واپس آ کر کی مدینے کو ہجرت کی۔ اسلام کی خاطر بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ ان کے شوہر ابوسَلمہ نے جنگِ بدر و اُحد میں شرکت اور غزوہ اُحد میں شہادت پائی۔ ان کے ایثار اور قربانی کے پیش نظر ابوسلمہ کی شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سن ۴۔ ہجری میں نکاح کر لیا۔ ④

(۷) حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت قدیم الاسلام تھیں۔ وہ اور ان کا شوہر ملک حَبَش کو ہجرت کر گئے تھے لیکن ان کا شوہر عیسائیوں میں بیٹھ کر عیسائی ہو گیا، مگر وہ اسلام پر قائم رہیں۔ اُنھوں نے اسلام کی خاطر وطن عزیز کو چھوڑا۔ خویش واقارب کو خیر باد کہا۔ پردیس میں خاوند کا سہارا تھا۔ جب وہ بھی مرتد ہو گیا تو یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو نکاح کا پیغام

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/ ۴۳۵، ۴۳۹

② ابن حجر، الاصابۃ: ۱۳/ ۲۸۵

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/ ۴۰۹

④ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/ ۴۹۳

Marfat.com

بھیج کر اپنے عقد میں لے لیا۔ ①

(۸) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ حضرت زید بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ زید رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی اور منہ بولے بیٹے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ حضرت زینب اور زید کے نکاح کے بعد طلاق ہو جائے اور حکمت یہ تھی کہ جاہلیت کی ایک رسم کو توڑا جائے۔ عرب منہ بولے فرزند کو حقیقی بیٹے کا درجہ دے کر اس کی بیوی سے شادی بیاہ جائز نہ سمجھتے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے عقد نکاح میں لے کر جاہلیت کے رسم و رواج اور تصورات کو باطل ٹھیرا دیا۔ ②

(۹) حضرت جُویریہ رضی اللہ عنہا بنو مُصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ سن ۵ ہجری میں جنگی قیدیوں میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ زرِ فدیہ لے کر آزاد کرنے کے لیے آمادہ تھے لیکن حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آزادی و حُریت حاصل کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت چاہی اور ساتھ ہی اپنے خاندان کی شرافت و عزت کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا زرِ فدیہ ادا کر کے اسے آزاد کر دیا۔ پھر اس کی خاندانی سیادت و بزرگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو عقد نکاح میں لے لیا۔ بنو مصطلق کی یہ عزت افزائی دیکھ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اسیرانِ جنگ کو آزاد کر دیا۔ بنو مصطلق نے یہ حسن سلوک دیکھا تو وہ اسلام لے آئے۔ اس طرح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح دو گونہ فوائد کا باعث ہوا۔ ایک تو بنو مصطلق کے قیدیوں کو رہائی مل گئی، دوسرے بنو مصطلق اسلام کی نعمت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ③

(۱۰) حضرت صَفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا ایک معزز یہودی خاتون اور یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ اُن کا باپ حیی اور ان کا خاوند کنانہ بن ابی الحُقیق دونوں غزوہ خیبر میں مارے گئے تھے۔ حضرت

① طبری، السمط الثمین: ۱۴۴

② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/۴۰۶

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/۳۶۷

Marfat.com

صفیہ جنگی قیدیوں میں گرفتار ہو کر آنحضرت ﷺ کے حصے میں آئی تھیں۔ آپ ﷺ نے اسے آزاد کر کے اپنے عقد نکاح میں لے لیا۔ ایک سردار کی بیٹی اور معزز خاتون کی دلجوئی اور شرافت کا یہی تقاضا تھا کہ وہ حرم رسول کا شرف پائے۔ ①

(۱۱) حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا مکے کی بڑی معزز خاتون تھیں۔ ان کے دو شوہر وفات پا چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے سن ۷۔ ہجری میں عمرہ کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق آپ ﷺ سے ذکر کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی دلجوئی کی خاطر ان سے نکاح کر لیا۔ ②

❀❀❀

① ابن الجوزی، الوفا: ۲/ ۲۰۴

② الصالحی، کتاب ازواج النبی ﷺ، ص: ۱۹۷

Marfat.com

۴۔اولادِ نبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں ۔ پہلے مولود حضرت قاسم علیہ السلام تھے ۔ یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے ۔ بچپن میں داغِ مفارقت دے گئے تھے ۔ اُنھی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی ۔

آپ ﷺ کے دوسرے فرزند حضرت عبداللہ علیہ السلام تھے ۔ ان کا لقب طیب اور طاہر بھی تھا ۔ آپ مکہ مکرمہ میں بعثت نبوی کے بعد پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی ۔

تیسرے فرزند مدینے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ماریہ خاتون کے بطن سے سن ۸ ۔ہجری میں پیدا ہوئے تھے ۔ ابھی دودھ پیتے بچے ہی تھے کہ سن ۱۰ ۔ہجری میں اللہ کو پیارے ہو گئے ۔

نبی کریم ﷺ کی چاروں دختران طاہران حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں ۔ سب دختران کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی ۔

(۱) حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت قاسم علیہ السلام سے چھوٹی اور باقی اولاد سے بڑی تھیں ۔

(۲) حضرت رُقَیَّہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں ۔

(۳) حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں ۔

(۴) حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں ۔ ①

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی ۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ہی ایمان لے آئی تھیں لیکن ان کے شوہر سن ۶ ۔ہجری کے بعد مسلمان ہوئے ۔

آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۳ برس کی تھی کہ حضرت رُقَیَّہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں ۔ ان کا نکاح مکے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا ۔ پہلے حبشہ کو ہجرت کی ، پھر ہجرت کر کے مدینہ آ گئے ۔ حضرت

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۹۰

Marfat.com

رُقیہ رضی اللہ عنہا نے سن ۲۔ہجری میں انتقال فرمایا۔ ①

سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری دختر ہیں۔سیدہ رُقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا اور اسی وجہ سے ان کو ذوالنورین کا خطاب ملا۔سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے سن ۹۔ہجری میں وفات پائی۔ ②

سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور پیاری بیٹی ہیں۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۴۱ برس کی تھی۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ بدر کے بعد ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادیں حضرت امام حسن، امام حسین رضی اللہ عنہما، سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات سن ۱۱۔ہجری میں ہوئی۔ ③

❀❀❀

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳۹۸/۴

② الاصبہانی، معرفۃ الصحابۃ: ۲۴۵/۱

③ ابن حجر، الاصابۃ: ۸۷/۱۴

Marfat.com

۵۔ مُعجزاتُ النبی ﷺ

معجزہ کا مفہوم ''خرقِ عادت'' ہے۔ معجزہ انبیاء علیہم السلام کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس وقت دوسروں کو ویسا کرنے سے عاجز بنادے۔① معجزہ کے لیے قرآن وحدیث میں آیت یعنی نشانی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ہمارے رسولِ مقبول حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات عطا کیے۔ یہاں صرف چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) حُدَیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے وضو کیا۔ پانی ایک چھاگل میں تھا۔ مسلمان اسے دیکھ کر ٹوٹ پڑے۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پانی نہ وضو کے لیے ہے نہ پینے کے لیے صرف یہی چھاگل ہے جو حضور ﷺ کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ نے اسی برتن میں ہاتھ رکھ دیا۔ بس پھر کیا تھا، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔ پندرہ سو مسلمانوں نے وضو کیا اور خوب پانی پیا۔②

(۲) دوسرے دن آنحضرت ﷺ حدیبیہ نامی کنویں پر تشریف لے گئے۔ کنویں کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ پانی منگوا کر کُلّی کی اور کنویں میں ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کنویں سے پانی لیا اور سیراب ہو گئے۔③

(۳) جنگ خندق میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ کو باندھ رکھا ہے۔ اُنھوں نے اپنے گھر میں جا کر بتایا۔ ان کی زوجہ محترمہ نے کھانا پکایا اور آنحضرت ﷺ کو دعوت بھیج دی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ۱۰۰۰ ساتھیوں کو لے کر میزبان کے مکان پر جا پہنچے۔ گھر والے گھبرا گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی وجہ سے کھانے میں اتنی

---

① الجرجانی، کتاب التعریفات، ص: ۲۱۹

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۵۷۶

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۵۷۷

Marfat.com

برکت پیدا کردی کہ ساری جماعت نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ ①

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھلایا، اس کے دو ٹکڑے تھے، کوہ حرا دونوں ٹکڑوں کے درمیان تھا۔ ②

❀❀❀

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۱۰۱، ۴۱۰۲

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۶۳۷

Marfat.com

خِلافتِ راشدہ

۱۱ھ تا ۴۰ھ

۶۳۲ء تا ۶۶۱ء

خلافت راشدہ تاریخِ اسلام کا زرّیں عہد ہے۔ اس عہد میں حاکم ومحکوم کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ خلیفہ بھی اپنے آپ کو مسلمان قوم کا ایک فرد سمجھتا تھا۔ لباس خوراک اور بود و باش میں امیر المؤمنین کو کوئی امتیاز حاصل نہ تھا۔ وہ عوام میں رہتا اور عوام میں گھومتا پھرتا تھا۔ اس کا معیارِ زندگی عوام کے معیار زندگی سے بلند نہ تھا۔

اگر وہ عوام میں بیٹھا ہوتا تو اجنبی آدمی کے لیے خلیفہ کو پہچاننا بڑا مشکل تھا۔

وہ عوام کی ضروریات کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ رعایا کے ہر فرد سے عدل و انصاف کرنا وہ اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا۔

خلافت راشدہ میں مسلمانوں کے سیاسی اور مُلکی مسائل باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔

خلافتِ راشدہ اسلامی جمہوریت کا مثالی دَور ہے۔

❀❀❀

Marfat.com

باب اوّل

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۱۱ھ تا ۱۳ھ = ۶۳۲ء تا ۶۳۴ء

خلافتِ راشدہ

حضرت رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار جان نثار ساتھیوں نے باری باری اسلامی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ چاروں صحابی رضی اللہ عنہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یعنی نائب اور جانشین مشہور ہوئے۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ چاروں خلفاء کا عہد حکومت تقریباً ۳۰ برس تک رہا۔ ان خلفاء کو خلفاءِ راشدین اور خلفاءِ اربعہ بھی کہتے ہیں۔ یہ چاروں خلیفہ نہایت پاکباز، متقی اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے سے سرشار تھے۔ ان کا ہر کام اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور بہبود کے لیے تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے انتہائی کوشش کی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور احکام الٰہی کا نفاذ کیا جائے۔ ان بزرگوں کے اس مبارک عہد حکومت کو خلافتِ راشدہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

تاریخ اِسلام میں یہ عہدِ میمنت مہد اسلامی جمہوریت کی بہترین یادگار ہے۔ اگر اس تیس سالہ دورِ حکومت کو تاریخ اسلام کا زرّیں عہد کہیں، تو بے جا نہ ہوگا۔ اس عہد میں مسلمانوں کے تمام سیاسی اور ملکی اُمور باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔

خلافتِ راشدہ میں اسلام مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔ مسلمان فوجوں نے ایران اور روم جیسی طاقتور حکومتوں کو میدانِ جنگ میں بری طرح شکست دی۔ قیصر روم کے اقتدار کو ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ پھر نہ اُٹھ سکا۔ سلطنت روما کے زرخیز اور مہذب علاقے یعنی مصر، شام اور

Marfat.com

فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ ایرانیوں کی سلطنت کو پاش پاش کر کے سارا ملک فتح کر لیا گیا۔ مسلمانوں نے تیس سال کی مختصر مُدّت میں ہزاروں میل کا رقبہ فتح کر لینے کے بعد وہاں کے باشندوں کو اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی آئین و روایات اور اسلامی نظام حکومت سے نہ محض آشنا کیا بلکہ ان کو علم و ادب اور ہنر و فن کا علمبردار بنا دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ابتدائی زندگی

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قبیلۂ تَیم بن مُرّۃ کے معزز رکن تھے اور چھٹی پشت میں آپ کا شجرۂ نسب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ، لقب عتیق و صدیق اور کنیت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھی۔ آپ کے والد کا نام ابو قحافہ عثمان بن عامر اور والدہ کا نام ام الخیر سلمیٰ بنت صَخر تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ رکھا۔ (۱)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں بڑا معزز سمجھا جاتا تھا۔ قریش کے سیاسی نظامِ حکومت میں خون بہا کے مال کی امانت داری کا عہدہ آپ ہی کے خاندان میں تھا۔ (۲)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تقریباً سن ۵۷۲ عیسوی میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور بچپن وہیں گزارا۔ جب جوان ہوئے تو کپڑے کی تجارت کرنے لگے۔ آپ کا کاروبار خوب چمکا۔ آپ ابتداء ہی سے بڑے حلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے۔ آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور خصائلِ جمیلہ کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ کی عفت و پاک دامنی، حُسن خلق، صداقت و امانت، متانت اور سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب نوشی سے بچے رہے۔ آپ کا شمار سردارانِ مکہ میں ہوتا تھا۔ آپ عربوں کی تاریخ اور نسب ناموں کے بڑے ماہر تھے۔ عمدہ خصلتوں، اچھے اخلاق اور حسنِ معاملہ کی بدولت آپ نے تجارت میں اتنی ترقی کی کہ تھوڑی مدت میں آپ کا سرمایۂ تجارت

(۱) ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۹۱/۳، ۹۴

(۲) ابن الاثیر، اسد الغابۃ: ۲۱/۳

Marfat.com

چالیس ہزار درہم تک پہنچ گیا۔ عقل و دانش کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حکمائے مکہ میں بلند درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی دانائی، عقلمندی، اصابت رائے اور معاملہ فہمی مشہور تھی۔ ①

زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کو بت پرستی سے نفرت تھی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سن و سال میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چند ماہ چھوٹے تھے۔ ②

عہد شباب ہی سے دونوں بزرگوں کے دوستانہ تعلقات و مراسم تھے۔ خیالات و رجحانات کی ہم آہنگی نے دوستانہ مراسم کو اور زیادہ مستحکم کر دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے خوب واقف تھے۔

جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور صدیق کا لقب پایا۔ ③

اسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے مراسم و روابط اتنے بڑھ گئے کہ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے جاتے اور ادھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر شمع رسالت کے پروانے بن گئے۔ ④

آپ رضی اللہ عنہ کو مردوں میں اسلام قبول کرنے کا شرف اولیت حاصل ہے۔ ⑤ اسلام لے آنے کے بعد تجارتی کاروبار ترک کر کے آپ تبلیغ و دعوت میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔

آپ کی کوششوں سے بہت سے معزز لوگوں نے اسلام قبول کر لیا جن میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان بزرگوں کے اسلام قبول کر لینے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی۔ ⑥

① ابن عبد البر، الاستیعاب: ۹۴/۳

② ابن حجر، الاصابۃ: ۲۷۱/۶

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۶۷۵

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۰۷۹

⑤ محمد بن عیسی، جامع الترمذی: ۳۷۳۴، ۳۷۳۵

⑥ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۵۰/۱

Marfat.com

حضرت ابوبکر صدیق ؓ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت پر ایمان محکم اور یقین کامل رکھتے تھے۔ دنیا کی کوئی قوت آپ کے ایمان و یقین کو متزلزل نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت ابوبکر ؓ کو نبی کریم ﷺ پر اتنا اعتماد اور بھروسہ تھا کہ جب آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکر ؓ کسی حیل و حجت کے بغیر فوراً ایمان لے آئے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ایمان ایسا محکم تھا کہ کفار کی ایذا رسانی اور قریش کی مخالفت سے آپ کے ایمان میں ہرگز فرق نہ آیا۔ جب معراج کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کا تذکرہ کیا کہ آپ ﷺ کو مکے سے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی اور آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی تو مشرکین مکہ مذاق اڑانے لگے اور کہنے لگے کہ قافلے تو دو مہینے میں آ جا سکے اور حضرت محمد ﷺ ایک رات میں ساری مسافت طے کر لیں۔ اس واقعہ معراج پر اتنی لے دے ہوئی کہ بعض کمزور ایمان والے مسلمانوں کے پاؤں بھی ڈگمگانے لگے۔ بعض مشرکوں نے کہا کہ چلو ابوبکر ؓ کو بھی سنا دیں کہ اس کا دوست کیا کہتا ہے۔ جب وہ حضرت ابوبکر ؓ کے پاس پہنچے اور معراج کا قصہ سنایا تو حضرت صدیق ؓ نے جواب دیا:

> ”یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اگر آپ ﷺ نے یہ بیان فرمایا ہے تو بالکل سچ ہے۔ میں نے تو آپ ﷺ کو نبی اور رسول تسلیم کیا ہے اور میں اس بات پر بھی پورا ایمان رکھتا ہوں کہ رات ہو یا دن۔ آپ ﷺ کو آسمان سے چند لمحوں میں خبریں پہنچ جاتی ہیں۔“

پھر حضرت ابوبکر ؓ جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معراج کا سارا قصہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر فوراً تصدیق کی اور صدیق کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔[1] حضرت ابوبکر ؓ کا اکثر وقت نبی کریم ﷺ کی صحبت میں گزرتا۔ جب آپ کو علم ہوتا کہ غریب اور بے کس مسلمان قریش مکہ کے جور و ستم کا تختۂ مشق بن رہے ہیں تو آپ بھاگے بھاگے جاتے اور ان غریب مسلمانوں کو ان کے مظالم سے نجات دلاتے۔

① احمد بن حنبل، المسند: ۲۸۱۹

Marfat.com

جب تک نبی کریم ﷺ مکے میں تشریف فرما رہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے دستِ راست اور محرمِ اسرار رہے۔ جب ہجرت کا وقت آیا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمرکاب ہو کر یارِ غار بننے کا فخر حاصل ہوا۔ ①

مدینے میں پہنچ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سُخ میں حضرت خارجہ بن زید خزرجی کے ہاں قیام فرمایا۔ ② ہجرت کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کو سعادت دارین سمجھا اور جان نثاری و فدا کاری کے لحاظ سے سب سے بڑھ گئے۔ نبی کریم ﷺ کو بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اتنا اعتماد اور بھروسہ تھا کہ آپ ﷺ ہر معاملے میں ان کی رائے لیتے اور بقول ابن خلدون قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں سے واقف لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ کا وزیر کہا کرتے تھے۔ ③

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کا پورا ساتھ دیا۔ سفر و حضر، صلح و جنگ میں ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہر معرکے میں شریک ہوئے اور جانی و مالی قربانی سے کبھی دریغ نہ کیا۔

سن ۹ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکے روانہ فرمایا۔ ④ پھر حجۃ الوداع میں بھی رفاقتِ نبوی ﷺ کا شرف حاصل کیا۔ جب حج سے واپسی پر نبی کریم ﷺ سخت بیمار ہو گئے اور مسجد میں تشریف لانے کے قابل نہ رہے تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کی امامت کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی علالت کے دوران میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ ⑤

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۶۵۳

② سہیلی، الروض الانف: ۲/۲۳۷

③ ابن خلدون، التاریخ: ۱/۲۳۷

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۶۳

⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۶۱۷

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت اپنا کوئی جانشین نامزد نہ فرمایا۔ والی اور حکمران کا انتخاب جمہور مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انصار مدینہ بنوساعدہ کے ہال (سقیفہ) میں جمع ہوئے اور خزرجی سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے انھیں مسلمانوں کا امیر اور حاکم بنانے پر تل گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار تھے۔ انھیں بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں لایا گیا۔ اُنھوں نے انصار کی خدمات کا تذکرہ کر کے انصار کی فضیلت کا اعلان کیا۔ سب انصار انھیں مسلمان قوم کا امیر بنانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں جا پہنچے۔ بات بہت طول پکڑ گئی، انصار کہنے لگے کہ ہم اپنا امیر الگ بنا لیتے ہیں۔ مسلمان خطرناک موڑ پر کھڑے تھے۔ جو قوم کل شام تک متحد اور منظم تھی۔ آج متفرق اور پریشان حال نظر آ رہی ہے۔ حزبیت اور جماعتی تعصب غالب آ جانے سے اسلامی وحدت پارہ پارہ ہونے کو تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بدولت جھگڑا ہوتے ہوتے رہ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر انصار کے اجتماع میں تقریر کی اور انصار کی خدمات اور فضیلت کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> ''اے انصار! تم اللہ کے دین اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار رہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تمھارے پاس آ بسے۔ تمھاری فضیلت مسلم، تمھاری قربانی اور ایثار سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ مہاجرین اوّلین کا درجہ بھی کچھ کم نہیں۔ اُنھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت ساتھ دیا، جب ساری دُنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن تھی۔ مہاجرین نے اسلام کی خاطر بڑی مصیبتیں برداشت کیں۔ بڑے دُکھ سہے اور بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ وہ دُنیا میں پہلے مسلمان تھے جنھوں نے خدائے واحد کی پرستش کی۔ ان کے حقوق کو کسی طرح پامال نہیں کیا جا سکتا۔ اے

Marfat.com

انصار! ہم مہاجرین امیر ہیں اور تم وزیر۔ تمھارے مشورے کے بغیر کوئی کام انجام نہ پا سکے گا۔" ①

جب انصار پھر بگڑتے نظر آئے تو پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر یہ الفاظ کہے۔

"اے ابوبکر! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں نماز پڑھانے کے لیے نہ کہا تھا۔ پس تم ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہو۔ ہم تمھاری بیعت کرتے ہوئے حلف وفاداری اُٹھاتے ہیں۔"

یہ الفاظ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو خلیفہ مان لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فراست ایمانی اور فہم وتدبر کی بدولت مسلمان ایک بہت بڑے خطرے سے بچ گئے۔ سقیفہ بنی ساعدہ سے نکل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے، شام کا وقت تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید ہمارے لیے چراغ راہ ہے۔ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہونے پاؤ گے۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہترین امیر دے دیا ہے۔ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور یارِ غار ہیں، اُٹھو اور ان کی بیعت کرو۔"

سب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ ②

مسند خلافت سے پہلی تقریر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد تقریر میں اسلامی جمہوریت کے دستورِ اساسی کا یوں اعلان فرمایا:

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۲۹/۲

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۸۳۰

Marfat.com

''اے لوگو! میں تمھارا حاکم اور امیر بنایا گیا ہوں۔ اگرچہ میں تمھاری جماعت میں سے بہترین نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت وامداد کرو۔ اگر برائی کا ارتکاب کروں تو میری اصلاح کردو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تمھارا کمزور شخص بھی میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلا دوں۔ تمھارا طاقتور فرد میری نظروں میں کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کو حق دلا دوں۔ یاد رکھو کہ جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے، اللہ اسے ذلیل وخوار کرتا ہے اور جس قوم میں بدکاری گھر کر لیتی ہے۔ اللہ اس کو مصیبتوں میں گرفتار کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تم بھی میری فرمانبرداری کرو۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑ لوں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔'' ①

پہلا سیاسی منشور

مسلمان قوم کا امیر اور خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی تقریر میں چند ضروری اُمورِ سلطنت اور سیاست کاری کے اہم اُصولوں کی جانب توجہ دلائی۔ آپ کا یہ خطبہ دنیا میں پہلی اسلامی جمہوریت کے ایک سیاسی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل چیزوں کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ جمہور کے فائدے اور بہبود کا خیال رکھے۔ جمہور کا یہ فرض ہے کہ وہ حتی الامکان حکومت سے تعاون کریں۔ اگر حکومت کی پالیسی عوام کے لیے نقصان دہ ثابت ہو تو عوام کا فرض ہے کہ حکومت کی اصلاح کریں اور حکومت کی غلط رَوِش پر اُسے متنبہ کر دیں۔

(۲) حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ رعایا کے حقوق کی نگہداشت کرے۔ کسی

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۱۰/۳

Marfat.com

طاقتور کو یہ موقع نہ دے کہ وہ کسی کمزور شخص کے حقوق کو پامال اور غصب کرے۔ عدل وانصاف کے بارے میں حق کا ساتھ دیا جائے۔ کمزور وناتواں افراد کو کسی زبردست کا تختۂ مشق نہ بننے دیا جائے۔ شہری حقوق کی پوری پوری حفاظت اور نگہداشت کرنا عادل حکمران کا اوّلین فرض ہے۔

(۳) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی بھی وضاحت فرما دی کہ اسلامی جمہوریت میں امیر کی اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ حکمران اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ جب حاکم وقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرنے لگے تو پھر اس کی اطاعت لازمی نہیں رہتی۔

(۴) اس تقریر میں اجتماعی نفسیات پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکومت کا یہ بھی منصب ہے کہ بدکاری اور بے حیائی کے کاموں کو سختی سے روکا جائے۔ اگر عوام بدکاری کا شکار ہو گئے تو ساری قوم مبتلائے مصیبت ہو جائے گی۔

(۵) عزت کی زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عوام جہادِ فی سبیل اللہ کی تیاری کرتے رہیں۔ اگر جذبۂ جہاد ختم ہو جائے تو ذلت وخواری قوم پر مسلط ہو جاتی ہے۔ بقائے اصلح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک وملت کی زندگی کا راز سپاہیانہ زندگی اور جذبۂ قربانی میں مضمر ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مشکلات

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ابتدائے عہد سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ہر موقع پر آپ کے ناخنِ گرہ کشا کے سامنے تمام مشکلات ایک ایک کر کے کافور ہوتی چلی گئیں۔

(۱) ابھی آپ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے نہ پائے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر کئی قبیلوں نے اسلام سے منہ موڑ لیا۔

Marfat.com

(۲) بعض قبائل نے مسلمان رہ کر زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔
(۳) ملک میں کئی لوگوں نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کر کے عوام کو ورغلانا اور اسلام کے خلاف اُکسانا شروع کر دیا۔
(۴) شمال کی جانب شامی سرحدیں غیر محفوظ تھیں اور جنگ مُوتہ کے شہیدوں کا انتقام لینا بھی ضروری تھا۔ اس لشکر کے لیے جو سپہ سالار مقرر ہوئے، انھیں عوام کی ہمدردی حاصل نہ تھی۔ ①

یہ تمام مشکلات تھیں جو صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آغازِ خلافت ہی میں پیش آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بڑی استقامت، پامردی اور جرأت و ہمت سے ان تمام مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور سیاسی تدبّر، ایمانی بصیرت، دُور اندیشی اور جوشِ اسلامی سے ایک ایک کر کے سب مشکلات کو سر کر لیا۔

لشکرِ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روانگی

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے جنگ مُوتہ کے شہیدوں کا انتقام لینے کے لیے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا اور حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جیسے نوجوان کو سپہ سالار نامزد فرمایا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید علالت اور پھر وفات کی وجہ سے لشکر کی روانگی میں تاخیر ہو گئی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کا حکم صادر فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کو ناپسند کیا اور کہا کہ جزیرۂ عرب میں بغاوت کے آثار نمایاں ہیں، مخالف قوتیں پھر زور آزمانے پر تُلی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں بہتر یہی ہے کہ فوج کو اندرونی خلفشار اور شورش کو دبانے کے لیے ملک ہی میں رکھا جائے۔ سر دست لشکرِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف نہ بھیجا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُن کا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اندرونی شورشیں اتنی اہم نہ تھیں جتنی غیر ملکی سرحدوں کی مضبوطی اور استحکام۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت کے باوجود بیس برس سے کم عمر کے نوجوان سپہ سالار حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں اسلامی لشکر کو شام کی

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/۷

Marfat.com

طرف روانہ فرمادیا۔ ①

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار نامزد کرتے وقت فرمایا تھا کہ سرزمین فلسطین کے سرحدی علاقوں بالخصوص بَلقاء اور داروم کو پامال کرتے ہوئے دشمنانِ خدا پر صبح سویرے حملہ کرکے اُنھیں تہس نہس کردو اوران کی بستیوں کو نذر آتش کردو۔ رازداری سے کام لینے کے لیے ہدایت فرمائی اور حکم دیا کہ جب فتح مکمل ہوجائے تو مالِ غنیمت لے کر مظفر و منصور جلدی واپس پہنچو۔ ②

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا بڑا کڑا امتحان تھا۔ ذرا غور فرمایئے کہ ایک شخص کتنی لے دے کے بعد امیر منتخب ہوتا ہے اور ابھی مسندِ امارت پر متمکن بھی نہیں ہونے پاتا کہ اندرونِ ملک میں شورش کی آندھی اور بغاوت کا جھکڑ مضبوط ایمان والوں کے لیے بھی خطرہ بن گیا ہے۔ سارا ملک شورش و بغاوت پر آمادہ نظر آتا ہے۔ قدرتی طور پر جی چاہتا ہے کہ ایسے حالات میں اندرونی بغاوت کو فرو کرنے اور منکرین زکوٰۃ اور جھوٹے دعوے دارانِ نبوّت کو کچلنے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرلی جائے اور عارضی طور پر ملک سے باہر جانے والی فوج کو روک لیا جائے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا محکم ایمان اور بے پناہ اخلاص ومحبتِ رسول اس بات کے متقاضی تھے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی تعمیل ہر حالت میں اوّلین توجہ اور پہلی فرصت کی مستحق ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عزم کے بڑے پکّے تھے اور ایمان کے بڑے مضبوط۔ آپ نے سب باتوں کا جواب جس انداز سے دیا اس سے آپ کے ایمان اور اسلام کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ یقین ہو کہ شہر خالی ہوجانے کے بعد درندے مجھے نوچ کھائیں گے تو بھی میں امتثالِ

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/۳۱۸، ۳۳۴

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۶۰۶

Marfat.com

امر نبوی ﷺ میں اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔ اگر میرے سوا مدینے میں کوئی شخص بھی باقی نہ رہے تو مجھے پروا نہیں۔ میں اکیلا تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کروں گا۔ لیکن اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر سرحد شام کی طرف ضرور کوچ کرے گا۔"

جب انصار کا یہ پیغام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہنچا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ ناتجربہ کار اور چھوٹی عمر والے ہیں۔ کسی تجربہ کار اور بڑی عمر کے شخص کو سپہ سالار مقرر کر دیا جائے تو بہتر ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے غضبناک ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے:

"اے ابن خطاب! تمہاری ماں تمہیں کھو دے اور تم سے محروم ہو جائے! کیا تم مجھے یہ مشورہ دینے آئے ہو کہ میں اس شخص کو معزول کر دوں جسے رسول خدا ﷺ نے مقرر فرمایا ہے؟"

یہ غضبناک جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموشی سے واپس چلے گئے اور لوگوں سے کہا کہ جاؤ چلے جاؤ تمہاری وجہ سے آج مجھ کو رسول خدا ﷺ کے خلیفہ سے ڈانٹ سننی پڑی ہے۔

وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بذات خود مدینے سے باہر تک فوج کو رخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیدل تھے۔ ان کی سواری کے جانور کو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھامے چل رہے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ انہوں نے بار بار چاہا کہ خود بھی نیچے اتر آئیں یا پھر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ بھی سوار ہو جائیں۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے پیدل چلنے پر اصرار کرتے ہوئے فرمایا:

"بخدا! نہ تم اترو گے نہ میں سوار ہوں گا۔ میرا کیا حرج ہے اگر راہ خدا میں چند لمحوں کے لیے میرے قدم بھی غبار آلود ہو جائیں۔"

پھر لشکر کو روانہ کرتے ہوئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا اگر مناسب سمجھو تو عمر رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ جاؤ تاکہ وہ میری اعانت کر سکے۔ چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر

① ابن اثیر، الکامل، ج ۲ ص ۔۔۔

Marfat.com

چھوڑ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس چلے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو الوداع کہتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی:

''اے لوگو! ذرا رُک جاؤ! میں تمھیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ میری اس نصیحت پر ضرور عمل کرنا ہوگا:

(۱) خیانت نہ کرنا۔

(۲) مال نہ چھپانا۔

(۳) بے وفائی نہ کرنا۔

(۴) کسی مقتول کا ناک، کان کاٹ کر مُثلہ نہ کرنا۔

(۵) کسی چھوٹے بچے، بڈھے ضعیف اور عورت کو قتل نہ کرنا۔

(۶) کھیتوں اور باغات کو نذرِ آتش نہ کرنا۔

(۷) پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا۔

(۸) کھانے کے سوا مویشیوں کو بے کار ذبح نہ کرنا۔

(۹) جو لوگ ترکِ دنیا کر کے خانقاہوں میں گوشہ نشین ہو چکے ہیں، انھیں اپنی حالت پر چھوڑ دینا۔

(۱۰) جب لوگ تمھارے لیے مختلف قسم کے کھانے برتنوں میں ڈال کر لائیں تو بسم اللہ پڑھ کر کھانا۔''[۱]

جب حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا تو فرمایا:

''وہی کرو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ قُضاعہ کے علاقے سے ابتداء کرو، پھر آبِل پہنچو۔ یاد رکھو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔''

---

[۱] ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۲۶/۳

Marfat.com

یہ ہدایات حاصل کر کے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ شمال کی جانب روانہ ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینے واپس تشریف لے آئے۔ ①

اُسامہ رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور واپسی

نوجوان سپہ سالار کی زیرِ قیادت اسلامی لشکر صحراؤں کے سینے چیرتا، مئی جون کی شدت کی گرمی برداشت کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا اور مسلسل بیس دن کے سفر کے بعد علاقہ بَلقاء کے اس مقام پر جا پہنچے جہاں جنگِ مُوتہ ہوئی تھی اور جہاں نوجوان سپہ سالار کے والد بزرگوار حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تھے۔ ②

لشکر نے وہاں پڑاؤ کیا اور وہاں سے آبل پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شہسواروں کو قبائلِ قُضاعہ کے خلاف بھیجا۔ قتل و غارت گری کا بازار خوب گرم ہوا۔ مسلمان سواروں نے دشمنانِ اسلام کو بری طرح تہس نہس کیا۔ دشمنوں کے علاقے کو تاخت و تاراج کر کے چالیس اور بعض کے نزدیک ستر دن کے بعد حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ فتح و کامرانی کے گیت گاتے مدینے واپس تشریف لے آئے۔ آپ اسی گھوڑے پر سوار تھے جس پر ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ جلیل القدر انصار و مہاجرین کو ساتھ لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مظفر و منصور فوج کے استقبال کے لیے مدینے سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کا فلک بوس نعروں کے ساتھ پر جوش خیر مقدم کیا گیا اور حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے فوراً مسجد نبوی میں پہنچ کر دوگانۂ شکر ادا کیا اور اسلامی جھنڈا مسجد میں نصب کر دیا۔ ③

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی کامیابی اور فتح مندی نے یہ ثابت کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کتنا درست تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لشکر کو روانہ کرنے میں بالکل حق بجانب تھے۔ نیز اس

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۳۵/۲

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۶۲

③ الواقدی، کتاب المغازی: ۱۱۲۴/۳، ۱۱۲۵

Marfat.com

فتح سے مسلمانوں کی فوجی طاقت اور سیاسی تدبّر کی دھاک بیرونی قوتوں اور اندرونی دشمنوں کے دلوں پر بیٹھ گئی۔ ایک طرف تو غیر ملکی حکومتیں خوف کھانے لگیں اور دوسری طرف اندرونِ ملک میں شورش پسند عناصر کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی عسکری قوت ان کو کچل کر رکھ دے گی۔

اِنسدادِ اِرتداد

حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں بعض لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا۔ یمن میں اَسوَد عَنسی نے، بنو اَسَد میں طُلَیحہ بن خُوَیلَد نے، عُمان میں لَقِیط بن مالک نے اور یمامہ میں مُسَیلمہ کذّاب نے نبوّت کا دعویٰ کیا۔ مردوں کو دیکھ کر عورتوں کے دل میں بھی یہ ڈھونگ رچانے کا شوق چرایا۔ چنانچہ بنو تمیم کی ایک عورت سَجَاح بنت حارث بھی نبوت کی دعوے دار بن بیٹھی اور مُسلمہ کذّاب سے شادی کر لی۔ ان میں سے اسود عنسی تو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں قتل ہو کر جہنم رسید ہوا۔ باقی مُدعیان کا چراغ آفتابِ نبوّت کے سامنے جل نہ سکا۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد جھوٹے دعویدارانِ نبوت کو پَنپنے اور شرارت پھیلانے کا موقع مل گیا۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ اکثر قبائل نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن اسلام اور ایمان ان کے دلوں میں اچھی طرح جاگزیں نہ ہوا تھا۔ وصالِ نبوی ﷺ کے بعد انھیں انحراف کا موقع مل گیا۔ نیز قبائلِ عرب سیاسی طور پر آزادی اور خود مختاری کے عادی تھے۔ ہر قبیلے کو اپنے علاقے میں خود مختاری حاصل تھی۔ وہ کسی کے باجگذار رہنے کے خوگر نہ تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد جب انھیں زکوٰۃ دینی پڑی تو انھیں یہ بات بڑی ناگوار گزری۔ اب موقع کو غنیمت سمجھ کر زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ قبائلی تعصب کی بنا پر ان مدعیان کو عارضی کامیابی ہونے لگی اور اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں کہ بنو اسد کا نبی طُلیحہ ہمیں قریش کے نبی حضرت محمد ﷺ سے زیادہ عزیز و پسندیدہ ہے۔ وہ وفات پا چکے ہیں اور طلیحہ زندہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبائل اپنے ہم قبیلہ مدعی نبوت کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس طرح کئی قبائل عرب اسلام سے منحرف ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ [1]

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۷/۷

Marfat.com

منکرین زکوٰۃ سے جہاد

مرتد قبائل نے مسلمان مُحصّلین زکوٰۃ کو اپنے علاقوں سے نکال دیا اور بعض کو تو شہید بھی کر دیا۔ قبائل کے ارتداد کی خبریں مدینے میں پہنچیں تو مسلمان بڑے پریشان ہوئے۔ جب قبائلی لشکر جمع ہو کر مدینے پر دھاوا بولنے کی تدبیریں سوچنے لگے تو مسلمانوں کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی۔ مسلمانوں کا دارالخلافہ مدینہ خطرے میں تھا۔ آس پاس کے قبائل بالخصوص بنو عبس، بنو ذُبیان اور ان کے ہمنوا قبائل (کِنانہ، فَزارہ، غطفان) مدینے پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ایک قبائلی لشکر نے مدینے کے باہر کچھ فاصلے پر آ ڈیرے ڈالے۔ لشکر کا ایک حصہ اَبرق میں اور دوسرا ذوالقَصّہ میں موقع کی تاک میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ ساتھ ہی قبائل نے اپنا وفد مدینے بھیجا تاکہ وہ معززین شہر سے مل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر رضامند کر لیں کہ قبائل عرب نماز تو پڑھیں گے لیکن انھیں زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اگر زکوٰۃ کے سلسلے میں اونٹ کی رسی کے برابر مال بھی کسی کے ذمہ ہوا تو میں اس کی وصولی کے لیے جہاد کروں گا۔

ادھر قبائل کا وفد یہ سن کر واپس چلا گیا۔ وفد نے لوگوں کو بتایا کہ مدینہ بالکل غیر محفوظ ہے۔ ایک ہلّہ بول کر مدینے کو فتح کر لینا کوئی مشکل نہیں۔ اُدھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبائل کے بدلتے تیور دیکھ کر مدینے کی حفاظت کا بندوبست کرنے لگے۔ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے خطرے سے آگاہ کیا اور شہر کی حفاظت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیرِ نگرانی فوجی دستے مقرر فرما کر شہر کے دروازوں پر چوکیاں بٹھا دیں اور مدینے کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہو کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہو جائیں۔ تین دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ قبائل کے حملے کی خبر آ پہنچی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مختصر جماعت کے ساتھ بڑی پامردی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ دشمن کثرت تعداد اور فوجی ہتھکنڈوں کے باوجود مقابلے پر ٹھہر نہ سکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذوالقَصّہ کے مقام تک تعاقب کر کے دشمنوں کو بری طرح شکست دی۔ ①

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۲۴۴

Marfat.com

ذوالقصہ کے مقام پر مرتد قبائل کی ہزیمت نے دوسرے قبائل کے حوصلے بھی پست کر دیے اور بغاوت و سرکشی کا جذبہ اطاعت کی شکل اختیار کرنے لگا۔ ہر قبیلے کے مسلمان مالِ زکوٰۃ لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

بنوتمیم کے سرداروں نے زکوٰۃ ادا کرنے میں پہل کی۔ پھر قبیلہ طی کی زکوٰۃ آ پہنچی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کے استحکام کا بندوبست کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم بالکل ہلاکت کے قریب پہنچ چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صورت میں نمودار ہوئی۔ اُنھوں نے ہمیں دشمنانِ دین کے خلاف جمع کر کے صف آراء کر دیا۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو ہم مٹ چکے ہوتے۔'' ①

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی واپسی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمت اور بھی بلند ہوگئی اور حوصلے بڑھ گئے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف پھر ایک مرتبہ لشکر کشی پر تیار ہو گئے۔ مدینہ منوّرہ کی حفاظت لشکرِ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ خود فوج لے کر نکل پڑے اور اَبرَق پہنچ کر دَم لیا۔ وہاں بنوعبس، بنوذُبیان، بنوبکر وغیرہ قبائل کی سرکوبی کر کے انھیں جلاوطن کر دیا۔ یہ قبائل اطاعت اختیار کرنے کی بجائے دشمنِ اسلام طلیحہ بن خُویلد کذّاب سے جا ملے۔ ②

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبائل کی سرکشی اور بغاوت کو کب گوارا کرنے والے تھے۔ آپ نے مدینے پہنچ کر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ازسرنو ترتیب دیا۔ فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ امیر کے ماتحت ذوالقَصّہ سے مختلف علاقوں کی طرف روانہ فرمایا۔ تمام دستوں کے امیر مہاجرین میں سے مقرر فرمائے اور انصار کو شہر مدینہ کی حفاظت کے لیے مامور فرمایا۔ کیونکہ انصار کو خوب معلوم تھا کہ مدینے کے کن کن دروازوں سے دشمن آسکتا ہے اور شہر کی حفاظت کے لیے انھیں بہترین قوت تسلیم کیا گیا۔ ③

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۳۴۲

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۱

③ ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۳۴۶

Marfat.com

اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتد اور باغی قبائل کے نام یہ پیغام بھیجا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض عرب قبائل اسلام قبول کر لینے کے بعد شیطان کے بہکانے سے فریبِ نفس میں مبتلا ہو کر دین سے منحرف ہو گئے ہیں۔

اب میں تمھاری طرف فلاں فلاں شخص کو مہاجرین و انصار کے لشکر کے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔

میں نے یہ حکم دیا ہے کہ جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے۔ اب جو شخص اطاعت قبول کر کے اسلام میں داخل ہو جائے گا، اسے کچھ نہ کہا جائے گا اور جو لوگ اطاعت اختیار نہ کریں، اُن پر کسی قسم کا رحم نہ کیا جائے۔ انھیں بری طرح موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ اُن کی بستیوں کو نذرِ آتش کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔

میں نے اپنے نمائندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر آبادی میں میرا اعلان پڑھ کر سنا دیں۔ اطاعت کی علامت اذان ہے۔ جس بستی کے لوگ اذان پکاریں گے انھیں کچھ نہ کہا جائے گا۔''①

آپ رضی اللہ عنہ نے سپہ سالاروں کو ہدایت فرمائی کہ تلوار اُٹھانے سے پہلے مرتدین کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو اُن سے تعرُّض نہ کریں۔

مُدعیانِ نبوت کی سرکوبی

اس تیاری اور ان ہدایات کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا لشکر ملک کے مختلف اطراف و جوانب میں بھیجا۔ آپ کا اعلان ظاہر کرتا ہے کہ آپ تلوار اُٹھانے سے پہلے صلح و سلامتی کے طریقے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رحم دل اور حلیم الطبع انسان تھے لیکن دینی وقار کے معاملے میں آپ کسی نرمی اور رواداری کے قائل نہ تھے۔ آپ کا ایمان کسی جھوٹ اور باطل کے سامنے نرم روی اختیار نہ کر سکتا تھا۔ انسدادِ ارتداد کے سلسلے میں حضرت

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۵۱/۳

Marfat.com

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی بڑی قابل قدر اور آپ کا اقدام بڑا مستحسن تھا۔ اسلام کے لیے فتنہ ارتداد بڑا خطرناک موڑ تھا۔ اگر اس موقع پر ذرا نرمی اور رواداری سے کام لیا جاتا تو اسلام ختم ہو جاتا اور جاہلیت پھر غالب آجاتی۔ فوج کو از سر نو ترتیب دینے کے بعد آپ نے پہلا قدم نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے خلاف اُٹھایا اور ایک ایک کر کے سب کا قلع قمع کر دیا۔

طُلیحہ بن خُویلد پر حملہ

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بنو عبس، بنو ذُبیان اور بنو بکر مدینے پر حملہ کرنے کے لیے آئے تھے لیکن شکست کھا کر بنو اَسَد کے مُتنبّی طُلیحہ بن خویلد کے ساتھ جا ملے۔ ان کے بعد قبائلِ طَی، غَطَفان اور سُلیم بھی طلیحہ کے ہم نوا ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلیحہ بڑا طاقتور بن گیا۔ کئی وجوہات کی بناء پر ان قبیلوں کے دل مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔

(۱) وہ ہزیمت خوردہ ہونے کی وجہ سے انتقام کے لیے بے چین نظر آتے تھے۔

(۲) قبائل اپنی انفرادی قبائلی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے مدینے کی حکومت سے بغاوت کر چکے تھے۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرنے سے اس لیے گریز کرتے تھے کہ وہ زکوٰۃ کو ایک قسم کا خَراج اور باج تصور کرنے لگے تھے۔

طلیحہ اور اس کے ساتھیوں کو یقین تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں یوں ہی نہ چھوڑیں گے۔ حفاظت اور مدافعت کے پیشِ نظر طلیحہ سَمِیراء کے مقام کو چھوڑ کر بُزاخہ منتقل ہو گیا۔ اس کے نزدیک یہ جگہ زیادہ محفوظ اور جنگ کی صورت میں زیادہ موزوں تھی۔

طلیحہ شمالی نجد کے قبیلہ بنو اَسد کا ایک نامی گرامی کاہن تھا۔ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ کاہنوں کی سی مسجّع و مقفّیٰ عبارتیں بھی اس کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ ابتدائے امر میں طلیحہ کی قوت اور ماننے والوں کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی لیکن جب قبائل عرب اس کے گرد جمع ہو گئے تو وہ اپنے آپ کو طاقتور محسوس کرنے لگا۔

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فوج دے کر طلیحہ کی طرف روانہ کیا اور ساتھ ہی یہ خبر مشہور کردی کہ وہ بذات خود لشکر لے کر خیبر پہنچیں گے اور وہاں سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ مل کر مرتدین پر حملہ آور ہوں گے۔ نیز جب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ زکوٰۃ لے کر مدینے حاضر ہوئے تو انھیں بھی بتایا گیا کہ وہ قبیلۂ طی میں واپس پہنچ کر انھیں انجام سے ڈرائیں۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ قبیلۂ طی نے طلیحہ کی مدد سے دست کش ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی کوشش سے قبیلہ جدیلہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

اس طرح ایک طرف تو دشمن کا زور ٹوٹ گیا اور دوسری طرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی فوج میں ایک ہزار شہسواروں کا اضافہ ہو گیا۔

لیکن اس کے باوجود طلیحہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اس کے ساتھ عُیَینہ بن حِصن جیسا دشمنِ اسلام تھا۔ اب وہ پھر اپنی پرانی ہزیمتوں کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

خالد رضی اللہ عنہ نے اپنا پیش دستہ بھیج کر حالات کا جائزہ لیا۔ دشمن کو قوی تر دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ پھر قبیلہ طی میں واپس آئے اور مزید فوج لے کر طلیحہ اور اس کے ساتھیوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ دشمنانِ اسلام خالد رضی اللہ عنہ کے حملے کی تاب نہ لا کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ خود طلیحہ نے اپنی بیوی نوار کو لے کر ملک شام کا رُخ کیا اور ساتھیوں کو بھی تلقین کی کہ راہِ فرار اختیار کریں۔ طلیحہ کے فرار کے بعد بنو اسد نے اسلام قبول کرلیا۔ ان کو دیکھ کر بنو عامر بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عوام کو تو معافی دے دی، مگر جن لوگوں نے مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا تھا، ان سے عبرتناک انتقام لیا تاکہ آئندہ کسی دشمن دین کو مسلمانوں کے قتل کی جرأت نہ ہونے پائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو بنظر استحسان دیکھا۔ ①

عرب میں سَجاح کی آمد

طلیحہ کذّاب کو شکست دینے اور بنو اسد اور دیگر قبائل عرب کو پھر دائرہ اسلام میں داخل کر لینے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو تمیم کا رُخ کیا۔ بنو تمیم کو زمانۂ جاہلیت اور عہد نبوی

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳۲۲/۲

Marfat.com

میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ بنوتمیم کے لوگ اپنی شجاعت وسخاوت اور جوانمردی وشاعری کے لیے جزیرۃ العرب میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ کے منکرین میں بنوتمیم بھی پیش پیش تھے۔ قبیلہ تمیم کی ایک شاخ بنویربوع کے سردار مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ جمع کرنے کے بعد پھر لوگوں کو واپس کر دی اور کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اتنے میں سجاح بنت حارث عراق سے آ پہنچی۔ خود تو قبیلہ تمیم کی شاخ بنویربوع میں سے تھی لیکن اس کے ننھال بنوتغلب تھے۔ یہ عورت بڑی ہوشیار اور زیرک ہونے کے علاوہ فنِ قیادت میں بھی تاک تھی۔ وہ اپنے ساتھ ایک لشکر جرار لائی تھی۔ دعویٰ نبوت تو پہلے ہی کر رکھا تھا۔ اب حضرت رسول خدا ﷺ کی وفات کا سن کر مدینے پر حملہ کرنے کے خواب دیکھنے لگی۔

بعض مؤرخین کا یہ خیال حق بجانب معلوم ہوتا ہے کہ سجاح کے پس پشت ایک بہت بڑی سازش تھی۔ سجاح از خود الجزیرہ (عراق) سے چل کر بنوتمیم میں نہ پہنچی تھی بلکہ کسرائے ایران مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوف زدہ ہو گیا اور اس نے سوچا کہ مدینے کی حکومت برق رفتاری سے ترقی کر رہی ہے، اس کو ابھی سے مٹا دینا چاہیے، ورنہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد یہ سب حکومتیں ختم کر دے گی۔ چنانچہ سجاح ایرانی حکومت کے صوبائی حکمرانوں سے ساز باز کر کے جزیرۂ عرب میں آئی تاکہ نئی اسلامی حکومت کے خلاف شورش برپا کر کے ملک میں بغاوت پھیلا دے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے آبائی علاقے میں پہنچ کر بنوتمیم کی اعانت حاصل کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت بنوتمیم دو گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ زکوٰۃ ادا کر کے خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ دوسرا گروہ ادائے زکوٰۃ اور اطاعتِ امیر کے مخالف تھا۔ بنوتمیم حیران تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کہ اسی اثناء میں سجاح آ نمودار ہوئی۔

سجاح نے اپنے لاؤلشکر سمیت قبیلۂ بنوتمیم کی سرحد پر ڈیرے ڈال دیے اور بنویربوع کے سردار مالک بن نویرہ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینے پر حملہ کرنے کی غرض سے آئی ہے۔ مالک نے اس کے ساتھ تعاون تو کیا لیکن اس شرط پر کہ مدینے پر حملہ نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمانوں کی شوکت و قوت کا مقابلہ ممکن نہ تھا۔ البتہ مالک نے سجاح کو یہ مشورہ دیا کہ بنوتمیم کے جو لوگ سجاح سے اتفاق

Marfat.com

نہ کریں، اُن سے لڑائی کی جائے۔ چنانچہ سجاح نے اپنی طاقت آزمانے اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے قبیلے کے ان لوگوں سے جنگ کی جو اس کے مخالف تھے۔

پھر مالک اور سجاح میں اَن بَن ہو گئی۔ سجاح نے مالک کو چھوڑ کر یَمامہ کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر مُسَیلمہ کذاب سے گٹھ جوڑ کی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسیلمہ اور سجاح کی شادی ہو گئی۔ ①

مالک کا قتل

اب مالک بن نویرہ حیران و ششدر تھا کہ کیا کرے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فتوحات اس کو اور بھی ہراساں کر رہی تھیں۔ وہ اضطراب و بے چینی کے عالم میں تھا کہ اس کے ایک ساتھی سردار وَکیع نے اسلام قبول کر کے زکوٰۃ ادا کر دی۔

اسی اثناء میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے لشکر سمیت بڑھتے چلے آ رہے تھے اور راستے میں جتنے قبائل ملتے، اُن کو از سرِ نو دائرہ اسلام میں داخل کرتے اور اطاعت امیر اور ادائے زکوٰۃ کا وعدہ لے کر آگے بڑھ جاتے۔ بالآخر وہ بنو یرُبوع میں جا پہنچے۔ مالک اور اُس کے مرتد ساتھیوں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کو دیکھ کر بھاگنا چاہا مگر مالک اور اس کے ساتھی گرفتار کر لیے گئے۔

رات ٹھنڈی تھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے نگران دستے کو حکم دیا کہ ان قیدیوں کو گرم چادریں اوڑھنے کے لیے دے دو۔ نگران دستے کے سپاہی بنو کِنانہ میں سے تھے اور کنانہ کے محاورے میں چادریں اوڑھانا قتل کر دینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ نگران دستے نے یہی سمجھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا مقصد قتل کر دینا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے مالک بن نُویرہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ بعد میں مالک کے قتل پر بڑی لے دے ہوئی کہ مالک کے قبول اسلام کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ معاملہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ شکوک کو اس بات نے بھی تَقوِیَت دی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مالک کے قتل کے بعد اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ بالآخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو مدینے بلا کر جواب طلبی کی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ ②

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۲۶۷

② ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۳۵۷

Marfat.com

مُسیلمہ کذاب کا قتل

جس طرح اسود عنسی نے یمن میں اور طُلیحہ نے بنو اسد میں دعویٰ نبوت کیا تھا۔ اسی طرح قبیلہ بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا ہوا تھا۔ بنو حنیفہ کا قبیلہ نجد کے علاقہ یمامہ میں آباد تھا۔ یہ قبیلہ بڑا طاقتور اور بہادر سمجھا جاتا تھا۔ بنو حنیفہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن آپ ﷺ کی بیماری کا سن کر بنو حنیفہ کے ایک سردار مسیلمہ بن حبیب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنو تمیم کی مہم سے فراغت پائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے یمامہ کی طرف رُخ کیا۔ اس سے پہلے دو لشکر عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمامہ کی طرف روانہ ہو چکے تھے، مگر بنو حنیفہ کی طاقت اور کثرت تعداد کے پیش نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا تھا کہ جب تک مسلمانوں کی دونوں فوجیں جمع نہ ہو جائیں، مسیلمہ کے خلاف صف آرا ہونے سے اِجتناب کیا جائے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور نڈر سپہ سالار تھے۔ اُنھوں نے دوسری فوج کا انتظار کیے بغیر حملہ کر کے فتح کا سہرا اپنے سر لینا چاہا لیکن مسیلمہ کے لشکر جرار کے مقابلے پر جم کر نہ لڑ سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ شکست اُٹھانی پڑی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے خفا ہوئے۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم عُمان پہنچ کر فتنہ وفساد کی آگ کو فرو کرو اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ فوراً یمامہ پہنچ کر مسیلمہ کذاب کو قرار واقعی سزا دو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ حکم ملتے ہی وہاں پہنچے۔

مسیلمہ چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر مقابلے پر آنکلا۔ دونوں فوجوں میں بڑے گھمسان کا رَن پڑا۔ فریقین کے بہت سے آدمی کام آئے۔ پہلے مسیلمہ کذاب کی فوج نے مسلمانوں کو دبایا اور پسپا کر کے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمے پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں نے سنبھل کر پھر حملہ کیا، یہ حملہ بڑا سخت تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بڑی بے جگری سے لڑے اور فوج کو خوب اُکسایا۔ دشمن حملے کی تاب نہ لا کر میدان چھوڑ بھاگا۔ مسیلمہ اپنے ۷۰۰۰ ساتھیوں سمیت اپنے باغ حدیقۃ الرحمٰن میں پناہ گزین ہوا۔ مسلمان فوج نے تعاقب کر کے مسیلمہ کو اس کے ساتھیوں سمیت موت کے گھاٹ

Marfat.com

اُتار دیا۔خون ریزی کے باعث اس حدیقۃ الرحمٰن کو حدیقۃ الموت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔
مسیلمہ کا قاتل وہی وحشی حبشی تھا جس نے زمانۂ کفر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کی قوم بنوحنیفہ نے صلح کر کے ہتھیار ڈال دیے۔بنوحنیفہ کا سارا نقد مال اور ہتھیار ضبط کر لیے گئے۔ جب شرائط طے ہو جانے کے بعد صلح کی تکمیل ہو چکی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچا کہ بنوحنیفہ کے تمام سپاہیوں کی گردن ماردی جائے لیکن عہدنامہ کی وجہ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس حکم کی تعمیل نہ کر سکے۔ یہ دیکھ کر بنوحنیفہ کا تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا اور ان کا ایک وفد اظہار اطاعت کے لیے مدینے حاضر ہوا۔

جنگ یمامہ میں فریقین کا بڑا نقصان ہوا۔مسیلمہ کذاب کے بیس اکیس ہزار سپاہی اس جنگ میں کام آئے۔سات ہزار سپاہی تو حدیقۃ الموت میں قتل ہوئے۔تقریباً سات ہزار میدان جنگ میں کھیت رہے اور سات ہزار کے قریب میدان جنگ سے بھاگتے ہوئے تعاقب کرنے والوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

مسلمانوں کا بھی بھاری نقصان ہوا۔۳۷۰ مہاجرین، ۳۰۰ انصار اور تقریباً ۵۲۰ قبائلی شہید ہوئے۔اس طرح ۱۲۰۰ مسلمانوں نے جنگ یمامہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ان شہیدوں میں ۳۷ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اور حفاظِ قرآن بھی شامل تھے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جزیرۂ عرب میں ارتداد کا قلع قمع کر کے پھر اسلام کا پرچم بلند کیا۔ بنواَسد، بنوتمیم اور بالخصوص بنوحنیفہ کا عبرتناک انجام دیکھ کر دوسرے علاقوں میں دیگر حریف قوتوں کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یمامہ کی وادی دَیر میں سکونت اختیار کر لی جو بعد میں دَیرِ خالد کے نام سے مشہور ہوئی۔ ①

دیگر مُرتدین کی سرکوبی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور علاقوں کے لوگ بھی دینِ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ بَحْرین، حَضْرَموت، عُمان اور مَہرہ کے باشندے بھی ارتداد اختیار کرنے میں پیش پیش

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۸۱/۳، ۳۰۰

Marfat.com

تھے۔ان لوگوں کے ارتداد کا سبب یہ تھا کہ یہ سب سے آخر میں ایمان لائے اور آپ ﷺ کے وصال کی خبر سنتے ہی دین سے پھر گئے۔ایک تو ایمان ان لوگوں کے دلوں میں راسخ نہ ہونے پایا تھا دوسرے یہ لوگ غیر ملکی اقتدار کے زیر اثر رہ چکے تھے۔اب تک اہل فارس سے ان کے تعلقات اور مَراسم تھے۔ یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ان لوگوں کی بغاوت اور شورش میں غیر ملکی حکومتوں بالخصوص کسریٰ کا ہاتھ ہو۔

(۱) مُرتدین بحرین: مُسَیلمہ کذّاب کے قتل کے بعد حضرت عَلاء بن حَضرمی رضی اللہ عنہ کو ایک دستے کا امیر بنا کر بَحْرَین کی طرف روانہ کیا گیا۔ وہ لق ودق صحراؤں کو طے کرتے اور خطرات سے دو چار ہوتے ہوئے بحرین پہنچے۔حضرت جارُود عَبدی رضی اللہ عنہ بحرین میں مسلمانوں کے مُقتَدر قائد تھے۔وہ مسلمان فوج کی آمد کا سن کر بڑے خوش ہوئے، ان کی ڈھارس بندھ گئی اور مرتدین کے مقابلے میں کمربستہ ہو گئے۔مسلمانوں اور مرتد قبائل نے خندقیں کھود کر مورچے قائم کر لیے۔ دونوں فوجوں کی آپس میں جھڑپیں شروع ہو گئیں۔خندق سے باہر نکل کر ایک دوسرے پر حملے کرتے اور پھر خندق میں جا چھپتے۔ایک مہینے تک یہی کیفیت رہی اور لڑائی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

ایک رات مسلمانوں کو ہلّہ بولنے کا موقع مل گیا۔واقعات اس طرح ہیں کہ مسلمانوں کے جاسوس نے خبر دی کہ مرتد قبائل کی فوج نے شراب کے نشے سے مخمور و بدمست ہو کر شور وغوغا کے طوفانِ بدتمیزی سے آسمان سر پر اُٹھا رکھا ہے اور ہوش وحواس قطعاً نہیں کہ کسی حملے کی روک تھام کر سکیں۔مسلمانوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، خندق سے نکل کر ہلہ بول دیا۔اچانک حملے سے دشمنوں کی فوج میں بڑی ابتری پھیل گئی۔مسلمانوں نے ان کو دل کھول کر قتل کیا۔جو تلوار کی زد میں آئے وہیں کھیت رہے، کچھ قید ہوئے۔جو بھاگ نکلے اُن کو سر چھپانے کو جگہ نہ ملی، بالآخر مفروروں کو تہ تیغ کر کے عمان کے باغیوں کا قلع قمع کر دیا۔عَلاء بن حَضرمی رضی اللہ عنہ کو اتنا مال و دولت ہاتھ آیا کہ ہر ایک شہسوار کے حصے چھ ہزار اور ہر ایک پیادہ کے حصے دو ہزار درہم آئے۔ [1]

(۲) مرتدین عُمان: عہد نبوی ﷺ میں عمان کسریٰ فارس کے زیر نگین تھا۔جیفر کسریٰ کی طرف

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۳۶۸/۲، ۳۸۱

Marfat.com

سے عمان کا والی تھا۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان بھیجا۔ اُنھوں نے وہاں پہنچ کر اسلام کی تبلیغ کی۔ لوگ مسلمان ہو گئے اور زکوٰۃ بھی دینے لگے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مال زکوٰۃ وہاں کے غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبر سن کر قبائل عمان بھی مرتد ہو گئے اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو واپس مدینے آنا پڑا۔ ①

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حُذَیفہ بن مِحْصَن اور عَرفَجہ بن ہَرثمہ کو عمان کے مرتدین کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ نیز ان کی مدد کے لیے حضرت عِکرِمہ رضی اللہ عنہ کو یمامہ کے محاذ سے عمان پہنچنے کا حکم دیا۔ عمان پہنچنے سے پہلے تینوں قائدین راستے ہی میں جمع ہو گئے۔

جب مُرتد قبائل کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھی اپنے بہادر سپاہیوں کو جمع کر کے مقابلے کے لیے آ نکلے۔ دونوں طرف سے فوجیں صف آرا ہو کر میدان میں اُتر آئیں۔ ابتدا میں مرتد قبائل کا پلہ بھاری رہا۔ مسلمان بڑے پریشان ہوئے لیکن اسی اثنا میں بَحْرَین سے مسلمانوں کو کُمک پہنچ گئی جس سے مسلمان فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اب مسلمان بڑی بے جگری سے لڑنے لگے اور اس زور سے حملہ کیا کہ مُرتد باغیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بس پھر کیا تھا، قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ دس ہزار باغی کھیت رہے۔

ان کے بال بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا گیا، مسلمانوں کو بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

عَرفَجہ تو خُمس یعنی مال غنیمت کا پانچواں حصہ لے کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ حُذیفہ امن وامان بحال کرنے اور انتظامات درست کرنے کے لیے عمان میں ٹھہرے اور عکرمہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر مَہرہ کے مرتد باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ ②

(۳) مُرتدینِ مَہرہ: عکرمہ رضی اللہ عنہ کا لشکر فتح کے گیتوں سے آسمان سر پر اُٹھاتا مَہرہ ③ کی طرف

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۲۸۲، ۳۵۲

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۴۱

③ عمان سے یمن کی جانب ایک علاقہ ہے۔ یاقوت حموی، معجم البلدان: ۵/ ۲۳۴

Marfat.com

بڑھتا چلا گیا۔ راستے میں از سر نو دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے قبائل لشکر میں شامل ہوتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ ایک لشکر جرار لے کر مہرہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں کے قبائل دو گروہوں میں منقسم تھے اور ہر گروہ دوسرے کو زیر کر کے اپنا اقتدار و تسلّط قائم کرنا چاہتا تھا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کمزور اور قلیل المقدار سے بات چیت شروع کر کے انھیں اسلام کی دعوت دی، وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ مہرہ کے اس گروہ کو بھی اپنے لشکر میں شامل کر کے عکرمہ رضی اللہ عنہ دشمنوں کے مقابلے پر نکلے۔ دونوں فوجیں صف آرا ہو کر میدانِ جنگ میں اُتریں، بڑے گھمسان کا رن پڑا، خون ریز جنگ کے بعد میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ قتل و غارت گری کے بعد بہت سے باغی قید کر لیے گئے، بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ مال غنیمت کا خمس (۱/۵) اور حلیف قبیلے کے سردار کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کرنے کے بعد عکرمہ رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ کے لیے مہرہ میں قیام فرما رہے۔ علاقے کا امن و امان بحال کرنے کے بعد تمام انتظامات سلطنت مکمل کیے۔ جب لوگ امن و چین اور اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے تو خلیفۃ المسلمین کے حکم سے عکرمہ یَمن اور حَضرَ مَوت کے مرتد باغیوں کی سرکوبی کے سلسلے میں مہاجر بن ابی اُمَیہ مخزومی کا ہاتھ بٹانے کے لیے روانہ ہوئے۔ ①

(۴) مُرتدینِ یمن: عکرمہ اور مہاجر رضی اللہ عنہما دونوں سرداروں نے مل کر یمن کے باغیوں کو کچلنے اور مرتدین کو پھر دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے بعد تسخیر یمن کا کام مکمل کر لیا۔ ان لوگوں کو بھی خوب سزا دی گئی، جنھوں نے جھوٹے نبی اَسْوَد عَنْسی کا ساتھ دیا تھا اور اہل فارس میں سے جن لوگوں نے اسلام کا ساتھ دے کر آڑے وقت میں مسلمانوں کی مدد کی تھی، انھیں یمن کی سرداری تفویض کر کے حکومت کا کام اُن کو سونپ دیا۔ خدمت دین کے صلہ میں فیروز نامی شخص کو امیر یمن مقرر کر کے اہل فارس کی عزت افزائی فرمائی۔ ②

(۵) مرتدین کِندہ و حَضرَ مَوت: یمن کی تسخیر سے فارغ ہو کر عکرمہ اور مہاجر رضی اللہ عنہما دونوں

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۳۷۳

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۳۱۸

Marfat.com

سپہ سالار جزیرہ عرب کو مرتد باغیوں کے وجود سے پاک کرنے کی آخری مہم پر روانہ ہوئے۔

حضرت رسول مقبول ﷺ کی وفات کے وقت حضر موت کے والی زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ تھے اور مہاجر بن ابی اُمیہ کندہ کے والی نامزد ہو چکے تھے۔ زمانۂ ارتداد میں کندہ کے باشندے اَسود عنسی کی دعوت قبول کر چکے تھے۔ مہاجر رضی اللہ عنہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے مرتد باغیوں کو کئی مقامات پر شکست دینے کے بعد کندہ اور حضر موت کو پھر اسلامی سلطنت میں شامل کر کے سارے جزیرۂ عرب کو مسخر کر لیا۔ ①

فتنۂ ارتداد اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شاندار کارنامہ

حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد عرب قبیلوں کا اسلام سے انحراف خطرناک صورت اختیار کر گیا اور حکومتِ مدینہ کے خلاف مرتدین کی بغاوت و شورش نے اسلامی حکومت کے وجود اور مسلمانوں کی زندگی کو معرضِ خطر میں ڈال دیا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سیاسی تدبّر، ایمانی بصیرت اور اسلامی جوش نے مسلمانوں کو موت کے منہ سے بچالیا۔ ان کے استقلال اور مستعدی نے تمام خطروں کا خاتمہ کر دیا۔ ان کی استقامت، دینی بصیرت اور اصابتِ رائے کی بدولت اسلامی سلطنت پارہ پارہ ہو جانے سے بچ گئی۔ ایک سال کی قلیل مدت میں بغاوت اور شورش کو دبا کر مرتد قبائل کو پھر سے دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا۔ تمام ملک از سرِ نو حکومتِ مدینہ کے زیرِ نگیں ہو گیا۔

اس فتنۂ ارتداد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکروں کی ترتیب و تیاری اور سپہ سالاری کے انتخاب میں بڑی سرگرمی اور تدبر کا ثبوت دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمال دانشمندی اور جرأت سے اسلام کے بکھرے ہوئے شیرازے کو از سرِ نو مرتب کر کے مدینے میں ایک مضبوط و مستحکم حکومت قائم کر دی۔ جزیرہ عرب کے طول و عرض میں لشکروں کی روانگی اور ان کی نگرانی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کتنی بڑی شخصیت اور عزیمت کے مالک تھے۔

ذرا نقشہ پر نظر ڈالیے اور دیکھئے یمامہ کہاں اور عُمان کہاں؟ دونوں علاقوں میں کتنی مسافت ہے۔ راستے میں ایسے خوفناک صحرا ہیں جہاں آب و گیاہ کا نام و نشان نہیں اور ایسے خطرناک

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۷۸/۲

Marfat.com

ریگستان ہیں، جہاں کبھی کسی انسان کا گذر نہیں ہوا۔ پھر دیکھئے کہ بنو تمیم کا علاقہ اور حضرَ موت کے درمیان کتنا فاصلہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا ملک مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ارتداد کی آغوش میں آ چکا تھا۔ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آہنی عزم اور غیر متزلزل ایمان آڑے نہ آتا تو اسلامی خلافت کا شیرازہ اس طرح پریشان ہو جاتا کہ پھر کبھی نظم قائم نہ ہو سکتا۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جزیرۂ عرب کی مکمل تسخیر کی خبر ملی تو خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام کی خوشی میں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے دین اسلام کو از سرِ نو استحکام بخشا۔ اسلامی سلطنت کو ٹکڑے ہونے سے بچا لیا اور طوائف الملوکی اور قبائلی اقتدار کو ختم کر کے پھر وحدت ملّی قائم کر دی۔

اسلام سے پہلے عرب کا ہر قبیلہ خود مختار زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک قبیلے کو دوسرے سے تعلق نہ تھا۔ انھیں کبھی قومی و ملّی وحدت کا خیال تک نہ آیا تھا۔ اگرچہ ان کی زبان ایک تھی، ملک ایک تھا، بود و باش ایک تھی لیکن سیاسی اخوت، ملکی وحدت اور قومی یگانگت کا رشتہ سرے سے ناپید تھا، اسلام نے انھیں اپنے حلقے میں لے کر دینی وحدت، سیاسی یگانگت اور قومی اخوت سے بہرہ ور کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قبائل عرب ارتداد اختیار کر کے پھر دینی وحدت اور سیاسی یگانگت سے محروم ہو گئے تھے اور انھیں از سرِ نو رشتہ وحدت میں منسلک کر کے ایک مضبوط و مستحکم نظامِ حکومت عطا کرنے کا سہرا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزیمت اور قوتِ ایمانی کے سر ہے۔

Marfat.com

باب دوم

عہدِ صدّیقی کی فتوحات

اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کو دُور کر کے ملکی انتظامات مستحکم کرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیرونی دشمنوں کی جانب توجہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان دُنیا کے بہت سے ممالک پر قابض ہو گئے۔

سب سے پہلے مسلمانوں کو دو بڑی سلطنتوں سے سابقہ پڑا۔ ایک تو ایران کی سلطنت جس کے تاجدار کو کسریٰ کہتے تھے اور دوسری روم کی سلطنت جس کا بادشاہ قَیصر کہلاتا تھا۔ ایران میں ساسانی خاندان کی بڑی طاقتور حکومت تھی۔

ساسانی اور ان کی رعایا آتش پرست تھے اور عرب انھیں مجوس کہتے تھے۔ ساسانیوں کی سلطنت کی سرحدیں ایک طرف تو افغانستان اور ترکستان سے ملتی تھیں اور دوسری طرف رومی سلطنت کے ساتھ ایرانی لوگ بڑے مہذّب و متمدن تھے اور صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں اُنھوں نے بڑا نام پیدا کر لیا تھا۔ عرب اور ایران کی سرحد پر عراق میں ایک چھوٹی سی ریاست آباد تھی، جس کا پایۂ تخت حِیرہ تھا۔

حیرہ کی حکومت عربوں اور ایرانیوں کی سلطنتوں کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی تھی۔

سلطنتِ روم بھی بڑی وسیع تھی۔ قسطنطنیہ رومیوں کا پایۂ تخت تھا۔ قیصرِ روم اور اس کی رعایا عیسائی مذہب کے پیرو تھے۔ فلسطین، ایشیائے کوچک، شام اور مصر کے ممالک بھی رومی سلطنت کے زیرِ نگیں تھے۔ عرب کی سرحد پر رومیوں نے بنوغسان کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر کے اپنی حمایت میں لے رکھی تھی۔ ایرانی اور رومی سلطنتوں کی سرحدیں بھی ملتی تھیں۔ اس لیے دونوں ملکوں میں باہمی جنگ و جدال کا بازار گرم رہتا تھا۔

کبھی رومیوں کا پلّہ بھاری رہتا تھا اور کبھی ایرانیوں کا۔

Marfat.com

عربوں کے قبائل اپنا وطن چھوڑ کر شام وعراق میں جا بسے تھے۔اسی طرح کچھ عرب ایرانی حکومت کی رعایا بن گئے اور کچھ رومی سلطنت میں جا آباد ہوئے تھے۔عراق اور شام کے عربوں نے عیسائیت قبول کر لی اور مجوسیت ان کے لیے چنداں جاذب ثابت نہ ہوئی۔

عربوں اور ایرانیوں کے سیاسی تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ایرانی عربوں کو اپنا محکوم تصوّر کرتے تھے۔جب نبی کریم ﷺ نے شاہ ایران کو تبلیغی خط لکھا تو وہ بہت بگڑا کہ ایک عرب کس طرح جرأت کر سکتا ہے کہ کسریٰ کو مخاطب کرے۔اس نے آپ ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا۔اس پر آپ ﷺ نے اس کی تباہی اور بربادی کی پیش گوئی فرمائی۔ ①

فتحِ عراق

سلطنتِ ایران کی سرحد جزیرۂ عرب سے ملتی تھی۔اس سرحد پر قبیلہ بکر بن وائل آباد تھا۔اس قبیلے کی ایک شاخ کا نام شیبان تھا۔شیبانیوں کا سردار مُثنّی بن حارثہ تھا۔مُثنّی نے بحرین کے مرتد قبائل کی بغاوت فرو کرنے میں مسلمانوں کا ہاتھ بٹایا تھا۔ایرانی سرحد پر رہنے کی وجہ سے مُثنّی کو وہاں کے حالات خوب معلوم تھے۔جب اس نے دیکھا کہ سلطنتِ ایران اندرونی خلفشار اور مسلسل انقلابات کی وجہ سے کمزور ہو چکی ہے تو اس نے فتح عراق کی تجویز پیش کی۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ عراق پر حملہ کرنے کی تجویز مُثنّی نے مدینے میں حاضر ہو کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی تھی۔یہ تجویز سن کر خلیفہ نے ماہرین جنگ سے صلاح مشورہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مُثنّی کے ساتھ بھیج کر فتح عراق کی ابتداء کر دی۔

اس کے مقابلے پر دوسرے مؤرخین کہتے ہیں کہ مُثنّی بن حارثہ شیبانی نے اپنے ملک میں امن وامان کا جائزہ لے کر ایک لشکر جمع کیا اور خلیج فارس کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے عراق پر حملہ کر دیا۔جب کامیابی مشکل نظر آئی تو مدینے پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۹۳۹

Marfat.com

عراق کا مسئلہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یمامہ سے بلا بھیجا، وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ تمام قصہ سن کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مثنی کو اپنے قبائل کا سپہ سالار نامزد فرما کر ایرانیوں کے مقابلے پر لڑنے کے لیے بھیج دیا۔ جب کامرانی و فتح مندی کی خبریں مدینے میں پہنچیں تو خالد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی افواج کو جمع کر کے عراق کی کمانِ اعلیٰ اپنے ہاتھ میں لے اور مثنی کی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھے۔ نیز عیاض بن غنم کو سپہ سالار مقرر کر کے دُومۃ الجندل کے مرتد باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور حکم دیا کہ مرتدین کا سر کچلنے کے بعد مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے حیرہ پر حملہ کرے۔

عراق میں بہت سے عرب کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ان کی محنت کا پھل زیادہ تر زمین کے ایرانی مالکوں کی جیب میں چلا جاتا تھا اور بہت تھوڑا حصہ عرب مزارعین کو ملتا تھا۔ اس کے علاوہ عرب مزارعین پر طرح طرح کے جور و ظلم روا رکھے جاتے تھے جس کی وجہ سے وہ مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے سپہ سالار کو ان مزارعین کے متعلق حکم دیا:

> ''انھیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے، انھیں قتل نہ کیا جائے۔ کسی عرب مزارع کو قیدی نہ بنایا جائے۔ وہ بھی تمھارے جیسے عرب ہیں جو اہل فارس کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے ہیں۔ ان سے عدل و انصاف کیا جائے۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کچھ تو اپنی فوج لی اور بہت سی فوج دوسرے قبائل سے جمع کر کے دس ہزار کا لشکر تیار کر لیا۔ مثنی پہلے ہی آٹھ ہزار کا لشکر فراہم کر کے عراق پر حملہ کی ابتداء کر چکے تھے۔ اسی طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی زیرِ کمان اٹھارہ ہزار کی افواجِ قاہرہ عراق فتح کرنے کے لیے جمع ہو گئیں۔ ①

ا۔ جنگِ کاظمہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عراق کے محاذ پر پہنچ کر اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور ہر ایک حصے کو حکم دیا کہ مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے مقام حَفیر پر پہنچیں۔ ایک حصے کا سالارِ لشکر

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۳۴۳، ۳۵۱

Marfat.com

مثنیٰ بن حارثہ تھا۔ دوسرے کا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اور تیسرا دستہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر کمان سب سے آخر میں روانہ ہوا۔

عراق پر حملہ کرنے سے پیشتر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے والی عراق ہرمز کے نام یہ خط لکھا:

''اسلام قبول کرلو، امن کی زندگی بسر کرو گے۔ بصورتِ دیگر ذِمّی بن کر رہواور جزیہ دو۔ اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر نتائج کی تمام تر ذمہ داری تمھاری گردن پر ہوگی۔ میں تمھارے مقابلے پر ایک ایسی قوم لے کر آیا ہوں جو موت کی اتنی ہی تمنا رکھتی ہے، جتنے تم زندگی کے آرزومند ہو۔''①

ہُرمُز نے یہ خط وصول کیا تو ساتھ ہی مسلمانوں کے لشکر کی آمد کی خبر بھی اسے پہنچ گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا یہ خط شاہِ ایران اَرْدشیر کے پاس بھیجتے ہوئے ہرمز نے اُسے حالات سے بھی اطلاع دی اور خود فوج لے کر مقابلے پر نکل آیا۔

جب دونوں فوجیں میدان میں صف آرا ہوئیں تو ہرمز نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دعوت مبارزت دی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ایرانی سپہ سالار کی دعوت قبول کرتے ہوئے گھوڑے سے نیچے اُتر کر مقابلے پر آئے۔ ایک ہی وار میں ہُرمُز زیر ہوگیا۔ جوشِ انتقام میں ایرانی شہسوار حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر پل پڑنے کو تھے کہ مسلمان جانباز قَعْقاع بن عمرو نے آڑے آکر ان کے تمام ارادوں کو باطل کردیا۔ اتنے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہرمز کا سر قلم کردیا۔ مقابلے کی تاب نہ لا کر ایرانی سپاہی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمان فوج نے دریائے فرات کے بڑے پل تک تعاقب کیا۔ اب اسی مقام پر بصرہ آباد ہے۔ سرزمین عراق میں مسلمانوں کی یہ پہلی فتح تھی۔

اس جنگ کو ''ذات السّلاسل'' کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں، کیونکہ ایرانی سپاہیوں نے زنجیریں باندھ رکھی تھیں تاکہ میدان چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جنگ کے بعد ان زنجیروں کو اکٹھا کیا تو ایک اونٹ کا بوجھ (بارِشتر) تھا۔

اس لڑائی کو ''جنگ کاظمہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جنگ مقام کاظمہ کے پاس ہوئی تھی۔

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۳۴۷

Marfat.com

اس جنگ کا بڑا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ایرانی فوج کی شکست سے مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں اور حوصلے بلند ہو گئے۔ انھیں یقین ہو گیا کہ ایرانی لشکران کے مقابلے پر نہیں ٹھہر سکتے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہرمز کا قتل عرب قبائل کے ہاں بڑا مستحسن سمجھا گیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو بڑا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ہتھیاروں اور اسلحہ کے علاوہ ہر ایک شہسوار کو ہزار ہزار درہم حصے آئے۔ ①

۲۔ جنگ مَذار

مُثنّٰی دشمن کی شکست خوردہ فوج کا تعاقب کرتے ہوئے مَدائن تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا تھا کہ راہ میں جاسوس نے اسے خبر دی کہ دشمن کا ایک بہت بڑا لشکر خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر مدائن سے چلا آرہا ہے اور ہزیمت خوردہ فوج کا سالار بھی اس لشکر کے ساتھ ہے۔ مثنی نے مناسب سمجھا کہ مقام مَذار کے قریب پڑاؤ کر کے کمک کا انتظار کیا جائے۔ مذار اس نہر کے کنارے پر واقع ہے جو دریائے دِجلہ اور فُرات کو ملاتی ہے۔ جب مثنی کی طرف سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دشمن کے اجتماع کی خبر پہنچی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی فوج ظفر موج کو لے کر برق رفتاری سے مذار پہنچے اور دشمن کی قوتوں کا جائزہ لیتے ہوئے صف آرا ہو کر میدان جنگ میں اُتر آئے۔

ہرمز کے قتل سے ایرانی فوجوں میں جوش انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اسلامی لشکر کو شکست دے کر وہ جنگِ کاظمہ کی ہزیمت کا انتقام بھی لینا چاہتے تھے۔

جب دونوں فوجیں مقابلے پر اُتریں تو مسلمان مجاہدوں نے اس بہادری اور بے جگری سے حملہ کیا کہ ایک ہی ہلّے میں ایرانی سپاہیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ قارن، قباذ اور دوسرے ایرانی سپہ سالار اپنی فوجوں کے سامنے مسلمانوں کی تلواروں سے گھائل ہو کر خاک و خون میں تڑپنے لگے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی افواج قاہرہ نے قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا کہ ایرانی فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ نکلیں۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا مگر دشمنوں نے کشتیوں میں سوار ہو کر راہِ فرار اختیار کی۔

جنگ مَذار میں بھی بڑا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ مذار میں قیام

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۶۴، ۶۵

Marfat.com

فرمایا۔ دشمنوں کے معاونین اور سپاہیوں کی اولاد کو جنگی قیدی بنالیا۔ مزارعین کو زمینوں پر برقرار رکھا۔ خراج وصول کرنے کے لیے کارندے اور افسر مقرر کر کے خالد رضی اللہ عنہ خود توسیع فتوحات کے متعلق سوچنے لگے۔ ①

۳۔ جنگِ وَلَجہ

جب شاہ ایران کو دوسری ہزیمت کی خبر پہنچی تو اس نے مناسب خیال کیا کہ عربوں کے مقابلے کے لیے عرب قبائل کی اعانت حاصل کی جائے۔ سرحد عراق پر کئی عرب قبائل آباد تھے جو عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ کسریٰ نے ان کی امداد حاصل کی اور ایک فوج تیار کر کے انھیں میں سے ایک سپہ سالار کے زیر قیادت مقام وَلجہ کی جانب روانہ کر دی۔ نیز اپنا ایک مایہ ناز سپہ سالار بہمن جاذَویہ ان کی معاونت اور نگرانی کے لیے بھیج دیا۔

راستے میں حیرہ اور وَلجہ کے عرب کسان بھی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ابھی مذار ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اس لشکر کی خبر انھیں جا پہنچی۔ اُنھوں نے حَفیر، کاظمہ اور دوسرے شہروں کے سپہ سالاروں کو ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ہدایت بھیجتے ہوئے لکھا کہ دشمن سے غافل نہ ہونے پائیں۔ خود لشکر لے کر کسریٰ کی فوج کے مقابلے پر وَلجہ کی طرف چل دیے۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے کو شکست دینے اور مر مٹنے کا عزم لیے میدان جنگ میں اُتریں، معرکہ کارزار گرم ہوا۔ دونوں فوجیں سردھڑ کی بازی لگائے آگے بڑھنے کی کوشش میں دادِ شجاعت دینے لگیں۔ تھوڑے عرصے کے لیے فتح و کامرانی مشکوک ہو گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے سے دو سالاروں کو متعین کر رکھا تھا کہ وہ دشمن کے پیچھے گھات میں بیٹھے رہیں اور دورانِ جنگ میں پیچھے سے حملہ کر کے دشمن کو پریشان کریں۔ گھات میں بیٹھنے والے سالاروں نے تاخیر کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کبھی آگے بڑھتا اور کبھی پَسپا ہوتا۔ دونوں جانب یہی خیال غالب آ رہا تھا کہ فوجیں تھک رہی ہیں اور جنگ کا انجام نظر نہیں آتا کہ اتنے میں سامنے سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۸۶/۲

Marfat.com

نے بڑے زور کا حملہ کیا اور پیچھے سے مسلمان سالاروں نے بھی کمین گاہوں سے نکل کر کسریٰ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا، دشمن کے طوطے اُڑ گئے اور کسریٰ کی فوج میں ایسی بھگدڑ مچی کہ وہ ایک دوسرے کو روندتے ہوئے بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہزیمت خوردہ فوج کو قتل کرنا شروع کیا۔ بہت سے سپاہی قیدی بنا لیے۔ مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ مالِ غنیمت کی فراوانی دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو جہاد فی سبیل اللہ کی برکتوں کی طرف توجہ دلائی۔ انھیں بتایا کہ یہ لوگ ہمارے قیدی ہیں۔ دُنیا کی دولت ہمارے قدموں میں ہے۔ ہمارا مقصد خدا کا نام بلند کر کے رضائے الٰہی حاصل کرنا ہے۔ ①

۴۔ جنگ اُلَّیس

اس طرف مسلمان فتح کی خوشی منا رہے تھے اور خدا کی نعمتوں کا شکر بجا لا رہے تھے۔ دوسری طرف شکست خوردہ عیسائی عرب قبیلے اور ایرانی آتش پرست شرمندگی مٹانے اور ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے فوج جمع کر کے جنگ کی تیاری میں مصروف تھے۔

عیسائی عربوں اور ایرانیوں کا ایک بھاری لشکر حیرہ اور اُبلّہ کے درمیان مقام اُلَّیس پر جمع ہوا۔ ایرانی سپہ سالار بہمن جاذَوَیہٗ نے اپنی فوج جاپان نامی سپہ سالار کے سپرد کر کے اُلیس کی طرف روانہ کر دی اور خود کسریٰ اَرْدشیر سے مشورہ کرنے کے لیے چلا گیا۔ جاتے ہوئے اپنی فوج کو یقین دلا گیا کہ میں بہت جلد بڑی بھاری کُمک لے کر تمھارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ کسریٰ کی بیماری کی وجہ سے بہمن جاذویہ کو وہاں ٹھہرنا پڑ گیا۔

ادھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جب دشمن کی تیاری کی خبر ملی تو وہ بھی لشکر لے کر چل پڑے۔ پہلے حُفیر پہنچ کر انتظامات کے بارے میں اطمینان کیا، پھر جلدی سے اُلیس پہنچ کر جنگ شروع کر دی۔

پہلے عیسائی عرب مقابلے پر اُترے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں ان کے سپہ سالار مالک بن قیس کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ مالک کا قتل ہونا تھا کہ ان کی صفوں میں کمزوری اور بددلی پھیل گئی۔ یہ دیکھ کر جاپان ایرانی سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ ایرانی فوج کو یقین تھا

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۳۵۳

Marfat.com

کہ بہمن بھاری فوج لے کر آیا چاہتا ہے۔ اس بھروسے پر ایرانی فوج اتنی بہادری اور استقلال سے لڑی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مسلمانوں نے بار بار حملہ کیا لیکن دشمنوں نے بڑی پامردی اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیتے ہوئے ہر بار حملے کو ناکام بنا دیا۔ بالآخر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مادی اسباب و ذرائع کی ناکامی دیکھ کر خدا تعالیٰ کے حضور میں دست بدعا ہو کر فتح و نصرت کی درخواست کی اور یہ عہد کیا کہ:

''اے اللہ! اگر تو مجھے دشمنوں پر غلبہ عطا فرما دے تو پھر میں کسی دشمن کو زندہ نہ چھوڑوں گا اور یہ دریا ان کے خون سے سرخ ہو جائے گا۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مختلف جنگی چالیں اور حربے استعمال کیے، آخر کار دشمن ہمت ہار بیٹھے۔ ان کی صفوں میں انتشار پھیلنے لگا اور وہ میدان جنگ چھوڑ کر جان بچانے کی فکر کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ دشمنوں کو پکڑ کر قیدی بنالو اور مقابلہ کرنے والوں کے سوا کسی کو قتل نہ کرو۔ چنانچہ ساری فوج کو قیدی بنا لیا گیا اور وعدہ پورا کرنے کے لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان قیدیوں کو دریا کے کنارے لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقتولوں کے خون سے دریا کا پانی سرخ ہو گیا اور اسی نسبت سے اسے نہر الدّم یعنی دریائے خون کہتے ہیں۔ بقول امام المؤرخین طبری جنگِ اُلّیس میں ستر ہزار کافر مارے گئے تھے۔

جنگ اُلیس کی فتح پر مسلمانوں کے ہاتھ وہ تمام کھانا آ گیا جو دشمنوں نے رات کو اپنے کھانے کے لیے تیار کر رکھا تھا لیکن کھانے سے پہلے ہی جنگ کا پانسہ بدل گیا اور سارا کھانا مسلمانوں نے بڑے مزے سے کھایا۔ ①

۵۔ فتح اَمغیشیا

جنگ اُلیس کی فتح کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج ظفر موج کو حکم دیا کہ اَمغیشیا پر حملہ کیا جائے۔ یہ شہر دریائے فُرات کے کنارے بڑا بارونق اور آباد تھا۔ یہاں کے باشندے جنگ اُلیس میں شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے حکم سے مسلمان فوج نے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۵۵/۳

Marfat.com

شہر کو زیروز بر کر کے دشمنوں کو قیدی بنالیا اور مال و دولت لوٹ لیا۔ امغیشیا میں اتنا مال و دولت ہاتھ آیا کہ ہر شہسوار کو پندرہ سو درہم ملے۔ بہادری کے انعامات اس کے علاوہ تھے۔

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک قاصد کے ہاتھ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور جنگی قیدی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیے۔ قاصد نے حاضر خدمت ہو کر فتوحات کی فہرست پیش کرتے ہوئے مال غنیمت کی فراوانی، جنگی قیدیوں کی کثرت، مسلمان مجاہدوں کی بہادری اور سرفروشی اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے کارناموں کی داستان سنائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پکار اُٹھے:

''اب خالد رضی اللہ عنہ جیسا بہادر پیدا نہیں ہو سکتا۔''

عراق میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی کی خبر جب مدینے سے باہر عرب بستیوں میں پھیلی تو ہر طرف خوشی و مسرّت کی لہر دوڑ گئی۔ ①

۶۔ فتح حیرہ

اَمغیشیا کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ یہ ہزیمت خوردہ عرب قبائل جوش انتقام میں کسی نہ کسی وقت مصیبت اور تکلیف کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لیے سپہ سالارِ اعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ عرب قبائل کی قوت و طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہیے۔ اس مقصد کے پیش نظر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کا قصد کیا۔ حیرہ عیسائی عربوں کی ایک چھوٹی سی ریاست کا صدر مقام تھا۔ یہ عیسائی عرب سلطنتِ ایران کے باجگذار تھے۔

جب مسلمان افواج دریا کے کنارے سے حیرہ کی طرف بڑھیں تو حاکمِ حیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے کو آگے بھیج کر دریائے فُرات کا بند باندھ دیا۔ بند کی وجہ سے مسلمانوں کی کشتیاں رُک گئیں۔ کشتیوں سے اُتر کر وہیں آزاذبہ کے بیٹے سے ٹکر ہو گئی۔ آزاذبہ کا بیٹا ہزیمت اُٹھانے کے بعد قتل ہو گیا۔ مسلمانوں نے دریا کا بند توڑ کر حیرہ کی طرف بڑھتے ہوئے قصرِ خورنق پر قبضہ کر لیا۔

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۳۵۸

Marfat.com

خالد رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی کا سن کر آزاذبہ حیرہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ آزاذبہ کے فرار کے باوجود اہل شہر نے مقابلے کی ٹھانی اور شہر کے دروازے بند کر لیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ ایک عرصے تک محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تین شرائط پیش کرتے ہوئے اہل حیرہ کو اختیار دیا کہ وہ کوئی ایک شرط قبول کرلیں:

(۱) اسلام قبول کرلو، ہمارے تمھارے حقوق وفرائض برابر ہوں گے۔

(۲) اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیہ ادا کرو۔

(۳) اگر دونوں شرطوں میں سے کوئی بھی قبول نہیں کرتے تو پھر میدان جنگ میں اُتر کر مقابلہ کرو۔ یادرکھو کہ تمھارے مقابلے پر ایسی فوج لے کر آیا ہوں جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنی تمھیں زندگی کی تمنا وخواہش ہے۔

اہل شہر نے جزیہ دینا قبول کیا اور ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کرنے پر صلح ہو گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ عہد نامہ لکھ کران کے حوالے کیا:

> ''اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے۔ اس کے معاوضے میں ہم ان کی حفاظت کریں گے اور اگر ہم ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو جزیہ کی رقم ان پر واجب نہ رہے گی۔ اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں۔''

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حیرہ کو عسکری مرکز بنا کر وہاں قیام اختیار کیا۔ البتہ شہری افسرانھی لوگوں کے بارسوخ آدمیوں میں سے رہنے دیے۔ بلادِ عرب سے باہر اسلامی مرکز بننے کا شرف سب سے پہلے شہر حیرہ کے حصے آیا۔ مسلمانوں کی فتوحات اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک اور عدل وانصاف کو دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے لوگوں نے بھی جزیہ ادا کر کے صلح کر لی۔ اس طرح جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

اس اثنا میں اردشیر کسریٰ ایران کی موت سے ملک کے اندرونی اختلافات اور زیادہ ہوگئے لیکن مسلمانوں کے مقابلے پر سارا ملک متحد تھا۔

کئی وجوہات کی بنا پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو برابر ایک سال تک حیرہ میں مقیم رہنا پڑا۔ اس

Marfat.com

قیام کے دوران میں خالد رضی اللہ عنہ نے دو خط لکھے۔ ایک ایرانی بادشاہوں کے نام اور دوسرا صوبائی حکام کے نام۔ دونوں خط اہم ہیں اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے نظریے کی توضیح کرتے ہیں۔ دونوں کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''اس خدا کا شکر ہے جس نے تمھاری تنظیم کو کمزور اور تمھاری تدبیروں کو بیکار کر دیا اور تمھارے اتحاد کو تفرق وتشتت میں تبدیل کر دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تمھیں اور برے دن دیکھنے پڑتے۔ ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔ ہم تمھیں تمھارے ملک پر قابض رہنے دیں گے اور خود آگے بڑھ جائیں گے، ورنہ ہم تمھارے ملک پر بزور قبضہ کر لیں گے اور تمھیں ایسی قوم سے سابقہ پڑے گا جو موت کی اتنی ہی خواہش مند ہے جتنے تم زندگی کے آرزومند ہو۔''

دوسرے خط میں یہ لکھا:

''اسلام قبول کر لو امن میں رہو گے۔ یہ منظور نہیں تو ذِمّی بن کر جزیہ ادا کرو۔ اگر یہ شرط قابل قبول نہیں سمجھتے تو پھر یاد رکھو کہ تمھیں ایک ایسی قوم سے پالا پڑنے والا ہے جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنے تم شراب نوشی کے دِلدادہ ہو۔''①

انبار کی تسخیر

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ عیاض بن غَنم رضی اللہ عنہ آجائیں تو مدائن کے شہر پر حملہ کیا جائے۔ سالارِ اعظم سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے بیکار بیٹھے رہنے کی بجائے یہ مناسب سمجھا کہ دشمنوں کے جو لشکر حیرہ کے قرب وجوار میں جمع ہو رہے ہیں ان سے نپٹ لیا جائے۔ چنانچہ جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد شمالی عراق کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ قَعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو جنوبی عراق کی حفاظت و نگرانی کے لیے حیرہ میں چھوڑ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ شہر انبار میں جا پہنچے، ایرانی فوجیں قلعہ بند ہو

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۳۵۹، ۳۷۲

Marfat.com

گئیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر کے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ ایرانی سپاہ پر تیروں کی بارش کرو لیکن ایرانی فوج بڑی محفوظ تھی۔ شہر کے گرد فصیل بنا رکھی تھی، پھر خندق کھود کر شہر کو اور بھی محفوظ کر لیا گیا تھا۔ شہر کی تسخیر میں تاخیر دیکھ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ بے چین ہونے لگے۔

فتح کے لیے اتنا اضطراب تھا کہ خندق کے گرد گھوم پھر کر شہر میں داخل ہونے کی راہ تلاش کرنے لگے۔ اتنے میں ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم نظر آئی۔ فوراً حکم دیا کہ کمزور اور دُبلے پتلے اونٹوں کو ذبح کر کے اس خندق میں پھینک دو۔ چنانچہ اس طرح خندق کو پٹوا کر شہر میں داخل ہونے کے لیے راستہ بنا لیا۔ جانباز مجاہدوں نے خندق عُبور کر کے فصیل پھاندی اور شہر کے دروازے توڑ دیے۔ شہر میں داخل ہونے کو تھے کہ ایرانی سپہ سالار نے ہتھیار ڈال کر صلح کر لی۔ ①

تسخیر عین التمر

ابھی انبار کا معرکہ سر کیا تھا کہ خبر پہنچی کہ دشمن کی فوجیں عین التمر میں جمع ہو رہی ہیں۔ بہرام چوبین کا بیٹا مہران شاہ ایران کی طرف سے عین التمر کا حاکم تھا۔ مہران نے ایرانی فوج کے علاوہ بنو تغلب، نمر، ہذیل، ایاد وغیرہ عرب قبائل بھی اپنے ساتھ شامل کر لیے تھے۔ عرب قبائل اپنی بہادری کے نشے میں مسلمانوں کے مقابلے پر اُترے۔ عیسائی عربوں کا سالار عقہ اپنی فوج لے کر مسلمانوں پر پل پڑا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لپک کر اسے گرفتار کر لیا۔ اپنے سردار کو یوں بے بسی کے عالم میں قید ہوتے دیکھ کر دشمن کی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے بہت سے لوگوں کو قید کر لیا۔ صرف ہذیل کا قبیلہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ جب مہران نے اپنے عرب سپاہیوں کو بھاگتے دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے اور جان بچانے کی فکر میں قلعہ فوج کے حوالے کر کے اس نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ قلعہ کے محافظ دستے نے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے سپر ڈال کر صلح کی درخواست کی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کی تجویز پیش کی۔ دشمن کے پاس ماننے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں گرفتار کر کے پہلے عقّہ کی گردن اُڑائی پھر باقی لڑنے والے سپاہیوں کو قلعہ کے اندر ہی قتل کر ڈالا اور ان کے بال

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۷

Marfat.com

بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا۔ اس جنگ میں بھی کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ①

فتح دُومۃ الجَنْدَل

یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ دُومۃ الجَنْدَل اپنے محل وقوع کے اعتبار سے جغرافیائی اور سیاسی اہمیت رکھتا تھا۔ یہ شہر حِیرَہ اور عراق کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ نیز وادیٔ سرحان کے اُن دروازوں پر واقع تھا جو شام کی راہ میں آتے تھے۔ اس اہمیت کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے شامی سرحدوں کو مضبوط کرتے وقت اس کی جانب توجہ مبذول فرمائی تھی۔

مزید برآں حاکم شہر اُکَیدر بن عبدالمالک نے بدعہدی کر کے خلیفہ رضی اللہ عنہ کی ناراضگی مول لی۔ ان وجوہات کی بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عراق میں فوج بھیجتے ہوئے اس سرحد کو یونہی غیر محفوظ چھوڑنا اُصولِ سیاست کے خلاف سمجھا اور عیاض بن غَنم کو بھیج کر اس علاقے کی طرف سے خطروں کا سدِّ باب کرنا چاہا مگر یہ معاملہ تنہا عیاض کے بس کا نہ تھا۔ وہ برابر ایک برس تک اس کی تسخیر کے لیے تگ و دو کرتے رہے لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عیاض مصیبتوں میں گِھرا ہوا ہے تو خالد رضی اللہ عنہ نے عویم اسلمی کو عَین التَّمر کی حفاظت کے لیے چھوڑ کر اپنی فوج سمیت دومۃ الجندل کی راہ لی۔ راستہ بڑا پُر خطر تھا، راہ میں لق و دق صحرا حائل تھے، لیکن خالد رضی اللہ عنہ کا آہنی عزم سب مشکلات پر غالب رہا۔ مسافت طے کر کے نو دس دن میں وہاں جا پہنچے۔ جب دومۃ الجندل کے لوگوں نے خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر سنی تو خوف کے مارے ان کے اوسان خطا ہو گئے اور جنگ تبوک کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا کہ کس طرح حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بے شمار مویشی اور مال و دولت بطورِ مالِ غنیمت حاصل کیا تھا اور کس طرح ان کا فرمانروا اُکیدر قید ہو کر مدینے میں حضرت رسول خدا ﷺ کے حضور میں پیش ہوا تھا۔ اُکیدر نے اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر دوسرے فرمانروا جودی کو مقابلہ کرنے سے منع کیا مگر وہ نہ مانا، اُکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ عیاض اور خالد رضی اللہ عنہما نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا۔ جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر مارا گیا، اُس کی فوج قلعہ بند ہو گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا دروازہ توڑ کر

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۳۷۶

Marfat.com

دشمن کی فوج کو قتل کر دیا اور عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ بنو کلب کو اس لیے چھوڑ دیا کہ اُقرع بن حابس اور عاصم نے انھیں امان دے دی تھی۔ ①

خدا تعالیٰ کا یہ خاص فضل و کرم تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جس طرف رُخ کیا، فتح و کامرانی نے ان کے قدم چومے۔ جس طرف جا نکلے دشمنوں نے میدان خالی کر دیا۔ جس شہر پر ہاتھ ڈالا اُسے قبضہ میں لے لیا۔ اسی فضل الٰہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان ایک قلیل مدت میں دُنیا کے بہت بڑے رقبے میں حکمران تسلیم کر لیے گئے۔

حیرَہ میں واپسی اور دیگر مقامات کی تسخیر

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل کی مہم سر کر رہے تھے، جنوبی عراق کے عرب قبائل نے ایرانیوں کو عراق واپس بلانے کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔ بنو تغلِب اپنے سردار عقہ کے قتل کا انتقام لینے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ایرانی افواج مقامِ حُصَید میں جمع ہونے لگیں۔ اس اثنا میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ دومۃ الجَندَل کی تسخیر سے فارغ ہو کر حیرَہ واپس پہنچ گئے۔ جب ایرانی فوج کی نقل و حرکت کی خبر ملی تو عیاض بن غنم کو حیرہ کے انتظامات سپرد کیے۔ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے قَعقاع کو حُصَید کی جانب روانہ کیا۔ قعقاع نے حصید پہنچ کر دشمن کو شکست دی اور ان کے سالار کو قتل کر دیا۔ حصید میں جنگ ہار جانے کے بعد ہزیمت خوردہ فوج پناہ لینے کے لیے خنافس کے شہر میں پہنچی لیکن وہاں کا سالار مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی فرار ہو گیا۔ ابو لَیلیٰ تو خالد رضی اللہ عنہ کے حکم سے پہلے ہی خنافس میں پہنچ چکا تھا، اس لیے ایرانی فوج کو وہاں سے مُصَیَّخ کی طرف ہٹنا پڑا۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو اپنے سپہ سالاروں کو لے کر مُصَیَّخ پہنچے اور جب ایرانی عیسائی عرب قبیلہ ہُذَیل کے علاقے میں رات کو سو رہے تھے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شب خون مار کر بدعہدی کرنے والے سب دشمنوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔

اس کے بعد بنو تغلب کی باری آئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قعقاع رضی اللہ عنہ اور ابو لیلیٰ دونوں سپہ سالاروں کو ساتھ لیا اور قبیلۂ تغلب پر تینوں اطراف سے شب خون مار کر سارے لشکر کو تلواروں

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۳۷۸

Marfat.com

سے اُڑا دیا۔ اتنا قتل عام ہوا کہ لشکر کا ایک سپاہی بھی جان بچا کر بھاگ نہ سکا۔ بہت سا مال غنیمت اور قیدی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئے۔

جب آس پاس کے قبیلوں کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے شب خون مار کر قبائل میں قتل عام کیا ہے، تو وہ ڈر گئے اور ہتھیار ڈال کر صلح کی درخواست کی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ دریائے فرات کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ ہر جگہ قبیلوں نے اطاعت قبول کر کے خالد رضی اللہ عنہ کی بہادری کا لوہا مان لیا۔ ①

معرکۂ فراض

بالآخر ماہِ رمضان میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ مقام فِراض پر جا پہنچے، فِراض نہایت اہم شہر تھا۔ یہاں شام، عراق اور جزیرہ عرب کی سرحدیں ملتی تھیں۔ فراض میں خالد رضی اللہ عنہ کو تین دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ عرب قبائل، ایرانی اور رومی تینوں جمع ہو کر مسلمانوں سے گزشتہ ہزیمتوں کا انتقام لینے کے درپے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو ازسرنو ترتیب دیا۔ فریقین کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ دشمن اپنی طاقت کے نشے میں مخمور خالد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ یا تم دریا عبور کر کے ہماری جانب آ جاؤ یا ہم تمھاری جانب آ جاتے ہیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم ہی دریا عبور کر کے ہماری طرف آ جاؤ۔

دشمن کی فوجیں دریا عبور کرنے لگیں۔ اتنے میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنی صفوں کو درست کر لیا۔ جب دونوں فوجیں صف آرا ہو کر میدان جنگ میں اُتریں تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے بہادر مجاہدوں کو حکم دیا کہ دشمنوں پر پل پڑیں، بڑے گھمسان کا رَن پڑا۔ مسلمان شہسواروں نے بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے کشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ رومی سپہ سالار اور ان کے حلیف چاہتے تھے کہ جنگ کو طول دیا جائے لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ایسے حربے استعمال کیے کہ دشمن دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

جنگِ فراض میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے قیادت و سپہ سالاری کے وہ ہنر دکھائے کہ دشمن کی

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/۳۹۷

Marfat.com

تمام تدبیریں بے کار ہو گئیں۔ جب سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی قائدانہ ہنرمندی، جنگی مہارت اور عسکری قیادت کے سامنے رومی اور ان کی حلیف فوجیں میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلیں تو مسلمان فوج نے تعاقب کیا، دشمن بھاگ کر کہاں جا سکتا تھا۔ سامنے دریا، پیچھے مسلمان مجاہد تلواریں سونتے قتل وغارت گری کا بازار گرم کر رہے تھے۔ دشمن کی تقریباً ساری فوج وہیں کھیت رہی۔

تمام مؤرخین متفق ہیں کہ جنگ فراض میں دشمن کے مقتولوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی۔ اس جنگ کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ دس دن تک فراض میں قیام فرما رہے۔ ①

خالد رضی اللہ عنہ کا حج

بتاریخ ۲۵ ذوالقعدہ سن ۱۲ ہجری حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حیرہ واپس جانے کا حکم دیا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جزیرۂ عرب کے ہر گوشے میں فتح وکامرانی سے سرفراز ا۔ یمامہ کی فتح کے بعد عراق مسخر ہوا۔ کسریٰ کی سلطنت کے حصے کو اسلامی خلافت میں شامل کیا۔ معرکۂ فراض سر کرنے کے بعد رومی سلطنت کو فتح کرنے کے خواب دیکھے جانے لگے۔ ان تمام انعامات کا شکریہ ایک قسم کا قرض تھا، جسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ حج کعبہ کی صورت میں ادا کرنا چاہتے تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ضمیر میں ایک نفسیاتی کشمکش تھی۔ اگر وہ خلیفہ سے اجازت طلب کریں تو ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر اجازت دینے سے انکار کر دیں۔ اس صورت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ضمیر میں ایک چبھن اور خلش سی رہی کہ شکریۂ انعامات میں حج بھی نہ کر سکے۔ اگر اجازت مل جائے تو لوگوں کو خبر ہو جائے گی۔ عین ممکن تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری میں کوئی شورش بپا ہو جائے۔ عراقی بدعہدی کرنے لگیں یا بغاوت کے جراثیم پھیل جائیں تو ساری محنت اکارت چلی جائے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو یہ بات بھی گوارا نہ تھی۔

اس لیے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہی مناسب سمجھا کہ نہ تو خلیفۃ المسلمین کو اس کا علم ہونے پائے اور نہ عراق میں کسی کو پتہ چلے کہ خالد رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس بات کا بھی

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۷۸

Marfat.com

یقین تھا کہ خلیفہ اجازت کے بغیر حج کرنے کی معذرت قبول کرلیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ حج باعث اجر شمار ہوگا۔

چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لشکر کو حکم دیا کہ مزے مزے سے سفر کرتے حیرہ واپس پہنچے اور انھیں کہہ دیا کہ میں بھی تمھارے پیچھے پیچھے آتا ہوں۔ یہ کہہ کر چند ساتھیوں کی رفاقت میں برق رفتاری سے مکہ مکرمہ کو چل دیے۔ راہ کی مشکلات، راستے کی تکالیف، لق و دق صحرا سب خالد رضی اللہ عنہ کے عزم کے سامنے ہیچ تھے۔

کسی قائد ورہنما کے بغیر حضرت خالد رضی اللہ عنہ صحراؤں کے سینے چیرتے، وادیوں اور پہاڑوں کو روندتے، سنسان ویرانوں اور خوفناک بلندیوں سے گزرتے ہوئے مکے جا پہنچے۔ حج ادا کر کے اللہ کے قرض سے عہدہ برآ ہوئے۔ پھر اسی برق رفتاری کے ساتھ ہوا سے باتیں کرتے عراق واپس پہنچے۔ ہزارہا مسلمان حج کے لیے جمع تھے۔ کسی کو بھی خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر نہ ہوئی اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ حیرہ میں واپس پہنچے تو اس وقت فوج کا آخری حصہ حیرہ میں داخل ہو رہا تھا۔ ابھی ستانے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شام کی مہم پر چلنا پڑا۔ اس وجہ سے عراق کی مہم عارضی طور پر رک گئی۔ ①

❀❀❀

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۳۸۴

Marfat.com

فتح شام

اسباب

عربوں اور رومیوں کے درمیان دیرینہ رقابت چلی آرہی تھی۔ رومیوں کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا اور جزیرہ عرب کی سرحد پر شام کا ملک، رومیوں کے زیرنگیں تھا۔ ظہورِ اسلام کے بعد شام کے عیسائی عرب مسلمانوں کے سخت دشمن ہوگئے تھے۔ یہ لوگ مسلمان تاجروں اور سفیروں کو شام آتے جاتے راہ میں لوٹ لیتے تھے۔ ایک سفیر کے انتقام میں جنگ مُوتہ ہوئی تھی۔ ①

پھر سن ۹۔ ہجری میں رومیوں کے حملے کی افواہ گرم ہوئی تو مسلمان مدافعت کے لیے تبوک تک پہنچے۔ ② پھر رومی خطرے کے سدّ باب کے لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانگی کا حکم دیا تھا جو خلافتِ صدیقی میں روانہ ہوا۔ ③

مزید برآں فتح عراق کے بعد عیسائی عرب قبائل ہزیمت کا انتقام لینے کی فکر میں تھے۔ وہ غسانی حکومت کی سرحد پر اور بادیۂ شام کے ساتھ ساتھ آباد تھے۔ ان کی طرف سے مستقل خطرہ تھا کہ وہ شامی عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں گے۔ اس کے علاوہ روم کی اندرونی سیاست میں انقلاب رونما ہونے لگا۔ حالات کی تبدیلی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ وہ بھی اپنی سرحدوں کو مضبوط کر کے رومیوں کے خطرے سے محفوظ ہو جائیں۔ اس وقت سرحدِ شام کی نگرانی حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، وہ تیماء میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے اپنی حکمت عملی سے وہاں کے کئی قبائل کو ساتھ ملا لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہوگیا۔

ہرقل والیٔ شام اس عظیم الشان لشکر کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھتے ہوئے مسلمانوں کے

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/ ۳۷۳
② ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۲۷۶
③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۹

Marfat.com

خلاف طاقت آزمانے کی فکر کرنے لگا اور اس نے پیش بندی کے لیے فوج بھی تیار کر لی۔

جب خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو ہرقل کی فوجی تیاری کا علم ہوا تو اُنھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ رومیوں سے نپٹنے کی اجازت دی جائے۔ ①

مشورۂ جنگ

ان اسباب کے باعث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن میں عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اور دیگر مہاجر و انصار شامل تھے، مشورہ کے لیے طلب کیا۔ حالات سے آگاہ کرتے ہوئے آپ نے ان کی رائے پوچھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

> ''آپ ہر نیک کام میں ہمیشہ سبقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وساطت سے ہمیں ہدایت دی۔ گھوڑ سواروں کو پے در پے وہاں بھیجیے۔ پیادہ فوج بھی لگاتار وہاں پہنچے۔ لشکروں پر لشکر چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا ناصر و مددگار ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو ہر جگہ قائم کرنے والا ہے۔ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کرے گا۔''

یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

> ''اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین! یہ رومیوں کا علاقہ ہے۔ یہ خطرناک سرحد ہے۔ یہ بڑا نازک اور اہم مسئلہ ہے۔ بخدا! میں ان کے خلاف پے در پے لشکر کشی کا حامی نہیں ہوں۔ البتہ میری یہ رائے ہے کہ چھوٹے چھوٹے فوجی دستے قریب کی سرحدوں پر حملہ کر کے واپس آجائیں، پھر حملہ کریں اور واپس آجائیں، پھر حملہ کریں اور واپس آجائیں، بار بار حملوں سے دشمن کو نقصان پہنچے گا، مالِ غنیمت ہمارے ہاتھ آئے گا اور ہمارے مجاہد ان سے مقابلہ کرنے کے عادی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۳۸۸

Marfat.com

یمن اور ربیعہ و مُضر کے دُور دراز علاقوں میں لشکر کشی کی جائے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو فوج کی کمان خود سنبھال لیں یا کسی اور کے ہاتھ میں دے دیں۔''

جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے اور حاضرین پر سناٹا چھا گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور حاضرین سے پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بولے:

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ آپ ان کی بہتری اور بھلائی چاہتے ہیں۔ اگر آپ کی رائے میں یہ حملہ ان کے لیے خیر و برکت اور بہتری و بھلائی کا مُوجِب ہے تو پھر کر گزریے۔ آپ مسلمانوں کا برا چاہنے والے نہیں ہیں۔''

سب حاضرین نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے بیک آواز یہ اعلان کیا:

''آپ جو بھی مناسب سمجھتے ہیں کر گزریے۔ ہم ہر حال میں اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔ آپ کے حکم کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔ ہم کسی حالت میں بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔''

یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں رومی افواج سے جنگ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! میں تم پر مختلف امیر اور سالار مقرر کرنے والا ہوں، اپنے رب کے حکموں پر چلو۔ اپنے سالاروں اور قائدین کی خلاف ورزی نہ کرو۔ نیک نیّت اور نیک کردار بن جاؤ۔ اللہ متقی اور محسن لوگوں کا ساتھ دیتا ہے۔''①

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر وقت مسلمانوں کی خیر خواہی اور دین اسلام کی فتح و نُصرت کے بارے

① ابن عساکر، التاریخ: ۲/۴۵، ۴۶

Marfat.com

سوچا کرتے اور اندرونِ ملک میں امن واطمینان کی حالت پیدا کر کے بیرونی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ زکات اور غنیمت کا سارا مال مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے لوگ اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حق داروں میں تقسیم کے بعد جو رقم بچ رہتی وہ لشکروں کی تیاری اور فوجی انتظامات میں صرف کر دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف، رحمت وشفقت، حسنِ سلوک اور سیاسی حکمتِ عملی ان کی کامیابی اور مسلمانوں کی فتح مندی اور کامرانی کا سبب تھی۔

مسلمانوں کے جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔ میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے راہِ خدا میں شہید ہو جانا سب سے بڑی خوش نصیبی اور سعادت مندی سمجھی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے جذبۂ شہادت پر فخر کیا کرتے تھے اور دشمنوں کو بتایا کرتے تھے کہ ہم شہید ہونے کو آئے ہیں۔ ہمیں راہِ خدا میں مرنے کی تمنا ہے، جینے کی نہیں۔ ①

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تو فرمایا کرتے تھے کہ عراق میں بکثرت مالِ غنیمت ہاتھ آنے سے دولت کا اتنا وفور ہو گیا ہے کہ یہ وفورِ دولت اور سیم وزر کے انبار جہاد پر اُکسانے کے لیے بہت کافی ہیں۔ ان حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام میں رومی افواج سے جنگ کو کامیاب بنانے کے لیے خود تیاری شروع کی۔ جہاد کے لیے بڑی سرگرمی اور جوش وخروش سے لوگوں کو آمادہ کر کے فوج مرتب کرنے لگے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے آپ نے اہلِ یمن کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

> ''امابعد! اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر جہاد فرض کر دیا ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ خواہ مسلح ہوں یا غیر مسلح، میدانِ جنگ کی طرف لپکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال وجان کے ساتھ جہاد کے لیے نکلو۔ ان احکام کے پیشِ نظر جہاد ایک اہم فریضہ ہے اور اللہ کے ہاں اس کا بہت بڑا اجر ہے۔ ہمارے کچھ مسلمان شام میں جنگِ روم میں حصہ لینے کے لیے مجاہدوں کو دعوتِ شرکت دے چکے ہیں۔ اے اللہ کے بندو! تم بھی اپنے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۴۷/۳

Marfat.com

رَب کے عائد کردہ فرض کو ادا کرنے کے لیے جلدی کرو۔"①

اس اعلان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ جونہی یہ دعوتِ شرکت جنگ اہل یمن کو پہنچی، تمام قبائل جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ ذوالکلاع حِمیَری اہل یمن کی بھاری فوج لے کر مدینہ حاضر ہو گیا۔ اس طرح قبیلۂ مذحج، قبیلۂ ازداور قبیلۂ طی کے بہادروں کے لشکر تیار ہو گئے۔ اس اثنا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گردوپیش کے مہاجرین وانصار اور اہل مکہ کے لشکر بھی تیار کر لیے۔

اب یہ بات قطعی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنگِ روم کا خیال اُس وقت پیدا ہوا جب یمن اور اس کے گردونواح میں مُرتد قبائل کا قلع قمع ہو چکا تھا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ حِیرَہ کی فتح کر کے اطمینان کا سانس لینے لگے اور دُومۃ الجَندَل کی تسخیر کے بعد وادی سرحان والا راستۂ شام پُر امن نظر آنے لگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگِ رُوم کی اہمیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کے لیے بڑا اہتمام کیا۔ آپ نے تمام نامور مسلمان قائدین کو اس محاذ پر بھیج دیا۔ عِکرِمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ ابھی کِندہ اور حضرَموت سے مدینے واپس پہنچے تھے کہ انھیں حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے نیا لشکر دے کر شام کی طرف روانہ کر دیا۔ ذُوالکلاع حِمیَری کو اپنے ہی قبائل کا سالار نامزد فرما کر شام کی طرف چلتا کیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بنو قُضاعہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، انھیں امیر مقرر کر کے فلسطین بھیجا۔ وَلید بن عُقبہ رضی اللہ عنہ کو اُردُن کا امیر بنایا۔

ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے پہلے پہنچ کر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو کُمک اور جنگی تیاریوں کی خوشخبری سنائی۔ یہ سن کر خالد رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اتنے میں عکرمہ اور ذوالکلاع بھی پہنچ گئے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور فوج لے کر رومیوں پر ہلّہ بول دیا۔ باہان رومیوں کا سپہ سالار تھا۔ وہ ابھی دُور ہی تھا کہ اس نے اپنے لشکر کو دمشق کی طرف پیچھے ہٹ جانے کا حکم دے دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقُب کیا تو معلوم ہوا کہ یہ جنگی چال تھی۔

رومی سپہ سالار مسلمانوں کو دھوکہ دے کر باہر کھلے میدان میں لانا چاہتا تھا۔ تاکہ مڑ کر پیچھے

① ابن عساکر، التاریخ: ۲/۴۷

Marfat.com

سے حملہ کر دے لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ہدایت و تنبیہ کے خلاف خالد رضی اللہ عنہ فتح و نصرت کے خیال میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ جب باہان نے دیکھا کہ اب مسلمان زد میں آ گئے ہیں تو اس نے مڑ کر مسلمان فوج کا محاصرہ کر لیا۔ مختصر معرکے میں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کا بیٹا سعید باہان کے ہاتھ آ گیا۔ باہان پہلے ہی موقع کی تلاش میں تھا، اس نے فوراً سعید کو شہید کر دیا۔ خالد رضی اللہ عنہ خود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے بھاگ کر بمشکل جان بچائی۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ اور ذوالکلاع رضی اللہ عنہ مسلمان فوج کو دشمن کے نرغے سے نکال کر بچا لائے۔[1]

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی عارضی ہزیمت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عزیمت پر غالب نہ آ سکی۔ اُنھوں نے ہزیمت کا انتقام لینے اور دُشمنوں کو مزہ چکھانے کے لیے اور ذرائع اختیار کیے۔

شُرحبیل بن حَسَنہ رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ عراق میں تھے لیکن اس وقت مالِ غنیمت اور فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ آئے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرحبیل کو ولید بن عقبہ کی جگہ شام میں بھیج دیا۔ شرحبیل نے وہاں پہنچ کر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اور ولید بن عقبہ کی افواج کو جمع کیا اور ساتھ لے کر عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔

اس کے علاوہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار جس کا اکثر حصہ اہل مکہ پر مشتمل تھا، شام روانہ کیا۔ پھر یزید رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی امداد کے لیے وہاں پہنچنے کا حکم دیا۔ نیز خلیفۃ المسلمین نے ایک بھاری لشکر جمع کر کے حضرت ابوعبیدہ بن جَراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حِمص بھیجا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ لشکر کی روانگی کے وقت بنفس نفیس تشریف لے جاتے اور ہر ایک لشکر کو الوداع کہتے اور یہ نصیحت فرماتے:

> ''جو کوئی اللہ کے لیے کام کرتا ہے، اللہ اس کو کافی ہے۔ کوشش اور اعتدال کی راہ نہ چھوڑو۔ اعتدال تو بہترین شے ہے۔ اچھی طرح سن لو کہ جس کا ایمان نہیں اس کا دین نہیں۔ جو نیکی کا اجر حاصل کرنے کی آرزو نہیں رکھتا،

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۲/۴۰۵

Marfat.com

اسے کوئی اجر نہیں ملتا۔ نیت کے بغیر عمل بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں راہِ خدا میں جہاد کا اتنا ثواب اور اَجر بتایا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس کے لیے وقف ہو جائے۔ یہ اللہ کی بتائی ہوئی تجارت ہے۔ جہاد کی برکت سے اللہ نے ذلت و رسوائی سے بچالیا اور دُنیا و آخرت میں جہاد ہی کے ذریعے عزت بخشی۔'' ①

مسلمانوں کی عارضی شکست سے رومیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ جب تمام سپہ سالار اپنے اپنے لشکر لے کر شام میں پہنچے تو مسلمان فوج کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی اور رومی سپاہ کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ جب مسلمان سالاروں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کثرتِ تعداد کی اطلاع دی تو اُنھوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراق سے شام پہنچنے کا حکم دیا۔ ② حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خالد رضی اللہ عنہ پر بڑا اعتماد اور ناز تھا۔ آپ نے فرمایا:

''خالد رضی اللہ عنہ کو شام میں پہنچ لینے دو، رومی تمام شیطانی دھوکے اور وسوسے بھول جائیں گے۔'' ③

اِدھر خلیفۃ المسلمین نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھی یہ خط لکھا:

''تم جلدی سے مقامِ یرموک میں مسلمان فوجوں کے ساتھ جاملو۔ دشمنوں کا قافیہ تنگ کر دو۔ ہاں پھر حج کے لیے میدانِ جنگ سے غائب نہ ہو جانا، کون ہے جو تمھاری طرح دُشمنوں کا ناک میں دَم کر سکتا ہے؟ اے ابو سلیمان! تمھاری نیت اور خوش نصیبی (فتوحات) تمھیں مبارک ہوں۔ تسخیر ممالک کے لیے نکلو۔ اللہ تمھارے لیے تکمیل تسخیر آسان کر دے گا۔ دیکھو! تکبر اور غرور اور نخوت کو پاس نہ آنے دو، ورنہ ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔ اپنے کارناموں پر اترانا اچھا نہیں۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے اور وہی

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۳۹۰
② ابن عساکر، التاریخ: ۲/ ۵۳، ۵۸
③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۴۰۸

Marfat.com

صلہ دینے والا ہے۔''①

ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ مثنیٰ بن حارثہ کو اپنے پیچھے مقرر کر جاؤ۔ جب اللہ تعالیٰ فتح عطا کردے تو تم اپنی فوج لے کر عراق واپس چلے جاؤ اور اپنا علاقہ سنبھال لو۔②

یہ حکم پاتے ہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی فوج کا کچھ حصہ لیے لق و دق صحراؤں اور بے آب و گیاہ ریگستانوں کو برق رفتاری سے طے کرتے شام میں پہنچے۔ راہ کی تکالیف اور مشکلات کوئی چیز بھی آڑے نہ آسکی۔ یہ وسیع و عریض ریگستان جہاں پانی اور سبزہ نام کو نہیں۔ ایسے وحشت ناک اور خوفناک تھے کہ آج بھی ایک نڈر اور جان پر کھیل جانے والا انسان ان مقامات سے گزرتے ہوئے خوف کھاتا اور گھبراتا ہے لیکن خالد رضی اللہ عنہ کی فوق الفطرت شخصیت کے سامنے یہ ریگستان اور صحرا بھی کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔

جنگِ یرموک

اتفاق ملاحظہ ہو کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور رومیوں کا سپہ سالار باہان③ دونوں بیک وقت مقام یرموک④ میں پہنچے۔ رومیوں کو باہان پر بڑا ناز تھا۔ ان کی فوج بھی تعداد میں کہیں زیادہ تھی۔ فوجی تربیت اور جنگی تیاری میں بھی مسلمان ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ ظاہری اعتبار سے رومی فوج ہر لحاظ سے مسلمانوں پر فوقیت رکھتی تھی لیکن معنوی لحاظ سے مسلمانوں کو رومیوں پر فوقیت حاصل تھی۔

(۱) رومی فوج شام میں مقیم بدویوں اور ہرقل کے ان سپاہیوں پر مشتمل تھی جو ایرانیوں کے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۳۸۴

② ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۴۰۷

③ باہان کو بعض مورخ ماہان بھی لکھتے ہیں۔ (از مؤلف)

④ یہ ترتیب امام طبری نے تاریخ الرسل والملوک میں اختیار کی ہے جو زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے۔ عصر حاضر کے نامور مصری مؤرخ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل اور ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے بھی جنگ یرموک کا ذکر خلافت صدیقی میں کیا ہے۔ البتہ واقدی اور بلاذری کی روایت کے مطابق اجنادین اور معرکۂ دمشق، جنگِ یرموک سے پہلے واقع ہوئے تھے۔ (از مؤلف)

Marfat.com

خلاف طاقت آزما چکے تھے۔

(۲) ان دونوں جماعتوں (شامی بدویوں اور رومی سپاہیوں) میں کوئی چیز مشترک نہ تھی۔ اس لیے فوج میں اشتراکِ عمل کا جذبہ مفقود تھا۔

(۳) رومی فوج کے سامنے کوئی بلند مطمح نظر یا مقدس نصب العین نہ تھا۔ رومی فوج کے مقابلے پر مسلمانوں میں کئی معنوی خوبیاں موجود تھیں:

(۱) مسلمانوں کی ساری فوج عربوں پر مشتمل تھی۔

(۲) ان سب کا ایمان تھا کہ وہ رومیوں کے مقابلے پر راہِ خدا میں جہاد کرنے آئے ہیں اور میدانِ جنگ میں مرجانے والا شہید ہے۔ جس کو شہادت کے بدلے میں جنت اور اللہ کی مغفرت اور رضا حاصل ہوگی۔ اس تجزیے اور تحلیل کا مفاد یہ ہے کہ رومی فوج کو اپنی مادی طاقت اور کثرت تعداد پر ناز تھا۔ مسلمان اپنے جوشِ ایمان اور شوقِ شہادت کے بل بوتے پر میدان جنگ میں اُترے تھے۔ مادی ذرائع پر بھروسہ اور تکیہ کرنے کی بجائے مسلمانوں کو روحانی قوت پر اعتماد اور وثوق تھا۔ دو تین ہفتے گزر گئے اور دونوں فریق میدانِ جنگ میں کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی فوج کی خامیوں کو دُور کر کے انھیں متحدہ محاذ پر لڑانا چاہتے تھے لیکن یہ کیسے ممکن تھا؟ وہ تو ساتھیوں کی مدد کے لیے آئے تھے، سپہ سالار بنا کر نہ بھیجے گئے تھے اور مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ ہر امیر الگ الگ فوج لیے کھڑا تھا اور الگ الگ لڑنے پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا۔ ان حالات میں خالد رضی اللہ عنہ کی راہ میں مشکلات بہت زیادہ تھیں۔

اس اثنا میں باہان نے اپنے لشکریوں کو صف آرا کر کے جنگ کے لیے بالکل تیار کر لیا۔ اس موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو ذیل کے الفاظ میں خطاب کیا۔ خدا کی حمد و ثنا کے بعد سیف اللہ نے فرمایا:

> ''آج کی جنگ بڑی اہم جنگوں میں سے ہے۔ آج کا دن بڑی حُرمت و اخلاص کا دن ہے۔ آج فخر و غرور اور بغاوت و سرکشی جائز نہیں۔ اپنے جہاد کو تمام جذبات سے پاک کر کے خالص اللہ کے لیے بناؤ۔ ہر کام اللہ کی

Marfat.com

خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے کرو۔ آج کے بعد پھر کبھی ایسا نازک اور اہم میدانِ جنگ نہیں آئے گا۔ تمھیں آج ایک بڑی منظم اور تربیت یافتہ قوم سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ تم متفرق اور بکھرے ہوئے ہو، آج یہ تفریق وانتشار جائز نہیں۔ اگر مدینے میں خلیفۃ المسلمین کو ان حالات کی خبر ہو جائے تو وہ تمھیں لڑائی سے روک دیں۔ آج تمھیں وہ کام کر گزرنا چاہیے جس کا تمھیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔'' ①

تمام سردارانِ لشکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی بات پا گئے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ خالد رضی اللہ عنہ کا مشورہ درست ہے۔ منظم دشمن کے مقابلے پر الگ الگ ٹولیاں بنا کر لڑنا سودمند ثابت نہ ہوگا۔ انھیں وقت کی نزاکت کا پورا احساس تھا۔ انھوں نے متفقہ طور پر خالد رضی اللہ عنہ جیسے کہنہ مشق اور آزمودہ سپہ سالار کو پہلے معرکے کے لیے سپہ سالار منتخب کر لیا۔

خالد رضی اللہ عنہ نے ایک ایک ہزار مجاہدوں کے دستے بنا کر امیر مقرر کر دیے اور ہر دستے کے لیے ایک بہادر اور نڈر مجاہد کو سالار نامزد کر دیا۔ امیروں میں ابوعبیدہ بن جراح، عمرو بن عاص، شرحبیل بن حسنہ اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم تھے اور قعقاع، عکرمہ، صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگ سالار مقرر ہوئے تھے۔ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ دستوں کے درمیان گھوم پھر کر انھیں بہادری اور دلیری سے لڑنے پر اکسائے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دستوں کے درمیان گھومتا پھرتا ہوا یہ کہتا جاتا تھا:

''تم عربوں کے محافظ اور اسلام کے مددگار ہو۔ تمھارا دشمن روم کا محافظ اور شرک کا مددگار ہے۔ اے اللہ! آج کی جنگ تیرے نام پر لڑی جا رہی ہے تو اپنے بندوں کی مدد فرما۔'' ②

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایک مجاہد کو رومیوں کی کثرت تعداد سے مرعوب دیکھا تو فرمایا:
''لشکر کی کثرت وقوت کا معیار تعداد نہیں بلکہ غلبہ اور فتح ونصرت ہے۔

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۹۵/۳
② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۹۷/۳

Marfat.com

ہزیمت و نامرادی لشکر کو قلیل و ذلیل بنا دیتی ہے نہ کہ قلتِ تعداد۔''①

مختصر یہ کہ رومیوں نے حملہ کیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے چار سو جانباز مجاہدوں کو لے کر رومیوں پر ہلّہ بول دیا۔ بڑے گھمسان کا رَن پڑا۔ سرفروشوں نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ مسلمان عورتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ رومی بھی بڑے ارادے لے کر آئے تھے۔ اُنھوں نے بھی خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

بالآخر مسلمانوں کے آہنی عزم کے سامنے ان کی قوت جواب دے گئی اور وہ راہِ فرار کی عار سے بچنے کے لیے ایک ایک کر کے کٹ مرے۔ باہان جان بچا کر بھاگ گیا۔ عِکرِمہ اور عمرو بن عکرمہ رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا بھی اسی معرکے میں شہید ہوئے۔ ہِرَقل کا بھائی تھیوڈورس بھی اس جنگ میں قتل ہوا۔ اس معرکے میں فریقین کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ تین ہزار مسلمانوں نے شہادت پائی اور تقریباً ایک لاکھ رومی کھیت رہے۔

یَرمُوک کی شکست نے رومیوں کے حوصلے پست کر دیے۔ اس کے بعد ان کے پاؤں کہیں نہ جم سکے۔ جونہی ہرقل نے اپنی فوج کی شکست کی خبر سنی، وہ حمص کا عسکری مرکز خالی کر کے بھاگ گیا۔ یرموک سے فارغ ہو کر مسلمان دمشق کی طرف بڑھے۔ ابھی جنگِ یرموک پوری طرح ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہنچ گئی۔②

معرکۂ یرموک کی اہمیّت

یرموک ایک دریا ہے جو کوہِ حُوران سے نکلتا ہے اور تیزی سے بہتا ہوا دریائے اُردن میں جا گرتا ہے۔ اس سنگھم سے تین چار میل کے فاصلے پر وادی واقوصہ ہے جس کے تین جانب پہاڑ ہیں۔ رومی لشکر نے اس وادی میں ڈیرے ڈالے تھے اور دریا کے دائیں جانب مسلمان لشکر فروکش تھے۔③

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹۲/۷

② النویری، نہایۃ الارب: ۷۶/۱۹، ۷۸

③ یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۴۳۴/۵

Marfat.com

جنگ یرموک تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ رومی دیکھ چکے تھے کہ عراق میں عرب کس طرح بے پناہ سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور ایرانیوں کی قوت و طاقت مسلمانوں کی افواج کے سامنے کس طرح بے کار ثابت ہوئی۔ رومی چاہتے تھے کہ پہلے ہی معرکے میں مسلمانوں کو ایسی بری طرح شکست دی جائے کہ وہ پھر رومی سلطنت کی طرف رُخ کرنے کا نام نہ لیں۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے بہترین سپہ سالار اور کثیر التعداد فوج مسلمانوں کے مقابلے پر لا کھڑی کی۔ ادھر مسلمانوں کو بھی رومیوں سے ٹکر لینے کی اہمیت اور نزاکت کا پورا احساس تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس جنگ کی تیاری میں ہر قسم کی احتیاط برتی اور جنگ کو کامیاب بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ آپ نے فوج کی فراہمی میں بڑی سرگرمی دکھائی اور بہترین سپہ سالار شام کے محاذ پر بھیجے۔ ایک جانب قوت و طاقت اور مادی اسباب پر ناز تھا، دوسری جانب جانبازی، شوقِ شہادت اور نا قابل تسخیر روحانی قوت کے بل بوتے پر سر دھڑ کی بازی لگائی جا رہی تھی۔

اگر مسلمان فوج محصور ہو کر رومی لشکر کے نرغے میں آ جاتی تو پھر یہ بات قطعی تھی کہ اسلام کے بہترین اور مایۂ ناز سپہ سالار اور عسکری قائدین ایک ایک کر کے قتل کر دیے جاتے۔ پھر مسلمانوں کے لیے رومیوں پر حملہ آور ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔

لیکن مسلمانوں کی فتح نے رومیوں کے دل توڑ دیے۔ ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ اب ان میں حوصلہ نہ تھا کہ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں۔ اس فتح نے مسلمانوں کے لیے رومی سلطنت کی تسخیر کے دروازے کھول دیے۔

❀❀❀

Marfat.com

تیسرا باب

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت وسیاست

سیرت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پتلے دُبلے آدمی تھے۔ حکومت کی ذمہ داریوں نے آپ کو کمزور ولاغر کر دیا تھا۔ سفید رنگ، گھنگھریلے بال، پچکے ہوئے گال، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں، پیشانی کشادہ اور اُبھری ہوئی، چہرہ لاغر، ہاتھوں کی انگلیاں بالکل باریک اور ہڈیاں ہی ہڈیاں تھیں۔ آواز میں بڑا رعب وجلال تھا۔ تھے تو کم گو، لیکن جب بات کرتے تو بڑی مَتانَت اور گرمجوشی کا اظہار ہوتا تھا۔

آپ اخلاق حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے۔ بڑے نرم دل، صائب الرائے، عقلمند اور بہادر تھے۔ آپ اپنی فراستِ ایمانی اور جوش اسلامی کی وجہ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اجتہاد میں آپ کو سب پر فوقیت حاصل تھی۔ علم وتجارت، عمدہ اخلاق اور حسن معاشرت کی وجہ سے آپ ساری قوم میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ①

آپ نے زمانہ جاہلیت میں بھی اپنے دامن کو شرک اور شراب سے داغ دار نہ کیا تھا۔ ②

آپ نہایت سخی اور کشادہ دست تھے۔ آپ نے چالیس ہزار درہم راہِ خدا میں خرچ کر دیے۔ جب آپ نے وفات پائی تو ایک درہم بھی موجود نہ تھا۔ غریب، کمزور اور غلام مسلمانوں کو کافر مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ حضرت بلال اور حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہما کو آپ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ ③

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے زاہد، متقی اور رقیق القلب تھے۔ تواضع، انکسار اور پرہیزگاری میں آپ بڑی شہرت رکھتے تھے۔ ہر معاملے میں اطاعت اور اقتدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی زندگی کا

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۱۸۸، ۱۹۱

② ابن الجوزی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۰

③ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۱۸

Marfat.com

نصب العین تھا۔ تواضع اور انکسار کا یہ حال تھا کہ آپ خود لوگوں کے کام کر دیتے۔ ہمسایوں کی حاجت پوری کرتے اور بکری کا دودھ دوہ دیتے تھے۔ ①

اطاعتِ رسول ﷺ کے لیے آپ رضی اللہ عنہ نے ساری قوم سے لڑنا پسند فرمایا۔ آپ ایمان کے پکے اور بات کے سچے تھے۔ جو بات آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے فوراً مان لیتے تھے۔ اسی وجہ سے صدّیق کہلائے۔

مکی زندگی میں آپ نے حضرت رسول خدا ﷺ کا پورا ساتھ دیا۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت شرفِ مصاحبت حاصل ہوا۔ غارِ ثور میں ساتھی رہے۔ مدینے شریف میں پہنچ کر ہر معرکے میں آپ ﷺ کے دوش بدوش دشمنانِ اسلام سے لڑے۔ ②

جب حج فرض ہوا تو آنحضرت ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے مکہ مکرمہ میں بھیجا۔ ③ آنحضرت ﷺ کی علالت میں آپ نے مسجد نبوی ﷺ میں امامت کے فرائض انجام دیے۔ ④ بارگاہِ نبوی ﷺ سے صِدّیق و عتیق کا لقب پایا۔ ⑤ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابوبکر ہوتا۔'' ⑥

آپ رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی۔ ⑦

آپ بڑے صاحب عزیمت تھے۔ آپ کی عزیمت اور اِخلاص کا نتیجہ تھا کہ سارا عرب باغی اور مرتد ہو جانے کے بعد پھر دائرہ اسلام میں داخل کیا گیا۔ ⑧

اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو مسلمانوں کے لیے زندگی محال تھی۔

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۸۶/۳
② ابن حجر، الاصابۃ: ۲۷۲/۲
③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۶۳
④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۷۱۶
⑤ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۶۷۹
⑥ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۶۵۶
⑦ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۲۹۷
⑧ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۷/۷

Marfat.com

آپ رضی اللہ عنہ کی نظرِ انتخاب بڑی درست اور صحیح تھی۔ افسروں اور سپہ سالاروں کے انتخاب کے بارے میں آپ بڑی احتیاط سے کام لیتے اور قدرت نے ہر موقع پر آپ کے حسنِ انتخاب کی دادودی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسرارِ شریعت اور رموزِ دین کے محرم اور روحِ اسلامی کے دانائے راز تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، علم الانساب اور دیگر علوم میں آپ رضی اللہ عنہ کا پایہ بہت بلند تھا۔ ①

حفاظتِ قرآن

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کا ایک بڑا کارنامہ حفاظت قرآن کا بندوبست ہے۔ واقعات اس طرح ہیں کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اگر قرآن کے حفاظ اس طرح دوسرے معرکوں میں شہید ہونے لگے تو پھر قرآن مجید کی حفاظت مخدوش ہو جانے کا احتمال ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے غور وفکر کے بعد یہ معاملہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اگر دوسری لڑائیوں میں بھی ایسا ہی ہوا تو پھر قرّاء اور حُفّاظ کے شہید ہو جانے سے کہیں قرآن مجید کے کچھ حصے ضائع نہ ہو جائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بحث وتمحیص اور غور وخوض کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر قرآن مجید کو یکجا کتابی صورت میں لکھنے کا حکم دیا۔ اُنھوں نے تامّل کے بعد جمع وحفاظت کا کام شروع کر دیا۔ ②

غلط فہمی کا ازالہ

اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ قرآن مجید پہلے جمع اور مدوّن نہ تھا، حالانکہ واقعات اس کے برعکس ہیں۔ جب اور جتنا قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کاتبوں کی جماعت کو لکھوا دیتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کی موجودہ ترتیب

① مسلم بن حجاج، صحیح مسلم: ۲۳۹۰

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۶۷۹

Marfat.com

آنحضرت ﷺ کے عہد میں حکم الٰہی سے عمل میں آچکی تھی۔ قرآن مجید کی ہر سورت، ہر سورت کا نام اور ہر سورت کی ترتیب، پھر سارے کلام پاک کی ترتیب خدا تعالیٰ کے منشا اور حکم کے مطابق ہے۔ آنحضرت ﷺ پر جب کوئی سورت یا کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ منشائے الٰہی سے ہر سورت اور ہر آیت کا موقع و مقام بھی کاتبانِ وحی کو بتا دیتے تاکہ ہر سورت اور ہر آیت لکھ کر اپنی صحیح جگہ پر رکھ دی جائے۔ ①

مزید برآں نبی کریم ﷺ ہر سال ایک مرتبہ جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ مل کر قرآن مجید کا اعادہ کیا کرتے تھے اور وفات کے سال قرآن دو مرتبہ سنایا گیا۔ ② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزانہ تلاوت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کو قرآن پڑھتے سنا تو اندر جا کر پوچھا۔ اُنھوں نے ڈر کے مارے ورق چھپا دیے۔ ③ عہد نبوی ﷺ میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس اپنا اپنا لکھا ہوا قرآن مجید تھا۔ ④ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی حفاظت کی تدبیر سوچی تھی۔ انھیں یا کسی اور شخص کو تدوین و ترتیب قرآن سے کوئی تعلق نہیں۔ تدوین و ترتیب کا کام آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم سے صرف اتنا کام کیا کہ قرآن مجید جو مختلف چیزوں پر لکھا ہوا موجود تھا، اُس کو حفاظِ قرآن کی مدد سے یکجا کر دیا تھا کہ جس کسی کے پاس جتنا قرآن مجید لکھا ہوا ہے، وہ زید رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ نیز تمام حفاظ کو حکم دیا کہ جس کسی کو جتنا قرآن حفظ ہو وہ آ کر بتائے۔ اب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چمڑے کے ٹکڑوں، پتھر کی سِلوں، کھجور کی چھال اور چوڑی ہڈیوں پر لکھے ہوئے قرآن مجید کو حفاظ کی مدد سے مقابلہ کر کے یکجا محفوظ کر دیا، تاکہ آئندہ غیر موافق حالات میں قرآن مجید کے کسی حصے کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ رہے۔ ⑤

① بیہقی، السنن الکبریٰ: ۲۳۷۶

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۹۹۸

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۲۶۷

④ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۹۸۶

⑤ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲/ ۱۱۲

Marfat.com

سیاستِ صدیقی رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجسم تصویر اور تعلیم اسلام کا پیکر تھے۔ خلافتِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں کوئی ایسا کام نہیں ہونے پایا جس کی ابتداء عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہوئی ہو۔ اگرچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت بڑا مختصر یعنی کل سوا دو برس تھا لیکن پھر بھی آپ نے اس قلیل عرصے میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

آپ کی سیاست کا محور محبت و اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے ان کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، جن کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مُیمنت مہد میں ہو چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بیعت کے بعد سب سے پہلا کام حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی تھا۔ اس مرحلے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیاست کا مقابلہ کیجیے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قوتِ ارادی اور دانش مندی واضح ہو جائے گی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب کچھ گوارا تھا مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تاب نہ تھی اور اسی سیاست میں آپ کی کامیابی اور استحکام دین کا راز مضمر تھا۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں اور مُدعیان نبوّت کے بارے میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سیاست اپنی مثال نہیں رکھتی۔ استحکامِ سلطنت اور قیامِ دین کے لیے یہ عزیمت، قوت اور عزم کہیں اور نظر نہ آئے گا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سیاست میں یہ چیز بڑی نمایاں ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو خلیفۃ الرسول یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین قرار دیا اور خلیفۃ اللہ یعنی اللہ کا نائب نہیں ٹھہرایا۔ اس میں راز یہ تھا کہ آپ انسانی سطح پر رہ کر ذمہ داریوں کے لیے جواب دہی کے لیے تیار تھے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ حاکم یا امیر انسانی سطح سے بلند ہو کر فوق البشر یا مقدس ہستی قرار پائے اور کسی کے سامنے اپنے افعال کا جواب دہ نہ ٹھہرے۔ جہاں جہاں یہ تقدس اور خدائی اختیارات آئے وہاں مظالم اور جَور وسِتم نے راہ پائی۔ آپ نے یہ اعلان فرما کر کہ میں مقدس شخصیت نہیں، بلکہ خلیفۂ رسول ہوں اور عوام میں سے ہوں، مسلمانوں کی آئندہ نسلوں پر بڑا احسان فرمایا: آپ نے اپنی

Marfat.com

سیاست کی حدود مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں تمھارا امیر اور حاکم مقرر کیا گیا ہوں، حالانکہ مجھے یہ بات پسند نہیں۔
خدا کی قسم!
میری دلی خواہش ہے کہ تم میں سے کوئی اس ذمہ داری کو اُٹھالے۔مگر اب جب کہ تم نے یہ کام میرے ذمہ لگا دیا ہے، تو میرا فرض ہے کہ میں اسوۂ رسول ﷺ کی تابعداری کروں۔آنحضرت ﷺ تو ایسے خیر البشر تھے کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ ﷺ کو نصرت غیبی حاصل تھی۔ مگر کان کھول کر سن لو کہ میں تم جیسا ایک آدمی ہوں۔اگر میں سیدھی راہ چلوں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں راہ راست سے بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھے راستے پر ڈال دو۔''①

آپ نے مسلمانوں کی قیادت اور رہنمائی کا بیڑا تو اُٹھایا لیکن اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر۔آپ رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ کی جانشینی کا دعویٰ تو کیا لیکن رسالت و نبوت میں جانشین نہیں بنے۔کیونکہ اتمامِ نعمت اور تکمیل دین کا اعلان ہو چکا تھا۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سیاسی قائد، قوم کے بنانے سے بنے۔آپ کو خدا نے مبعوث نہیں کیا تھا۔آپ نے قوم سے وعدہ کیا تھا کہ قرآن وسنت کی حدود کے اندر رہ کر نظام حکومت چلائیں گے۔آپ نے بیعت کے بعد یہ فرمان جاری کیا تھا:

''جب تک میں تمھارے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں، تم پر میری اطاعت لازمی ہے اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں، تو پھر تم پر میری فرماں برداری لازم نہیں۔''②

رسول خدا ﷺ کی وفات کے بعد عرب قبائل پھر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۲۱۲
② ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۳۳۲

Marfat.com

کر کے سیاسی حُرِیّت کے بہانے حزبیت اور گروہ بندی پیدا کرنا چاہتے تھے، سیاست صدیقی یہ تھی کہ سیاسی نظام کی وحدت صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتی ہے کہ وحدت دینیہ کو صدمہ نہ پہنچنے دیا جائے، چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دینی وحدت کو برقرار رکھنے کے لیے مانعین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت کے خلاف جہاد کیا۔[۱] نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی نظام کی وحدت برقرار رہی۔

سیاست صدیقی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ بیت المال کا سارا روپیہ عوام میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس تقسیم میں کسی سے رعایت نہ برتی جاتی تھی۔ پہلے ایمان لانے والوں اور آخر ایمان لانے والوں کے درمیان کوئی تفریق روا نہ رکھی جاتی تھی۔ تمام مسلمان خواہ مرد ہوں یا عورت، غلام ہوں یا آزاد، برابر برابر حصہ پاتے تھے۔[۲] آپ کے حُسن سیاست کا نتیجہ تھا کہ ارتداد کی شورش دب جانے کے بعد لوگ چین اور سکون کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی سیاست کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی تھا کہ آپ مدینہ منورہ کی مرکزیّت کو برقرار رکھ کر اسے اسلامی سیاست کا سرچشمہ اور سیاسی وحدت کا مرکز رکھنا چاہتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیاست کاری کا بڑا اُصول یہ تھا کہ آپ قرآن مجید کو دستور الحکم سمجھتے تھے۔ جب تک حاکم قرآن مجید کی حدود کے اندر رہتا ہے، اس کی اطاعت واجب ہے اور جب وہ ان حدود کو پھاند جاتا ہے تو پھر اس کی اطاعت لازمی نہیں۔

آپ ذاتی اجتہاد کے بھی قائل تھے اور عراق و شام کی فتوحات اسی اجتہاد کا ثمرہ تھیں۔

❀❀❀

---

[۱] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/۷

[۲] ابن الاثیر، الکامل: ۴۲۲/۲

Marfat.com

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نظامِ حکومت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت دینی تھا، مگر ان معنوں میں کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے، لیکن ان معنوں میں دینی نہ تھا کہ براہِ راست خدا سے احکام لا کر نافذ کرتے تھے، اور اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی مقدس شخصیت ہر قسم کی باز پُرس سے بلند و بالا تھی۔ آپ نے اس قُدسیّت کو پاس تک نہیں آنے دیا۔ آپ کی ایک ایسی دینی حکومت تھی جو ایک اولوالعزم پیغمبر کے لائے ہوئے دین کے احکام کو نافذ کرتی تھی۔ اور اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیتی تھی اور جہاں وہ دین کسی معاملے میں خاموش نظر آیا، یا کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوا تو پھر باہمی صلاح مشورے سے معاملہ طے پاتا تھا۔

اس اعتبار سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شورائی نظام یا حکومتِ شوریٰ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب عام انتخاب تھا، آپ کے انتخاب میں قبائلی جذبہ یا گروہ بندی اور جزبیّت کارفرمانہ تھے۔ خود حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خواہش بھی نہ کی تھی، بلکہ وہ اس بارگراں کو اُٹھانے سے گریز کرنا چاہتے تھے۔

آپ کو محض ذاتی قابلیّت اور قُرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے خلیفہ منتخب کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود آپ مشورہ کے بعد بھی یہ ضروری نہ سمجھتے تھے کہ آپ اس پر عمل کرنے کے بھی پابند ہیں۔ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی اور مُرتد قبائل سے جنگ کے بارے میں آپ نے کسی کا مشورہ قبول نہ کیا، بلکہ آپ کی رائے کے سامنے سب کو جھکنا پڑا۔

مُلکی اِنتظام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتظامی سہولت کے پیشِ نظر جزیرۂ عرب کو بارہ مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ تین صوبے حجاز میں یعنی مکہ، مدینہ اور طائف، آٹھ یمن میں یعنی صَنعاء، حَضرَموت، نَجران، رِمَع، دُومۃ الجَندَل، جُرَش، خولان، زَبید ہ اور بَحرَین اور اس کے ملحقات ایک صوبہ۔ [1]

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۴۲۱/۲

Marfat.com

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ والی اور حاکم مقرر کرتے وقت کسی ذاتی مفاد کو پیش نظر نہ رکھتے تھے، بلکہ قومی اور ملکی مفاد کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ آپ کے عہد میں عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ مکہ کے والی تھے۔ ① طائف کے والی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، ② صنعاء کے مہاجر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ۔ ③

آپ کی یہ عادت تھی کہ افسروں کو مقرر کرتے وقت ہدایت اور نصیحت کرتے۔

ولید بن عُقبہ مال افسر تھے۔ انھیں نصیحت فرمائی:

"جلوت وخلوت میں خدا کا خوف رکھو۔ جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کے لیے ایسی راہ اور رزق کا ایسا سامان پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔ جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اُس کے گناہ کم کر دیتا اور اجر دوگنا کر دیتا ہے۔ بندگانِ خدا کی خیر خواہی اور بھلائی بہترین تقویٰ ہے۔ تمھارا کام بڑا اہم ہے۔ اس میں غفلت اور سستی کی کوئی گنجائش نہیں۔ استحکام دین اور تحفظِ خلافت ہمیشہ پیش نظر رکھو۔" ④

اسی طرح یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو شام کی مہم پر بھیجتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی:

"تمھارے بڑے تعلقات اور رشتہ داریاں ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد رکھو: جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوا اور پھر ان پر کسی کو بلا استحقاق، محض رعایت کے طور پر افسر بنائے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ خدا اس کا عذر اور فدیہ قبول نہیں کرے گا۔ اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔" ⑤

اس کے علاوہ آپ کی الوداعی ہدایات کتاب میں کئی جگہ مذکور ہیں۔

---

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳/ ۱۴۴
② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳/ ۱۵۳
③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴/ ۱۵
④ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۳۹۰
⑤ احمد بن حنبل، المسند: ۲۱

Marfat.com

مالی انتظام

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مالی حالت بڑی قابل اطمینان تھی۔ زکوٰۃ، عُشر، جزیہ اور مال غنیمت کی آمدنی سے ملک مالا مال ہوگیا تھا۔ جتنی دولت آتی، خرچ کردی جاتی تھی۔ سامانِ جنگ یعنی تلواریں، نیزے، تیر، اُونٹ اور گھوڑے خریدنے کے بعد باقی تمام رقم مسلمان عوام میں برابر تقسیم کردی جاتی تھی۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آخری دنوں میں بیت المال کے لیے ایک عمارت تیار کرائی تھی لیکن اس میں مال جمع کرنے تک نوبت نہ پہنچ سکی۔ [1]

فوجی نظام

عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں کوئی باقاعدہ فوج موجود نہ تھی۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی ذوق شہادت اور جذبۂ جہاد میں جمع ہوکر لشکر بنا لیتے تھے۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس رضا کار فوج کو دستوں اور گروپوں میں تقسیم کرکے مختلف سالاروں کے ماتحت کردیتے تھے۔ نیز کئی دستے ملا کر ان پر ایک سپہ سالار مقرر فرما دیا کرتے تھے [2] اور روانگی کے وقت اپنی فوج کو ہدایات دیتے تاکہ مجاہدین اسلام دشمن کو تو مغلوب کریں، لیکن شہری اور معاشری نظام کو درہم برہم نہ کرنے پائیں۔

آپ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل سے منع فرمایا کرتے۔ پھل دار درختوں کو کاٹنے اور آبادیوں کو برباد کرنے سے روکتے تھے۔ [3] آپ ہمیشہ اس بات کی نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ہر معاملے میں رضائے الٰہی پیش نظر رکھی جائے اور کسی موقع پر بھی غفلت وسستی کو راہ نہ دی جائے۔ آپ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ سپہ سالار اور مجاہدین سب خَلوت وجَلوت میں خدا کو حاضر وناظر سمجھیں تاکہ کسی ظلم وگناہ کا شکار نہ ہونے پائیں۔ [4]

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۲۱۳

② ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۴۲۱

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۲۲۶

④ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۳۸۴، ۳۹۰

Marfat.com

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لیے ایک رقم نکال لیا کرتے اور اُس رقم سے اسلحہ اور بار برداری کے جانور خریدے جاتے تھے۔ عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں فوجی سپاہیوں کی تنخواہ مقرر نہ تھی، بلکہ ہر مجاہد کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوجوں کی تیاری اور انتظامات میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ جنگِ ارتداد، فتح عراق وشام میں آپ نے بڑی سرگرمی کا اظہار کیا۔ بہترین سپہ سالار اور قائدین عسکر تلاش کرکے محاذ جنگ پر بھیجے جاتے تھے۔ آپ کے عہد میں آخری معرکہ شام میں دریائے یرموک کے کنارے پیش آیا۔ آپ نے اس لڑائی کے لیے جو جتن کیے اور جتنی گرمجوشی دکھائی وہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ سپہ سالاروں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ وہ رات کے وقت مجاہدین سے مل کر باتیں کیا کریں تاکہ ایک طرف تو ان کے حوصلے بلند رہیں اور دوسری طرف باتوں باتوں میں کئی مشورے مل جائیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تجربہ کار اور کہنہ مشق لوگ فوج میں بطورِ قصہ گو بھی مقرر کیے تھے۔ جیسا کہ جنگ یرموک میں ابوسفیان بن حرب کو متعین کیا گیا۔ [2]

اس کا مقصد یہ تھا کہ قصہ گو فوج میں گھوم پھر کر مجاہدین کو بہادری کے کارناموں پر اُکسائیں۔ خدا کی امداد کا یقین دلائیں اور بڑے بڑے بہادروں کے قصے سنا کر ان کی ہمت بڑھائیں۔

غیر مُسلم رعایا کی حفاظت

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ غیر مسلموں کے حقوق عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مقرر و متعین ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی حقوق ان کو عطا کیے۔ آپ نے حیرہ کے عیسائیوں کو ایک معاہدے کی رُو سے مندرجہ ذیل حقوق دیے:

(۱) ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں گے۔

(۲) اُن کا ایسا کوئی قلعہ یا گڑھی نہ گرائی جائے گی جس میں وہ بوقتِ ضرورت قلعہ بند ہوتے ہیں۔

---

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۲۱۳

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۹۱

Marfat.com

(۳) ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی۔

(۴) تہوار کے موقع پر اُنھیں صلیب نکالنے کی اجازت ہوگی۔

ہر غیر مسلم کے لیے ضروری تھا کہ یا تو وہ ملک کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے دوش بدوش دشمنوں سے لڑے اور اگر لڑائی میں حصہ نہ لینا چاہے تو پھر ملکی حفاظت کے لیے بالکل معمولی ٹیکس ادا کرے۔ اس ٹیکس کا نام جزیہ ہے۔ بہت سے ذِمّی جزیے سے مستثنیٰ کر دیے جاتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار کو جزیہ بالکل معاف تھا۔ باقی لوگوں سے صرف دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا۔ اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا۔ ①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں محکمہ قضا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا لیکن سال بھر کی مدت میں کوئی شخص فیصلہ کے لیے حاضر نہ ہوا۔ ② اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائے عہد میں لوگ ایک دوسرے کے حقوق کی نگہداشت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی کا حق غصب نہ کرتے تھے۔ کسی کا مال نہ کھاتے تھے۔ اس لیے جھگڑا پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مفتی تھے۔ لوگ اُن سے فتویٰ پوچھتے تھے۔ ③

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دن سردی میں غسل فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ کو بخار ہوگیا، جو مسلسل پندرہ دن تک رہا۔ اس عرصے میں آپ مسجد میں بھی نماز کے لیے تشریف نہ لا سکے اور آپ نے امامت کے فرائض ادا کرنے کے لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ ④

---

① ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۱۴۳، ۱۴۴

② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲۳۹/۳

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۱۲/۲-۲۰۶/۳، ۴۶۰

④ ابن الاثیر، الکامل: ۴۱۹/۲

Marfat.com

اس بیماری کے دوران میں آپ مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق اکثر سوچا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ کا قصہ آپ کے سامنے تھا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس قسم کے سیاسی اختلافات کا پھر اعادہ ہو۔ بالخصوص ایسے نازک مرحلے میں جبکہ ساری قوم فارس وروم کے ملکوں میں لڑ رہی ہے۔ آپ بڑے غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اُمت میں قیادتِ عُظمیٰ کا اہل عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ہے۔

اپنے دل میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد آپ نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں انصار ومہاجرین کے بڑے بڑے لوگوں سے بھی مشورہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے مہاجرین میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو اور انصار میں سے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر بھی خفیہ طور پر مشورہ کیا۔ جب بعض لوگوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سختی اور تشدد پر اعتراض کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فاروق رضی اللہ عنہ اُمت میں بہترین ہے، اس لیے میں اسے اپنا جانشین بناتا ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے بار بار اس بات کا اعلان کیا کہ میں حکومت کی باگ ڈور بہترین فرد کے سپرد کیے جاتا ہوں، وہ میرا رشتہ دار نہیں۔ پھر آپ نے مسجد کی طرف جھانک کر مسجد میں جمع ہونے والے لوگوں سے دریافت کیا کہ تم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رضامند ہو؟ سب نے بیک آواز جواب دیا۔ ہاں۔ ہم اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کریں گے۔ ①

بالآخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سوا دو برس کی خلافت کے بعد پیر کے دن، بتاریخ ۲۱ جمادی الآخر سن ۱۳ ہجری (۲۲۔ اگست ۶۳۴ء) بعمر ۶۳ سال مغرب کے بعد اس دارِ فانی کو خیر باد کہہ کر جوارِ رحمت میں پناہ لی اور رات کے وقت نبی کریم ﷺ کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ ②

سپہ سالارِ اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

عہد صدیقی کے سپہ سالاروں میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بڑا نام پیدا کیا۔

① ابن سعد، الطبقات الکبری: ۱۹۹/۳

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰۲۲/۷

Marfat.com

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بڑے کہنہ مشق، تجربہ کار اور ماہر فنونِ جنگ سپہ سالار تھے۔ ان کا خاندان بنومخزوم بڑا دولت منداور بہادر قبیلہ تھا۔ عرب کے دیگر قبائل کی طرح بنومخزوم کے سرداروں میں بھی سیاسی اقتداراور عسکری قیادت کا جذبہ بہت نمایاں تھا۔ ①

خالد رضی اللہ عنہ کا باپ بڑا دولت مند تھا اور بہت سے لوگ اس کے مقروض تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو عسکری قیادت ورثہ میں ملی تھی۔ اُن کا باپ ولید بن مغیرہ اکیلا غلافِ کعبہ تیار کر کے کعبہ پر چڑھاتا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ کا چچا ہشام جنگِ فجار میں بنومخزوم کا سپہ سالار تھا اور اس کی وفات کے غم میں تین سال تک مکے میں نہ کوئی میلہ ہوا اور نہ کوئی بازار لگا۔ ان کا دوسرا چچا فاکہ بن مُغیرہ سارے عرب میں سخی مشہور تھا۔ اس نے لنگر کھول رکھا تھا۔ وہاں ہر شخص بغیر اجازت کے کھانا کھا سکتا تھا۔ ②

ان کا تیسرا چچا ابوحذیفہ تھا، یہ وہی سردار تھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا ایک کونہ پکڑ کر حجر اسود کو اُٹھایا تھا۔ ③ مختصر یہ کہ خالد رضی اللہ عنہ کا خاندان بڑا نامور، مشہور اور بہادر تھا۔ اُم المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ ④

اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی خالد کئی معرکوں میں شریک ہو چکے تھے۔ ⑤

مسلمان ہونے کے بعد اُنھوں نے تقریباً پچاس معرکوں میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنی عسکری مہارت، جنگی قابلیت، فوجی ذہن اور بے مثال بہادری اور جرأت و ہمت کی وجہ سے دنیا کے بڑے بڑے سپہ سالاروں کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔

سپہ سالاری کے اوصاف اور مہارتِ جنگ کے پیش نظر حضرت خالد رضی اللہ عنہ سکندرِ اعظم، چنگیز خاں، جولیس قیصر اور نپولین کے ہم پایہ معلوم ہوتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا

① ابن عبد البر، الاستیعاب: ۱۱/۲

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۶۹/۸

③ البلاذری، کتاب جمل من انساب الاشراف: ۱۹۸/۱۰

④ ابن الاثیر، اسد الغابۃ: ۵۵۰/۵

⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲

Marfat.com

ذہن بڑی تیزی سے کام کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ موقع کی نزاکت کے مطابق میدانِ جنگ میں قدم اُٹھاتے تھے۔ وہ ہر معرکے میں بڑی بہادری سے لڑے۔ ہر مقام پر ثابت قدم رہے اور ساتھیوں کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہے۔

جنگ مُوتہ میں آپ نے بڑی ہوشیاری اور دانش مندی کا ثبوت دیا۔ مسلمانوں کو دشمن کے نرغے سے نکال لائے اور اپنے تدبر سے دشمن کو یہ یقین دلا کر پسپا ہونے پر مجبور کر دیا کہ مسلمانوں کے لیے بھاری کُمک پہنچ گئی۔ اسی بہادری کی وجہ سے آپ کو سیف اللہ کا لقب ملا۔ ①

عراق اور شام کے معرکوں میں آپ نے اپنے عسکری تدبّر، قیادت، فنونِ جنگ میں مہارت کی وجہ سے صف اول کے سپہ سالاران عالم میں بڑا اونچا مقام حاصل کر لیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بڑے نڈر سپہ سالار تھے۔ خطروں میں کود کر جان پر کھیل جانا معمولی بات سمجھتے تھے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فتح کے بعد عراق کے انتظامی معاملات میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا اور خَراج اور جزیے کی وصولی کے لیے پَر گنے بنا کر عامل اور مُحصّل مقرر کر دیے۔ لوگوں کی آسائش اور شہری امن کا مکمل انتظام کیا۔

❀❀❀

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۲۶۲

Marfat.com

چوتھا باب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۱۳ھ تا ۲۳ھ

۶۳۴ء تا ۶۴۴ء

ابتدائی زندگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق تھا اور کنیت ابوحفص۔ آپ قبیلۂ قریش کی مشہور شاخ بنو عدی کے معززین میں سے تھے۔ ساتویں پشت میں آپ کا نسب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ ①

اگرچہ بنوعدی کو بنوہاشم اور بنواُمیّہ کا سا اثر ورسوخ حاصل نہ تھا، لیکن پھر بھی عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ بنوعدی دوسرے خاندانوں سے کمزور ہونے کے باوجود اپنی عقل و دانش اور علم وحکمت کی وجہ سے مختلف قبیلوں میں سفارت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اپنی فصاحت وبلاغت اور حکمت ودانشمندی کے سبب بنوعدی کو یہ مرتبہ حاصل ہوگیا تھا کہ باہمی تنازعات کے فیصلوں کے لیے لوگ ان کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا باپ الخطاب بن نفیل کوئی بڑا مالدار آدمی نہ تھا، مگر اس کے باوجود اپنی قوم کے شُرفا میں شمار ہوتا تھا۔ لوگ اس کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ خطاب بڑا سخت گیر اور بدمزاج ہونے کے باوجود اپنی ذہانت کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا تھا۔ وہ اتنا بہادر اور نڈر تھا کہ جان پر کھیل کر خطروں میں کود جاتا۔ جنگ میں اس کی ثابت قدمی، جرأت اور شجاعت بچے بچے کو معلوم تھی۔ ②

---

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲۳۵/۳

② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲۳۵/۳

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ فجار سے تقریباً چار برس پیشتر (سن ۵۸۱ـ عیسوی) مکہ میں پیدا ہوئے۔① اچھی تربیت حاصل کرنے کے بعد بڑی عمدگی سے بچپن گزارا۔ لڑکپن میں پہلے تو اپنے باپ کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں مکے کے آس پاس چراتے رہے۔ ذرا ہوش سنبھالا تو لکھنے پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ اس زمانے میں عربوں کے ہاں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ چند گنتی کے لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔②

جوان ہوئے تو معززین مکہ کی طرح تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ تجارت کے سلسلے میں آپ اکثر عراق و شام میں آیا جایا کرتے تھے۔③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوان ہوتے ہی اپنے تمام ہمعصروں سے گوئے سبقت لے گئے۔ آپ کی صحت قابلِ رشک تھی۔ آپ بڑے قوی ہیکل اور کڑیل جوان تھے۔ طول اور جسامت میں سب ہم عمروں میں فوقیت رکھتے تھے۔ اپنے قد و قامت، ڈیل ڈول اور سرخ و سفید رنگت کے سبب تمام لوگوں سے ممتاز نظر آتے تھے۔

آپ کو جوانی میں ورزش اور ریاضت کا بڑا شوق تھا۔ کشتی و پہلوانی، شہسواری، نیزہ بازی اور تیراندازی میں بڑا نام پیدا کیا۔ فن پہلوانی میں اتنی شہرت تھی کہ عُکاظ کے میلے میں آپ کی کشتی دیکھنے کے لیے لوگ بے تاب رہتے تھے۔ شہسواری اور پہلوانی کے ساتھ آپ کو شعر و شاعری کا بھی بڑا شوق تھا۔

ذوق شاعری کے علاوہ آپ کو فنِ تنقید شعر میں بھی کمال حاصل تھا۔ عربوں کے علم الانساب میں بھی آپ بڑی مہارت اور شہرت رکھتے تھے۔ شیریں کلامی، حسن بیان اور فصاحت و بلاغت میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اپنے باپ کی طرح آپ بھی مختلف قبیلوں کے درمیان سفیر بن کر جھگڑوں کے فیصلے چکاتے تھے۔ آپ کے فیصلوں پر قبائل بڑی خوشنودی کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے معاملہ فہم، ذہین، تجربہ کار اور بہادر آدمی تھے۔ آپ کا رُعب و جلال، دبدبہ اور ہمت و جرأت ضرب المثل تھے۔

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۶۹/۳

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۶۶/۳

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۸۶/۳

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

ابتدائے دعوتِ اسلام میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام سے سخت دشمنی تھی لیکن نبوت کے پانچویں سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا قصہ بھی عجیب ہے۔ ایک دن وہ تلوار لٹکائے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے۔ راہ میں نُعیم بن عبداللہ ملے تو اُنھوں نے پوچھا: اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی نیت سے جارہا ہوں۔ اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریش میں انتشار پیدا کر دیا ہے۔ یہ شخص ان کے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ان کے دین کی عیب جوئی کرتا اور ان کے عقلمندوں کو بیوقوف ٹھہراتا ہے۔

نعیم نے کہا کہ اے عمر! تو فریبِ نفس میں مبتلا ہے۔ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے بعد بنوعبد مناف تجھے زندہ چھوڑیں گے؟ پہلے اپنے گھر والوں کی خبر لو۔ تمھاری بہن فاطمہ بنت خطاب اور اس کا خاوند سعید بن زید دونوں مسلمان ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مان چکے ہیں۔

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ آگ بگولا ہو گیا۔ فوراً اپنی بہن کے گھر پہنچا۔ وہاں حضرت خبّاب بن اَرت رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی سورۂ طٰہٰ پڑھ کر سنا رہے تھے۔ جب ان لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو خباب رضی اللہ عنہ کو چھپا دیا اور قرآن مجید کے اوراق بھی چھپا دیے۔ گھر کے اندر داخل ہو کر عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا پڑھا جا رہا تھا؟ وہ لوگ ڈر گئے اور کہا کہ کچھ نہیں۔ عمر نے یہ کہتے ہوئے کہ میں نے سنا ہے کہ تم دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو مان چکے ہو، اپنے بہنوئی حضرت سعید رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔

خاوند کو بھائی کی گرفت میں دیکھ کر بیوی نے اُسے بچانے کی کوشش کی تو پٹ گئی۔ اب تنگ آ کر میاں بیوی دونوں نے عمر کو بتایا کہ ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں، تمھارا جو جی چاہے کرو۔

جب عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کا خون بہتے دیکھا تو کیے پر نادم ہوتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ اوراق دکھاؤ جو پڑھے جا رہے تھے۔ پہلے تو اُنھوں نے انکار کیا، پھر عمر کو نہلا دھلا کر قرآن کے اوراق دے دیے۔ چند آیات پڑھنے کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگا کہ کتنا عمدہ کلام ہے۔ یہ الفاظ سن کر حضرت

---

① ابن المبرد، محض الصواب: ۱۹۲/۱

Marfat.com

خباب رضی اللہ عنہ بھی باہر نکل آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ①

شخصیت کا جائزہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لے آنے کے بعد مسلمانوں کو بڑی تقویت پہنچی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دینی عقائد کو چھپانے کے قائل نہ تھے اور قریش میں کسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے رُعب اور دبدبے کے مالک تھے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

''اللہ! عمر کو اسلام میں داخل کر کے مسلمانوں کو تقویت دے۔'' ③

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو کہا کرتے تھے کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان قبول کرنا بہت بڑی فتح تھی۔ آپ کا ہجرت کرنا مسلمانوں کی بڑی امداد تھی اور آپ کا خلیفہ مقرر ہونا اُمت کے لیے رحمت تھا۔''
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے پہلے مسلمان چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے، مگر ان کے اسلام لانے کے بعد مسلمان کھلے بندوں نماز پڑھنے لگے۔ ④

مسلمان ہجرت کر کے ملک حبش کو چلے گئے تو چوری چوری اور ہجرتِ مدینہ کے لیے بھی پوشیدہ طور پر مکے سے نکلتے رہے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ کے لیے نکلے تو آپ نے تلوار لٹکائی، کمان سنبھالی، تیر ساتھ لیے، نیزہ باندھا اور کعبہ میں جا دھمکے۔ قریشِ مکہ صحنِ کعبہ میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سات مرتبہ طواف کیا۔ مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر ایک ایک کر کے سب لوگوں کے سامنے سے گزرے اور کہا:

---

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۶۷/۳

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۶۹/۳

③ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ: ۳۳۸

④ طبرانی، المعجم الکبیر: ۸۸۰۶

Marfat.com

"اگر کسی کی یہ خواہش ہو کہ اس کی ماں اس سے محروم ہو جائے۔ اس کی بیوی رانڈ ہو جائے اور اس کے بچے یتیم ہو جائیں تو وہ اس وادی کے پار میرے مقابلے پر آئے۔"①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر موقع پر اسلام کی اعانت و نصرت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ اکثر غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر، اُحد، خندق، بیعتِ رضوان، غزوۂ خیبر اور فتح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش رہے۔② جنگ تبوک میں آدھا مال راہِ خدا میں دے دیا تھا۔③ تدبّر اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔④ کئی مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید میں وحی نازل ہوئی۔⑤

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عہدِ صدیقی میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دست راست رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب

جیسا کہ پہلے بالتفصیل ذکر ہو چکا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے مسلمانوں کو انتخاب خلیفہ کے جھمیلوں سے بچانے کے لیے مہاجرین اور انصار کے سرکردہ اور نامور لوگوں کے مشورے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا اور اس نامزدگی کے بعد ان تمام مسلمانوں کی رائے بھی لے لی، جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہو گئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب پر سب مسلمان متفق تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔⑥

---

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۰۸

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲: ۲۷۲

③ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۶۷۶

④ المقریزی، امتاع الاسماع: ۲/ ۶۲

⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۰۲

⑥ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۴۲۸

Marfat.com

خلافت کا پہلا خُطبہ

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل حقائق کی طرف اشارات کیے:

''اے لوگو! میں بھی تمھاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کا خیال نہ ہوتا میں تمھارا امیر اور حاکم بننا کبھی پسند نہ کرتا۔''

بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ! میں سخت ہوں، مجھے نرم کر دے۔ اے اللہ! میں کمزور ہوں، مجھے طاقت و توانائی عطا کر۔ اے اللہ! میں بخیل ہوں، مجھے سخی بنا دے۔''[1]

''اے لوگو! اللہ نے مجھے تمھارے لیے آزمائش بنا دیا ہے اور تمھیں میرے لیے۔ جو کوئی نیک کام کرے گا، میں بھی اس سے نیکی کروں گا اور جو کوئی برائی کا مرتکب ہوگا، تو میں اُسے عبرتناک سزا دوں گا۔''

جب لوگوں کے دلوں میں آپ کی سختی کے متعلق شکوک پیدا ہوئے تو فرمایا:

''تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میری سختی بہت کم ہوگئی ہے۔ البتہ میں مسلمانوں پر کسی ظالم و جابر کے ظلم و جور کو برداشت نہیں کر سکتا۔ امن و سلامتی، دینداری اور میانہ روی اختیار کرنے والوں کے لیے میں بہت ہی نرم ہوں۔ یاد رکھو کہ ظالموں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دوں گا۔''[2]

❀❀❀

---

① ابن ابی شیبہ، المصنف: ۹۵۶۰

② العاصمی، سمط النجوم: ۴۶۸/۲

Marfat.com

عہدِ فاروقی میں فتوحات

فتحِ عراق

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو عراق وشام میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے شام چلے جانے کی وجہ سے عراقی شورش پسندوں کو موقع مل گیا اور وہ لوگوں کو بغاوت پر اُکسانے لگے۔ آپ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی میدان جنگ کی طرف توجہ دی۔ آپ نے مسلمانوں کو عراق کے جہاد کے لیے ترغیب دلائی۔

کئی دن کی مسلسل محنت کے بعد مسلمانوں کے خون میں جوش پیدا ہوا اور بنوثقیف کے ایک سردار ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر اپنی خدمات میدانِ جنگ کے لیے پیش کیں۔ ان کی مثال دیکھ کر ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور تمام مسلمان جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ کو چند ہزار سپاہ کا سالار بنا کر عراق کی مہم پر روانہ کیا۔ ①

اِدھر مسلمان عراق کی مہم پر روانہ ہوئے، اُدھر ایرانیوں نے گذشتہ ہزیمتوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے ازسرنو تنظیم کی۔ خُراسان کا مشہور ومعروف مدبّر اور نامور بہادر رُستم سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رُستم نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنا شروع کیا۔ مذہب کے نام پر اس نے ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف خوف بھڑکایا اور ملک میں ایک آگ سی لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ایرانی مسلمانوں کے مقابلہ پر لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

ایرانیوں کی نئی تربیت یافتہ فوج سے مسلمانوں کی کئی جھڑپیں ہوئیں، ایک دو معرکوں میں تو ایرانیوں کو بڑا نقصان اُٹھانا پڑا۔ حِیرَہ اور قادسیہ کے درمیان مقام نَمارِق پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایرانی سپہ سالار جابان سے آمنا سامنا ہوا۔ شدید جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور ان کا قائد عسکر جابان گرفتار ہوا۔ مسلمان فوج نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کَسکر کے قریب مقام سقاطیہ پر پھر دشمنوں کی فوج کو شکست دی۔

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۱۱۴

Marfat.com

ایرانی سپہ سالار نرسی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ تازہ دم ایرانی افواج نئے حملے کے لیے میدان میں آ پہنچیں۔

ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی فوج دریائے فُرات کو پار کر کے دشمن کے مقابلے پر نکلی۔ ایرانیوں کے ساتھ بڑے بڑے ہاتھی تھے۔ مسلمانوں کے گھوڑوں نے پہلی دفعہ ہاتھی دیکھے تو بِدک گئے۔ پھر بھی مسلمان بڑی بہادری سے لڑے، مگر ہاتھیوں کے سامنے کوئی پیش نہ گئی۔

جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہاتھی کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تو ایرانیوں نے مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں شہید کر دیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس شکست کی خبر ملی تو اُنھوں نے عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ① کے زیرِ قیادت مزید کمک بھیجی۔ اب مُثنّٰی نے ایرانی افواج کو بُوَیب کے مقام پر بری طرح شکست دی اور اور ایرانی سپہ سالار مہران کو قتل کر دیا۔

اسلامی فوج کے سپہ سالار مثنّٰی فرات کے پُل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور ان تمام ایرانی سپاہیوں کو جنھوں نے اس پل کو عُبور کرنے کی کوشش کی، تہ تیغ کر دیا۔ معرکۂ بُوَیب کے بعد دریائے فرات کے مغرب میں مسلمانوں کا تسلّط دوبارہ قائم ہو گیا۔ بُوَیب فتح کے بعد مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا اور مسلمانوں کا رُعب ایرانیوں پر چھا گیا۔ ②

جنگِ قادسیہ ۱۵ھ (۶۳۶ء)

معرکۂ بُوَیب میں فتح کے بعد بھی مسلمان اطمینان سے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ ایرانی جوشِ انتقام میں دوسری جنگ کے لیے بڑی سرگرمی سے تیاری کر رہے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے بھی مدافعت کے لیے کوشش شروع کر دی۔

اس عرصے میں ایک پُر جوش اور نوجوان شہزادہ یَزدگرد ایران کے تختِ شاہی پر بیٹھا۔ اس نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے ایک لشکرِ جرار تیار کر کے رُستم نامی سپہ سالار کے زیرِ قیادت روانہ کیا۔ اِدھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ نے تمام اطراف عرب سے

---

① جریر بن عبداللہ بجلی

② ابن الاثیر، الکامل: ۲/۴۳۶، ۴۴۱

Marfat.com

آزمودہ کار سپاہی جمع کر کے بیس ہزار کی ایک فوج تیار کی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کی زیرِ کمان ایران کی طرف روانہ کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حیرَہ کے قریب قادسیہ کے میدان میں ڈیرے ڈالے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوج کی نقل و حرکت اور مورچہ بندی سے واقف رہنے کے لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلے کا مفصّل نقشہ مدینے بھیجتے رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نقشہ دیکھتے تو فوج کو پیش قدمی کے متعلق ہدایات بھیجتے۔ آپ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیروں کو تبلیغ اسلام کے لیے شاہ ایران کے دربار میں بھیجا جائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک طرف تو میدانِ میں مورچہ بندی کی اور دوسری طرف چند آدمیوں کو تبلیغ اسلام کے لیے دشمنوں کے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے جا کر ایرانی افواج کے سپہ سالار رستم کے سامنے اسلام پیش کیا۔ رستم نے ضد کی تو مسلمان یزدگرد کے پاس گئے اور اسلام پیش کیا۔ یزدگرد اس بات سے بگڑا اور خفا ہوا۔

رُستم پر مسلمانوں کی بہادری کا رُعب بیٹھ چکا تھا۔ وہ جنگ کو ٹالنے کے لیے حیلے بہانے کرتا رہا۔ اس کی یہ بھی خواہش تھی کہ مسلمان ذرا غافل ہو جائیں اور اسے تیاری کے لیے اور وقت مل جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ گفتگو کے لیے دوبارہ مسلمان بھیجے جائیں۔ اس پر حضرت مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کچھ آدمی دے کر روانہ کیا گیا۔ رستم نے ہر چند کوشش کی کہ مسلمانوں کو لالچ دے کر جنگ کی مصیبت سے بچ جائے، مگر مسلمان اس کے دام تزویر میں پھنس نہ سکے۔

بالآخر مسلمانوں نے اس کو توحید و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ساتھ ہی بتایا کہ اگر یہ قبول نہیں تو پھر ہمارے تمھارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ یہ سن کر رُستم بڑا غضبناک ہوا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ کل طلوع آفتاب سے پہلے پہلے تم اپنے آپ کو خاک و خون میں تڑپتے ہوئے پاؤ گے۔ مُغیرہ رضی اللہ عنہ اس کی مجذوبانہ بڑ سُن کر لاحول پڑھتے ہوئے واپس چلے آئے۔

اس گفتگو کے بعد راتوں رات ایرانی فوجیں تیار ہو کر صبح سے پہلے پہلے قادسیہ کے میدان

Marfat.com

میں جا پہنچیں۔ مسلمان فوجیں پہلے سے تیار بیٹھی تھیں۔ دونوں فوجیں صف آرا ہو کر میدانِ جنگ میں اُتریں۔ عین اس نازک وقت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ چلنے پھرنے سے قاصر ہو گئے۔ اپنی جگہ خالد بن عُرفُطہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کر کے خود ایک قریب کے محل میں قیام فرما ہوئے۔ اس قیام گاہ سے میدانِ جنگ اچھی طرح نظر آتا تھا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے جنگ کے متعلق ہدایات بھیجتے رہے۔

دوپہر کے وقت جنگ شروع ہوئی۔ ابتداء میں تو فریقین کے بہادر اکیلے اکیلے نکل کر انفرادی طور پر بہادری کے جوہر دکھاتے اور دادِ شجاعت دیتے رہے۔ ظہر کے بعد عام حملہ شروع ہوا۔ دونوں فوجوں نے ایک دوسرے پر ہلّہ بول دیا۔ ایرانی ہاتھیوں کے مقابلہ پر مسلمان بہادر ڈٹ کر لڑے۔ شمشیر زنی اور تیر اندازی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔ سارا دن بڑے گھمسان کا رَن پڑا۔ جب رات کی تاریکی چھائی تو لڑائی دوسرے دن تک ملتوی کر دی گئی۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ یومِ اَرْماث کے نام سے مشہور ہے۔ اس معرکے میں ۵۰۰ مسلمان شہید ہوئے۔ ①

دوسرے دن پھر شدید جنگ شروع ہوئی۔ عین موقع پر امیر المؤمنین کے حکم سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ والی فوج شام سے واپس آ گئی۔ اس غیبی امداد کو دیکھ کر مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے، تازہ دم بہادروں نے بھی جانیں لڑا دیں۔ سارا دن خونریز جنگ ہوتی رہی۔ آخر رات نے اندھیرا کر دیا تو لڑائی پھر ملتوی کرنی پڑی۔ قادسیہ کا یہ دوسرا معرکہ یوم اغواث کہلاتا ہے۔

رات کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ تو اطمینان سے سو گئے، لیکن حضرت قَعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ رات بھر اپنے ساتھیوں کو صحرا میں بھیجتے رہے تاکہ صبح کو پھر وہ سَو سَو کی ٹولیاں بنا کر آئیں اور مسلمان فوج انھیں دیکھ کر یہ سمجھے کہ کُمک آ رہی ہے اور فتح حاصل کرنے کے لیے بہادری سے لڑ سکے۔

اس معرکے میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے اور دس ہزار ایرانی کھیت رہے۔ صبح اُٹھ کر مقتولوں کو دفن کیا گیا۔ مجروحین کی مرہم پٹی کی گئی۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اس

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۵۲۷، ۵۴۱

Marfat.com

خوفناک جنگ میں مسلمان عورتوں نے بڑی جرأت وہمت کا ثبوت دیا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور تیمارداری میں عورتوں نے کمال کر دکھایا۔ ①

تیسرے دن کا معرکہ پہلے دونوں معرکوں سے زیادہ سخت اور خوفناک تھا۔ اس معرکے میں ہاتھیوں کا لشکر مسلمانوں کے لیے مصیبت بن گیا۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ہاتھی اسلامی صفوں کو درہم برہم کر رہے ہیں تو چند بہادر مجاہدوں نے نیزے لے کر ہاتھیوں پر حملہ بول دیا اور بے جگری سے نیزے مار مار کر ہاتھیوں کی آنکھیں بے کار کر دیں۔

قعقاع رضی اللہ عنہ نے ایک سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے علیحدہ ہوگئی وہ جھرجھری لے کر بھاگا، اسے دیکھ کر تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے۔

جب اس طرح ہاتھیوں کی آہنی دیوار ٹوٹ گئی تو مسلمانوں نے بڑے زور کا حملہ کیا۔ فریقین میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ تلواروں کی جھنکار اور نعروں کے شور سے میدانِ جنگ گونج رہا تھا۔ صبح سے شام تک میدان کارزار گرم رہا۔ رات کو بھی شدت کی جنگ ہوتی رہی۔ دوسرے دن دوپہر کو جنگ کا فیصلہ ہوگیا۔ رستم بڑی بہادری سے لڑتا رہا، مگر بالآخر زخموں سے چور ہو کر میدان سے بھاگ نکلا، لیکن ایک مسلمان مجاہد ہلال بن علقمہ رضی اللہ عنہ نامی نے تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا۔

رستم کا قتل ہونا تھا کہ ایرانی سپاہ کے قدم اُکھڑ گئے۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ فتح کی خوشی میں مسلمانوں کے نعروں سے آسمان گونج اُٹھا۔

اس معرکے میں چھ ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ ایرانیوں کا نقصانِ جان تو بے اندازہ تھا۔ تیس ہزار ایرانی تو صرف دریا میں غرق ہوئے۔ مقتولوں اور قیدیوں کا تو کوئی شمار نہیں۔

مسلمان عورتوں نے اس روز بھی بڑی بہادری اور ہمت کا ثبوت دیا۔ جب میدان خالی ہوتا نظر آیا تو وہ کمر ہمت باندھ کر نکلیں۔ مسلمان زخمیوں کو پانی پلا کر ہوش میں لائیں۔ بعض کو اُٹھا کر لے جانا پڑا۔ عورتوں کے ساتھ چھوٹے بچے بھی سر دھڑ کی بازی لگائے زخمیوں کو پانی پلاتے پھرتے تھے۔

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۴۷۷

Marfat.com

جنگِ قادسیہ میں بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ ہر شہسوار کو چھ ہزار اور ہر پیادے کو دو ہزار درہم ملے۔ بہادری کے جوہر دکھانے والوں کو پانچ پانچ سو درہم بطور انعام الگ ملے۔

اس عظیم الشان فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خبروں کا انتظار بڑی بے چینی سے کرتے رہتے تھے۔

آپ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ قاصد کے انتظار میں روزانہ مدینے سے باہر نکل جاتے تھے۔

چنانچہ فتح قادسیہ کی خوشخبری لانے والا قاصد شہر سے باہر ہی ملا، اس سے حالات دریافت کیے۔ وہ امیر المؤمنین کو پہچانتا نہ تھا۔ وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں مدینے میں داخل ہوئے تو قاصد بے چارے کو معلوم ہوا کہ آپ تو امیر المؤمنین ہیں، وہ گھبرایا اور پریشان ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کچھ حرج نہیں تم حالات سناتے جاؤ، تمام حالات سننے کے بعد مسلمانوں کو جمع کر کے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خط انھیں سنایا۔ اس موقع پر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ قابل یادگار ہیں۔ آپ نے فرمایا:

> ”مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنا لوں، میں تو خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بارِ گراں میرے کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمھاری خدمت کر سکتا کہ تم اطمینان اور چین سے گھروں میں سوئے رہو تو میرے لیے یہ عین سعادت اور خوش نصیبی ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری بدبختی ہے۔“ ①

تاریخ عالم میں جنگِ قادسیہ کو بہت اہمیّت حاصل ہے۔ یہ دنیا کی بڑی فیصلہ کن جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ فتح قادسیہ نے سلطنتِ کسریٰ کی کمر توڑ دی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی ایرانیوں سے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۸۴،۵۸۶/۳

Marfat.com

کئی زبردست معرکے ہوئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنگ قادسیہ کے بعد ایرانی افواج میں وہ سکت باقی نہ رہی تھی اور قادسیہ کی ہزیمت نے ایرانی فوجوں کے حوصلے پست کر دیے تھے۔ فتح قادسیہ درحقیقت ملکِ ایران اور ایشیائے کوچک کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

دوسری فتوحات کی طرح اس شاندار فتح کا راز بھی اس حقیقت میں مضمر ہے کہ مسلمان مجاہد شوقِ شہادت کے جذبے سے سرشار ہو کر لڑتا تھا۔ اس کے دل میں اسلامی جوش اور اس کے بازوؤں میں قوتِ ایمانی کا زور کارفرما تھا۔ جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت میں اس کا قدم آگے کی جانب اُٹھتا تھا۔ راہِ خدا میں مرجانا مسلمان مجاہد کے لیے عین سعادت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تعداد میں کم ہوتے ہوئے بھی وہ کثیرالتعداد دشمنوں کی صفوں کو چیرتا ہوا نکل جاتا۔ ہاتھیوں کے مقابلے پر ڈٹ کر لڑتا اور صبح سے شام تک میدانِ کارزار میں دیوانہ وار تلوار چلانے کے بعد بھی تھکاوٹ کا نام نہ جانتا تھا۔

فتح مدائن ۱۶ھ

امیرالمؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حکم سے قادسیہ میں دو مہینے قیام کرنے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایران کے پایۂ تخت مدائن کی طرف پیش قدمی کی۔ عورتوں اور بچوں کو فوجی دستوں کی نگرانی میں پیچھے چھوڑ گئے۔ ایرانیوں نے بابل کے مقام پر مقابلہ کیا، مگر منہ کی کھائی۔ پھر چند ماہ میں مسلمانوں نے دریائے فُرات اور دِجلہ کے درمیانی علاقوں سے ایرانی سپاہ کو مار بھگایا۔ ①

شہر مدائن دریائے دِجلہ کے پار واقع تھا۔ مدائن پہنچنے کے لیے دجلہ کے پُل پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ ایرانیوں نے اسلامی فوجوں کو مدائن پر حملہ آور ہونے سے روکنے کے لیے دِجلہ کا پل توڑ دیا تھا۔ جب مسلمان افواج دریائے دجلہ کے ساحل پر پہنچیں تو دریا کو عُبور کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں نے بڑی بہادری اور جانبازی کا ثبوت دیا۔ سپہ سالارِ اسلام حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے خدا کا نام لے کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا۔ سپہ سالار کے پیچھے چھ سو بہادر اور نڈر

① ابن الاثیر، الکامل: ۲/۵۰۶

Marfat.com

شہسواروں نے بھی دریا میں گھوڑے دوڑا دیے اور تھوڑی دیر میں دریا کے پار جا اُترے۔ مسلمانوں کی شجاعت اور جرأت دیکھ کر ایرانی افواج حیرانی کے عالم میں میدان چھوڑ کر بھاگ نکلیں۔انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمان آدمی نہیں، دیو اور جن ہیں۔ایک جگہ معمولی سی مُزاحمت کے بعد اسلامی فوج مدائن میں داخل ہوگئی۔شاہِ ایران یزدگرد پہلے ہی سے بھاگنے کی تیاری کر چکا تھا۔ مسلمانوں کو شہر میں داخل ہوتے دیکھا تو اپنا پایۂ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا۔مسلمانوں نے پہلی نماز جمعہ ایوانِ کسریٰ میں ادا کی۔

قصرِ شاہی میں بے شمار مال و دولت اور زر و جواہرات کے ذخیرے موجود تھے۔نہایت قیمتی ساز و سامان اور سیم و زر کے انبار مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نادر روزگار تحائف اور نایاب شاہی لباس امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینے بھیج دیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مالِ غنیمت کی کثرت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مدائن سے مالِ غنیمت کے بعد سیم و زر کا اتنا وفور ہوگیا کہ سونا اور چاندی ایک ہی قیمت پر فروخت ہونے لگے۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی فوج میں ساٹھ ہزار شہسوار تھے۔ ہر شہسوار کو دس ہزار درہم ملے۔فتح مدائن کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قصرِ شاہی میں قیام کر لیا۔①

تسخیرِ جلُولاء

ایرانی افواج نے پایۂ تخت خالی کرنے کے بعد جلُولاء کے قلعہ میں پناہ لی۔جلولاء کا شہر مدائن سے شمال کی جانب ۴۰ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔یہ شہر اس اعتبار سے بڑا اہم تھا کہ یہاں مختلف سڑکیں اور راستے آکر ملتے تھے۔

اب ایرانیوں نے عہد کیا کہ اس مقام پر خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا اور کسی صورت میں بھی مسلمانوں کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔خود یزدگرد (شاہ ایران) جلولاء سے ساٹھ میل شمال کی جانب حُلوان میں بیٹھا ہوا جلولاء کے ایرانی سپاہیوں کی امداد کے لیے کُمک مہیا کر رہا تھا۔ اب ایرانیوں کو یقین ہوگیا کہ جلولاء کا قلعہ ناقابل تسخیر ہے، کیونکہ یہ بڑا مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۱۸/۲

Marfat.com

قلعے کے اندر بے شمار فوج جمع تھی۔ خود شاہِ ایران حلوان میں بیٹھ کر اپنی فوجوں کی مدد کے لیے محاذ پر تازہ دم افواج اور اسلحۂ جنگ بکثرت بھیج رہا تھا۔ مزید براں ایرانی سپاہ نے اپنے آپ کو اور بھی محفوظ کرنے کے لیے جلولاء کے اردگرد خندق کھودنے پر ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ خندق کے ساتھ لوہے کی خاردار تاریں بھی لگا دیں تاکہ دشمن کے لیے شہر تک پہنچنا ناممکن ہو جائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو جلولاء میں ایرانی افواج کے اجتماع اور استحکام کی اطلاع دی تو حکم ملا کہ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ کمان بارہ ہزار سپاہ جلولاء کی طرف روانہ کر دو۔ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش سپرد ہوا۔ چنانچہ بارہ ہزار مسلمان جلولاء کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایرانی سپاہ قلعہ بند ہو چکی ہے۔ ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دونوں فوجوں کو اپنی اپنی کمک باقاعدہ پہنچتی رہی، محاصرہ لمبا ہوتا چلا گیا۔ تقریباً تین ماہ کے محاصرے کے بعد ایرانیوں نے تنگ آ کر اچانک مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا، بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ فریقین کے تیر اور نیزے ختم ہو گئے۔ سپاہی تلواروں اور کلہاڑیوں سے لڑنے لگے۔ مسلمانوں نے نمازِ ظہر اشارے سے ادا کی۔ ایرانی سپاہ تھک کر پیچھے ہٹ گئی اور تازہ دم فوج نے اس کی جگہ لے لی۔ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو تھکا ماندہ اور دشمنوں کو تازہ دم دیکھ کر کہا:

> ''اے مجاہدو! اُٹھو کمر ہمت باندھ کر اس شدّت سے حملہ کرو کہ دشمن مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔''

یہ الفاظ سن کر سب نے مل کر بڑا سخت حملہ کیا۔ قعقاع رضی اللہ عنہ دشمنوں کے شہسواروں کی صفیں چیرتا ہوا نکل گیا اور خندق کے دروازے پر جا پہنچا، اتنے میں شام ہو گئی، اندھیرا چھانے لگا۔ رات کی تاریکی دیکھ کر مسلمان مجاہد جنگ ملتوی کرنا چاہتے تھے کہ قعقاع رضی اللہ عنہ نے پھر خطاب کیا اور کہا:

> ''اے مجاہدو! کدھر جا رہے ہو؟ تمھارا سالار تو خندق کے دروازے پر پہنچ چکا ہے۔ اپنے امیر کی طرف لپکو! لو ہم ایک ہی ہلّے میں شہر کے اندر داخل ہوا چاہتے ہیں۔''

سالار کے یہ الفاظ سن کر مسلمان مجاہد دشمنوں پر پل پڑے اور ایسا حملہ کیا کہ سب خندق کے

Marfat.com

دروازے پر پہنچ گئے۔ مسلمانوں کا سالار دروازے پر قابض ہو چکا تھا۔ ایرانی دُم دبا کر بھاگ نکلے۔ مسلمان سپاہیوں نے دشمنوں کے کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ جو جان بچا کر بھاگ سکے، وہ حلوان میں پناہ گزین ہوئے۔ مسلمان شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ یہاں بھی بڑا مالِ غنیمت ہاتھ آیا، سیم وزر کے انبار ملے۔ سامانِ جنگ بھی بکثرت دستیاب ہوا۔ ہر شہسوار کو نو ہزار درہم اور نو نو سواری کے جانور ملے۔ تسخیر کے بعد جَلُولاء اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر جزیہ لگا دیا گیا۔ ①

فتح حُلوان

جب یزد گرد نے جلولاء کو مُسخر ہوتے دیکھا تو بڑا دہشت زدہ ہو کر حلوان کا شہر چھوڑ کر رے چلا گیا۔ قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ پیش قدمی کرتے ہوئے حلوان پہنچے تو معمولی سی مزاحمت کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا اور ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ جو شہری اسلام قبول کرلے گا یا جزیہ ادا کرے گا، اس کی جان اور مال محفوظ رہیں گے، یہ اعلان سن کر بہت سے سردار مسلمان ہو گئے۔ ②

حلوان پر قابض ہونے کے بعد سارا عراق مسلمانوں کے زیرنگیں ہو گیا۔

کوفہ و بصرہ کی آبادی ۱۸ھ

عراق کو مسخر کرنے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کے دارالسلطنت مدائن میں سکونت اختیار کی۔ ملکی انتظامات اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے اسلامی فوجوں کا وہاں قیام ضروری تھا، لیکن ملک کی آب وہوا عربوں کو راس نہ آئی، اس لیے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے عرب و عراق کی سرحد پر دو شہر آباد کرنے کا فیصلہ کیا گیا، تاکہ مسلمان سپاہی ان نئی چھاؤنیوں میں سکونت پذیر ہو سکیں۔ اس مقصد کے لیے کوفہ اور بصرہ دو شہر آباد کیے گئے۔

کوفہ شہر حِیرَہ کے قریب دریائے فُرات کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ بڑا شاداب اور سرسبز ہونے کے علاوہ صحرا سے بھی دور نہ تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک بلند ترین مقام پسند فرما کر وہاں شاندار مسجد بنانے کا حکم دیا۔ مسجد کے پاس ہی قصرِ سعد کے نام سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۱۹/۲، ۵۲۲

② النویری، نہایۃ الارب: ۱۴۸/۱۹

Marfat.com

لیے مکان تعمیر ہوا۔ مسجد کے اردگرد فوج کے لیے چھاؤنی بنا کر چالیس ہزار سپاہیوں کو ٹھہرایا گیا اور ذرا فاصلے پر خرید و فروخت کے لیے منڈی قائم کی گئی۔

اِدھر کوفہ آباد کیا جا رہا تھا تو اُدھر بصرہ معرض وجود میں آنے لگا۔ بصرہ دریائے فُرات کے دہانے پر شہر اُبلہ کے قریب خلیج فارس سے متصل آباد ہوا۔ سب سے پہلے مسجد تعمیر ہوئی، پھر دارالامارت (گورنمنٹ ہاؤس) بنا۔ پھر فوجی اور شہری محلے آباد ہوئے۔

کوفہ اور بصرہ دونوں شہر اسلامی افواج کے لیے چھاؤنیاں قرار پائیں۔ بعد میں یہی شہر اسلامی تہذیب و تمدن اور عربی علوم و فنون کے مرکز ٹھہرے۔ بڑے عرصے تک ان شہروں کو علمی، تجارتی، سیاسی اور عسکری اہمیت حاصل رہی۔ ①

تسخیر الجزیرہ ۱۶۔۱۷ھ

الجزیرہ سرحدِ عراق سے شمال کی طرف عراق و شام کے درمیان واقع ہے۔ باشندگان الجزیرہ نے تکریت کے مقام پر فوج جمع کی۔ ان کے مقابلے پر پانچ ہزار کا ایک لشکر روانہ کیا گیا۔ اہل تکریت قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان فوج نے محاصرہ کر لیا۔

بالآخر قلعہ بند فوج نے تنگ آ کر ہتھیار ڈال دیے اور اسلامی فوج کے سپہ سالار عیاض بن غَنَم سے صلح کی درخواست کی، جزیہ ادا کرنے پر صلح ہو گئی۔ اہل تکریت ذِمّی بن کر رہنے لگے۔ کچھ دیر الجزیرہ کی مہم ملتوی رہنے کے بعد سن ۱۷ ہجری میں پھر شروع ہوئی اور عیاض بن غنم کی سرکردگی میں مسلمانوں نے مَوصِل، رَقّہ، حَرّان، نُصیبین (دیار بکر) اور رُہاء فتح کر کے سارا الجزیرہ مسلمانوں کا زیرِ نگیں بنا لیا۔ ②

فتح خوزِستان

بصرہ کے شمال مشرق میں خوزستان کا علاقہ تھا جو ایرانیوں کے ماتحت ہونے کی وجہ سے بصرہ جیسے اہم فوجی مرکز کے لیے مستقل خطرہ تھا۔ سیاسی اور عسکری نقطۂ نظر سے ضروری تھا کہ خوزِستان پر قبضہ کر کے بصرہ کو محفوظ مقام بنا لیا جائے۔ اس ضرورت کے پیش نظر مسلمان عساکر نے

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۱/ ۴۳۰۔ ۴/ ۴۹۰

② ابن الاثیر، الکامل: ۲/ ۵۳۲

Marfat.com

خوزستان کے اہم شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کرلیا۔ اس طرح تھوڑے عرصے میں اَہواز، سُوس، رام ہُرمُز، شوستر اور جُند یسابور اسلامی سلطنت میں شامل کرلیے گئے۔ ①

فتح ایران

جب مسلمانوں نے خوزِستان پر قبضہ کیا تو یَزدگرد اس وقت مَرو میں تھا۔ اُسے یہ سن کر بڑا صدمہ ہوا کہ مسلمان سرحد پار کر کے خوزستان کے علاقے پر قابض ہو گئے ہیں اور اس سے زیادہ افسوس ناک یہ بات تھی کہ یزدگرد کا دست راست اور قوتِ بازو ہُرمُزان بھی گرفتار ہو چکا تھا۔ خوزستان کے نکل جانے سے یزدگرد کو بڑی تشویش ہوئی۔ اب اسے سارا عراق عجم (ایران) خطرے میں نظر آنے لگا۔ ایران کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے یزدگرد نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی اور تمام چھوٹی بڑی ریاستوں کو ایران کی مدافعت اور حفاظت کے لیے اُکسایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈیڑھ لاکھ فوج اسلامی لشکر سے ٹکر لینے کے لیے تیار ہو گئی۔

فتح نَہاوَند ۲۱ھ

یزدگرد نے ایران کے مشہور و معروف سپہ سالار مردان شاہ کو ایک لشکر جرار کی کمان دے کر نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایران کی اس تیاری کی خبر ملی تو آپ نے سرحد کی طرف کُمک روانہ کی اور نُعمان بن مُقرِّن رضی اللہ عنہ کو تقریباً تیس ہزار فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ جب مسلمان نہاوند کے مقام پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایرانی افواج مردان شاہ کی سرکردگی میں پہلے ہی سے وہاں موجود ہیں۔ صلح کی گفتگو کے لیے سفیر مقرر ہوئے، لیکن ایرانی سپہ سالار مردان شاہ کے غرور و نخوت کے سبب گفتگوئے صلح ناکام رہی۔

دونوں فوجیں نہاوند کے میدانِ جنگ میں لڑنے مرنے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔ گفتگو ختم ہوتے ہی لڑائی شروع ہو گئی اور ایسی خونریز اور ہولناک جنگ ہوئی کہ ہزاروں لاشیں خاک و خون

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۹۳، ۲۰۲

Marfat.com

میں تڑپنے لگیں۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت نُعمان رضی اللہ عنہ بھی زخمی ہو کر گر پڑے۔ سارا دن بڑی خونریز جنگ ہوتی رہی۔ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمذان تک تعاقب کیا۔ ہزاروں ایرانی تہ تیغ ہوئے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی سپاہی کھیت رہے۔ اس ہزیمت کے بعد ایرانی پھر اس سروسامان کے ساتھ کبھی مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مسلمان اس شاندار فتح کو ''فتح الفتوح'' کہتے ہیں۔ اس جنگ میں بھی بکثرت مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ①

سارا ایران زیرِ نگیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پالیسی وضع کی تھی کہ اب پیش قدمی بند کر کے مقبوضہ علاقوں کو مضبوط و مستحکم کیا جائے، لیکن جب آپ نے ایرانیوں کو دیکھا کہ وہ چین سے نہیں بیٹھتے بلکہ شرارتوں کے درپے ہیں اور فوج جمع کر کے ہر بار ملک میں شورش بپا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یزدگرد مَرو میں بیٹھا فوج جمع کرتا اور اپنے بہادر سپاہیوں کی امداد کے لیے اُکساتا رہتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب تک ایرانی تاج وتخت کا وارث زندہ ہے، یہ آئے دن کے فتنے اور شورشیں سر اُٹھاتی رہیں گی۔

چنانچہ آپ نے فیصلہ کر لیا کہ تمام ایران کا الحاق کر لیا جائے۔ اس غرض کے لیے آپ نے سن ۲۱ ہجری میں اسلامی فوج کے بہت سے دستے مرتب کر کے ایران کے مختلف علاقوں کی طرف بھیجے۔ اس بہانے سے مسلمانوں نے سارے ملک میں پھیل کر اصفہان، ہمذان، رَے، طَبرستان، آذربائیجان، آرمینیہ، فارس، کرمان اور خُراسان کو یکے بعد دیگرے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔

یزدگرد مسلمان فوج کے آگے آگے شہر بہ شہر مارا مارا پھرتا رہا۔ بالآخر سن ۲۲ ہجری میں خراسان کی فتح کے بعد وہ ترکستان جا نکلا اور چند سال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قتل ہوا۔ اس کے مارے جانے کے بعد ایران میں مسلمانوں کی حکومت مستحکم ہوگئی۔ ②

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۱۱۴

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۱۵۲، ۱۷۳

Marfat.com

پانچواں باب

فتحِ شام ومصر

عہدِ صدیقی رضی اللہ عنہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ سیاسی حالات کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتح شام کا ارادہ کیا تو چار سپہ سالاروں کو مختلف سمتوں میں ملک شام کی طرف روانہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حمص کی جانب، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فلسطین کی جانب، یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو دمشق کی جانب اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو اُردن کی جانب روانہ کیا گیا اور ان تمام سپہ سالاروں کو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رہنے کا حکم دیا۔ ①

جب اسلامی لشکر دریائے یرموک کے کنارے ڈیرے ڈالے پڑا رہا اور ہرقل کی افواج نے ان کی پیش قدمی روک دی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تشویش ہونے لگی۔ فوراً خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا کہ عراق میں مثنٰی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر کے خود شام میں یرموک کے کنارے مسلمان افواج کی مدد کے لیے پہنچیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے میدانِ یرموک میں پہنچ کر مسلمان عساکر کی کمان ہاتھ میں لی اور جنگ کا پانسہ بدل دیا۔ ابھی دشمن کو پوری طرح ہزیمت نہ ہوئی تھی کہ خلیفہ اوّل کی وفات کی خبر لے کر قاصد وہاں پہنچ گیا۔ یہی قاصد حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی کا حکم بھی ساتھ لیے ہوئے تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے بڑی رازداری سے کام لیتے ہوئے تکمیل فتح تک تمام خبروں کو دبائے رکھا۔

جب جنگِ یرموک میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اوّل کی وفات اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے امیر المؤمنین منتخب ہونے کی خبر سنائی۔ ساتھ ہی اپنی معزولی کا حکم سناتے ہوئے فوج کی کمان حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ ②

(جنگ یرموک کی تفصیلات خلیفۂ اوّل کے عہد میں مذکور ہیں)

---

① ابن عساکر، التاریخ: ۴۹/۲

② البدایۃ والنہایۃ: ۹۹/۷

Marfat.com

فتح دمشق ۱۳ھ

فتح یرموک کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور فتح کی خوش خبری کے ساتھ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا۔

بشیر بن سعد حمیری کو یرموک کی کمان دے کر خود حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہزیمت خوردہ دشمنوں کے تعاقب میں نکلے۔ یرموک کی شکست کے بعد دشمن نے مقام فحل میں لشکر جمع کر کے مسلمانوں سے لڑنے کی تیاری شروع کی۔

جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر بھی پہنچی کہ ہرقل حمص سے بڑی فوج بھیج کر دمشق کو مضبوط کر رہا ہے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ نہ کر پائے کہ پہلے فحل پر حملہ کریں یا دمشق پر، اس شش و پنج کے عالم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ پہلے دمشق پر ہلّہ بولو، کیونکہ وہ ملک شام کا بڑا مضبوط قلعہ اور دارالسلطنت ہے، البتہ شہسواروں کا ایک دستہ اہل فحل کے مقابلے پر کھڑا کر دو تاکہ وہ اِدھر مشغول رہیں اور تمھاری طرف رُخ نہ کر پائیں۔

چنانچہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دس سالاروں کو ابو اعور سُلمی کی زیر قیادت فحل کے محاذ پر بھیج دیا اور خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر دمشق کا رُخ کیا۔ جب اسلامی افواج نے یرموک کے کنارے شہر واقوصہ سے دمشق کی راہ لی تو سرسبز وشاداب علاقے، ہرے بھرے کھیت، خوشنما باغات، نہریں، پھل پھول دیکھ کر مسلمان حیران رہ گئے۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ منزل مقصود پر پہنچ کر دمشق کو جلدی فتح کر لیں، مگر یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ دمشق کا قلعہ شہر کی سب سے اُونچی سطح پر مضبوط بنا ہوا تھا۔ شہر کے گرد پتھروں سے بنی ہوئی فصیل تھی۔ جگہ جگہ تیرانداز حملہ آور کے استقبال کے لیے بیٹھے تھے۔ منجنیق نصب کی ہوئی تھیں۔ فصیل کے ساتھ ساتھ بڑی چوڑی خندق کھود کر پانی سے بھر دی گئی تھی تاکہ حملہ آوروں کے لیے شہر تک پہنچنا محال ہو جائے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شہر کا مُحاصرہ کر کے حمص سے آنے والی کُمک اور امداد کو چاروں طرف سے روک دیا۔ مسلمان بھی منجنیقیں اور دبابے (قدیم قسم کے ٹینک) نصب کر کے ہلّہ بولنے کی کوشش کرنے لگے۔ رومی فوجوں کو یقین تھا کہ ان کا قلعہ مسلمان فوجوں کے لیے ناقابل

Marfat.com

تسخیر ہے۔ دونوں فوجیں عرصے تک برابر ڈٹی رہیں۔ رومی قلعہ بند فوجوں کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر محاصرہ طول پڑ گیا تو سردی کی برف باری جو جلدی شروع ہونے والی تھی، مسلمان محاصرین کو بھگا دے گی۔

تقریباً اڑھائی ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ برف باری کے بعد پھر موسم بہار آ گیا لیکن مسلمانوں کی ہمتوں میں سرِ مُو فرق نہ آنے پایا۔ اس طویل محاصرے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی تدبیر پھر کامیاب ہوئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے عراقی دستے کو ہلّہ بولنے کا حکم دیا۔ سب سپاہی پانی سے بھری ہوئی خندق میں کود پڑے۔ تیرتے ہوئے فصیل کی دیوار تک جا پہنچے۔ سیڑھیوں اور رسّوں کے ذریعے فصیل پر چڑھ کر اندر جا اُترے۔ ادھر ہرقل کی امداد سے مایوس ہو کر قلعہ بند فوجوں نے ہتھیار ڈال کر صلح کی درخواست کر دی۔ چنانچہ دمشق کا کچھ حصہ تو بزورِ شمشیر فتح ہوا اور کچھ حصہ بذریعہ صلح۔ ①

تسخیر فحل ۱۴ھ

فتح دمشق سے فارغ ہو کر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مسلمانوں نے فحل پر حملہ کر دیا۔ مقدمۃ الجیش حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں تھا۔ لیکن اہل فحل شہر خالی کر کے بیسان میں جا چکے تھے۔ مسلمان افواج وہاں پہنچیں، بیسان میں بڑا سخت معرکہ ہوا۔ خونریز جنگ کے بعد رومی فوجیں میدان چھوڑ کر بھاگ نکلیں۔ مسلمانوں نے تعاقب کر کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ اَسّی ہزار رومیوں میں سے صرف وہی لوگ بچ سکے جنھوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ ②

فتح حمص

اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حمص کی طرف پیش قدمی کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر حَماۃ، قِنّسرین، لاذقیہ، حَلَب، اَنطاکیہ وغیرہ شہروں کو زیرنگیں بنا کر اُن کے تمام علاقے کو مسخر کر لیا۔ ③

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/ ۴۳۴

② ابن الاثیر، الکامل: ۴۲۹/۲

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۱۵۲، ۱۵۵

Marfat.com

دوسری طرف ابواَعور سُلمی طبریہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ جب اہل طبریہ نے بیسان کا انجام دیکھا تو ہتھیار ڈال کر صلح کی درخواست کی۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے شہروں نے بھی صلح کر کے اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح اُردن سے حَوران اور بادیہ تک کا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل ہو گیا اور ہرقل ملک شام کو خیر باد کہہ کر قُسطنطُنیہ میں جا بسا۔ ①

فتح فلسطین

جب اِدھر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام کی تسخیر کو پایہ تکمیل تک پہنچا رہے تھے تو اُدھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور شُرَحبیل بن حَسَنہ رضی اللہ عنہ فلسطین میں رومی لشکروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اس وقت فلسطین میں رومی قائد اکبر اَطربون ② رومی افواج کی قیادت کر رہا تھا۔

جنگ اَجنادین ۱۵ھ

یہ رومی قائد بڑا دُور اندیش اور با تدبیر سمجھا جاتا تھا۔ اَطربون نے بیت المقدس، غزہ، رَملہ وغیرہ شہروں میں بھاری فوج جمع کر رکھی تھی اور خود بہت بڑا لشکر لے کر اجنادین میں مقیم تھا۔

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رومیوں کی قوت بہت زیادہ ہے تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ پوچھ بھیجا۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے قائدِ روم کے مقابلے میں قائدِ عرب بھیجا ہوا ہے۔ تم تدبیر میں اطربون سے کم نہیں، جس طرح بن پڑے کرو۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے سپہ سالاروں کو حکم بھیجا کہ قَیسارِیہ، رَملہ، ایلیاء، غزہ وغیرہ

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳/۴۴۴

② مؤرخ اسلام امام طبری نے اس کی جگہ اَرطبون لکھا ہے۔ لیکن بٹلر نے اپنی کتاب The Arab conquest of Egypt میں اریطیون درج کیا ہے۔ جدید تحقیقات یہ ہے کہ یہ لفظ Tribunus سے مُعرّب ہے۔ لہٰذا عصر حاضر کے عرب مؤرخ مثلاً ڈاکٹر ہیکل وغیرہ نے اطربون کو ترجیح دی ہے۔ (از مؤلف)

Marfat.com

شہروں پر حملہ کرو تاکہ رومیوں کی قوت اور توجہ منقسم ہو جائے۔

اِدھر رومی سپاہ کو مصروف رکھنے کے لیے مسلمان سالاروں نے مختلف شہروں پر حملے کر دیے، اُدھر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حالات کا پورا جائزہ لیتے ہوئے رومیوں کے قائد اکبر اطربون کے مقابلے کی ٹھانی۔ فریقین صف آرا ہو کر میدان جنگ میں اُترے، بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ قتل وخونریزی کا وہ بازار گرم ہوا کہ جنگ یرموک کی یاد تازہ ہوگئی، دن بھر خونریز جنگ ہوتی رہی۔

دونوں طرف سے بے شمار جانی نقصان ہوا۔ ہزاروں سپاہی کھیت رہے۔ جب سورج غروب ہونے کو تھا تو رومی فوج ہمت ہار بیٹھی۔ اطربون یہ دیکھ کر بیت المقدس میں پناہ گزین ہوا۔ مسلمان فوج نے اردگرد کے تمام شہروں پر قبضہ کر کے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ [1]

فتح بیت المقدس ۱۷ھ

بیت المقدس میں محصور ہونے کے بعد بھی اطربون کا غرور نہ ٹوٹا۔ بھلا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کب ٹلنے والے تھے۔ اُنھوں نے چار ماہ تک محاصرہ جاری رکھا اور رَسَد رسانی اور کُمک کے تمام ذرائع مسدود کر دیے۔ محاصرہ کے طول پکڑنے سے رومیوں کی قوت ٹوٹ گئی۔ بالآخر رومی فوجوں نے تنگ آکر صلح کی درخواست کرتے ہوئے یہ شرط لگادی کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس تشریف لا کر صلح کا معاہدہ کریں۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینے سے چل کر جابیہ کے مقام پر پہنچے۔ تمام سپہ سالاروں اور قائدین لشکر نے آپ کا استقبال کیا۔ بیت المقدس والوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ بھی وہیں سن ۱۷ ہجری میں لکھا گیا۔ اس عہد نامے کا ترجمہ بجنسہٖ حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیاء (یعنی بیت المقدس) کے لوگوں کو دی۔

(۱) یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست و بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے۔

---

[1] ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶۰۵/۳

Marfat.com

(۲) اس عہد نامے کی رُو سے نہ ان کے گرجوں میں سکونت کی جائے گی اور نہ منہدم کیے جائیں گے۔ نہ ان گرجوں کو نہ ان کے احاطوں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔

(۳) مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو ضرر اور نقصان پہنچایا جائے گا۔

(۴) ایلیاء میں ان کے ساتھ کوئی یہودی نہ رہنے پائے گا۔

(۵) اہل ایلیاء پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں۔

(۶) ان پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ یونانیوں کو اپنے ہاں سے نکال دیں۔ جو یونانی شہر سے نکلے گا، اس کا مال و جان جائے پناہ تک پہنچنے تک محفوظ ہے۔

(۷) جو یونانی ایلیاء میں سکونت رکھے گا، اس کے لیے بھی امن ہے اور اس کو ایلیاء والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔

(۸) جو شخص مال و جان لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب بھی محفوظ ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔

(۹) کھیتی باڑی کرنے والوں کو بھی اختیار ہے کہ اگر وہ پسند کریں تو یہیں مقیم رہیں اور اہل ایلیاء کی طرح جزیہ ادا کریں۔ جو یونانیوں کے ساتھ جانا چاہیں ان کو جانے کی اجازت ہے اور جو اپنے گھر واپس آنا چاہیں ان کو بھی واپس آنے کی اجازت ہے۔ نیز جب تک دو فصلوں کی کٹائی نہ کرلیں، ان سے کچھ نہ لیا جائے گا۔

اس معاہدے پر اللہ، رسول خدا ﷺ، خلفاء اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ وہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مہر ثبت کی اور حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نے بطور گواہ دستخط کیے۔

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶۰۹/۳

Marfat.com

اس معاہدے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور دوسرے افسروں نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑا سادہ لباس پہنے ہوئے تھے۔ مسجد اقصیٰ میں جا کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجے کی سیر کی۔ ①

یہ صلح نامہ اس لحاظ سے بڑا اہم ہے کہ ایک امیر المؤمنین نے مفتوحہ ملک کی غیر مسلم رعایا کے شہری اور مذہبی حقوق کا بڑا خیال رکھا ہے۔ اس کے بعد سن ۱۹۔ ہجری میں فلسطین کے ساحل پر قَیسار یہ (قیصریہ) کا شہر سب سے آخر میں طویل محاصرے کے بعد فتح ہوا۔ ②

مسلمانوں کے لیے شام و فلسطین کے ملکوں کو فتح کر کے اپنے تسلط میں رکھنا مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر آسان ہو گیا تھا۔

(۱) مذہبی اختلافات نے شام کے باشندوں اور قسطنطنیہ کے عیسائی حاکموں کے درمیان منافرت پیدا کر رکھی تھی۔ حکومت عوام کو مجبور کرنا چاہتی تھی کہ وہ چند ایسے عقائد اختیار کریں جو عوام کو ناپسند تھے۔

(۲) مسلمانوں نے جو خَراج یا جزیہ لگایا وہ رومیوں کے ٹیکسوں سے بہت کم تھا۔ اس لیے شام کے اکثر باشندے مسلمان حکومت سے خوش تھے۔

(۳) شام کی زیادہ تر آبادی شامی نسل کی تھی، اس لیے ہم نسل ہونے کی وجہ سے عربوں سے زیادہ لگاؤ رکھتی تھی۔

(۴) شامیوں کی زبان بھی عربی زبان سے بہت ملتی جلتی تھی۔

❀❀❀

① ابن الاثیر، الکامل: ۴۹۹/۲

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶۰۳/۳

Marfat.com

فتحِ مصر

پس منظر

مصر سرحدِ شام پر واقع ہے۔ اسلامی فتوحات کے زمانے میں شام اور فلسطین کی طرح مصر بھی رومیوں کے زیرِ نگیں تھا۔ رومیوں نے سن ۳۰ قبل مسیح میں مصر پر قبضہ کیا۔ مصریوں کا مذہب بت پرستی تھا۔ جب رومی سلطنت عیسائیت کے آغوش میں چلی گئی تو مصر کی بت پرستی عیسائیوں کو کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی۔

رومی سلطنت کی طرف سے مصر کو رومۃ الکبریٰ کے لیے ایک بہت بڑا ذخیرہ قرار دیا گیا۔ مصر سلطنت روما کے تمام مطالبات پورے کرتا رہا۔ مصری محکوم ہونے کے بعد علوم ومعارف سے نا آشنا ہوتے چلے گئے۔ رومیوں نے مصریوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر رکھے تھے جس کی وجہ سے مصری بہت تنگ آچکے تھے۔ افراد واشخاص محنت وحرفت، مویشی اور زمینیں، مسافر تاجر وغیر تاجر، گھر کا اثاثہ، زندہ اور مردہ سب پر ٹیکس کی بھرمار تھی۔ ان ٹیکسوں اور حکومت کے جور وظلم سے مصری عوام کا ناک میں دم آچکا تھا۔

مصریوں کا مقامی حاکم مقوقس بھی عوام کی طرح قبطی قوم میں سے تھا۔ سب لوگ مذہباً عیسائی تھے اور انھیں عقائد کے بارے میں رومیوں سے سخت اختلاف تھا۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چار سپہ سالار مقرر کر کے شام وفلسطین کی فتح کے لیے بھیجے تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اول سے مصر جانے کی اجازت چاہتے ہوئے مصر کی شادابی اور زرخیزی کا تذکرہ کیا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں وہاں پہنچ کر مسلمان افواج کو مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ پھر اسلامی افواج شام وعراق کی جنگوں میں مصروف تھیں۔ ان عساکر کے علاوہ کوئی ایسی فوج نہ تھی جو مصر پر حملہ کر سکے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ٹالتے رہے اور وہ بھی استحکام سلطنت کے حامی تھے۔

Marfat.com

لیکن حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فتح مصر پر برابر اصرار کرتے رہے۔ وہ تجارت کے سلسلے میں مصر کو خوب دیکھ چکے تھے اور اس پر قبضہ کرنے کے بڑے حامی تھے۔ اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ مصر پر رومی اقتدار کا قائم رہنا شام و فلسطین کے اسلامی مقبوضات کے لیے ہر وقت خطرے کا موجب ہے۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے کی اجازت دیتے ہوئے چار ہزار سپاہ ساتھ کر دیں۔ ①

تسخیر فَرَما

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت خلیفۃ المسلمین کے حکم سے سن ۱۸ ہجری میں مصر کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اسلامی لشکروں کے کچھ حصہ نے عَرِیش کے راستے مصر پر چڑھائی کر دی۔ بڑی آسانی سے مصر کی سرزمین میں پہنچ گئے لیکن شہرِ فَرَما کی فصیلوں تک پہنچے تو رومی فوجوں نے قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ فرما کا شہر ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

مسلمان افواج تقریباً ایک مہینے تک شہر کا محاصرہ کیے پڑی رہیں۔ بالآخر شروع محرم سن ۱۹ ہجری (۶۴۰ عیسوی) میں شہر فرما فتح ہو گیا۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ قبطیوں نے مسلمان فوجوں کی امداد کی تھی۔

فتح بِلبِیس

اس کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے بِلبِیس کے مقام تک جا پہنچے۔ وہاں سخت معرکہ پیش آیا۔ اَطربون نے بیت المقدس کی ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے بارہ ہزار کا لشکر لے کر اچانک حملہ کر دیا۔ بھلا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کبھی غافل ہو سکتے تھے۔ اُنھوں نے بروقت خبر پا کر دشمن کا خوب مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک میدانِ کارزار گرم رکھ کر دشمن کے چھکے چھڑا دیے۔ ایک مہینے کی جنگ کے بعد مسلمانوں نے بِلبِیس فتح کر لیا۔

① ابن تغری بردی، النجوم الزاہرۃ: ۹/۱

Marfat.com

تسخیر قلعہ بابلیُون

بِلبیس کو فتح کرنے کے بعد اُم دُنَین پر بڑا معرکہ پیش آیا۔ رُومی افواج بابلیون کے قلعہ میں بھی تیار بیٹھی تھیں۔ کئی ہفتہ کی جنگ کے بعد فتح کے آثار نظر نہ آئے تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کو مزید کمک کے لیے لکھا۔ چنانچہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مزید چار ہزار کا لشکر بھیجا جس کے سالار حضرت زبیر بن عوّام، عُبادہ بن صامت، مسلمہ بن مُخَلَّد اور مقداد بن اَسْوَد رضی اللہ عنہم تھے۔

امیر المؤمنین نے یہ بھی لکھا کہ چار ایسے بہادر سالار بھی شامل لشکر ہیں جن میں سے ہر ایک بہادر ہزار ہزار کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اس کُمک کے پہنچنے کے بعد رومیوں کا خوب مقابلہ ہوا۔ رومی سپہ سالار بیس ہزار کا لشکر لے کر مقابلے پر آیا، مگر منہ کی کھا کر میدانِ جنگ سے بھاگ گیا۔ ہزاروں رومی سپاہی میدان جنگ میں کام آئے۔

اُم دُنَین کی ہزیمت کے بعد رومی افواج بابلُیون کے قلعہ میں پناہ گزین ہوئیں۔ یہ قلعہ بڑا مضبوط اور ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سن ۲۰ ہجری میں اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا، لیکن آلاتِ حصار کی قلت اور شہر پناہ کی مضبوطی کی وجہ سے یہ محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا۔ مُقوقس (قِبطی حاکم مصر) مسلمانوں کی شجاعت، مساوات، خدا پرستی، صفائی اور استقلال سے متاثر ہوکر صلح کے لیے تیار ہوگیا، لیکن ہِرَقل نے اسے سختی سے روک دیا۔

بالآخر مسلمانوں نے سات ماہ کے بعد قلعہ بابلیون بزورِ شمشیر فتح کرلیا۔ مقوقس اور اس کے قبطی ساتھیوں نے جو پہلے ہی قلعے سے بھاگ نکلے تھے، مسلمانوں کی ہر ممکن امداد کی اور سہولتیں بہم پہنچائیں۔ تسخیر بابلیون کے بعد دریائے نیل کے مشرقی حصے پر مسلمانوں کا پورا قبضہ ہوگیا۔ ①

فتح اِسکَندَرِیَہ

تسخیر قلعہ بابلیُون کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی افواج قاہرہ کو لے کر اِسکَندَرِیَہ کی طرف بڑھے۔ یہ شہر بُحَیرۂ روم کے ساحل پر ایک نہایت پر رونق اور وسیع و مستحکم بندرگاہ تھی۔

① ابن تغری بردی، النجوم الزاہرۃ: ۱/۱۳

Marfat.com

اسکندریہ تجارتی اور علمی لحاظ سے دُنیا کے مشہور ترین شہروں میں شمار ہوتا تھا۔

بابلیون سے اسکندریہ تک کئی مضبوط قلعے تھے۔ مسلمان فوجوں نے ایک ایک کر کے سب فتح کر لیے، البتہ کرِیون پر سخت معرکہ پیش آیا۔ رومی لشکر وہاں سے شکست کھا کر بھاگے تو اسکندریہ میں پناہ لی۔ اسکندریہ بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ رومیوں کو اس کے استحکام اور انتظامات پر بڑا ناز تھا۔ انھیں یہ بھی یقین تھا کہ اگر اسکندریہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو پھر رومیوں کے پاؤں کہیں نہیں جم سکتے۔

جب مسلمانوں نے اسکندریہ پر حملہ کیا تو اس وقت پچاس ہزار رومی سپاہی قلعہ میں تیار بیٹھے تھے۔ بحری راستوں سے کُمک اور رَسَد بڑی تیزی اور کثرت سے پہنچ رہی تھی۔ اس کے مقابلے پر مسلمانوں کی کل فوج ۲۲ ہزار تھی۔ ان کے پاس محاصرے کے آلات بھی نہ تھے۔

برابر چار مہینوں تک دونوں فوجیں زور آزماتی رہیں۔ مسلمانوں نے بڑی بہادری سے رومی افواج کے حملوں کو روکا۔ جب فتح میں تاخیر ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں ڈانٹ پلائی اور حکم دیا کہ سخت حملہ کر کے اسکندریہ کو فتح کر لو۔

اس نے نئے حملے کے لیے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اُنھوں نے خدا کا نام لے کر ۸۔ نومبر سن ۶۴۱ عیسوی کو بڑے زور کا حملہ کر کے اسکندریہ کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا لیکن قبطیوں کی دلجوئی اور خوشنودی کے لیے اس فتح کو ''فتح صلح'' قرار دے کر اہل مصر کو ذِمّی ٹھہرایا اور انھیں اختیار دیا کہ جو باہر نکل جانا چاہے نکل جائے اور جو یہاں رہنا چاہے رہے۔ نیز ان کو صلح نامہ لکھ دیا، جس کی چند شرائط حسب ذیل تھیں:

(۱) ہر بالغ اور عاقل شخص دو دینار سالانہ جزیہ ادا کرے۔

(۲) یہ صلح گیارہ ماہ تک نافذ رہے گی۔

(۳) دوران صلح میں عرب اپنے مرکزوں کی حفاظت کریں گے۔

(۴) مسلمان گرجوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں گے اور نہ عیسائیوں کے مذہبی اُمور میں مداخلت کریں گے۔

Marfat.com

(۵) اگر مسلمان ان کی حفاظت نہ کر سکے تو جزیہ واپس کر دیں گے۔

(۶) یہودی اسکندریہ میں رہ سکیں گے، وغیرہ وغیرہ۔

اسکندریہ فتح کر لینے کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ اسکندریہ کو پایۂ تخت قرار دیا جائے لیکن یہ شہر بہت دُور تھا۔ اس لیے واپس آ کر دریائے نیل کے مشرقی کنارے پر ڈیرے ڈالے۔ یہ مقام بعد میں فُسطاط یعنی خیمہ گاہ مشہور ہوا۔ آہستہ آہستہ فسطاط مصر کا دارالحکومت ٹھہرا۔ فسطاط میں قیام کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرنے کے لیے فوجی دستے بھیجے اور چند دنوں میں سارا مصر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ ①

فتح طرابُلس

تسخیرِ مصر کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مغرب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے طرابلس کے مشہور مقام بَرقہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں سے طرابلس کے مشہور قلعے کو فتح کیا۔ بربری قبائل نے اطاعت اختیار کر لی۔ فتح طرابلس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تھا کہ رومی برقہ اور طرابلس میں فوج جمع کر کے تیاری کر رہے ہیں، ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ کسی وقت موقع پا کر جوشِ انتقام میں حملہ کر دیں، اس خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے طرابلس کی طرف پیش قدمی ضروری سمجھی گئی۔ ②

مفتوحہ اقوام سے سلوک

مسلمانوں نے ہر ملک میں اپنے حسن اخلاق، رواداری، نرمی اور حسن سلوک سے لوگوں کا دل موہ لیا۔ میدانِ جنگ کی خونریزی اور قتل و غارت گری کے بعد وہاں کی رعایا اور شہر کو برباد نہیں کیا گیا بلکہ ان کی آبادی اور ترقی کے پورے مواقع پیدا کیے۔ لوگوں کو پوری مذہبی اور شہری آزادی عطا کی ان کو مکانوں اور زمینوں سے محروم نہ کیا بلکہ ان کی حفاظت اور امن و سلامتی کا پورا ذِمہ اُٹھایا۔

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۰۵/۴

② ابن الاثیر، الکامل: ۲۵/۳

Marfat.com

مسلمانوں نے کسی مفتوحہ علاقے میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور امن پسند شہریوں پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ ہر جگہ ان سے نرمی سے پیش آئے اور اپنے عہد و پیمان کا خیال رکھا۔ دوسرے ممالک کی طرح مصر میں بھی مسلمانوں نے بڑی رواداری کا ثبوت دیا۔

قبطیوں سے بڑی نرمی سے برتاؤ کیا۔ انھیں پورا اختیار دیا کہ جو دین چاہیں قبول کر لیں۔ جو مسلمان ہو گئے ان کو مسلمانوں کے حقوق و فرائض حاصل ہوئے، جو اپنے دین پر قائم رہے ان میں سے بالغوں پر دو دینار سالانہ جزیہ عائد کیا گیا۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو جزیے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصریوں کی سہولت اور آسائش کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

مصر کی سرسبز و شاداب زمینوں میں مصریوں کا قبضہ قائم رکھا گیا اور ان کی حفاظت و نگہداشت کا ذمہ مسلمانوں نے اُٹھایا۔ ان کے اہل و عیال اور جان و مال کی حفاظت بھی فاتح قوم نے اپنے ذمے لے لی۔ شہریوں میں امن و امان قائم کر کے لوگوں کو آسائشیں مہیا کی گئیں۔

نئی اصطلاحات نافذ کر کے انتظامی معاملات میں باقاعدگی پیدا کی گئی۔ مسلمانوں نے رعایا کی سہولت کے لیے سڑکیں، پُل اور حوض بنائے۔ نیز دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں میں دلچسپی کا اظہار کیا۔

Marfat.com

چھٹا باب

عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں نظامِ حکومت

اسلامی فتوحات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت جنگوں اور فتوحات کا زمانہ تھا۔ دس بارہ برس کی مدّت میں اسلامی سلطنت کی حدود بڑی وسیع ہوگئیں۔ مشرق میں افغانستان اور چین کی سرحدوں تک مسلمان فوجیں جانکلیں۔ مغرب میں طرابُلس اور شمالی افریقہ تک، شمال میں اناضول اور بحرِ قزوین تک اور جنوب میں ملک حبش تک۔ فتوحات کا یہ سلسلہ مؤرخین اور مفکرین کے لیے باعثِ حیرت واستعجاب بن گیا ہے۔ دُنیا محوِ حیرت ہے کہ اتنی قلیل مدت میں ایک بے سروسامان قوم کس طرح بڑی بڑی حکومتوں پر چھا گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت کی بڑی خوبی یہ ہے کہ توسیعِ سلطنت اور فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی انتظامات کی طرف بھی خاص توجہ دیتے رہے۔

مسلمان رشتۂ وحدت میں منسلک تھے۔ وحدتِ عقیدہ، وحدتِ عبادت، وحدتِ جنس وقوم اور وحدتِ زبان نے انھیں مضبوط ومتحد بنادیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مدینہ منورہ دارالخلافہ رہا اور مسلمانوں کی جمعیت، تنظیم اور مرکزیت مدینہ سے وابستہ رہی۔

طرزِ حکومت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں طرزِ حکومت شورائی تھا۔ امیر المؤمنین حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہر معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے، البتہ مشورہ لینے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کا انتخاب امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ پھر امیر المؤمنین کو یہ بھی اختیار تھا کہ چاہیں تو کسی کی رائے کو پسند کریں اور چاہیں تو رد کردیں۔ عہدِ فاروقی میں اکثر مجلس مشاورت کے ارکان حسب ذیل تھے:

Marfat.com

حضرت عباس بن عبدالمطلب ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت علی بن ابی طالب،
حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

اس کے علاوہ بسا اوقات امیر المؤمنین حضرت فاروق رضی اللہ عنہ مشاورت عامہ کے لیے عام مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع کر کے ان کی رائے دریافت کیا کرتے یا نماز کے وقت جمہور مسلمانوں سے مشورہ کرتے تھے۔ ہر شخص کو رائے دینے کا حق ہوتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب کوئی بڑا مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت فاروق صرف تیز مزاج نوجوانوں کو بُلا کر مشورہ طلب کرتے تاکہ ان کے جوشِ جوانی اور تیزی طبع سے فائدہ اُٹھائیں۔

عام مشورے کے بعد رائے درست معلوم ہوتی تو اس پر عمل کرتے، ورنہ خاص مجلس مشاورت منعقد کر کے مسئلے کے ہر پہلو پر بحث وتمحیص کر کے کسی نتیجہ پر پہنچتے تھے۔

اسی طرح آپ ملکی اور جنگی معاملات میں بھی اہل الرائے لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ نیز اپنے سپہ سالاروں اور والیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ بھی ہر معاملے میں مشورہ کرنے کے بعد کوئی قدم اُٹھایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مشورے کو نظامِ حکومت میں اساسی اور بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

عہدِ فاروقی میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اسمبلی ہال اور سیکرٹریٹ کا کام دیتی تھی۔ ماتحت حکمران، صوبائی والیوں، محصلین اور سپہ سالاروں کے نام تمام ہدایات مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری ہوتی تھیں۔ آپ کے طرزِ حکومت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ مسلمان قوم کی رائے اور اجازت کے بغیر اپنی ذات پر کوئی چیز خرچ نہ کرتے تھے۔ ایک بیماری میں شہد کی ضرورت پیش آ گئی، بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن جب تک قوم کی اجازت نہ لے لی، شہد استعمال نہ کیا گیا۔ ①

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر رعایا کے حالات میں دلچسپی لیتے تھے۔ غریبوں اور محتاجوں کا خیال رکھتے تھے۔ عوام کو اجازت تھی کہ برسرِ اجلاس خلیفہ وقت سے باز پُرس کر سکیں۔ آپ ہر وقت اس جستجو میں رہتے تھے کہ ضرورت مندوں کی ضرورتوں کا پتہ لگا کر ان کی اعانت اور

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۲۷۷

Marfat.com

دستگیری کی جائے۔

امیر المومنین کا یہ حال تھا کہ جب دیکھا کہ ایک عورت دردِ زِہ میں مبتلا ہے، کوئی پاس نہیں تو گھر آکر اپنی بیوی اُم کلثوم بنت علی ابن طالب رضی اللہ عنہا کو لے گئے، تا کہ اس کی دیکھ بھال ہو سکے۔ ①

جب چھوٹے بچے کو بلکتے دیکھا تو ان کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا۔ ②

صوبائی نظام

آپ نے دس برس کے عہدِ خلافت میں نہایت وسیع نظام حکومت قائم کر دیا۔ ملک کو آٹھ صوبائی حکومتوں میں بانٹ دیا۔ مکہ، مدینہ، شام، مصر، جزیرہ، بصرہ، کوفہ اور فلسطین۔ ③

اس کے علاوہ مشرق میں فارس، آذربائیجان اور خُراسان کے تین صوبے الگ قائم کیے۔ ہر صوبے میں کئی عہدے دار ہوتے تھے۔ مثلاً حاکم صوبہ، شہری میر منشی، فوجی میر منشی، افسر مال، پولیس افسر، قاضی اور خزانچی، اضلاع میں صرف افسر مال، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے۔

افسروں کا انتخاب ونگرانی

آپ افسروں کے تقرر کے معاملے میں بڑے محتاط تھے۔ قابل اعتماد اور لائق ترین لوگوں کو عہدے سونپتے تھے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ تقرر کے وقت ہر عامل کو ایک پروانہ دیتے تھے، جس میں عامل کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی۔ پھر یہ پروانہ اس عامل کے علاقے میں مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا، تا کہ وہ اپنے حدود اختیارات سے تجاوز نہ کر سکے۔ نیز ہر عہدے دار سے یہ عہد لیا جاتا تھا کہ:

(۱) وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

(۲) باریک کپڑا نہ پہنے گا۔

(۳) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

(۴) دروازوں پر دربان مقرر نہ کرے گا۔

---

① ابن الجوزی، مناقب عمر، ص: ۶۴

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۳۰۱

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۸۲، ۲۸۴

Marfat.com

(۵) حاجت مندوں کے لیے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ ①

اس کا مقصد یہ تھا کہ اس میں تن آسانی اور غرور حکومت پیدا نہ ہو۔ نیز لوگوں سے بے رُخی نہ برتے۔ آپ اپنے ماتحت افسروں کو رشوت سے بچنے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے۔ تمام صوبائی حاکموں کو ہدایت تھی کہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا کریں تا کہ صوبائی معاملات اور نئے مسائل کے متعلق مشورہ کر کے حکومت کی پالیسی وضع کی جائے۔ نیز اس لیے کہ عوام کی شکایات ان کے سامنے سن کر تدارک کیا جا سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہدے داروں کا بڑی سختی سے محاسبہ کیا کرتے تھے۔ ان کے عمال اور برتاؤ کی کڑی نگرانی کیا کرتے تھے۔ شکایت کی تحقیق کرتے اور ماتحت افسروں سے باز پُرس کرتے۔ انتظامی معاملات میں کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے۔

محکمۂ عدالت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں محکمہ عدالت کو الگ کر دیا تھا۔ نہایت عادل اور متقی لوگوں کو جج اور قاضی مقرر کرتے تھے۔ ہر ضلع اور ہر صوبہ میں یہ حکم دے رکھا تھا کہ ہر شخص کے ساتھ عدل وانصاف روا رکھا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ صرف معزز اور دولت مند لوگوں کو قاضی بناتے تا کہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہوں۔ رشوت سے بچانے کے لیے بڑی بڑی تنخواہیں بھی مقرر کیں۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اکثر تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ معمولی جھگڑوں کو آپس میں طے کر لیا کریں۔ قاضی کے سامنے صرف وہی مقدمات لایا کریں جو بڑے اہم ہوں اور جن کا آپس میں فیصلہ نہ ہو سکے۔

آپ نے قاضیوں کو ہدایت کی تھی کہ مدعی ثبوت بہم پہنچانے کا ذمّہ دار ہے۔ مقدمات کا فیصلہ کتاب وسنت کے مطابق کریں اور اگر کتاب وسنت میں کوئی مثال نہ ملے تو اجتہاد سے کام لیں۔ ابتدا میں قاضی اپنے گھر میں عدالت قائم کرتا تھا لیکن بعد میں مسجد میں بیٹھ کر مقدمات کے

① ابن ابی شیبہ، المصنف: ۱۲۹۶۶

Marfat.com

فیصلے کرنے لگا۔ ①

محکمۂ پولیس

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شہری لوگوں کی حفاظت اور قیام امن کی خاطر محکمہ پولیس قائم کیا۔ اس عہد میں اُس کا نام اَحداث تھا، بعد میں شُرطہ کہلانے لگا۔ شہریوں کی حفاظت اور قیام امن کے علاوہ احتساب کا کام بھی پولیس کے ذمہ تھا۔

جیل خانے

عہد فاروقی سے پہلے قید خانوں کا رواج نہ تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجرموں کو سزا دینے کے لیے جیل خانے بنائے۔ ②

محکمۂ ڈاک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری خطوط، فوجی مراسلات و پیغامات اور مالِ غنیمت کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لیے محکمۂ ڈاک قائم کیا۔ تیز رفتار اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے سرکاری پیغامات اور خطوط بھیجنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس محکمے کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینے میں بیٹھ کر عراق، شام، فلسطین اور مصر میں اپنی فوجوں کو ہدایات بھیجا کرتے اور ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

ٹکسال

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں سونے چاندی کے غیر ملکی سکّے رائج تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں چاندی کے سکے بنائے اور ان پر عربی حروف میں عبارت کندہ کی۔ البتہ سونے کے سکّے بنواُمیہ کے عہد میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے بنائے تھے۔ ③

چاندی کے سکّے درہم کہلاتے تھے اور سونے کے سکّے دینار۔

---

① ابن عبدالبر، جامع بیان العلم: ۲/۵۲

② قرطبی، التفسیر: ۷/۴۳۹

③ البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۴۵۳

Marfat.com

محکمۂ فوج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے پہلے فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ موجود نہ تھا۔ سن ۱۵ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ولید بن ہشام کے مشورے سے محکمۂ فوج قائم کر کے اسے منظم اور وسیع کیا۔ سب مجاہدوں کے نام رجسٹر میں درج کر کے ان کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہ کی کمی بیشی حسب مراتب تھی۔

فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک باقاعدہ فوج تھی جو ہر وقت محاذ جنگ پر رہتی تھی۔ دوسری رضا کار فوج تھی جو بوقت ضرورت طلب کی جاتی تھی۔ تنخواہیں دونوں فوجوں کو ملتی تھیں۔

فوجیوں کو مفتوحہ ممالک میں کاشتکاری اور کھیتی باڑی کی اجازت نہ تھی۔ فوجیوں کے بیوی بچوں کو بھی وظیفے ملتے تھے۔ ①

ہر سپاہی کو ماہانہ راشن بھی ملتا تھا جس میں غلہ، روغن زیتون اور سرکہ شامل تھا۔ فوجیوں کے قیام کے لیے عسکری مرکز اور چھاؤنیاں بنائی گئیں۔ بڑے بڑے فوجی مرکزوں میں فُسطاط، بصرہ، کوفہ، دمشق، حمص خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چھاؤنیوں کے ساتھ گھوڑوں کے لیے بڑے بڑے اصطبل ہوتے تھے اور ہر اصطبل کے ساتھ چراگاہیں بھی تھیں۔

فوج کے متعلق تمام کاغذات اور رجسٹر اپنے اپنے علاقوں کی چھاؤنی میں محفوظ رہتے تھے۔ فوجی سپاہیوں کی تنخواہ کم سے کم دو سو درہم سے لے کر تین سو درہم تک تھی اور سالاروں اور سپہ سالاروں کو سات ہزار درہم سے لے کر دس ہزار درہم تک تنخواہ ملتی تھی۔

فوج پیادہ اور شہسواروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ شہسواروں کو فوج کے بازوؤں پر متعین کیا جاتا تھا۔ فوجی ذرہ بکتر پہن کر تلواروں، نیزوں اور تیروں سے مسلح ہوتے تھے۔ محاصرہ کے وقت منجنیق اور دبابے استعمال کیے جاتے تھے۔ منجنیق کے ذریعے پتھر پھینک کر دیواریں توڑتے اور دبابوں کے ذریعے دیواروں میں سوراخ کر دیتے تھے۔ ②

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۰۹/۴

② ابن الاثیر، الکامل: ۴۲۸/۲

Marfat.com

لشکری کوچ کرتے وقت اور میدانِ کارزار میں نعرۂ تکبیر لگاتے اور قرآنی آیات کی تلاوت کرتے تھے۔عورتیں اور بچے بھی جنگ میں شریک ہوتے تھے۔عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی اور مریضوں کی تیمارداری کی خدمت انجام دیتی تھیں۔بچے پانی پلاتے پھرتے تھے۔ ①

پہلا بحری بیڑہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں استعمال ہوا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بنظرِ استحسان نہ دیکھا۔ ②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی فوجوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔مدینے میں بیٹھ کر انھیں محاذِ جنگ میں ہدایات بھیجتے رہتے۔نقشوں کے ذریعے ان کی رہنمائی کرتے اور صحیح اقدام کے لیے لکھتے رہتے تھے۔ ③ آپ کو فوجوں کی صحت و تندرستی کا بھی بڑا خیال تھا۔چھاؤنی کی تعمیر کرتے وقت آب و ہوا کا خاص خیال رکھتے۔جب کسی علاقے میں آب و ہوا کی خرابی سے فوج کی صحت پر برا اثر پڑتا تو آپ حکم بھیجتے کہ موسم بہار میں فوجیں سرسبز و شاداب اور صحت افزا مقام پر چلی جایا کریں۔ ④

فوجی تربیت میں شہسواری، تیراندازی، تیراکی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشق ضروری تھی۔ہفتے میں ایک دن (بروز جمعہ) آرام کے لیے چھٹی ہوتی تھی۔ہر چار مہینے کے بعد فوجی سپاہیوں کو گھر آنے کی رُخصت مل جاتی تھی۔ ⑤

محکمۂ فوج میں افسرِ خزانہ، محاسب، قاضی، طبیب، جراح اور مترجم بھی ہوتے تھے۔فوجوں کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا گیا تھا۔آپ سپہ سالاروں کی کڑی نگرانی کرتے تھے اور ذرا سی سختی یا سستی پر اُنھیں ڈانٹ پلا دیتے تھے۔ ⑥

مالی نظام

عہد فاروقی میں حکومت کی آمدنی اور محاصل کے ذرائع حسب ذیل تھے:

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۵۱/۳

② ابن سعد، الطبقات الکبری: ۲۸۴/۳

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۷۹/۳

④ یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۴۳۰/۱-۴۳۹۰/۴

⑤ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۳۱

⑥ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۰۴/۴

Marfat.com

۱۔ خَراج

وہ رقم یا غلّہ جو غیر مسلم کاشتکاروں سے زمین کی پیداوار میں سے وصول کیا جاتا تھا۔ خراج کی مقدار معین تھی۔ زمین کی پیداوار اور حیثیت کے مطابق خراج کی شرح مقرر کی جاتی تھی۔ خراج اس زمین سے وصول کیا جاتا تھا جو فتح کے بعد غیر مسلم کاشتکاروں کے قبضے میں رہتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زمینوں کی پیمائش کا خاص بندوبست کر کے فی جَرِیب کے حساب سے خراج مقرر کیا۔ اس کی شرح دو درہم سے دس درہم سالانہ تک تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عراق کی زیر کاشت زمینوں کی کل پیمائش تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب تھی اور عراق کے وصول شدہ خَراج کی مقدار بارہ کروڑ درہم سالانہ تک پہنچ گئی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خراج کی وصولی کے بارے میں خاص ہدایات دے رکھی تھیں۔ آپ مال افسروں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ وصولی کے وقت بڑی نرمی اور انصاف سے کام لیا جائے، کسی کاشتکار پر ظلم وزیادتی نہ کی جائے۔ اس معاملے میں اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ ہر علاقے کے لوگوں سے شہادت لی جاتی تھی کہ خراج کی وصولی کے سلسلے میں کسی پر ظلم و جور تو نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مال افسروں اور خراج وصول کرنے والوں پر بھی کڑی نگرانی رکھتے۔ تقرر سے پہلے ان کی جائیداد اور دولت کا تخمینہ لگایا جاتا تھا اور خراج کی وصولی اور بیت المال میں جمع کرنے کے بعد پھر ان کی جائیداد کا جائزہ لیا جاتا تھا۔ اس طریق سے غَبَن یا رشوت کے تمام مواقع مسدود کر دیے۔ مصر میں خراج یا لگان کا بندوبست پرانے دستور پر ہی رہا۔ مصر کا خراج ایک کروڑ بیس لاکھ درہم تک پہنچ گیا تھا۔

۲۔ جزیہ

ایک مقررہ رقم کا نام جزیہ ہے جو غیر مسلم رعایا سے وصول کی جاتی تھی۔ جزیہ اشخاص اور افراد پر عائد ہوتا تھا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد جزیہ ختم ہو جاتا تھا۔ جزیہ صرف عاقل، بالغ اور دفاع کے قابل لوگوں پر واجب تھا۔ بے کار، فقیر، مسکین، اندھے، اپاہج، دیوانے، بیمار، راہب، بچے، بوڑھے اور عورتیں جزیے سے مستثنٰی تھیں۔ اہل کتاب کے قابل جنگ لوگوں پر اسی طرح

Marfat.com

جزیہ واجب تھا جس طرح مسلمانوں پر زکوٰۃ۔

جزیہ دینے والے ذِمّی کہلاتے تھے کیونکہ اسلامی حکومت نے ان کے مال و جان کی حفاظت کا ذمہ اُٹھایا تھا۔ مسلمان حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ ذمّیوں کو اندرونِ ملک میں امن و امان دے اور بیرونی حملوں سے بچائے، جزیہ دراصل اس حفاظت وحمایت کا معاوضہ تھا اور جو لوگ اسلامی لشکر میں شامل ہو کر فوجی خدمات انجام دیتے، انھیں جزیہ معاف تھا۔

جزیے کی شرح ذمیوں کی مالی حیثیت کے مطابق ہوتی تھی۔ فی آدمی سالانہ ایک دینار سے لے کر چار دینار تک۔ فارغ البالی یا تندرستی کے بعد اگر کوئی شخص محتاج یا بیمار ہو جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اس کا جزیہ معاف کر کے اس کا وظیفہ مقرر کر دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت یہ نصیحت فرمائی تھی:

> ''میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ اہل ذمہ سے وعدہ پورا کیا جائے اور انھیں دشمنوں سے بچایا جائے۔ ان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے۔'' ①

۳۔ زکوٰۃ

زکوٰۃ اس رقم کا نام ہے جو مسلمانوں سے نقد دولت، مال، مویشی اور پیداوار میں سے وصول کیا جاتا ہے۔ ② نقد روپیہ، سونا، چاندی، جو ایک سال تک کسی مسلمان کے پاس رہے۔ اڑھائی فیصد اور غلہ وغیرہ کا دسواں حصہ۔ ③ زکوٰۃ امیروں اور دولت مندوں سے وصول کر کے غریبوں اور محتاجوں پر صرف کی جاتی تھی۔

۴۔ مالِ غنیمت

دشمنوں کی ہر وہ چیز جو مسلمان مجاہدوں کے ہاتھ آتی، مالِ غنیمت کہلاتی تھی۔ مال و دولت،

---

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۳۹۲، ۳۰۵۲

② الجرجانی، التعریفات، ص: ۱۱۴

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۴۴۷

Marfat.com

منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد، مویشی، جنگی قیدی سب مال غنیمت میں شامل تھے۔① اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا تھا، باقی مجاہدوں کا حق تھا۔

۵۔ عُشور

یہ ایک تجارتی ٹیکس تھا جو ابتداء میں غیر مسلم غیر ملکی تاجروں پر لگایا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب مسلمان تاجر غیر ملکوں میں تجارتی سامان لے کر جاتے تو وہاں کی حکومتیں دس فیصدی ٹیکس ان سے وصول کر لیتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خارجی پالیسی میں توازن قائم رکھنے کے لیے غیر ممالک کے غیر مسلم تاجروں کے سامانِ تجارت پر دس فیصدی ٹیکس لگا دیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ ٹیکس تجارتی ٹیکس قرار پایا۔ اس کا اطلاق ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی ہونے لگا۔ ذمیوں سے پانچ فیصدی کی شرح سے وصول ہوتا تھا اور مسلمان تاجروں سے اڑھائی فیصدی۔ دو سو درہم سے کم مقدار کی چیز پر یہ ٹیکس عائد نہ ہوتا تھا۔ ②

بیت المال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دار الخلافہ (مدینہ) اور تمام صوبوں اور مرکزی مقامات میں بیت المال تعمیر کرائے اور نہایت دیانتدار اور لائق افسر بیت المال کے نگران مقرر کیے۔ مدینے کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن اَرقم رضی اللہ عنہ تھے۔ ③

کوفے کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ④ اصفہان کے خالد بن حارث رضی اللہ عنہ۔ ⑤

ہر بیت المال کی آمدنی اور خرچ کا حساب باقاعدہ رکھا جاتا تھا۔ ہر صوبے کے اخراجات کے بعد جو رقم بچ رہتی، دار الخلافہ (مدینہ) کے بیت المال میں جمع کرائی جاتی تھی۔

---

① الجرجانی، التعریفات، ص: ۱۶۲

② احمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ: ۴۶۵

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲/ ۳۸۲

④ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲/ ۱۷۲

⑤ ابن حجر، الاصابۃ: ۳/ ۱۶۵

Marfat.com

مصارف

عہد فاروقی میں ملک کی آمدنی عموماً مندرجہ ذیل اُمور پر خرچ ہوتی تھی:

(۱) سرکاری افسروں کی تنخواہیں یعنی قاضیوں، والیوں، مالی افسروں، بیت المال کے نگرانوں اور ضلع داروں کی تنخواہیں۔ البتہ صدقات میں سے صرف صدقات کی فراہمی کرنے والے افسروں کو تنخواہیں ملتی تھیں اور صدقات کا روپیہ دوسرے افسروں کی تنخواہوں پر خرچ نہ کیا جاتا تھا۔

(۲) فوج کی تنخواہیں۔

(۳) عوام کے وظیفے۔

اُمت کے ہر شخص کو حیثیت کے مطابق وظیفہ ملتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں دودھ پیتے بچوں کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔

(۴) نہروں کی کھدائی۔

(۵) سرکاری عمارتوں کی تعمیر۔

(۶) قیدیوں کی کفالت۔

(۷) سامان جنگ کی خرید۔

اس کے علاوہ امیر المؤمنین کو اختیار تھا کہ ملکی اور دینی مصلحتوں کے پیش نظر جہاں چاہیں خرچ کریں۔ مال و دولت کے وفور اور سیم وزر کی کثرت کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی کفایت شعاری سے کام لیتے اور بیت المال کی بڑی حفاظت کیا کرتے تھے۔ ①

محکمۂ دیوان

عہد فاروقی سے پہلے جو دولت آتی، سب خرچ کر دی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھنے کے لیے دفتری نظام کی داغ بیل ڈالی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین سے لاکھوں درہم لائے تو امیر المؤمنین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے تمام آمدنی اور خرچ کو ایک رجسٹر میں درج کرنے کا حکم دیا۔ پھر ایک رجسٹر الگ تیار

① ابن الجوزی، مناقب عمر، ص: ۷۵

Marfat.com

کیا گیا جس میں تمام مسلمانوں کے نام حسبِ مراتب درج کیے گئے اور ہر ایک کا وظیفہ مقرر کر کے اس میں لکھ دیا گیا۔ اسی طرح محکمۂ فوج کے لیے بھی رجسٹر بنائے گئے جن میں تمام سپاہیوں کے نام اور ان کی تنخواہیں وغیرہ درج ہوتی تھیں۔

غرضیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ماہ محرم سن ۲۰ ہجری میں ملک کی تمام آمد و خرچ، شہری مسلمانوں کے نام اور ان کے وظائف کی رقم اور تمام محکمہ فوج کے نام اور ان کی تنخواہوں کے لیے الگ الگ رجسٹر بنا کر باقاعدہ دفتر کی بنیاد رکھی۔ ①

رفاہِ عامہ کے کام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں رفاہِ عامہ کے بہت سے کام تکمیل پذیر ہوئے۔

(۱) زراعت کو ترقی دینے اور شہری ضروریات کے پیش نظر کئی نہریں کھودی گئیں۔ بصرہ کی نہر ابو موسیٰ نو میل لمبی تھی۔ اس کی بدولت گھر گھر پانی پہنچا۔ ② نہر مَعقل بھی مشہور نہر تھی۔ نہر سعد انبار میں کھودی گئی، درمیان میں پہاڑ تھا۔ اس لیے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ بعد میں حجاج بن یوسف نے اسے مکمل کر لیا۔ ③ نہر امیر المؤمنین سب سے بڑی نہر تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدوا کر دریائے نیل کو بحرِ احمر (بحرِ قُلزُم) سے ملا دیا تھا۔ اس نہر کے سبب مصر کے جہاز براہ راست مدینے کی بندرگاہ تک آ جاتے تھے نیز مصر کی تجارت کو بڑا فروغ ہوا۔ ④

(۲) بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے تعمیر کرائے گئے تاکہ مسلمانوں کو ٹھہرنے کے لیے دقّت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

(۳) مکے اور مدینے کے درمیان سن ۱۷ ہجری میں تمام منزلوں پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے گئے۔

---

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۹۵/۳

② ابن الفقیہ، البلدان، ص: ۲۳۲

③ البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۲۷۳

④ سیوطی، حسن المحاضرہ: ۳۲۶/۲

Marfat.com

سن ہجری کا آغاز

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ہاں تاریخ شمار کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا۔ عام طور پر کسی بڑے واقعہ یا حادثہ مثلاً اصحاب فیل کا حملہ یا جنگِ فجار سے سال اور تاریخ کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک یہی دستور رہا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حکومت کا کاروبار بہت وسیع ہوگیا اور سرکاری خطوط اور مراسلات کے لیے ایک باقاعدہ اور معین تاریخ کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔ اسلامی تقویم (کیلنڈر) کی ابتداء حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت والے سال سے ہوئی، اور اسی نسبت سے یہ سن ہجری کہلاتا ہے۔ [۱]

غیر مسلم رعایا سے سلوک

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی غیر مسلم رعایا سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ آپ کے عہد میں مفتوحہ ملکوں کے جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا، ان کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کا ذمہ حکومت نے اُٹھایا تھا۔ اس لحاظ سے غیر مسلم رعایا ذمّی کہلاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کے حقوق و فرائض متعین فرمائے۔ ان کی جان و مال اور مذہب کو محفوظ قرار دیا۔ ان کو پوری شہری آزادی دی گئی۔ ان کے عقائد اور عبادت گاہوں کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ ہر بیرونی حملہ آور سے بچانے کا وعدہ کیا۔ ذمیوں کے جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ ان کے مذہبی پیشوا کرتے تھے۔

حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے موقع پر جو عہد نامہ ذمیوں کو تحریر کر کے دیا، وہ فتح بیت المقدس کے ضمن میں درج ہو چکا ہے۔ اس عہد نامہ کی رُو سے غیر مسلم رعایا کو ہر لحاظ سے پوری آزادی حاصل تھی۔

اسی طرح اہل جرجان کے معاہدہ میں بھی غیر مسلموں کی یہ آزادی برقرار رکھی گئی۔ عہد نامے کے الفاظ یہ تھے:

”ان کی جان، مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے۔ اس میں سے کسی

---

[۱] ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۰۹/۴

Marfat.com

چیز میں بھی کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔''①

آذر بائیجان کے معاہدے میں بھی غیر مسلم رعایا کے لیے اسی شہری آزادی کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا تھا:

''آذر بائیجان کے غیر مسلم باشندوں کا مال و جان اور مذہب و شریعت محفوظ رہیں گے۔''②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی غیر مسلم رعایا کا بڑا خیال رہتا تھا۔ آپ اپنے بڑے بڑے افسروں کو اکثر ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت کی جائے۔ ان پر کسی قسم کا ظلم روا نہ رکھا جائے اور ان سے معاہدوں کی پابندی کی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ دستور تھا کہ غیر مسلم رعایا کی زمین کا مالیہ اور لگان مقرر کرتے وقت آپ ان لوگوں کا مشورہ بھی لیتے تھے تاکہ بعد میں ان کو شکایت کا موقع نہ ملے نیز آپ ہدایت کیا کرتے تھے کہ ذمیوں سے لگان کی وصولی میں بڑی نرمی برتی جائے، کسی پر ناجائز بوجھ نہ ڈالا جائے۔③

جب کوئی ذِمّی نادار اور بے کس ہو جاتا تو اسے جزیہ معاف کر دیا جاتا اور اسلامی بیت المال سے اس کے گزارے کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ معاہدۂ حِیرَہ میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کر دی:

''اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آجائے یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔''④

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو غیر مسلم رعایا کا اتنا خیال تھا کہ آپ نے اپنی آخری وصیت میں

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۵۲/۴
② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۵۵/۴
③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۱۳۹۲
④ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص: ۱۴۴

Marfat.com

اپنے جانشینوں کو یہ تلقین کی کہ ذمیوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

''میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسول ﷺ کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے، اسے پورا کیا جائے۔ ان کی حفاظت کی جائے اور طاقت سے زیادہ اُن کو تکلیف نہ دی جائے۔''①

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت وسیاست

سیرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے کفایت شعار اور سادہ مزاج تھے۔ مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد کچھ مدت تک تجارت آپ کا ذریعۂ معاش رہا لیکن انتظامی اُمور نے مجبور کر دیا کہ آپ سارا وقت اُمورِ سلطنت میں صرف کیا کریں، اس لیے بقدر ضرورت وظیفہ مقرر ہوا، وظیفے کی رقم دو درہم روزانہ تھی۔②

جب مسندِ خلافت پر بیٹھے تو آپ کی عمر تقریباً پچاس برس کی تھی لیکن آپ جوانوں کی طرح چُست وچالاک اور باہمت تھے۔ جسم میں طاقت وقوت تھی اور طبعاً سخت مزاج اور تُند خو تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مزاج کی سختی، خُو کی تُندی وتیزی اور جسمانی قوت عہدِ خلافت میں ہر جگہ کارفرما ہے۔

آپ کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ تکلف اور نمائش کبھی پاس نہ آئے تھے۔ گھر میں اکثر خالی چارپائی پر بیٹھتے اور لیٹتے تھے۔ سفر میں جہاں قیام ہوا سایہ دار درخت کے نیچے آرام کر لیا۔③

آپ موٹا لباس پہنتے، کپڑوں میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ جب کبھی ایک ہی جوڑا رہ

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۰۵۲،۱۳۹۲

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۳۰۷

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۷۹

Marfat.com

جاتا تو اسی کو دھو کر پہن لیتے تھے۔ ①

آپ کی غذا بھی بڑی سادہ تھی۔ عموماً اَن چھنے آٹے کی روٹی کھاتے تھے۔ آپ کو دنیاوی عیش و عشرت کی طرف کوئی رغبت نہ تھی۔ ②

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں زہد، تواضع اور قناعت امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ تخت و تاج کے مالک ہونے کے باوجود آپ اتنے قانع اور زاہد تھے کہ تاریخ میں آپ کی مثال نہیں ملتی۔

تواضع کے باوجود حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بڑے سخت مزاج تھے۔ امورِ سلطنت اور انتظامی معاملات میں کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ عدل و انصاف کا یہ حال تھا کہ ناراضگی کے باوجود کسی کا حق نہ مارتے تھے۔ آپ بڑے معاملہ فہم اور دُور اندیش تھے۔ ہر معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے۔

آپ کی بہادری، شجاعت، دلیری اور جرأت ضرب المثل تھی۔ علوم القرآن میں آپ کو بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ آپ کی رائے بڑی صائب اور پختہ تھی۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی مرتبہ آپ کی رائے کی تائید میں وحی الٰہی نازل ہوئی۔ ③

عدل و انصاف اور مساوات سیرت فاروقی رضی اللہ عنہ کی بہت نمایاں خصوصیات تھیں۔ آپ کی نگاہ میں محتاج و غنی، بندہ و آقا اور شاہ و گدا سب کا مرتبہ یکساں تھا۔ ④

حق گوئی اور حق پرستی نے آپ کی زندگی میں سختی، تندی و تیزی پیدا کر دی تھی۔

آپ کو مسلمانوں کے بیت المال کا بہت خیال تھا۔ پیسے پیسے کا حساب لیتے اور ایک کوڑی بھی بے جا خرچ نہ کرتے تھے۔ ⑤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اگر لوگوں کو

---

① ابن المبرد، محض الصواب: ۶۷۱/۲

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳۱۹/۳

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۰۲

④ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۶۷/۷

⑤ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۰۸/۴

Marfat.com

یہ علم ہو جائے کہ میں ان کا کتنا خیر خواہ اور ان کے لیے کتنا نرم مزاج اور حلیم الطبع ہوں تو وہ میری چادر بھی اُتار لیں۔

امیر المؤمنین حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بڑے جواں ہمت اور حوصلہ مند تھے۔ آپ نے لوگوں کی اقتصادی و سیاسی حالت کو بدلنے کی بڑی کوشش کی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی کے پاس مال ہو، وہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے۔ جس کسی کے پاس زمین ہو تو وہ اس میں کھیتی باڑی کر کے آباد کرے۔ ① آپ لوگوں کو عمل کی ترغیب دیتے ہوئے تلقین کیا کرتے تھے کہ

''سستی کو چھوڑ کر کمر ہمت باندھو اور آج کا کام کل پر مت چھوڑ و۔'' ②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اتباعِ سنت اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد شوق تھا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلوں گا تا کہ آخرت میں خوشحالی اور فراغت نصیب ہو۔ آپ کا اصول تھا کہ اپنے عاملوں اور گورنروں کو پابندئ سنت کے لیے تاکیدی خطوط بھیجتے رہتے تھے۔

قرآن مجید سے بڑی محبت اور شغف تھا۔ تلاوت قرآن کے وقت آپ کی آواز میں بڑا سوز پیدا ہو جاتا۔ قیامت کے ہولناک مناظر اور احوال پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زار زار روتے تھے۔ ③

قرآن وحدیث اور فقہ سے گہری دلچسپی کے باوجود بھی آپ کو شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا اور تنقید شعر میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آپ بڑے بے باک اور نڈر تھے۔ ذہن رسا پایا تھا، جو کام کرتے لوگوں کے اعتراضات سے بے نیاز ہو کر کرتے، مطلقاً کسی کی پرواہ نہ تھی۔

سیاستِ فاروقی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کا روشن پہلو یہ تھا کہ انھیں اپنی رعایا کا بڑا خیال رہتا تھا۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی رعایا کے کسی آدمی پر ظلم ہو یا کوئی آدمی اپنے حق سے محروم کر دیا

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۱۶/۴

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۱۳/۴

③ ابن الجوزی، مناقب عمر، ص: ۱۲۱

Marfat.com

جائے۔ رات کی تاریکی میں شہر کے گرد چکر کاٹتے اور مدینے کے مضافات میں گھوم پھر کر دیکھا کرتے کہ رعایا کا کیا حال ہے۔ اگر گشت کرتے کرتے معلوم ہوتا کہ کسی کو کچھ ضرورت ہے تو اس کی ضرورت فوراً پوری کر دیتے تھے۔

رعایا کی خبر گیری کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیاست میں اس بات کے قائل تھے کہ حالات اور گردوپیش کا جائزہ لے کر کوئی قدم اٹھانا چاہیے اور ماحول کے تقاضوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیاست میں اس عقیدے کے قائل نہ تھے۔ ان کی سیاست کا مرکزی نقطہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو، چاہے کچھ بھی ہو۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ صلح و جنگ میں زمامِ اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمان سپہ سالاروں نے فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے میں پوری آزادی سے کام لیا لیکن عہدِ فاروقی میں وہ مرکز کے پابند تھے۔ یعنی عملی طور پر میدانِ جنگ کی قیادت اور نگرانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ دارالخلافہ میں بیٹھے کیا کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات قطعاً پسند نہ تھی کہ مسلمان فاتحین مفتوحہ علاقوں میں بسنے والی قوموں کے ساتھ مل جل کر رہیں اور اس طرح اپنی انفرادیت اور شخصیت کو نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیشِ نظر آپ نے حکم جاری کیا تھا کہ عرب مسلمان نہ تو مفتوحہ علاقوں میں آباد ہوں اور نہ وہاں زمینیں حاصل کریں۔ نیز اپنے سپاہیوں کو شہری علاقوں سے دُور رکھنے اور میل جول سے بچانے کے لیے چھاؤنیاں بنا کر ان میں رہنے کا حکم دیا۔

مفتوحہ قوم کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی پالیسی اختیار کی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اختیار کی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ شہری لوگوں کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ جو لوگ اپنی زمینوں میں کھیتی باڑی کرتے رہے یا خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے تھے اور پھر واپس آ کر کھیتی باڑی کرنے لگے ان سب کو زمینوں کا مالک ٹھہرایا اور ان سے عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا۔

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/۷

Marfat.com

عراق وشام کی ابتدائی فتوحات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ مفتوحہ علاقوں پر قناعت کرتے ہوئے ان میں امن و امان قائم کیا جائے لیکن ایرانیوں اور رومیوں کی چیرہ دستیوں نے آپ کو مجبور کر دیا کہ اپنے ارادے کو بدل کر توسیع سلطنت کا بیڑا اٹھائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے سپہ سالاروں اور گورنروں پر کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ جب لوگ باہر سے مدینے میں آتے تو امیر المؤمنین ان کے علاقے کے حالات دریافت فرماتے اور حکام کے رویّے کے بارے میں پوچھتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حج کے موقع پر اپنی شکایات بتایا کریں۔ جب کسی حاکم یا سپہ سالار کے بارے میں کوئی شکایت پہنچتی تو آپ سختی سے باز پُرس کرتے۔ حج کے موقع پر تمام حکام بھی اکٹھے ہوتے اور اپنے اپنے علاقے کی سالانہ رپورٹ پیش کرتے۔ نیز متعلقہ شکایات کا اسی وقت ازالہ کر دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ انتظامی معاملات میں بڑے سخت تھے اور حساب وکتاب میں کسی سے رُو رعایت روا نہ رکھتے تھے۔ فاتح عراق وشام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے بہادر سپہ سالار کو معزول کر دیا۔[1] فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسے ہوشیار اور دانا سپہ سالار پر شک ہوا تو محمد بن مسلمہ کو بھیج کر ان کی ذاتی دولت کو تقسیم کر کے آدھی بیت المال میں جمع کرا دی[2]

اور اگر امیر المؤمنین حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد شہید نہ کر دیے جاتے تو شاید حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیتے۔

سن ۱۷ ہجری کے آخر میں جزیرہ عرب میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے سخت قحط پڑا۔ غلّے کے تمام ذخیرے ختم ہو گئے تو عوام بڑے پریشان ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی بھی کچھ کم نہ تھی۔ آپ نے تمام تر توجہ اس خوفناک قحط کو دُور کرنے پر مرکوز کر دی۔ چنانچہ آپ نے تمام زرخیز علاقوں میں اپنے حکام اور افسروں کو غلّہ بھیجنے کے لیے لکھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شام سے غلے سے لدے ہوئے چار ہزار اونٹ لے کر مدینے پہنچے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے آٹے سے لدی ہوئی

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۳۵/۲

② ابن عساکر، التاریخ: ۲۰۸/۵۸

Marfat.com

بیس کشتیاں سمندر کے راستے اور ایک ہزار اونٹ خشکی کے راستے امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجے۔ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے تین ہزار اونٹوں پر غلّہ لاد کر شام سے بھیج دیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عراق سے ایک ہزار اونٹ آٹے سے لدے ہوئے بھیجے۔ اس کے علاوہ چربی اور پارچات وغیرہ بھی غلے کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ اس طریقے سے جزیرۂ عرب کا خوفناک قحط ختم ہوا۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کسی ایسے اقدام کو پسند نہ کرتے تھے جس میں مسلمانوں کے لیے نقصانِ جان کا خطرہ ہو۔ اسی خیال کے پیش نظر آپ نے اپنی فوج کو بحری حملوں سے روک دیا تھا۔ آپ اپنے سپہ سالاروں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ مسلمان مجاہدوں کو خوفناک صحراؤں میں سے گزار کر خواہ مخواہ تکلیف میں مبتلا نہ کرو، ان کی سہولت کو مدِ نظر رکھو۔ میرے نزدیک ایک مسلمان کی قدر و قیمت ایک لاکھ دینار سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

دُشمنوں کے بارے میں بھی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روش بڑی قابل تعریف تھی، بے جا خونریزی اور قتل و غارت گری کو آپ پسند نہ کرتے تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سلمہ اشجعی کو کردوں کے خلاف مہم پر بھیجا تو ہدایت فرمائی کہ:

لڑائی سے پہلے دشمنوں کے سامنے تین باتیں رکھو:

(۱) اُنھیں اسلام کی دعوت دو۔ اگر اسلام قبول کر کے اپنے گھروں میں رہیں تو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کریں۔ اس صورت میں مالِ غنیمت کے حق دار نہ ہوں گے۔

(۲) اگر وہ تمھارے ساتھ ہو کر میدانِ جنگ میں جانا پسند کریں تو انھیں وہی حقوق و فرائض حاصل ہوں گے جو تمھیں حاصل ہیں۔

(۳) اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو پھر خَراج ادا کیا کریں۔ اس ضمن میں ان پر مقدور سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ اگر وہ ان شرائط کو نہ مانیں تو پھر ان سے لڑائی کرو، اللہ تمھاری مدد کرے گا۔ اگر قلعہ بند ہو کر پناہ مانگیں تو انھیں اپنی حفاظت میں لے لو۔

(۴) جنگ کی صورت میں ظلم اور خیانت و بدعہدی سے بچو۔ کسی کا ہاتھ، پاؤں،

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۵۵/۲

Marfat.com

کان اور ناک نہ کاٹا جائے۔ ①

سیاست فاروقی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی تھا کہ عہد فاروقی میں انتظامیہ اور عدلیہ کے محکموں کو الگ الگ کر دیا گیا۔ قاضیوں کی تنخواہیں مقرر کر کے انھیں براہِ راست امیر المؤمنین کے ماتحت رکھا گیا۔ اس طرح عدالتوں کو عدل وانصاف میں پوری آزادی حاصل تھی اور انتظامیہ کے دباؤ یا اثر کی گنجائش نہ تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت

ابولؤلؤ فیروز نامی ایک ایرانی عیسائی مدینے میں رہتا تھا۔ یہ شخص حضرت مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اس نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ میرا آقا مجھ سے روزانہ دو درہم وصول کرتا ہے۔ فیروز نقاشی، نجاری اور آہنگری میں بڑا ماہر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے پیشے اور آمدنی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس رقم کو مناسب قرار دیا۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بروز بدھ بتاریخ ۲۶۔ ذوالحجہ سن ۲۳۔ ہجری صبح سویرے نماز فجر کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ نماز پڑھانے میں مشغول تھے کہ اس ازلی بدبخت فیروز نے آپ پر خنجر سے حملہ کر کے سخت زخمی کر دیا۔ امیر المؤمنین زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ نماز پڑھائی۔ کچھ لوگ قاتل کو پکڑنے دوڑے۔ اس نے پکڑنے والوں پر حملہ کر دیا اور جب گرِفتار ہوا تو خنجر مار کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخموں سے جانبر نہ ہو سکے۔ ساڑھے دس سال کی خلافت کے بعد آپ نے تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ وفات کے بعد آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ② محمد حسین ہیکل ③ اور عباس محمود عقاد ④ جیسے عصر حاضر کے مؤرخوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کو عجمی سازش کا نتیجہ قرار

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۸۶/۴
② ابن الجوزی، مناقب عمر، ص: ۱۵۳
③ محمد حسین ہیکل، عمر فاروق، ص: ۳۴۷
④ عباس محمود عقاد، عبقریہ عمر، ص: ۲۳۶

Marfat.com

دیا ہے۔ ان کی رائے میں دو درہم والی رقم کو شہادت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایران میں اسلامی اقتدار کے خلاف سازش کی گئی جس میں ہرمزان، ابولولؤ فیروز اور کعب الاحبار یہودی بھی شامل تھے اور اسی سازش کے ماتحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی۔

❀❀❀

Marfat.com

ساتواں باب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

۲۴ھ تا ۳۵ھ

۶۴۴ء تا ۶۵۶ء

ابتدائی زندگی

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قریش کے مشہور خاندان بنو اُمیہ کے دولت مند اور نامور لوگوں میں سے تھے۔ پانچویں پشت میں ان کا شجرۂ نسب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ ان کی نانی (اُم حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پانچ چھ برس بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

اہل مکہ کے دیگر معززین کی طرح آپ کا ذریعہ معاش بھی تجارت تھا۔ دولت وثروت کی فراوانی کی وجہ سے غنی مشہور ہوئے اور مکہ کے دولت مند لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ عقل وفہم، شرم وحیاء، جودوسخاوت اور شرافت کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی شہرت پائی۔ آپ بڑے بُردبار اور نرم مزاج تھے۔ ہر ایک سے حسن سلوک کیا کرتے تھے۔ ①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑے گہرے مَراسم تھے اور انھی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اسلام کی طرف رغبت دلائی۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ②

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا۔

جب قریش مکہ بالخصوص ان کے چچا حکم نے اذیتیں پہنچائیں ③ تو آپ اپنی زوجہ کو ساتھ

① دینوری، المعارف، ص: ۸۲
② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۵۰
③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۵۵

Marfat.com

لے کر چند اور ستم رسیدگان کی معیت میں ملک حَبَش کو چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکے واپس آ گئے۔ پھر ہجرت کر کے مدینے میں قیام پذیر ہو گئے۔

جنگِ بدر کے دوران میں ان کی بیوی حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک اور صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں دے دیں۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے حَرم میں رہیں اور اسی نسبت سے آپ کو ذوالنُّورین کا لقب ملا۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے سن ۹۔ ہجری میں وفات پائی۔ ①

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے فیاض اور سخی تھے۔ مالی جہاد میں سب سے پیش پیش رہے آپ کی دولت سے مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ آپ اپنا مال و دولت بڑی بے دریغی سے خرچ کرتے تھے۔ مدینے شریف میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا جو بئر رومہ کہلاتا تھا۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی تکلیف دیکھی تو بیس ہزار درہم دے کر یہ شیریں کنواں خرید کر کے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ② جنگِ تبوک میں دس ہزار دینار نقد کے علاوہ ایک ہزار اُونٹ اور ۷۰ گھوڑے مع ساز و سامان دیے تھے۔ ③

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے علاوہ باقی تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں شرکت کی تھی۔ جنگِ بدر میں حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود انھیں پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ ④

صُلح حُدَیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سفیر بن کر قریش مکہ کے پاس گئے تھے اور جب ان کی شہادت کی افواہ گرم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بتا کر ان کی طرف سے بیعت قبول فرمائی تھی، اسی کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔ ⑤

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۵۶/۳
② محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۷۰۳
③ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۷۰۰، ۳۷۰۱
④ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۵۶/۳
⑤ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۷۰۲

Marfat.com

آپ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّت کی بشارت نام بنام دی تھی۔ یہ حضرات عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ ان چھ میں سے بھی تھے جنھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شایانِ خلافت بتاتے ہوئے مسلمانوں کا امیرِ حکومت منتخب کرنے کے لیے نامزد کیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب

جب لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جانبر ہونے کی کوئی امید نہ رہی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا جانشین مقرر کرنے کی درخواست کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر امین الامت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو میں انھیں اپنا جانشین بنا دیتا۔

جب آپ کی حالت زیادہ بگڑتی نظر آئی تو پھر حاضر خدمت ہوکر جانشین کے بارے میں عرض کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل چھ اصحاب کی ایک مجلس قائم کر دی:

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۲) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (۳) حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ (۴) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی مشورے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا لیکن ساتھ ہی اپنے خاندان کو خلافت سے محروم کر دیا۔ اب ان حضرات کو حکم دیا کہ وہ آپ کی وفات کے بعد آپس میں مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی ایک کو امیر المؤمنین منتخب کر لیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی خلافت کی امیدواری سے دستبردار ہو چکے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مذکورہ حضرات مِسوَر بن مَخرمہ کے مکان میں جمع ہوئے۔ سب نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ وہ مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی کے پیش نظر بہترین شخص کو خلیفہ منتخب کر دیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مسلسل تین دن تک خلافت کے امیدواروں، شہر کے اہل الرائے لوگوں اور لشکروں کے سپہ سالاروں سے مل کر مشورہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ کثرت رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کر دیا اور سب

Marfat.com

سے پہلے خود ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر دوسرے لوگوں نے آگے بڑھ کر بیعت کی۔ یہ واقعہ یکم محرم سن ۲۴۔ ہجری (۷۔ نومبر سن ۶۴۴ عیسوی) کا ہے۔ ①

اس بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیتے ہوئے لوگوں کو آخرت کی زندگی یاد دلائی اور دنیا سے بے رغبتی کی تلقین فرمائی۔

عہدِ عثمانی میں فتوحات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ملکی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ آرمینیہ، افریقہ اور قبرص کے علاقے زیرنگیں کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کیے گئے۔ ②

ایران کے بعض مفتوحہ علاقوں میں علَم بغاوت بلند ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوجیں بھیج کر باغیوں کی سرکوبی کی اور باغی علاقوں کو از سرِ نو زیرنگیں بنایا۔ اس طرح توسیعِ سلطنت و تکمیل فتوحات کے ساتھ ساتھ استحکام سلطنت کا کام جاری رہا۔

فتح طبرستان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے طبرستان کا علاقہ فتح کیا۔ نیز شاہ جُرجان نے صلح کی درخواست دے کر دو لاکھ درہم سالانہ بطور زرِ صلح ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ ③

تسخیرِ خُراسان

سن ۳۱۔ ہجری میں اہل خراسان نے خلافتِ عثمانی کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کو کچلنے کے لیے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والیٔ بصرہ کو ایک لشکر جرار دے کر روانہ کیا گیا۔ اُنھوں نے

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۷۰۰

② دینوری، المعارف، ص: ۸۳

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/ ۲۹۲

Marfat.com

سارے ملک میں فوجیں پھیلا دیں اور مَرو، نیشاپور، ہرات وغیرہ علاقوں کو از سرِ نو فتح کیا۔①

فتحِ طخارِستان

اس کے بعد عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سالارِ جیش اَحنف بن قیس کو طخارستان کی جانب بھیجا۔ مَرو رُوز میں دشمنوں نے قلعہ بند ہو کر ان کا مقابلہ کیا۔ جُوزِ جان، طالقان اور فاریاب کے باشندے بھی ان کی امداد کے لیے مسلمان فوج کے مقابلے پر میدانِ جنگ میں نکل آئے۔ اَحنف نے دشمنوں کو کئی مقامات پر شکست دی۔ جوز جان کو بزورِ شمشیر فتح کرنے کے بعد بَلخ پہنچا تو اہلِ بلخ نے صلح کی درخواست پیش کر دی۔

صلحِ بلخ کے بعد احنف نے دریائے جَیحُون کو عُبور کر کے ماوراء النہر کی سرزمین پر قدم رکھا تو اہلِ ماوراء النہر نے صلح کر لی۔ اَحنف نے قیس بن ہیثم کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل دیا۔ قیس بن ہیثم نے طخارستان میں داخل ہو کر یکے بعد دیگرے تمام شہروں کو فتح کر لیا۔②

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک طرف تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے مفتوحہ علاقوں میں دوبارہ امن بحال کیا گیا اور دوسری طرف مشرق اور شمال کی جانب حدودِ سلطنت وسیع کی گئیں۔ اس زمانے میں یزدگرد خُراسان کے آس پاس پھرتا رہا اور مختلف علاقوں میں شورش پھیلا کر بغاوت کی آگ کو ہوا دیتا رہا۔

جب خراسان پر مسلمانوں کا تسلّط ہو گیا تو وہ تُرکستان کی طرف بھاگ گیا۔ مسلمان عرصے تک اس کی تلاش میں رہے۔ آخر کار ایک دہقانی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد ساسانی خاندان اور اس کے ساتھ اس کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو گیا۔③

عہدِ عثمانی میں مسلمان افواج نے کرمان اور سجستان پر بھی قبضہ کر لیا۔④

---

① النویری، نہایۃ الارب: ۲۶۵/۱۹

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۰۹/۴، ۳۱۴

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۸۶/۴، ۲۹۳

④ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۰۱/۷

Marfat.com

تسخیر آذر بائیجان و آرمینیا

اسی طرح دوسرے ممالک میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باغیوں کی سرکوبی کے لیے لشکر بھیجے۔ جب آذر بائیجان کے باشندوں نے علم بغاوت بلند کر کے عہد نامے کو توڑ دیا اور جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے بھاری لشکر لے کر ان پر چڑھائی کر دی۔ اہل آذر بائیجان نے دوبارہ اطاعت اختیار کر کے جزیہ ادا کر دیا۔ آرمینیا نے بھی عہد شکنی کر کے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر بھیج کر از سرِ نو آرمینیا کو فتح کر لیا۔ ①

فتح قبرص

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی سے شام کے والی چلے آتے تھے، عہد عثمانی کے دوسرے سال قیصرِ روم نے شام پر حملہ کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری جنگ میں دشمن کو شکست دی اور پیش قدمی کرتے ہوئے ایشیائے کوچک میں عمُوریہ تک جا پہنچے۔

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۲۸۔ ہجری میں بحری بیڑے کے ذریعے قبرص اور روڈس پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ یہ سلسلۂ فتوحات آرمینیا صغریٰ میں بھی جاری رہا۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر تفلیس تک جا پہنچے۔ جب اہل قُبرص نے صلح نامہ توڑ کر بغاوت کر دی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ فوج کشی کر کے قبرص کو اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا اور یہاں بارہ ہزار مسلمانوں کی نو آبادی قائم کر دی۔ ②

مصر پر رُومی حملہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والیٔ مصر کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو والیٔ مصر مقرر کر دیا۔ واقعات اس طرح تھے کہ مصر کے خراج کی کمی کی شکایت حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سے چلی آ رہی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے خراج میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ اُنھوں نے صاف جواب دیا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے

① ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۸۳

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/ ۲۵۸

Marfat.com

سکتی۔اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ناراض ہو کر اُن کو معزول کر کے ابن ابی سرح کو ان کی جگہ والی مقرر کر دیا۔اب اُنھوں نے خراج کی آمدنی میں بہت سا اضافہ دکھایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کہا!

''دیکھو اونٹنی نے زیادہ دودھ دیا۔اس کے جواب میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بولے: لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔''①

قیصر روم نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کو غنیمت سمجھ کر مصر کو دوبارہ واپس لینے کی کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ ایک طرف تو تین سو جہاز اور ایک زبردست بحری بیڑہ اِسکَنْدَرِیَہ کی طرف بھیج دیا اور دوسری طرف رومیوں نے اہل اسکندریہ کو عربوں کے خلاف اُکسا کر بغاوت پر آمادہ کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے اہل اسکندریہ کے ساتھ مل کر تقریباً ایک ہزار مسلمان سپاہیوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور ساحل سمندر پر نَقیُوس کا شہر قبضے میں لے لیا۔

جب قِبطیوں نے دیکھا کہ رومی پیش قدمی کر رہے ہیں تو اُنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ چونکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو رومیوں سے جنگ کا بڑا تجربہ ہے۔اس لیے رومیوں کے خلاف جنگوں کی قیادت پھر ان کے سپرد کی جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کا والی مقرر کرتے ہوئے رومیوں کے خلاف لڑائی کی کمان ان کے ہاتھ میں دے دی اور رومیوں کو مصر سے نکال دینے کا کام بھی انھیں کے سپرد کر دیا۔

شہر نقیوس میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان بڑا معرکہ ہوا۔اس کے بعد اسکندریہ میں میدان کارزار خوب گرم ہوا۔مسلمانوں نے رومیوں کو نقیوس اور اِسکَنْدَرِیَہ سے مار بھگایا۔ اسکندریہ کو دوبارہ فتح کرنے کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے شہر کی فصیل کو منہدم کر دیا تاکہ اہل اسکندریہ پھر بغاوت کی جرأت نہ کرسکیں۔ اس طرح سن ۲۵۔ہجری میں اسکندریہ میں

① ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۹۳

Marfat.com

مسلمانوں کے قدم دوبارہ جم گئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بدولت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو استحکام نصیب ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خواہش یہ تھی کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کا سپہ سالار رہنے دیں اور خراج وغیرہ جیسے مالی امور عبداللہ بن سعد کے سپرد رہیں لیکن حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سن ۲۶ ہجری میں مصر کا پورا انتظام عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ اب نئے والی کے عہد میں مصر کا خراج ایک کروڑ بیس لاکھ دینار سالانہ کی بجائے ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار تک پہنچ گیا۔ ①

فتح طرابلس ۲۷ھ

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بڑے باہمت نوجوان تھے۔ ان کے ارادے بڑے بلند تھے۔ ان کی نگاہیں شمالی افریقہ، مرّاکش اور الجزائر پر پڑ رہی تھیں اور اسی مقصد کے لیے وہ ان علاقوں کا چکر بھی لگا آئے تھے۔ بظاہر مصر محفوظ تھا اور برقہ (سن ۲۱ ہجری) اور طرابلس (سن ۲۲ ہجری) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قبضے میں آچکے تھے مگر طرابلس پر قبضہ قائم نہ رہ سکا۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے مصر کی ولایت کا عہدہ سنبھالتے ہی شمالی افریقہ پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حملہ کرنے کی اجازت دیتے ہوئے مدینہ منورہ سے ایک تازہ دم فوج بھی بھیج دی جس میں بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔ حاکم طرابلس بیس ہزار کا لشکر لے کر مقابلے پر نکلا۔ عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری فوج ملک کے چاروں طرف پھیلا دی۔ حاکم طرابلس جم کر مقابلہ کرتا رہا۔ افریقہ میں پہنچ کر اسلامی فوج کی کوئی خبر مدینے نہ پہنچی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی خبر معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ افریقہ پہنچے تو انھوں نے مسلمان فوج کے طریقہ جنگ کو پسند نہ کیا۔ مسلمانوں کا دستور یہ تھا کہ نماز ظہر تک دشمنوں سے لڑتے، پھر دونوں لشکر اپنی اپنی آرام

① القرشی، فتوح مصر، ص: ۱۹۱

Marfat.com

گاہوں اور چھاؤنیوں میں چلے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس طریق سے دشمن کو جنگ کی تیاری کا موقع اور بہانہ مل جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ صبح سے دوپہر تک جنگ لڑے اور دوسرا حصہ آرام کرے۔ پھر دوپہر کے بعد دوسرا حصہ جو پہلے آرام کر چکا تھا میدان میں اُترے۔

عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے فوج کی قیادت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی اور ان سے کہا کہ اپنی تجویز کو عملی جامہ پہناؤ۔ دوسرے دن مسلمانوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ تاب مقاومت نہ لا کر دشمن میدان سے بھاگ گیا۔ اہل طرابُلس کا بادشاہ ''گریگری'' بھی مارا گیا۔ مسلمانوں کو بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ہر ایک شہسوار کو تین تین ہزار دینار اور ہر ایک پیادے کو ایک ایک ہزار دینار ملے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ مال غنیمت کا حصہ لے کر مدینہ منورہ میں پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کی خبر سنائی۔ ①

طرابلس کی فتح کے بعد تُونس، مَرَّاکُش اور الجزائر وغیرہ کے تمام علاقے بآسانی مسلمانوں کے تسلّط میں آ گئے۔ افریقہ کی تسخیر کے بعد حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے جنوب کا رُخ کیا۔ از سرِ نو سرزمین نُوبَہ پر چڑھائی کی، بڑے معرکے ہوئے، بالآخر صلح ہو گئی۔ ②

اَندُلس پر حملہ

سن ۲۷ ہجری میں عبداللہ بن نافع نے اَندُلس پر حملہ کیا، لیکن مستقل لشکر کشی کا ارادہ نہ تھا۔ اس لیے اندلس کی دیواروں کو ہاتھ لگا کر واپس چلے آئے۔ ③

بحری جنگ

سن ۳۴ ہجری میں رومی بحری بیڑے نے اِسکَندَرِیَہ کی طرف پیش قدمی کی تو عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے بحرِ ابیض میں خوب مقابلہ کیا۔ رومیوں کو بری طرح شکست ہوئی اور بہت سے رومی

① ابن الاثیر، الکامل: ۳/۸۸، ۹۱

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۵۲۲

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۲۵۵

Marfat.com

جہاز مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس طرح مسلمانوں کا بحری بیڑا بہت طاقتور اور مضبوط ہو گیا۔ ①

مُصْحفِ عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا کام بحکم الٰہی انجام پا چکا تھا۔ جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ قرآن مجید کو جو مختلف چیزوں پر لکھا ہوا تھا، یکجا کر دیں ② اور خیال رکھیں کہ ترتیب وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائے۔ یہ اقدام محض حفاظت کے طور پر کیا گیا تھا۔

یہی نسخہ قرآن مجید حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی بیٹی اُم المومنین حَفصہ رضی اللہ عنہا کے قبضے میں رہا۔ ③

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حفاظتِ قرآن کی ضرورت یوں پیش آئی کہ عہد عثمانی کے ایک سپہ سالار حضرت حُذَیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے آذر بائیجان میں مسلمانوں کو دیکھا کہ ان کی تلاوتِ قرآن میں اختلاف ہے۔ اُنھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کی کہ اختلاف قراءت کو دُور کرنے کے لیے ایک صحیح نسخہ سرکاری طور پر شائع کیا جائے، تاکہ لوگوں کے ذاتی اختلافی نسخوں کی کوئی حیثیت نہ رہنے پائے۔

اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت حُذَیفہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اُنھوں نے حضرت سعد بن عاص رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ میں نے اپنے اس سفر میں عجیب اختلافِ قراءت دیکھا۔ مختلف علاقوں میں لوگ مختلف طور پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ اہلِ حمص یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی قراءت دوسروں سے بہتر ہے، کیونکہ اُنھوں نے مِقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے قرآن سیکھا ہے۔ اہل دمشق کا خیال یہ ہے کہ ان کی قراءت سب سے بہتر ہے۔ یہی کیفیت اہل کوفہ، اہل

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۹۰/۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۶۷۹

③ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۹۸۶

Marfat.com

بصرہ اور دوسرے علاقوں کے لوگوں کی تھی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر اس معاملے کو جلدی نپٹایا نہ گیا تو پھر خطرہ ہے کہ یہ معاملہ ہمیشہ کے لیے بگڑ جائے گا۔ پھر وہ مختلف لوگوں سے تبادلہ خیالات کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور جو کچھ دیکھا کہہ سنایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے حالات سے آگاہ کیا۔ وہ سب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ہم خیال تھے کہ اس اختلافِ قراءت کو روکنے کے لیے ایک سرکاری نسخہ جاری کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ والا نسخہ قرآن مجید اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگوا کر اس کی نقلیں کرائیں اور ان کی اشاعت سارے عالم اسلامی میں کر دی۔ اس نقل نویسی کے کام کے لیے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عاص رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا گیا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ ہر اختلافی رسم الخط کو قریش کے رسم الخط میں لکھ دیا جائے۔ ①

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بڑے سمجھ دار اور ذہین نوجوان تھے۔ عہد نبوی میں انھیں وحی الٰہی لکھنے کا شرف حاصل رہا۔ ② پھر عہدِ نبوی میں اُنھوں نے تن تنہا سارا قرآن مجید مختلف لکھی ہوئی چیزوں سے یکجا کیا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو بوقت اِعادہ جبریل امین کے سامنے پیش کر کے اس کی توقیفی ترتیب پر مہر تصدیق ثبت کر دی، اسی ترتیب پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک جمع کیا۔ اسی تجربے اور فضیلت کی بنا پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عہد عثمانی میں بھی منتخب کیا گیا کہ قرآن مجید کی حفاظت کے اہتمام میں ہاتھ بٹائیں۔

عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں تو حفاظتِ قرآن سے یہ مقصد تھا کہ قرآن مجید کو ضائع ہو جانے سے بچا لیا جائے۔ عہد عثمانی میں بھی یہی نیک مقصد کارفرما تھا کہ سب لوگ ایک ہی قراءت اختیار کریں اور کوئی غلط چیز تلاوتِ قرآن میں رواج نہ پا سکے۔ کیونکہ جب غیر عربی قوموں سے عربوں کا اختلاط اور میل جول بڑھ گیا تو ان قوموں کا لب ولہجہ اور زبان بڑی مختلف تھی۔ یہ معمولی

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۹۸۷

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۹۸۹

Marfat.com

اختلاف تبدیلی وتحریف کا پہلا زینہ بن سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہد نبوی کے جمع وترتیب کے مطابق ایک سرکاری نقل کی اشاعت کر کے تمام غیر مستند نسخوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اُمت پر یہ بہت بڑا احسان تھا، جس سے اُمت کبھی عُہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت وسیاست

سیرتِ عثمانی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے پاکباز، نیک دل، حلیم الطبع اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ آپ کی مروّت وسخاوت شہرۂ آفاق تھی۔ آپ نے اپنا مال ودولت نیک کاموں میں صرف کرنے سے کبھی دریغ نہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طبعاً فیاض اور فطرۃً سخی تھے۔ آپ اپنی فیاضی اور سخاوت کے باعث بڑے ہر دلعزیز اور مقبول خاص وعام تھے۔ مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کے لیے آپ نے اپنا مال وزر راہِ خدا میں لٹا دیا۔ بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر نقد مال، اونٹوں اور گھوڑوں کے ساتھ امداد فرمائی۔ ① مسجد نبوی کی توسیع کی۔

آپ شرم وحیا کے پیکر تھے لیکن بڑے ٹھاٹھ اور شان وشوکت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ مدینے کے بڑے بڑے دولت مندوں کی طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی فارغ البالی، خوش حالی، آرام وآسائش اور تنعم کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ نہایت عمدہ قسم کے کھانے کھاتے اور نفیس لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ ②

اپنے اور بیگانے سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلم وبردباری، جود وسخاوت اور عفو ودرگزر سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ آپ کے عہد میں اکثر والیان اور عمال بھی جود وسخاوت میں ان کی پیروی

① محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی: ۳۷۰۰

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴۰۱/۴

Marfat.com

کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تقویٰ و پرہیز گاری کا یہ حال تھا کہ دولت کی فراوانی کے باوجود صائم الدہر تھے۔ عیدین اور دوسرے تہواروں کو چھوڑ کر ہر روز روزہ رکھتے تھے۔ ہر سال حج کے لیے بیت اللہ میں حاضر ہوتے۔ ① آپ اُن دس نیک اور برگزیدہ لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی۔

اپنے پرائے سب آپ کی بزرگی اور شرافت کا اعتراف کرتے تھے۔ نماز تہجّد باقاعدہ پڑھتے۔ تلاوتِ قرآن میں جب جہنم کی آگ کا ذکر آتا تو زاروقطار روتے۔ ② ہر نیکی میں سبقت کرتے اور سخاوت میں ہمیشہ پہل کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر حق پرستی اور حدود اللہ کی نگہداشت کی تلقین کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو دینداری کی ترغیب دلاتے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند رہنے کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

سیاستِ عثمانی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں تمام داخلی فتنوں اور بغاوتوں کو فرو کیا گیا اور خارجی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ ایران، عراق، شام اور مصر کے مفتوحہ علاقوں میں جہاں جہاں بد عہدی ہوئی یا علمِ بغاوت بلند ہوا، مسلمان فوجوں نے باغیوں کی سرکوبی کر کے امن بحال کر دیا۔ اسی طرح افریقہ، الجزائر، مرّاکش، آرمینیا، قبرص، طخارستان، غزنہ، کرمان، سجستان اور زابلستان وغیرہ علاقے فتح کر کے سلطنتِ اسلامی میں شامل کیے گئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے ارادے اتنے بلند تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سندھ کو فتح کرنے کی داغ بیل ڈالی۔ آپ نے ایک تحقیقاتی وفد علاقہ سندھ میں بھیجا تاکہ اس سرزمین کی آب و ہوا، پیداوار اور لوگوں کے حالات کا جائزہ لے سکیں۔ اس وفد کی رپورٹ چنداں ہمت افزا نہ تھی۔ اس لیے فتح سندھ کا منصوبہ عارضی طور پر ملتوی کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے ہی صلہ رحمی کی وجہ سے اپنے کنبے کا بہت خیال رکھتے تھے، انھوں نے اپنے زمانہ خلافت میں بھی ایسا

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۵۸/۳

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۷۵/۳

Marfat.com

ہی کیا اور اپنے بعض مستحق عزیز و اقارب کو ذمہ داریاں بھی تفویض کیں، اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا۔ آپ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ ضعف پیری نے عزم و ارادہ میں بھی کمزوری اور ضعف پیدا کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نرمی اور ضعفِ ارادہ نے آپ کے رشتہ دار افسروں کو موقع دیا کہ وہ من مانی کارروائیاں کریں۔ چنانچہ آپ کا میر منشی (کاتب) مروان بن حکم جو چاہتا کرتا۔ [1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاست اس لحاظ سے سیاست فاروقی سے بڑی مختلف تھی کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو صرف گزارے کے لیے روپے دیا کرتے تھے۔ وہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ مفتوحہ علاقوں میں سیر و سیاحت کے لیے جائیں۔ اس کے برعکس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی بڑی رقوم دے کر تمول اور دولت مندی کو عام کر دیا۔ [2] نیز آپ رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ لوگوں کو انفرادی آزادی حاصل ہونی چاہیے تاکہ وہ ہر جائز کام کر سکیں اور جہاں چاہیں، چلیں پھریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عہد عثمانی میں لوگ مفتوحہ صوبوں میں آنے جانے لگے اور وہاں کے تمدنی اور ثقافتی اثرات اور بالخصوص مضرتیں اور برائیاں ساتھ لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صوبائی والیان کو سادہ زندگی اور سخت کوشی کا عادی بنانا چاہتے تھے اور ہر وقت انھیں ہدایات بھیجتے رہتے کہ وہ تن آسانی اور ٹھاٹھ کی زندگی اختیار نہ کریں۔ اس کے برعکس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو اقتصادی اور معاشی آزادی دینے کے حامی تھے۔ اسی لیے لوگ تن آسان بن کر ٹھاٹھ اور مزے کی زندگی بسر کرنے لگے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ عادت تھی کہ جب لوگ باہر کے صوبوں سے آتے تو آپ رضی اللہ عنہ اُن سے والیوں اور حاکموں کے بارے میں پوچھتے، لیکن طبعاً نرم مزاج تھے۔ اکثر اوقات درگزر سے کام لیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرکش اور بغاوت پسند عناصر نے آپ کی نرمی اور بردباری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں شورش بپا کرنے کی کوشش کی۔ آپ کی نرم مزاجی کی بدولت آپ کا دبدبہ اور ہیبت کم ہوتی چلی گئی اور شرارت پسند عناصر کی جرأت ملک کے امن و امان کے لیے خطرے کا باعث بن گئی۔

---

① ابن سعد، الطبقات الکبری: ۳٦/۵

② ابن سعد، الطبقات الکبری: ٦۴/۳

Marfat.com

فتنۂ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے چھ سال تو قدرے سکون اور امن و سلامتی سے گزرے۔ آخری چھ سال شورش اور اندرونی فتنوں کی نذر ہو گئے۔ بالآخر یہ شورش رنگ لائی اور امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑھاپے کے عالم میں ۱۲ برس کی خلافت کے بعد ۱۸۔ ذوالحجہ سن ۳۵۔ ہجری بعمر ۸۲ سال شہید کر دیے گئے۔ ①

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ستر برس کے تھے جب آپ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی۔ آپ کی بردباری اور نرم مزاجی کی وجہ سے لوگ جرائم کا ارتکاب کرنے میں بڑے دلیر ہو گئے۔ نیز دولت کی کثرت نے انھیں تن آسان بنا دیا تھا۔ عوام جفاکشی اور سخت کوشی کی بجائے عیش پسندی اور تن آسانی میں پڑ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پھر بھی کوئی تعرض نہ کیا، بلکہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مقبوضات میں آنے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ لوگ صوبوں میں جا کر آباد ہوئے اور رئیسانہ زندگی گزارنے لگے۔ ②

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا معاملہ دولتمندوں پر چھوڑ دیا کہ وہ جیسے چاہیں خرچ کریں۔ جب مدینے کے لوگ خوش حال و فارغ البال ہو گئے تو طرح طرح کے لہو ولعب میں مشغول ہونے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض کو سختی سے روکا اور بعض کو جلاوطن کرنے سے بھی دریغ نہ کیا، اس پر بعض قبائل اور سردارانِ قوم بگڑ گئے۔ ③

اسی طرح چند اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سیاسی اختلاف کی بنا پر سرزنش اور فہمائش کی گئی تو بنو ہُذیل، بنو زُہرہ، بنو غِفار اور بنو مخزوم انتقامی جذبات سے مشتعل نظر آئے۔ ان کے علاوہ اور وجوہات بھی پیدا ہو گئی تھیں جن کی بنا پر لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے:

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جاگیریں عطا کرنا شروع کر دیں۔

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۴۱۵

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۳۹۷

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۳۹۸

Marfat.com

(۲) آپ تکبیر آہستہ آواز سے کہنے لگے۔ ①

(۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک اذان کی بجائے دو اذانوں کا رواج ڈالا۔ ②

(۴) گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی زکوٰۃ وصول کی۔

(۵) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص کو مدینے سے نکال دیا تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں اسے واپس لے آئے اور اس کے بیٹوں کو عہدوں پر فائز کیا۔ ③

ان اسباب کے علاوہ ابن سباء یہودی نے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا۔ پہلے بصرہ میں شرارت پھیلاتا رہا، وہاں سے نکالا گیا تو کوفے میں آٹھہرا۔ وہاں فتنہ وفساد کی آگ لگا کر شام کو چلتا بنا۔ وہاں سے بھاگا تو مصر جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا حق دار قرار دیتے ہوئے ''وصیت'' کا سوال اٹھایا اور اہل بیت کی محبت اور حمایت کی آڑ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ وفساد بپا کیا۔

مختلف عناصر نے ملک بھر میں آتش فساد بھڑکا دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر چند کوشش کی کہ اس سلگتی آگ کو بجھا دیا جائے۔ لیکن ان انگاروں نے شعلہ زن ہو کر سارے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تمام لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے پر تل گئے۔ آخر کار مشتعل ہجوم نے آپ رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور جوش میں آکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا۔ ④

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک بڑا ہولناک واقعہ تھا۔ اس کے بعد عالم اسلامی کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی، سلطنت اسلامی کا شیرازہ بکھر گیا۔ مسلمان گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے۔ مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی زندگی پر ایک ایسا انتشار پیدا ہوا کہ پھر کبھی شیرازہ بندی نہ ہو سکی۔

---

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۵۴

② محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۹۱۳، ۹۱۶

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۶۶/۴

④ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۸۳/۴

Marfat.com

عہدِ عثمانی میں نظامِ حکومت

نظام میں تبدیلی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں عہدِ فاروقی کے نظام کو قائم رکھا۔ البتہ بعض محکموں میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عہدِ عثمانی میں مجلس مشاورت کی وہ اہمیت نہ رہی تھی جو عہدِ فاروقی میں تھی۔ لیکن پھر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اہم اُمور میں چند ایک صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کر لیتے تھے۔

اصلاحات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ملکی مصلحتوں اور انتظامی سہولتوں کے پیش نظر شام کے مختلف صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ کر دیا اور اس کی عنانِ حکومت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی۔ اس سے فتوحات کو بڑی تقویت پہنچی۔ ①

نیز نئے مفتوحہ ممالک کے از سرِ نو صوبے بنائے گئے۔ تمام صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے الگ الگ کر دیے گئے۔ نیز مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں۔ چھاؤنیوں کے ساتھ گھوڑوں کی چراگاہوں میں توسیع کی گئی اور کنویں لگا کر ان چراگاہوں کو پانی سے سیراب کیا گیا۔ ②

شکایات کا ازالہ

اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بڑے نرم مزاج اور حلیم الطبع تھے۔ لیکن رعایا کی طرف سے شکایات پہنچنے پر عمال اور گورنروں کو فوراً معزول کر دیتے تھے۔ ③

حج کے موسم میں تمام صوبائی حکام طلب کیے جاتے تھے اور اعلانِ عام کے ذریعے لوگوں کو شکایات پیش کرنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ شکائتیں سن کر آپ ان کا تدارک فرما دیتے تھے۔

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۸۹/۴

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۱۶/۷

③ ابن الاثیر، الکامل: ۹۹،۸۲/۳

Marfat.com

تنخواہوں میں اضافہ

عہد عثمانی میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہو جانے کی وجہ سے بیت المال کی آمدنی میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ آمدنی میں اضافے کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے وظائف بھی بڑھا دیے، نقد وظیفے کے علاوہ غلے کا راشن بھی ملنے لگا۔ اسی طرح محکمہ فوج کے سپاہیوں کی تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا گیا۔

بحری فوج اور بیڑہ

بحری فوج اور بیڑے کا قیام عہد عثمانی کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحری جنگوں اور بیڑے کی اجازت نہ دی تھی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ درخواست کی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلاف مصلحت سمجھ کر روک دیا تھا۔ اب عہد عثمانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موقع مل گیا۔ چنانچہ اجازت حاصل کر کے شاندار اسلامی بیڑہ بنایا گیا اور بحری فوج قائم کی گئی۔ ①

بحری فوج اور بیڑے کے قیام کے بعد بحیرہ روم میں جزیرہ قبرص پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ پھر چند برسوں میں اسلامی بیڑے نے اتنی ترقی کی کہ سن ۳۱ ہجری میں قیصر روم کے چھ سو جہازوں کو ساحل شام پر بری طرح شکست دی۔ شامی اور مصری بحری فوجوں نے مل کر اسکندریہ کی حفاظت کی اور رومیوں کو مار بھگایا۔

رفاہِ عامہ کے کام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بہت سی نئی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ سڑکیں۔ پل اور مسافر خانے بنائے گئے۔ شہر کوفہ میں ایک وسیع مہمان خانہ تعمیر ہوا اور نجد کی سڑک پر ایک سرائے بنوائی گئی۔ سرائے کے ساتھ ایک منڈی تعمیر ہوئی اور کنواں کھدوایا گیا۔

جب زور کی بارش ہوتی تھی تو مدینہ منورہ میں سیلاب آ جاتا تھا۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خیبر کی جانب ایک بند تعمیر کرایا اور ایک نہر کھدوا کر پانی کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا۔ حضرت

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۶۰/۴

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجدوں کے لیے تنخواہ دار مؤذن مقرر کیے۔[1]

مختصر یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت خوش حالی اور فارغ البالی کا دَور تھا۔ بہت سے رفاہِ عامہ کے کام تکمیل پذیر ہوئے اور فتوحات کا دائرہ بڑا وسیع ہو گیا۔

❀❀❀

① سیوطی، التاریخ، ص: ۱۵۴

Marfat.com

آٹھواں باب

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۳۵ھ تا ۴۰ھ = ۶۵۶ء تا ۶۶۱ء

ابتدائی زندگی

حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو طالب کے فرزند ارجمند اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی تھے۔ ابوالحسن اور ابو تراب کنیت تھی۔ حیدرِ کرّار اور اسد اللہ لقب۔ دادا کا نام عبدالمطلب اور پردادا کا نام ہاشم تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً آٹھ، نو برس پہلے مکے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھا۔ اُنھوں نے بھی اسلام قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ ①

ابو طالب کثیر العیال تھے، جس سال مکے میں قحط پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو لے کر ابو طالب کے مکان پر پہنچے، تاکہ ان کے کچھ صاحبزادے اپنے اپنے گھر لے جائیں اور ان کی پرورش و تربیت کریں۔ ابو طالب نے اس تجویز سے اتفاق کیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے کر واپس آ گئے۔ ②

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو بچوں میں سے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ نو برس تھی۔ ③ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کو ہجرت فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ لوگوں کو امانتیں واپس کر دیں۔ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر سو گئے، اور لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے بعد خود بھی مدینے پہنچ

---

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۹۷/۳

② حاکم، المستدرک: ۴۵۲۲، ۴۵۲۵

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲۱/۳

Marfat.com

گئے۔ سن ۲ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں دے دیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ انھی دو بزرگوں کی اولاد ہیں۔ ①

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر، اُحد، خندق، صلح حدیبیہ، خیبر اور حنین میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ غزوۂ تبوک میں عدم شرکت کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کا انتظام اور حفاظت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر گئے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاضی کی حیثیت میں بڑا نام پایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلے بڑے مشہور ہیں۔ آپ کو قرآن، حدیث اور فقہ سے بڑا لگاؤ تھا۔ شہسواری، بہادری اور پیش قدمی میں آپ کا نام ابدی شہرت کا مالک ہے۔ ②

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ نے تجہیز و تکفین کا کام انجام دیا۔ ③

حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے پاکباز، دیندار، ذہین اور عقلمند تھے۔ اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام اہم اُمور میں آپ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ ④ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو اُنھوں نے خلیفہ منتخب کرنے کے لیے چھ آدمیوں کی ایک مجلس مقرر کر دی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان چھ بزرگوں میں شامل تھے۔ ⑤

عہدِ عثمانی میں بھی آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے رہے۔

انتخاب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حالات نے یکدم پلٹا کھایا۔ بنواُمیہ تو مکہ مکرمہ کو چل دیے۔ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلودہ کرتہ اور ان کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں لے

---

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳/ ۲۰۳

② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳/ ۲۰۱، ۲۰۵

③ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۲۷۷

④ ابن عساکر، التاریخ: ۱/ ۴۵

⑤ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۷۰۰

Marfat.com

کرامیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام کی طرف روانہ ہوا۔شہر باغیوں کے قبضے میں تھا، مسند خلافت تین دن تک خالی رہی۔ ①

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہل شہر نے بارِ خلافت اٹھانے کی درخواست کی، پہلے تو معذرت چاہی لیکن اصرار ہوا تو منصب خلافت قبول فرما کر بیعت کی اجازت دے دی۔ بیعت کرنے والوں میں اکثر مہاجرین وانصار شامل تھے۔بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔تو آپ نے بھی ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ ②

انتظامی مشکلات

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔پہلی مشکل تو یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے کے لیے عوام مطالبہ کر رہے تھے۔حکومت کے لیے دقت یہ تھی کہ گھر میں صرف ان کی بیوی نائلہ تھیں اور وہ بھی پردہ دار۔اس لیے قاتلوں کی شناخت بڑی مشکل تھی۔

عوام کے علاوہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ بھی قاتلانِ عثمان سے بدلہ لینے پر زور دے رہے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب سمجھتے تھے کہ ملک کے حالات غیر موافق ہیں، باغیوں کا زور ہے۔اس لیے وہ چاہتے تھے کہ حکومت مستحکم ومضبوط ہو جائے تو پھر قصاص اور بدلے کی کوئی راہ نکل آئے گی۔ ③

افسروں کی معزولی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کے تمام افسروں اور عاملوں کو برطرفی کا حکم بھیج دیا۔اگرچہ بعض لوگوں نے سردست اس کام سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ مشورہ قبول نہ کیا۔ ④

① ابن الاثیر، الکامل: ۳/۱۹۲

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۴۲۷

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۴۰۲

④ ابن الاثیر، الکامل: ۳/۲۰۱

Marfat.com

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزولی کا حکم پہنچا تو وہ بہت بگڑے۔حکومت سے دستبردار ہونے سے انکار کرتے ہوئے قاصد کو واپس ناکام بھیج دیا، اب دونوں میں لڑائی کی ٹھن گئی۔ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ادھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خوب بھڑکایا اور برافروختہ کیا۔خلیفہ ثالث کا خون آلودہ کرتہ دکھا دکھا کر جوش انتقام پیدا کیا گیا۔

بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام صوبوں کے والی نامزد کر دیے۔نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان فوجیں آپس میں لڑنے مرنے پر تیار ہو گئیں۔ ①

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بڑے مدبر اور بساطِ سیاست کے ماہر تھے۔ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جنگِ جمل

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر چند کوشش کی کہ باہمی جنگ وجدال کا دروازہ نہ کھولا جائے اور تفرقہ کی آگ کو ہوا دے کر وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ نہ ہونے دیا جائے۔لیکن آپ کی آواز پر کسی نے کان نہ دھرا۔امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ کچھ دیر انتظار کرو۔لوگوں کا اشتعال ٹھنڈا پڑ جائے۔امن وامان بحال ہو جائے اور باغیوں پر قابو پا لیا جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ ضرور لیا جائے گا۔مگر افسوس کہ آپ کی یہ نصیحت بھی صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے ذی اثر اور مقتدر لوگ بھی قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے فوری بدلہ لینے کے بڑے حامی اور طرفدار تھے۔

واقعات اس طرح ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت مکہ معظّمہ میں تھیں۔جب آپ مدینے کو روانہ ہوئیں تو ایک آدمی نے خبر دی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔فتنہ وفساد زوروں پر ہے اور لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعات کی تحقیق کرنے کے لیے واپس چلی گئیں۔جب مکے واپس پہنچیں تو وہاں کا والی عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ آپ سے ملا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی واپسی کی وجہ بتائی کہ حضرت

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:۱۶۳

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے، فتنہ وفساد کا بازار گرم ہے۔ اسلام کے غلبہ وعزت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عامر حضرمی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا کہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ، ولید بن عقبہ اور دوسرے سردارانِ بنو اُمیہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمنوا بن گئے۔ اتنے عرصے میں مدینہ سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی مکے آ پہنچے۔ نیز کچھ لوگ بصرہ اور یمن سے بھی آ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سب لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے آمادہ کر لیا۔

اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھیں۔ لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں روک دیا۔ البتہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک خط کے ذریعے سمجھایا کہ اس قسم کے جھگڑوں میں شمولیت آپ کی شان کے منافی ہے۔ آپ کا منصب تو یہ ہے کہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہیں۔ میدان جہاد عورتوں کے بس کا روگ نہیں اور نہ اصلاح اُمت اور قیام دین عورتوں کا منصب ہے لیکن ان کے سمجھانے کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اقدام کو حق بجانب تسلیم کیا۔ ①

مؤرخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ انھیں یمن اور عراق کا والی بنا دیا جائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نئے والی مقرر فرمائے تو ان دونوں کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ دونوں نے بیعت کے بعد مخالفت شروع کر دی اور عمرہ (چھوٹا حج) ادا کرنے کے ارادے سے مکے جا پہنچے۔ ②

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مشورہ

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کی سر توڑ کوشش شروع کر دی۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ کر انھیں ساتھ دینے کو کہا تو جواب ملا کہ بیعت توڑنا مناسب نہیں۔ لوگوں کا کیا اعتبار ہے وہ تو درہم و دینار کے بندے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۰۸/۴

② دینوری، الامامہ والسیاسہ: ۵۱/۱

Marfat.com

مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی رائے بھی یہ تھی کہ اختلاف کی آگ کو ہوا دینا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منصب کے خلاف ہے۔ اُنھوں نے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی سمجھایا کہ تمھارے لیے بصرہ جانا مناسب نہیں۔ مدینے میں قیام بہتر رہے گا۔ وہ سمجھتے تھے کہ منصب خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی بہتر نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مخلصانہ رائے پر کسی نے ہمدردی سے غور نہ کیا۔ جوش انتقام میں مسلمانوں کی وحدت کو فراموش کر دیا گیا اور چھ سو آدمیوں کا لشکر لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا رُخ کیا۔ راہ میں مقامِ حَواَب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس جانا چاہتی تھیں لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے انھیں کسی نہ کسی بہانے واپسی سے روک دیا۔ ①

یہ لشکر بصرہ کو چلا جارہا تھا کہ راستے میں سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ملے۔ ان دونوں نے لشکر کو واپس جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ بہتر یہ ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو واپس لے جاؤ۔ ②

جب والیٔ بصرہ کو لشکر کی آمد کی خبر ملی تو اس نے سبب معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ فتنہ پردازوں اور فساد انگیزوں نے مدینے پر حملہ کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے اور شہر کے خرمَن امن کو آگ لگا دی ہے۔ ذوالحجہ کے مقدس مہینے میں مدینے کے شہریوں کی عزت و آبرو اور مال و جان پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ اب میں مسلمانوں کو اس حادثہ کی خبر دینے اور اس کی اصلاح کرنے کے لیے نکلی ہوں۔ ③

عمران بن حُصَین اور ابُو الاَسود الدُؤلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے ساتھیوں کو سمجھایا اور نتائج سے ڈرایا لیکن کسی نے ان کی بات پر کان نہ دھرا۔ ④

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حالات معلوم ہوئے تو وہ بھی لشکر لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے

① ابن جریر، تاریخ الطبری، ص: ۴/۴۵۷

② النویری، نہایۃ الارب: ۲۰/۲۰

③ دینوری، الامامہ والسیاسہ: ۱/۶۴

④ ابن خلدون، التاریخ: ۲/۴۹۵

Marfat.com

دونوں لشکر مقام خُرَیبہ میں بتاریخ ۱۵۔ جمادی الآخرہ سن ۳۶۔ ہجری صف آرا ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر چند کوشش کی کہ جنگ تک نوبت نہ پہنچے۔ آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ کو سمجھایا کہ جب امن بحال ہو جائے گا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دی جائے گی۔ صلح و مفاہمت کی صورت پیدا ہو رہی تھی۔ لیکن فریقین کے کچھ لوگ آمادہ جنگ تھے۔ اُنھوں نے مفاہمت کی گفتگو کو ناکام بنانے کے لیے حملہ کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو کر لڑنے لگے، بڑا سخت معرکہ ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے محمل پر تیر پیوست ہونے لگے۔ مروان بن حکم نے محمل کی بڑی حفاظت کی اور جو کوئی محمل کی طرف بڑھتا مروان اپنی تلوار سے اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ آخر کار ایک آدمی نے پیچھے سے حملہ کر کے اُونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ یہ دیکھ کر حامیانِ انتقامِ عثمان رضی اللہ عنہ کی ہمت ٹوٹ گئی اور حوصلہ پست ہو گیا، وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ اس طرح ایک خون ریز جنگ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کو شکست ہوئی۔ ①

اس موقع پر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ ذیل اعلان فرمادیا:

> ''نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے۔ نہ کسی شخص کو پامال کیا جائے نہ کسی کا مال لوٹا جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امن دے دیا جائے۔'' ②

اس جنگ میں فریقین کے ہزار ہا آدمی مارے گئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کا بیٹا بھی اسی معرکے میں کام آئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مدینے کو چل دیے تھے، لیکن راہ میں کسی نے قتل کر دیا۔ ③

حضرت علی رضی اللہ عنہ فتح کے بعد بصرہ میں داخل ہوئے۔ اہل بصرہ نے بیعت کر کے حلفِ وفاداری اٹھایا۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درگزر کر کے بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑی عزت و تکریم سے پیش آئے اور جب

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۴۲۳

② ابن ابی شیبہ، المصنف: ۱۵/۲۸۶

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴/۵۴۵

Marfat.com

تک وہ بصرہ میں قیام فرما رہیں۔ بنفس نفیس ان کی خبر گیری کرتے رہے اور سواری، زادراہ اور نقد روپے دے کر مدینے بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینے کو روانہ ہوئیں تو امیر المؤمنین بھی الوداع کہنے کے لیے موجود تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حسن سلوک کا اعتراف کرتے ہوئے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو اخیار وابرار میں سے قرار دیا۔ ①

اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ (جمل) پر سوار تھیں، اس لیے اس کا نام جنگ جمل مشہور ہوا۔ تاریخ اسلام میں یہ پہلا افسوسناک واقعہ ہے کہ دو مسلمان جماعتوں میں جنگ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے، جمہور مسلمانوں نے ان کی بیعت کی تھی۔ خود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حلف وفاداری اٹھایا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب اور بیعت کے بعد کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے۔ خلیفہ وقت اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں انتظامی معاملات پر لے دے تو ہو سکتی ہے۔ لیکن حاکمانہ اختیارات سنبھالنا اور لشکر کشی کرنا قطعاً جائز نہیں۔ بالخصوص ایسے حالات میں جب کہ انتظامی مجبوریوں کے پیش نظر خلیفہ وقت اعلان کرے کہ باغیوں پر قابو پا لینے اور امن بحال ہونے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ ضروری لیا جائے گا۔ بہرصورت یہ امر قابل افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ایک دوسرے پر تلوار چلائی اور ہزاروں جانیں تلف ہو گئیں۔

جنگ جمل کا آغاز جوش اور غلط فہمی سے ہوا، فتنہ انگیز گروہ نے ہوا دی۔ سادہ مزاج لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ لیکن مقامِ شکر ہے کہ خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمر بھر اس کا افسوس رہا۔ جب بھی اس واقعہ کا ذکر ہوتا تو آپ زار زار رونے لگتیں اور فرماتی تھیں کہ کاش! آج سے بیس برس پہلے میں دنیا سے اُٹھ گئی ہوتی۔

نیا دارالخلافہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بصرے کا والی مقرر کیا اور خود کوفے کی طرف چل

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۴۲۵

Marfat.com

دیے۔ کوفے پہنچ کر اسے دارالخلافہ قرار دیا، بظاہر اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تھا کہ فتنہ وفساد کے زمانے میں حرم نبوی کی توہین ہوتی ہے۔ مدینے میں فتنہ پردازوں کی شرانگیزی اس کی تعظیم وتکریم کے منافی ہے۔ چنانچہ حرم نبوی کو چھوڑ کر کوفے کو مرکز خلافت ٹھہرایا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عراق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کی بڑی اکثریت تھی۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ مفتوحہ علاقوں کی دیکھ بھال کے لیے کوفہ زیادہ موزوں نظر آیا۔

جنگِ صفین ۳۷ھ

جنگ جمل میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر صرف ایک جماعت باقی رہ گئی تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس حزب مخالف کی قیادت کر رہے تھے۔

چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل سے فارغ ہو کر کوفے پہنچے تو سب سے پہلے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط کے ذریعے بیعت اختیار کرنے کی تلقین کی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے سے انکار کر کے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ والیٔ مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شام میں بلایا اور جنگ کے متعلق غور وفکر ہونے لگا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بڑے مدبر اور ماہر سیاست دان تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکومت مصر کا وعدہ کر کے انھیں ساتھ ملا لیا۔ پھر شامی عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے۔ کم از کم اُنھوں نے قاتلانِ عثمان کو اپنی پناہ میں لے کر اسلامی فوج میں شامل کر لیا ہے۔ اس طریق سے اہل شام کی رائے عامہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ خود قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے خون کا بدلہ لیں یا قاتلوں کو سزا دینے کے لیے بنواُمیہ کے حوالے کر دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بات بھی مشکل تھی کیونکہ باغی ان کے قبضے میں نہ تھے۔

اِدھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے یہ تجویز سوچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑی جائے۔ کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تھی۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ نامہ و پیام ناکام رہا ہے اور امیر

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ بیعت سے انکار کر کے بغاوت پر تلے ہوئے ہیں تو مجبوراً ۲۵ شوال سن ۳۶ ہجری کو اسی ہزار لوگوں کا لشکر جرار لے کر شام کی طرف چل دیے۔ دریائے فرات کے کنارے صفین کے میدان میں ڈیرے ڈال دیے۔ دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ۸۵ ہزار فوج کے ساتھ میدان جنگ میں اُتر آئے۔ دو دن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ اسلامی وحدت اور قومی اتفاق واتحاد کے نام پر میری بیعت اختیار کر لو۔

تین ماہ تک دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے اور مفاہمت ومصالحت کی گفتگو ہوتی رہی اور اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ محرم سن ۳۷ ہجری کے آخر تک جنگ ملتوی کر دی جائے۔ چنانچہ صفر سن ۳۷ ہجری کے شروع میں پھر جنگ کی تیاری ہونے لگی۔ گفتگوئے مصالحت کی ناکامی کی وجہ یہ ہوئی کہ فریقین کے نمائندے صلح کی طرف مائل نہ تھے۔ ان کی گفتگو میں تلخی زیادہ تھی۔ مفاہمت کی صورت پیدا ہوتے ہوتے جذبات کی تیزی اور کلام کی تلخی پھر حالات خراب کر دیتی تھی۔

یکم صفر سن ۳۷ ہجری کو فریقین میں جنگ چھڑ گئی۔ دونوں طرف سے بہادر نکل کر دادِ شجاعت دیتے۔ سات دن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے ہلّہ بول دیا، بڑے گھمسان کا رن پڑا، ہزاروں آدمی مارے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج غالب آ رہی تھی اور قریب تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہار جائے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو شکست سے بچانے کے لیے ایک تدبیر سوچی کہ قرآن مجید کے نسخے نیزوں پر بلند کر کے قرآن مجید کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی تجویز پیش کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ دھوکہ ہے اور سمجھانے کے باوجود ان کی فوج بھی دشمن کے فریب میں آ گئی۔ میدان جنگ میں فتح حاصل کرتے کرتے مجبوراً ثالث مقرر کرنے کے بعد جنگ ملتوی کرنی پڑی تا کہ اپنی فوج میں بھی پھوٹ نہ پڑ جائے۔ ①

ثالثوں کا فیصلہ

جنگ ملتوی کرنے کے بعد یہ قرار پایا کہ فریقین کی طرف سے ایک ایک حکم (پنچ) یا ثالث مقرر کیا جائے۔ یہ دونوں ثالث مل کر قرآن مجید کی رُو سے جو فیصلہ دیں وہ فریقین کو منظور ہو گا۔

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۶۱/۴

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نمائندہ مقرر ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ دونوں ثالثوں نے ماہ صفر سن ۳۷۔ ہجری میں دُومۃ الجندل کے مقام پر گفتگو کی۔ شرائط طے کرتے وقت ایک طویل عہد نامہ تحریر کیا۔

اس عہد نامے کی اہم شرائط حسب ذیل تھیں:

(۱) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دونوں اپنی اپنی جماعتوں کے نمائندے ہیں۔

(۲) یہ دونوں ثالث مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر قرآن وسنت کی روشنی میں فیصلہ کریں گے۔

(۳) اگر فیصلہ قرآن وسنت کے خلاف ہوگا یا کسی کی طرفداری کی جائے گی تو پھر اس کی پابندی ضروری نہیں ہوگی۔

(۴) ان کا فیصلہ فریقین کے لیے واجب التسلیم ہوگا۔

(۵) فیصلے کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی۔

(۶) ماہِ رمضان تک فیصلہ سنا دیا جائے گا۔

(۷) اگر مقررہ مدت تک فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سر نو جنگ شروع کر دینے کا اختیار ہوگا۔

اس معاہدے کی رُو سے دونوں ثالث ماہ رمضان سن ۳۷۔ ہجری میں دُومۃ الجندل کے قریب اَذرُح کے مقام پر گفتگو کے لیے جمع ہوئے، دونوں کے ساتھ چار چار سو آدمی تھے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سادہ مزاج اور صوفی منش بزرگ تھے۔ انھیں سیاسیات سے کوئی گہرا لگاؤ بھی نہ تھا۔ ان کے مقابلے پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بڑے ہوشمند مدبر اور بیدار مغز سیاستدان تھے۔ سیاسی مشکلات کی گرہ کشائی کے لیے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بین الاقوامی شہرت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے نمائندے پر پورا وثوق واعتماد بھی نہ تھا۔ دراصل آپ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنانا نہ چاہتے تھے، مگر لوگوں کے اصرار پر انھیں نمائندہ بنانا پڑا۔ اس کے برعکس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے

Marfat.com

نمائندے کی قابلیت اور وفاداری پر پورا یقین تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ دونوں نمائندوں کو یہ معلوم تھا کہ ان کے امیران کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

جب گفتگو شروع ہوئی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بڑی ہوشمندی اور تدبر سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ مسلمانوں کی بھلائی اس بات میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے خلیفہ کا نیا انتخاب ہو۔ چنانچہ فیصلے کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ ہم غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں نئے سرے سے امیر منتخب کر لیں۔

اس کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سن لیا ہے۔ اُنھوں نے اپنے امیر کو معزول کر دیا ہے میں بھی ان کی تائید کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول قرار دیتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی اپنے امیر یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھتا ہوں۔ یہ سن کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ناراض ہو گئے اور اُٹھ کر مکے کی راہ لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس فیصلے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں اختلاف و اضطراب رونما ہونے لگا۔ لیکن دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انھیں امیر المؤمنین کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔ ①

ظہورِ خوارج

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سیاسی فریب اور غیر منصفانہ فیصلے کا علم ہوا تو وہ جنگ کے لیے ازسرنو تیاری کرنے لگے۔ اتنے میں یہ اطلاع پہنچی کہ ان کی جماعت کا ایک گروہ ثالثوں کے اس فیصلے سے ناراض ہو کر جماعت سے الگ ہو گیا ہے اور مدائن کی طرف چل دیا ہے۔

اب مسلمان تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے:

(۱) بنواُمیہ کا گروہ: اس میں اہل شام، اہل مصر اور دیگر بہت سے اسلامی ممالک کے لوگ

① ابن الاثیر، الکامل: ۲۸۹/۳

Marfat.com

شامل تھے۔ یہ گروہ بنو اُمیہ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت: یہ لوگ زیادہ تر عراقی تھے۔ کچھ اہل مصر بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ خلافت کے حق دار علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد اولاد علی رضی اللہ عنہ۔

(۳) خارجیوں کی جماعت: خارجی پہلی دونوں جماعتوں کے دشمن تھے۔ ان کے نزدیک شیعان علی رضی اللہ عنہ اور شیعان معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں دین اسلام سے خارج اور گردن زدنی و کشتنی تھے۔ اس گروہ کے انداز وافکار جمہوریت پسندانہ تھے۔ خلافت کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر قابل ترین مسلمان بارِ خلافت کو اٹھانے کا اہل ہے اور یہ کہ خلیفہ کے لیے خاندانِ قریش سے ہونا چنداں ضروری نہیں ہے۔

خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت سے الگ ہونے کے بعد اعلان کر دیا کہ تحکیم یعنی ثالث مقرر کرنا کفر تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں تو ابتداء ہی سے منصف مقرر کرنے کے خلاف تھا۔ تمھی لوگوں نے مجھے مجبور کیا کہ ثالث بناؤں، اب تم ہی یہ کہتے ہو کہ خلیفہ برحق کو خلافت کا معاملہ انسانوں کے سپرد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ①

جب خارجی صفین سے روانہ ہوئے تو راستے میں حَروراء کے مقام پر ٹھہر گئے اور ثالثوں کا فیصلہ سننے کے بعد ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھ بیعت کر کے اسے اپنا امیر منتخب کر لیا۔ اب خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت شروع کر دی، عراق کے شہروں میں بھی بہت سے لوگ خارجیوں کے ہم خیال ہو گئے۔ اب ایک کی بجائے دنیائے اسلام کے تین امیر المؤمنین بن گئے۔ خارجیوں کا یہ الزام سراسر غلط تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثالث مقرر کر کے اپنی خلافت کے بارے میں شک وشبہ پیدا کر لیا تھا، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے حق میں نہ تھے۔ انھی خارجیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ ثالث بنا کر فیصلہ کرائیں، پھر انھی لوگوں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جیسے کمزور طبیعت اور سادہ دل کو اتنے

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۴۸۱

Marfat.com

اہم مسئلے کے تصفیہ کے لیے نمائندہ نامزد کرنے پر امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر دیا۔ اب یہی خوارج اپنے ہی کیے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمن بن گئے۔

جنگ نہروان ۳۷ھ

عبداللہ راسبی کی بیعت کرنے کے بعد خارجیوں نے کہیں دور علاقے میں جا کر اپنی حکومت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس ارادے کو لے کر وہ شمال کی طرف چل دیے۔ بصرے اور کوفے کے خارجی بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں بہت سے لوگ ان کے ہم عقیدہ ہو گئے۔ یہ سب لوگ دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے نہروان کے مقام پر جمع ہو گئے اور جنونی لوگوں کی طرح ان تمام مسلمانوں کو جو ان کے ہم خیال اور ہم عقیدہ نہ تھے قتل کرنا شروع کر دیا اور اعلانیہ طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف زبانِ طعن دراز کرنے لگے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ شامیوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف تھے کہ آپ کو خارجیوں کے فتنہ فساد اور شر انگیزی کی خبر پہنچی۔ حالات کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے اہل شام کے خلاف جنگ کو ملتوی کر کے خارجیوں کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ لشکر جرار لے کر نہروان کے میدان میں جا اترے۔ خارجیوں کو دعوت اتحاد دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہر چند سمجھانے کی کوشش کی۔ کچھ خارجی تو بات سمجھ کر علیحدہ ہو گئے لیکن ان کی اکثریت اپنی ضد پر قائم رہی۔ جب اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی تو سوائے لڑائی کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں تقریباً تیس ہزار خارجی مارے گئے صرف چند لوگ زندہ بچ سکے۔ ①

خارجیوں کی سرکوبی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے واپس آئے اور مہم شام کے ارادے سے لوگوں کو جنگ کے لیے آمادہ کرنے لگے۔ لیکن ساتھیوں نے ہمت ہار کر عرض کیا۔ اے امیر المؤمنین! ہماری تلواریں کند ہو گئی ہیں۔ ہمارے نیزے بھالے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہم خود جنگ سے تنگ آ گئے ہیں۔ ہمیں مہلت دی جائے کہ کچھ عرصہ ستانے کے بعد تیاری شروع کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لشکر کو حکم دیا کہ کوفے سے باہر ڈیرے ڈال کر آرام

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۴۷۱

Marfat.com

کرلیں اور آئندہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ ساتھ ہی انھیں حکم دیا کہ کوئی شخص اپنے گھر کا ارادہ نہ کرے۔ جب تک شام کی مہم کو سر کر کے واپس نہ آ جائیں مگر لشکری جنگ سے اُکتا چکے تھے۔ وہ چپکے چپکے گھروں کو کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ چھاؤنی خالی ہوگئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں بارہا جوش دلایا اور جہاد کی ترغیب دی لیکن کسی نے کان نہ دھرا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کی جنگ مجبوراً ملتوی کر دی، یہ واقعہ سن ۳۸۔ ہجری کا ہے۔ ①

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مصر پر قبضہ

ملک مصر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں تھا اور حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی مقرر تھے۔ حضرت قیس بڑے بہادر اور ہوشمند والی تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کو اپنے قبضے میں لینے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ لیکن حضرت قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

آخر کار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ تدبیر سوچی کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو کسی نہ کسی طرح مصر سے نکال باہر کرنا چاہیے۔ چنانچہ اُنھوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی خط و کتابت بھی ہے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ افواہ سنی تو فوراً قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اَشتر بن مالک رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کر دیا۔ اَشتر بن مالک ابھی بحیرہ قلزم میں پہنچنے نہ پایا کہ کسی نے شہد میں زہر دے کر مار دیا۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو مصر کا والی مقرر کیا۔ وہ ماہ رمضان سن ۳۷۔ ہجری میں مصر پہنچ گئے۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بڑے جوشیلے مگر ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ اُنھوں نے جوش کے عالم میں غرور و نخوت کا اظہار کرتے ہوئے حامیانِ انتقام عثمان رضی اللہ عنہ سے سخت بدسلوکی کی۔ جب عثمانیوں کے سردار نے بیعتِ علی رضی اللہ عنہ سے انکار کر دیا تو محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے گھروں کو منہدم کر دیا۔ ان کا مال و دولت لوٹ لیا، ان کی اولاد کو اذیت پہنچائی اور قید و بند کی مصیبتوں میں ڈالا۔ اس طرح

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۴۹/۳

Marfat.com

اپنے طرزِ عمل سے ملک کے بہت سے لوگوں کو اپنا مخالف اور دشمن بنالیا تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مصر پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ اُنھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو چھ ہزار شامی سپاہیوں کے ساتھ مصر روانہ کر دیا۔ مصری اور شامی لشکروں میں معرکہ کارزار خوب گرم ہوا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فتح پا کر فسطاط میں داخل ہو گئے اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شکست کے بعد روپوش ہوتے ہوئے شہید ہو گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسب وعدہ مصر کی حکومت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ ماہ صفر سن ۳۸ ہجری کا ہے۔ [1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ مصر پر پانچ برس کے قریب (سن ۳۸ ہجری تا ۴۳ ہجری) حکومت کی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کو خود مختار صوبہ قرار دے دیا تھا۔ مصر کی تمام آمدنی مصریوں پر خرچ ہوتی تھی۔ فوجوں اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ ہونے کے بعد جو کچھ بچ رہتا وہ مصر کے بیت المال میں جمع رہتا تھا۔ [2]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بڑی دانائی، ہوشمندی اور عدل و انصاف سے مصر پر حکومت کی۔ ان کی ذات میں بڑی خوبیاں اور اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ وہ بیک وقت تاجر، شاعر، سیاست دان، مدبر، قائد، حکیم اور فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ عدل و انصاف، حلم و بردباری، شجاعت و بہادری اور حکمت و دانائی اور اقدام و پیش قدمی میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نظیر نہ رکھتے تھے۔ [3]

مصر پر قابض ہو جانے سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوصلے بڑھ گئے اور اُنھوں نے دوسرے علاقوں پر پیش قدمی کر کے قبضہ کرنا چاہا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جرأت قابل داد ہے کہ ایک آدمی بھیج کر اہل مکہ اور اہل مدینہ کی بیعت حاصل کرنی چاہی۔

اسی اثناء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔ [4]

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۵۲۵/۷

② ابن تغری، النجوم الزاہرۃ: ۱۴۸/۱، ۱۶۰

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲۶۸/۳

④ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۴۴/۵

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نت نئی مشکلات اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ بیعتِ خلافت کے فوراً بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کی تحریک خوفناک صورت اختیار کر گئی۔ ابھی جنگِ جمل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ شام میں بغاوت کے بادل سر پر منڈلانے لگے۔ جنگ صفین کے بعد تحکیم اور ثالث ایک قضیہ بن گیا۔ نہروان میں خارجیوں کی سرکوبی سے فارغ ہوئے تو مصر کا قضیہ دامن گیر ہوا۔ خانہ جنگیوں بغاوتوں اور سازشوں کی یہ تیز رفتاری حکمران طبقے کے لیے کچھ کم پریشانی کا موجب نہ تھی۔

چند خارجی نوجوانوں نے مسلمانوں کی صفوں میں یہ انتشار اور خانہ جنگی دیکھ کر اندازہ لگایا کہ اس کا باعث تین آدمی ہیں: (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۳) اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ۔ چنانچہ چند نوجوان خارجیوں نے سازش کی کہ ان تینوں کو بیک وقت صبح کے اندھیرے میں قتل کر دیا جائے۔ ایک خارجی مصر پہنچا، دوسرا شام اور تیسرا کوفے میں، حاکم مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس روز صبح کی نماز کے لیے مسجد میں نہ پہنچے۔ ان کے قائم مقام خارجہ کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ کر قتل کر دیا گیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا، لیکن ضرب کاری نہ تھی، وہ بھی بچ گئے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم نے بتاریخ ۱۷ رمضان سن ۴۰ ہجری صبح کی تاریکی میں مسجد کے دروازے میں داخل ہوتے وقت زہر آلود تلوار سے اچانک حملہ کر کے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۲۰۔ رمضان سن ۴۰ ہجری کو پونے پانچ سال کی خلافت کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ [1]

❀❀❀

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳۳، ۳۵

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت وسیاست

سیرت

حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے حلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے۔ آغوشِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں تربیت پا کر پروان چڑھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات اخلاق حسنہ کا پیکر اور اوصاف حمیدہ کا مجسمہ تھی۔ آپ بڑے بہادر اور دلیر تھے۔ آپ کی شجاعت اور بہادری کے کارناموں پر تاریخ جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے بلند حوصلہ تھے، عدل وانصاف کے ساتھ علم ومعرفت اور دانائی و حکمت کا وفور تھا۔ بڑے متواضع اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔

زندگی بڑی سادہ تھی۔ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے تھے۔ لباس اور غذا میں بھی سادگی پسند فرماتے تھے۔ معمولی گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی، گھر میں کوئی نوکر چاکر نہ تھا۔ قرآن وسنت کے شیدائی تھے، عبادت وریاضت میں دل خوب لگتا، اکثر دن بھر روزہ ہوتا اور رات خدا کے حضور میں گریہ وزاری کرتے گزرتی تھی۔

آپ کا زہد وتقویٰ اور امانت ودیانت شہرہ آفاق تھی۔ بیت المال کی کڑی نگرانی کرتے اور اپنے حق سے زیادہ ایک پیسہ لینا جائز نہ سمجھتے تھے۔ [1] حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے، شعر وشاعری سے طبعی رغبت تھی، آپ کا کلام بڑا پاکیزہ اور برجستہ تھا۔

سیاست

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے عاملوں اور والیوں کی نگرانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ان کے انتظامات اور اعمال کا جائزہ لیتے رہتے، جہاں غلطی نظر آتی، اس کا تدارک کر دیتے تھے۔ آپ اپنے گورنروں اور صوبائی حکام کو اصلاح نفس کی تلقین کیا کرتے اور عدل وانصاف قائم کرنے اور رعایا کے ساتھ مہربانی اور لطف وکرم

① احمد بن حنبل، المسند: ۵۷۸

Marfat.com

سے پیش آنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ①

آپ کی عادت تھی کہ اپنے حکام سے تحریری باز پرس کرتے۔ بعض اوقات کمیشن مقرر کر کے حکام کے طرزِ عمل کی تحقیقات کراتے۔ ایک مرتبہ عراق کے حکام کی تحقیقات کے لیے کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک کمیشن مقرر فرمایا اور یہ ہدایت کی:

''تم چند آدمی ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ضلع میں جا کر وہاں کے افسروں کی تحقیقات کرو، اور ان کی طرزِ حکومت کا جائزہ لو۔''②

آپ والیوں کے متعلق نرمی کے قائل نہ تھے جونہی شک ہوتا یا کسی کا رویہ قابل اعتراض نظر آتا، اسے فوراً معزول کر دیتے تھے۔ بیت المال کے معاملے میں بھی آپ کسی قسم کی رعایت روا نہ رکھتے تھے۔ جب کوئی والی بیت المال کی رقم بھیجنے میں تاخیر کر دیتا تو فوراً سرزنش کرتے اور خدا سے ڈرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔

آپ نے چند مالی اصلاحات نافذ کیں جس سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ آپ کے عہد خلافت سے پہلے جنگلات پر کوئی محصول نہ تھا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگلات پر ٹیکس لگا کر حکومت کی آمدنی میں اضافہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں قیدیوں کے لیے جیل خانے بنوائے۔

آپ کو ذمیوں کے حقوق اور آسائشوں کا بہت خیال تھا۔ چنانچہ اپنے ماتحت افسروں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک روا رکھا جائے۔ اگر کوئی والی ذمیوں سے بدسلوکی کرتا تو اسے حکماً روک دیتے، آپ نے ایک والی کو لکھا:

''ذمی دہقانوں سے سختی نہ کرو، ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کر لیا کرو لیکن ان کے خون سے اپنا دامن آلودہ نہ کرو۔''③

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں ذمیوں کی ہر سہولت کو مدنظر رکھتے اور ان کی ہر

---

① یعقوبی، التاریخ: ۲/ ۱۰۷

② یعقوبی، التاریخ: ۲/ ۱۰۹

③ یعقوبی، التاریخ: ۲/ ۱۰۷

Marfat.com

ضرورت پوری کرتے تھے۔

آپ کو اپنی رعایا کا اتنا خیال تھا کہ ایک مرتبہ والی مکہ کو یہ حکم بھیجا:

''لوگوں کی ضروریات مہیا کرو، ہر ایک کو ملو، کسی حاجت مند کو ملاقات سے محروم نہ کرو۔ صاحبِ عیال اور فاقہ زدہ لوگوں پر بیت المال کا روپیہ خرچ کر کے ان کی اعانت کرو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ رعایا کی آسائش اور خوشحالی و فارغ البالی کو تمام چیزوں پر مقدم سمجھتے تھے۔ آپ نے افسران مال کو ہدایت کر رکھی تھی کہ لگان یا خراج کی وصولی کے لیے کسی شخص کے پہننے کے کپڑے، مال ڈھور یا کھانے پینے کی چیزیں فروخت نہ کی جائیں۔ ①

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ بازار میں نکل جاتے اور دکانداروں کو اچھے سلوک اور ماپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے اور منڈیوں کی نگرانی اشیاء کے نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال بنفس نفیس کیا کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بہت سی سیاسی الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں۔ مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے تنگ آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۴۰ ہجری میں صلح کر لی، اور یہ طے پایا کہ حجاز، عراق اور مشرق کا سارا علاقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہے گا اور شام، مصر اور مغرب کا حصہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضے میں۔ ②

اندرونی بدامنی اور خانہ جنگی کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ بلکہ کرمان اور فارس کے صوبوں میں علم بغاوت بلند ہونے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو بغاوتیں فرو کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔

چنانچہ زیاد نے باغیوں کی سرکوبی کے بعد فساد زدہ علاقوں میں از سر نو امن بحال کیا۔ ③

❀❀❀

① ابو یوسف، الخراج، ص: ۱۵، ۱۶

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/۱۴۰

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۵۳۶

Marfat.com

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت

۴۰ھ تا ۴۱ھ = ۶۶۱ء تا ۶۶۲ء

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ ۱۵۔رمضان سن ۳۔ہجری میں پیدا ہوئے۔① آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔امام حسن رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں اپنے نانا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔②

آٹھ برس تک نانا کی آغوش محبت اور دامن نبوت میں پرورش پائی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن رضی اللہ عنہ کو بڑے لاڈ اور پیار سے رکھتے اور ہر طرح کی ناز برداری کرتے تھے۔③

جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا تو امام حسن رضی اللہ عنہ ان کی حفاظت کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔④

جنگِ جمل اور جنگ صفین میں آپ اپنے والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کی شہادت کے بعد چالیس ہزار سے زیادہ بہادروں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ سب وہی لوگ تھے جو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر چکے تھے۔یہ لوگ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور محبت کے جذبے سے سرشار تھے۔بیعت خلافت کے بعد امامِ حسن رضی اللہ عنہ نے چار ماہ تک حجاز،عراق اور خراسان کی خلافت کا بار اٹھائے رکھا۔⑤

① سیوطی،التاریخ،ص:۱۷۵

② محمد بن اسماعیل،صحیح البخاری:۳۵۴۳

③ احمد بن حنبل،المسند:۲۰۴۴۸،۲۰۵۱۶

④ ابن کثیر،البدایۃ والنہایۃ:۳۳۱/۷

⑤ ابن الاثیر،الکامل:۴۰۲/۳

Marfat.com

خلافت سے دستبرداری

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے امام حسن رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے ہیں۔ تو انھوں نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عراق پر لشکر کشی کر دی اور عین التمر سے ہوتے ہوئے مدائن کا رُخ کیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ طبعاً امن پسند اور صلح جو تھے۔ انھیں جنگ وقتال سے نفرت تھی لیکن حالات نے مجبور کر دیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر ایک لشکر روانہ کیا جائے۔

چنانچہ قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بارہ ہزار فوج بھیج دی اور باقی فوج کے ساتھ خود مدائن میں قیام فرمایا۔ اس عرصے میں یہ افواہ گرم ہوگئی کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ افواہ کا پھیلنا تھا کہ عراقی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ بعض شرارت پسندوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے خیمہ پر ہلہ بول کر اسے لوٹ لیا۔

ان حالات کو دیکھ کر امام حسن رضی اللہ عنہ نے مصالحت کر لینا بہتر سمجھا۔ ویسے بھی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو جنگ و جدال سے نفرت تھی۔ آپ کی طبیعت صلح جو اور امن پسند تھی۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان خانہ جنگی سے تباہ ہو جائیں اور بدامنی و خونریزی سے اسلامی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں۔ ان وجوہات کی بنا پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خونریزی اور خانہ جنگی سے اپنے دامن کو آلودہ کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے قربانی و ایثار سے کام لیا اور چند شرائط پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ ①

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے معقول وظیفے مقرر کر دیے۔ ② اس کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مدینے تشریف لے گئے اور نو سال بعد سن ۵۰ ہجری میں وہیں وفات پائی۔ ③

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۶۲/۵

② ابن عساکر، التاریخ: ۸/۱۴

③ ابن الاثیر، الکامل: ۴۶۰/۳

Marfat.com

نواں باب

خلافت راشدہ پر تبصرہ

خلیفہ کا مفہوم

حضرت رسول اکرم ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت کسی شخص کو حکومت کے انتظامات کے لیے اپنا جانشین نامزد نہ فرمایا۔ بلکہ جانشینی کا مسئلہ جمہور مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ جس شخص کو پسند کریں، اپنا حکمران منتخب کر لیں۔ اس جانشینی کو خلافت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا امیر منتخب ہونے کے بعد اعلان کیا تھا کہ میں رسول خدا ﷺ کا خلیفہ یعنی جانشین ہوں۔[1] یہیں سے خلیفہ اور خلافت کی ابتداء ہوئی۔

خلافت کا مفہوم

اصطلاحی طور پر خلافت کا یہ مفہوم ہے کہ دینی اور دنیوی اُمور کے انتظامات کے لیے ایک ایسی جمہوری ریاست قائم کی جائے جس میں نبی کریم ﷺ کی پوری نیابت اور نمائندگی ہو۔ اس ریاست کے رئیس کو خلیفہ یعنی رسول ﷺ کا جانشین اور قائم مقام کہتے ہیں۔ خلیفہ مسلمانوں کی تمام دینی اور دنیوی ضروریات کا کفیل اور نگران ہوتا ہے۔ نیابتِ رسول ﷺ کی وجہ سے رعایا کا فرض ہے کہ خلیفہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور خلیفہ کا فرض ہے کہ امن و امان قائم کر کے شریعت نافذ کرے اور دین کو پوری طرح جاری اور قائم کرے۔

خلیفہ مسلمانوں کا سیاسی اور روحانی قائد اور امیر ہوتا ہے۔

حضرت رسول کریم ﷺ کے بعد آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار حضرات یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ چاروں جناب رسالت مآب ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور چشمۂ نبوت سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ چونکہ نبوت سے براہِ راست ہدایت یافتہ تھے، اس لیے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۵۰/۳

Marfat.com

راشدین یعنی ہدایت یافتہ کہلائے اور ان کا عہدِ حکومت خلافت راشدہ کے نام سے مشہور ہوا۔

خلفائے راشدین نے مقدور بھر کوشش کی کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے نقش قدم پر چل کر جمہور مسلمانوں کو اسلامی زندگی کا عادی بنائیں۔ ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا جوئی، عوام کی بہبودی و بہتری اور اتباع سنت رسول اللہ ﷺ ان کا مقصدِ حیات تھا۔

انتظامی اُمور میں دینی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اور ہر معاملے میں امانت و دیانت، جمہور کی خیر خواہی، عدل و انصاف، احسان و مروت اور مساوات کا لحاظ رکھنا خلافت راشدہ کا امتیازی اُصول تھا۔ اس دورِ حکومت میں امیر و غریب، بندہ و آقا محتاج و غنی، ضعیف و قوی، قریب و بعید سب ایک نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لیے اس عہد کو اسلام کا زرّیں عہد کہنا بے جا نہ ہوگا۔

خلفاءِ اربعہ

رسول کریم ﷺ کے بعد آپ کے چار جان نثار ساتھیوں نے باری باری اسلامی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ چاروں صحابی رسول کریم ﷺ کے نائب، خلیفہ اور جانشین مشہور ہوئے۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ چاروں خلفاء کا عہد تقریباً تیس برس کا تھا۔ ان خلفاء کو خلفائے راشدین اور خلفائے اربعہ کہتے ہیں۔ یہ تاریخ اسلام میں زریں عہد کہلاتا ہے۔

اس عہد کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ جمہوری طریقۂ انتخاب

خلافت راشدہ کے نظام حکومت کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ ہر خلیفہ جمہوری طریق سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اگرچہ وہ طریق آج کل کے جمہوری طریقۂ انتخاب سے قدرے مختلف تھا۔ لیکن یہ پونے چودہ سو سال [1] پہلے کی بات ہے۔ اُس ماحول اور زمانے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اُس انتخاب کو جمہوری قرار دینا بالکل بجا ہے۔

اس انتخاب میں یہ بات بڑی نمایاں ہے کہ حکومت کو وراثت نہیں بنایا گیا۔ بلکہ جمہور اہل

[1] اب سوا چودہ سو سال

Marfat.com

اسلام کے فائدے کے پیش نظر بہترین اور موزوں ترین آدمی کو اس بار کے اٹھانے کے لیے مجبور کیا گیا۔ اکثر اوقات بننے والے خلیفہ کو یہ خواہش نہ ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو خلافت سے محروم قرار دے دیا تاکہ وراثت کا سوال ہی پیدا نہ ہوا۔ اس عہد میں مسلمانوں کے پہلے امیر و قائد یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہلانا پسند فرمایا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ ①

عہدۂ وزارت

اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانے میں وزارت اور وزیر کے الفاظ سیاسی طور پر مروّج نہ تھے۔ لیکن معنوی طور پر یہ عہدہ موجود تھا۔ یوں کہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عہدۂ وزارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا اور خلافت فاروقی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وزیر کے فرائض انجام دیتے تھے۔

عہدۂ کاتب

خلفائے راشدین کے زمانے میں کاتب کا عہدہ بھی موجود تھا۔ نظام حکومت میں خلیفہ کا ہاتھ بٹانے کے لیے کاتب ایک اہم منصب دار تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کاتب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب مقرر فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مروان بن حکم نے کاتب کے فرائض انجام دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاتبوں میں عبداللہ بن رافع کا نام ملتا ہے۔ ②

خلفاء کا ذاتی کردار اور شخصی زندگی

خلفاء میں شاہانہ جاہ و حشم کی کوئی بات نہ تھی۔ خلیفہ کی زندگی بڑی سادہ ہوتی تھی۔ وہ ہر کام اپنے ہاتھ سے کر لیتا تھا۔ کھانے، پینے اور پہننے میں سادگی کا خیال رکھتا۔ رعایا کے عام افراد کی طرح بازاروں اور سڑکوں پر پیدل چلتا تھا۔ ہر شخص کو خلیفہ تک رسائی تھی۔ بلکہ خلیفہ خود گھوم پھر کر

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۸/۳

② ابن الجوزی، تلقیح فہوم اہل الاثر، ص: ۴۵۷

Marfat.com

حالات کا جائزہ لیتا۔ رعایا کی دیکھ بھال میں خلیفہ ذاتی طور پر دلچسپی لیتا۔

خلفاء مسلمانوں کی اجازت کے بغیر اپنی ذات پر کوئی چیز خرچ نہ کرتے تھے۔

عدالت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک انتظامیہ اور عدلیہ دونوں محکمے اکٹھے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے عدلیہ کی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے عدلیہ کو براہِ راست خلیفہ وقت کے ماتحت کر دیا اور عدالتوں کے لیے قاضیوں اور ججوں کو مقرر کرتے ہوئے دیگر خوبیوں کے علاوہ خاندانی وجاہت وشرافت اور دولت مندی کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا اور ان کے لیے معقول تنخواہیں مقرر کر دیں، تاکہ کسی حقیر جذبے کے تحت عدالت کے وقار کو نقصان نہ پہنچنے پائے، یعنی رشوت وغیرہ سے بچے رہیں۔

افسروں کا انتخاب اور نگرانی

اس عہد کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ افسروں کے تقرر میں بڑی احتیاط کرتے اور قابل اعتماد اور لائق ترین لوگوں کو عہدے سونپتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ تقرر کے وقت ہر عامل کو ایک پروانہ دیتے۔ جس میں عامل کے درج ذیل اختیارات مرقوم ہوتے۔ پھر یہ پروانہ اس عامل کے علاقے میں مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا تاکہ وہ اپنے حدود واختیارات سے تجاوز نہ کرے۔

(۱) یعنی وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔

(۲) باریک کپڑے نہ پہنے گا۔

(۳) چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

(۴) دروازے پر دربان نہ مقرر کرے گا۔

(۵) حاجت مندوں کے لیے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ ①

اس کا مقصد یہ تھا کہ اس میں غرور حکومت پیدا نہ ہو۔ نیز لوگوں سے بے رُخی نہ برتے۔

آپ اپنے ماتحت افسروں کو رشوت سے بچنے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کیا کرتے

① ابن ابی شیبہ، المصنف: ۱۲۹۶۶

Marfat.com

تھے۔صوبائی حاکموں کو حج کے موقع پر جمع ہونے کا حکم تھا۔تاکہ صوبائی معاملات اور نئے مسائل کا مشورہ کر کے حکومت کی پالیسی وضع کی جائے۔نیز اس لیے کہ عوام کی شکایت ان کے سامنے سن کر تدارک کیا جا سکے۔خلفاء اپنے عہدے داروں کا بڑی سختی سے محاسبہ کیا کرتے تھے۔

عوام کی آسائش

خلفائے راشدین کو رعایا کا بڑا خیال تھا۔عوام کی آسائش اور سہولت کے لیے ان کی زندگیاں وقف تھیں۔رعایا کی تکلیف ان کے لیے خواب و خور حرام کر دیتی تھی۔ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر کرتے ہوئے صوبائی حاکموں اور والیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! میں نے والی اور عامل اس لیے مقرر نہیں کیے ہیں کہ وہ تمھیں سزا دیں اور پیٹیں۔نہ اس لیے کہ تمھارا مال چھینیں بلکہ انھیں والی مقرر کر کے تمھارے پاس اس لیے بھیجا ہے تاکہ وہ تمھیں دین اور طریقہ سکھائیں،جو والی اس کے خلاف عمل کرے،اس کی شکایت میرے پاس لاؤ میں اس کو سزا ضرور دوں گا۔''①

مشاورتی حکومت

اس عہد کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ طرزِ حکومت شورائی تھا۔قرآن مجید کی تعلیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تمام اُمورِ سلطنت باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔مجلس مشاورت میں حضرت عمر،حضرت عثمان،حضرت علی،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف،حضرت معاذ بن جبل،حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بیت المال

خلافت راشدہ میں بیت المال قوم کی بڑی مقدس امانت تصور کیا جاتا تھا۔عہد صدیقی میں تو بیت المال میں کچھ جمع کرنے کی نوبت نہ آئی تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی آمد و خرچ کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا اور حسابات کے لیے رجسٹر (دیوان) بنائے جس میں ہر آمدنی اور خرچ کا اندراج ہوتا تھا۔

① ابن ابی شیبہ،المصنف: ۱۲۹۶۷

Marfat.com

محکمہ فوج

محکمہ فوج کو از سر نو منظم کرنے کا شرف جناب فاروق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔ فوجیوں کی تنخواہیں اور راشن مقرر کیا گیا۔ شہریوں کے لیے وظیفے مقرر ہوئے۔ چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں اور فوج کی آسائش و سہولت کا پورا خیال رکھا جانے لگا۔

جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا تو دشمنوں سے سمندر میں مقابلہ کرنے کے لیے بحری بیڑے کی بنیاد رکھی گئی۔ عہد عمر رضی اللہ عنہ میں تو چند منچلے مسلمان جہاز میں بیٹھ کر بمبئی کے تھانہ تک پہنچے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے روک دیا۔ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں مسلمانوں کا بحری بیڑہ قیصر روم کے بحری بیڑے سے زیادہ مضبوط اور طاقتور نکلا۔

عدل ومساوات

اس عہد کی ایک اہم خصوصیت رعایا کی فلاح و بہبود اور ہر شہری کے ساتھ عدل و مساوات تھا۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں بمشکل کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ آپ کے دیوانِ عدالت میں شاہ و گدا، ادنیٰ و اعلیٰ، خویش و بیگانہ اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک انتظامیہ اور عدلیہ دونوں محکمے اکٹھے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر کے عدلیہ کی آزادی اور برتری کا اعلان کرتے ہوئے عدلیہ کو براہ راست خلیفہ وقت کے ماتحت کر دیا۔ اور عدالتوں کے لیے قاضی اور جج مقرر کرتے وقت دیگر خوبیوں کے علاوہ خاندانی وجاہت و شرافت اور دولت مندی کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اور ان قاضیوں اور ججوں کے لیے معقول تنخواہیں مقرر کر دیں تا کہ کسی احتیاج یا کمینے جذبے کے تحت عدالت کے وقار کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔

غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ سلوک

اس عہد میں غیر مسلم اور مسلمانوں کو برابر کے شہری حقوق دیے گئے تھے۔ غیر مسلموں کے جان و مال اور مذہب کو محفوظ قرار دیا۔ اور بیت المقدس کے عیسائیوں کو یہ تمام حقوق دیے اور ایک

Marfat.com

حکم نامہ بھی لکھ دیا۔ یہاں تک کہ ان کے گرجوں کی بھی حفاظت کا ذمہ لیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فوج نے ایک ذمی کے کھیت کو پامال کر دیا تو آپ نے دس ہزار درہم کا معاوضہ بیت المال سے دلایا۔ جب کوئی ذمی نادار اور بے کس ہو جاتا تو اس کا جزیہ معاف کر کے بیت المال سے اس کے لیے وظیفہ جاری کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ وہ لوگ جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے، ان سے جو عہد کیا گیا ہے، اس کو پورا کیا جائے، ان کی حفاظت کی جائے اور طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ ①

فتوحات کی وسعت

خلافت راشدہ میں ملکی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ شام وعراق کی فتوحات کی ابتداء حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہو چکی تھی۔ فتوحات کا سلسلہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جاری رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غنی کے زمانہ خلافت میں اس سلسلے کی تکمیل ہوتی رہی۔ عراق، ایران، شام، مصر، افریقہ، خراسان، ماوراء النہر کے علاقے فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کر لیے گئے۔

محکمہ اَحداث

خلافتِ راشدہ میں مختلف محکموں کی تنظیم عمل میں آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہری لوگوں کی حفاظت اور قیام امن کی خاطر محکمہ پولیس قائم کیا۔ اس عہد میں اس کا نام اَحداث تھا، بعد میں شرطہ کہلانے لگا۔ شہریوں کی حفاظت اور قیامِ امن کے علاوہ احتساب کا کام بھی پولیس کے ذمے تھا۔

جیل خانوں کا محکمہ

عہد فاروقی سے پہلے قید خانوں کا رواج نہ تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجرموں کو سزا دینے کے لیے جیل خانے بنائے۔

محکمہ ڈاک

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری خطوط، فوجی مراسلات و پیغامات اور مالِ غنیمت کو ایک مقام

① محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۳۰۵۲، ۳۷۰۰

Marfat.com

سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لیے محکمہ ڈاک قائم کیا۔ تیز رفتار اونٹوں اور گھوڑوں کے ذریعے سرکاری پیغامات اور خطوط بھیجنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس محکمے کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں بیٹھ کر عراق، فلسطین اور مصر میں اپنی فوجوں کو ہدایات بھیجا کرتے اور ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔

محکمہ ٹکسال

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں سونے اور چاندی کے غیر ملکی سکے رائج تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں چاندی کے سکے بنائے اور ان پر عربی حروف میں عبارت کندہ کی۔ البتہ سونے کے سکے بنوامیہ کے عہد میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے بنائے تھے۔

چاندی کے سکے درہم کہلاتے ہیں۔

صوبائی نظام

جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور عرب وعجم اور شام و روم مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گئے تو ملکی انتظام اور فراہمی زکوٰۃ وخراج وغیرہ کے لیے صوبائی حکام مقرر ہونے لگے۔ عہد صدیقی میں ملک کو بارہ صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں آٹھ یا نو صوبے بنا دیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اسلامی سلطنت انیس صوبوں میں منقسم تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی یہی نظام رہا۔

صوبائی حکام میں امیر، عامل، محصل وغیرہ کے عہدیدار ہوا کرتے تھے۔

سن ہجری کا آغاز

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں تاریخ شمار کرنے کے لیے کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا۔ عام طور پر کسی بڑے واقعہ یا حادثہ مثلاً اصحاب فیل کا حملہ یا جنگ فجار سے سال اور تاریخ کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک یہی دستور رہا۔ جب عہدِ فاروقی میں حکومت کا کاروبار وسیع ہو گیا تو سرکاری خطوط اور مراسلات کے لیے ایک باقاعدہ اور معین تاریخ کی ضرورت پیش

Marfat.com

آئی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے سن ہجری کا آغاز ہوا۔ اسلامی کیلنڈر کی ابتداء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت والے سال سے ہوئی اور اسی نسبت سے یہ سن ہجری کہلاتا ہے۔

رفاہِ عامہ کے کام

اس عہد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ رفاہ عامہ کے کاموں کی طرف خاص توجہ دی گئی۔

(۱) اس عہد میں زراعت کو ترقی دینے کے لیے کئی نہریں کھودی گئیں۔ مثلاً: نہر ابو موسیٰ، نہر معقل، نہر سعد اور نہر امیر المؤمنین۔ آخری نہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب ہے۔ یہ نہر ۹۹ میل لمبی تھی اور دریائے نیل کو بحرِ قلزم کے ساتھ ملا دیا گیا تھا تاکہ جہاز براہ راست مدینہ پہنچیں۔

(۲) بڑے بڑے شہروں میں مسافر خانے تعمیر کرائے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک وسیع مہمان خانہ تعمیر ہوا۔

(۳) مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تمام منزلوں پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے گئے۔

تہذیب وثقافت

فتوحات کے سلسلے میں بہت سی عراقی، ایرانی، شامی، مصری اور رومی عورتیں مسلمانوں کے حرم میں آ گئیں۔ اس طرح دو مختلف نسلوں کے اختلاط اور میل جول سے ایک نئی پود، ایک نیا ذہن اور نیا تمدن پیدا ہوا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں شاہ ایران یزدگرد کی چند بیٹیاں جنگی قیدی کے طور پر مدینہ منورہ میں پہنچیں تو ایک لڑکی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیوی بنی، اس کے بطن سے سالم پیدا ہوئے۔ ①

دوسری لڑکی امام حسین رضی اللہ عنہ کے حرم میں داخل ہوئی اور اس کے بطن سے زین العابدین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ تیسری لڑکی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے حرم میں شامل ہوئی اور اس سے قاسم پیدا ہوئے۔ ②

اس طرح عجمی عورتوں کی اولاد میں بڑے بڑے اہل علم اور متقی لوگ پیدا ہوئے۔

ملکی فتوحات کے بعد رومی، ایرانی، شامی اور عراقی لوگ ہزاروں کی تعداد میں حجاز آ پہنچے۔

---

① ابن حزم، جمہرۃ أنساب العرب، ص: ۱۵۴

② الصفدی، کتاب الوفیات: ۲/ ۱۸۷

Marfat.com

قدرتی طور پر حجاز اور دیگر علاقوں میں مختلف قوموں کے ساتھ عربوں کا اختلاط بڑھ گیا۔ اس میل جول اور اختلاط سے لوگوں نے ایک دوسرے کے اخلاق و عادات، علم و ادب اور صنعت و حرفت کو کسی حد تک اپنا لیا۔ عربوں کا مذہب اسلام اور زبان عربی تمام مفتوحہ ملکوں پر چھا گئے اور عربوں نے مفتوحہ قوموں کے علوم و آداب کو اپنے ہاں رواج دیا۔

خلافت راشدہ میں علوم و معارف اور تعلیم و تدریس کا چرچا ہونے لگا۔

اشاعتِ اسلام

خلافت راشدہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس عہد میں اسلام کی اشاعت کا انتظام مکمل طور پر کیا گیا۔ لیکن جبر سے نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک غلام کے سامنے اسلام پیش کیا، اس نے انکار کیا تو لَا اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کہہ کر چھوڑ دیا۔ ①

اس عہد میں خلفاء نے غیر مذاہب کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا کہ وہ خود بخود اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

اس دور میں خاص کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی۔

تعلیمِ قرآن

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں قرآن کی تعلیم پر بڑا زور دیا۔ خلافت راشدہ میں قرآن و سنت کے ماہرین علماء میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سرفہرست نظر آتے ہیں۔

اس کے علاوہ مختلف فکر و نظر کے علماء میں حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت سلمان فارسی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم بڑی شہرت رکھتے تھے۔

قرآن مجید کی تفسیر بھی خلافت راشدہ میں شروع ہوئی۔ اس عہد کے مشہور مفسرین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت اُبی بن

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۶/ ۱۵۸

Marfat.com

کعب رضی اللہ عنہ کے اسمائے گرامی شہرت دوام کے مالک ہیں۔

تعلیم حدیث

لکھنے پڑھنے کا شوق بہت بڑھ گیا۔ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کے صحیفے اور مجموعے لکھے۔ بعد میں یہی صحیفے، سیرت وغزوات کے لیے مصادر و مآخذ کے کام آئے۔

مدینے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، مکے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، کوفے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ دینی تعلیمات پھیلانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔

الغرض خلافت راشدہ میں علوم ومعارف اور تعلیم وتدریس کا خوب چرچا ہونے لگا۔

مساجد کا قیام

خلافتِ راشدہ میں مسجد کی دینی، شرعی اور اجتماعی اہمیت کوملحوظ رکھتے ہوئے بہت سی مساجد تعمیر کی گئیں۔ مسجد نبوی کی توسیع ہوئی۔

مصر میں جامع عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور شام میں جامع دمشق کی بنیاد رکھی گئی۔

مکاتب فکر

عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے بیشتر عہد میں مسلمانوں کا عملی اور فکری مرکز قرآن وسنت تھا۔ لیکن خلافتِ راشدہ کے آخر میں فکر ونظر کے اختلاف کی بنا پر کئی مذہبی فرقے اور مکتب فکر پیدا ہو گئے۔ جن میں تین فرقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں: (۱) خوارج (۲) شیعہ (۳) مُرجئہ

(۱) خوارج: اس فرقے نے جنگ صفین میں ثالثوں کے تقرر کے خلاف احتجاج کیا۔ عبداللہ بن وہب راسبی ان کا سردار تھا۔ یہ نیم مذہبی اور نیم سیاسی فرقہ تھا۔ اس گروہ کا عقیدہ تھا کہ (۱) عمل ایمان کا جز ہے (۲) خلیفہ کا قریش میں سے ہونا ضروری نہیں (۳) خلیفہ معزول بھی کیا جاسکتا ہے۔

خوارج کے مشہور فرقوں کے نام ازارقہ، نجدیہ، صُفریہ، اباضیہ تھے۔ ان میں سے بڑے

Marfat.com

بڑے شاہسوار، بہادر، ادیب، شاعر اور زاہد و عابد لوگ پیدا ہوئے ہیں۔

(۲) شیعہ: شیعہ فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں پر مشتمل تھا۔ ان کے نزدیک خلافت کے حق دار حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد ان کی اولاد تھی۔

(۳) مرجئہ: یہ نیم سیاسی اور نیم مذہبی جماعت تھی، یہ کسی سیاسی جماعت کے ساتھ نہ تھے اور نہ ان کے حق میں کوئی فیصلہ رکھتے تھے، بلکہ ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے تھے۔ اس گروہ نے مسلمانوں کی خانہ جنگی میں حصہ نہ لیا، اس گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ نیز دوسرے فرقوں کی طرح یہ لوگ ایک دوسرے کو برا بھلا یا کافر نہ کہتے تھے۔ ان کے نزدیک خارجی، شیعہ اور بنو اُمیہ کے حامی سب مومن تھے، البتہ بعض خطا کار تھے اور بعض راہِ راست پر۔

خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمان عورتوں کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ اس کے علاوہ وہ مردوں کے ساتھ میدان جنگ میں جاتی اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔

مختصر یہ کہ عہدِ خلافت راشدہ میں مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی۔ علوم و فنون کو رواج دیا۔ تعلیم کی اشاعت میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا۔ مال و دولت کی کثرت نے معیار زندگی کو بلند کر دیا تھا۔ غیر ملکی لوگوں سے اختلاط اور میل جول نے عربوں کے تہذیب و تمدن کو وسعت بخشی۔

❁❁❁

Marfat.com

بنواُمیہ کا عہدِ حکومت

سنہ ۴۱ھ .... سنہ ۱۳۲ھ

سنہ ۶۶۱ء .... سنہ ۷۵۰ء

Marfat.com

اُمَوی خُلَفاء

بنو اُمیہؓ کے۱۴حکمران یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے،اور ۹۰ برس نو ماہ حکومت کی۔

ہجری	حکمران	عیسوی
۴۱	امیر معاویہ بن ابی سفیان	۶۶۱
۶۰	یزید(اول)بن معاویہ	۶۸۰
۶۴	معاویہ(ثانی)بن یزید	۶۸۳
۶۴	مروان بن حکم	۶۸۳
۶۵	عبدالملک بن مروان	۶۸۵
۸۶	ولید بن عبدالملک	۷۰۵
۹۶	سلیمان بن عبدالملک	۷۱۵
۹۹	عمر بن عبدالعزیز	۷۱۷
۱۰۱	یزید(ثانی)بن عبدالملک	۷۲۰
۱۰۵	ہشام بن عبدالملک	۷۲۴
۱۲۵	ولید(ثانی)بن یزید(ثانی)	۷۴۳
۱۲۶	یزید(ثالث)بن ولید	۷۴۴
۱۲۶	ابراہیم بن ولید	۷۴۴
۱۲۷تا۱۳۲	مروان(ثانی)بن محمد	۷۴۴تا۷۵۰

Marfat.com

بنو اُمیّہ کا شجرۂ نسب

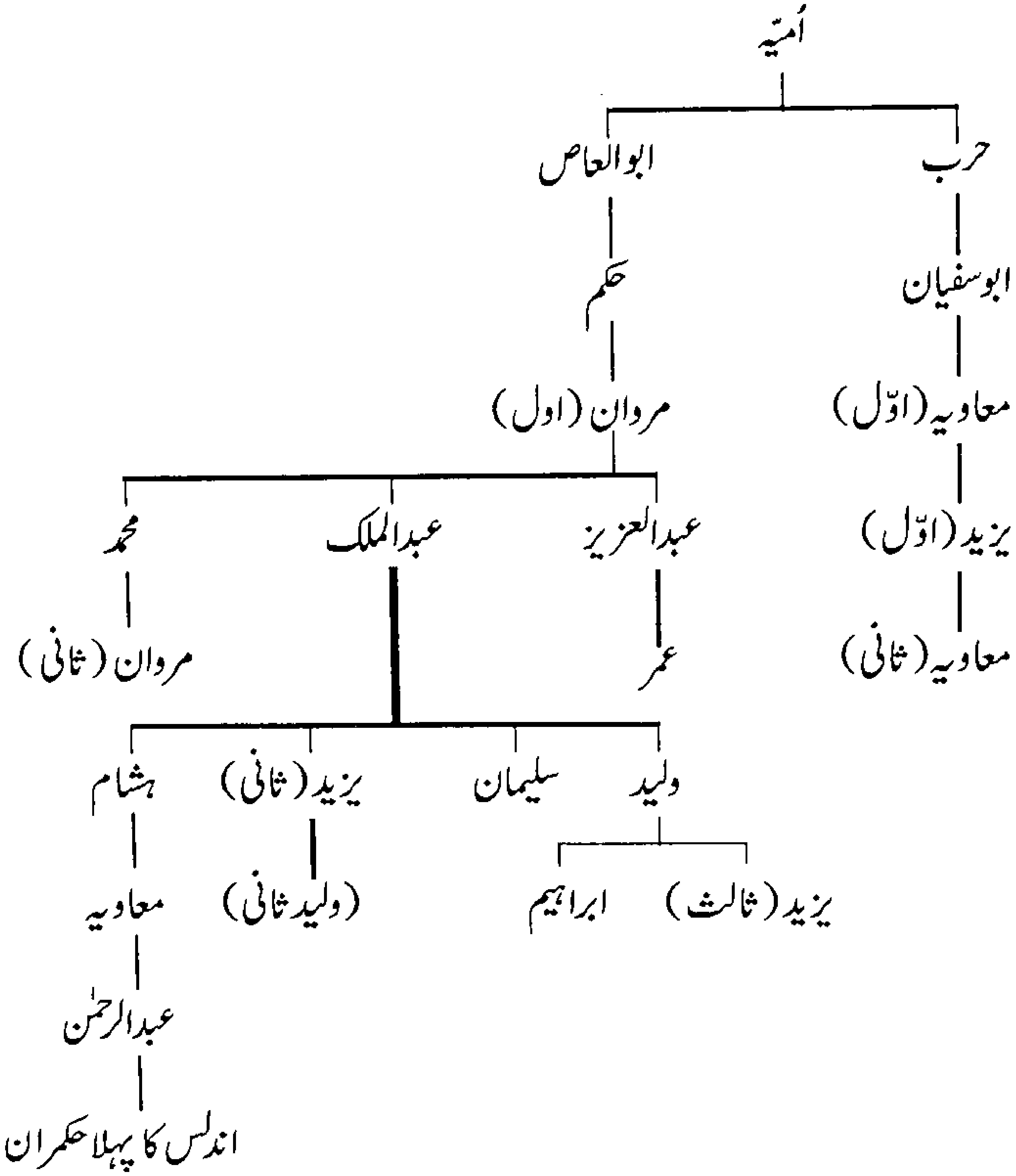

اموی عہد میں اسلامی فوجیں فتح و نصرت کے گیت گاتی بے پناہ سیلاب کی طرح مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ اندلس، افریقہ، ہندوستان، ترکستان، بلادروم

Marfat.com

اور دیگر علاقوں میں مسلمانوں نے اپنے جھنڈے نصب کیے۔

بنواُمیہ نے بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کیں۔ وسیع و جمیل مساجد، عظیم الشان محلات اور خوبصورت شہر آج بھی ان کے حسن ذوق اور فنِ تعمیر کی داد دے رہے ہیں۔

بنواُمیہ نے اپنے عہد حکومت میں بہت سی اصلاحات نافذ کیں اور رفاہِ عامہ کے کام سر انجام دیے۔ بہت سے نئے محکمے قائم کر کے نظامِ سلطنت میں حسن و جمال پیدا کر دیا۔ اموی خلافت میں مصر، حجاز، ہند، ایران، خراسان، افریقہ، اندلس اور دیگر مقبوضات شامل تھے۔

اُموی عہدِ حکومت

خلفائے راشدین کے بعد بنواُمیہ کا عہد حکومت شروع ہوا۔ یہ لوگ قبیلۂ قریش کے سردار اُمیہ کی نسل سے تھے۔ اس لیے بنواُمیہ یعنی اُمیہ کی اولاد کہلائے۔ اُنھوں نے اسلامی سلطنت پر سن ۴۱ ہجری سے سن ۱۳۲ ہجری تک نوے سال کے قریب حکومت کی۔ ان کے زمانہ کو اُموی عہد کہتے ہیں۔ خلفائے راشدین کی حکومت جمہوری طرز کی تھی۔ مگر اموی عہد میں اسلامی خلافت شخصی حکومت میں تبدیل ہوگئی۔ اور ملوکیت کے انداز آ گئے۔

بنواُمیہ کے زمانے میں سندھ، ترکستان، شمالی افریقہ اور اندلس کے ملک فتح ہوئے۔ اس سے اسلامی سلطنت کی سرحدیں دریائے سندھ سے لے کر بحر اوقیانوس کے ساحل تک وسیع ہو گئیں۔ اگر چہ ایرانی بربر اور دوسرے لوگ دائرہ اسلام میں بکثرت داخل ہوئے۔ مگر زمامِ حکومت عربوں کے ہاتھ میں رہی۔ اس عہد میں حکومت خالص عربوں کی رہی۔ زبان بھی خالص عربی تھی۔ فوج کے سردار اور قائد بھی خالص عربی تھے۔

اُموی عہد میں حاجب (دربان) کا وجود عمل میں آیا۔ دیوانِ انشاء اور دیوانِ خاتم اور دوسرے دفتری محکمے بنائے گئے۔ جو فوجی نظم و نسق کی دیکھ بھال کرتے اور ڈاک اور پولیس وغیرہ کے نظام کو چلاتے تھے۔

Marfat.com

اموی عہد کے اہم واقعات

سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک
سنہ ۶۶۱ء سے سنہ ۷۵۰ء تک

شمار	نام	عہد حکومت	اہم واقعات
۱	معاویہ	سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۶۰ھ	۱۔ افغانستان میں عربوں کی پیش قدمی ۲۔ شمالی افریقہ میں پیش قدمی اور قیروان کی بناء سنہ ۵۰ھ ۳۔ محاصرہ قسطنطنیہ (سنہ ۵۴ھ) ۴۔ یزید کی نامزدگی بحیثیت ولی عہد کے (سنہ ۵۶ھ)
۲	یزید	سنہ ۶۰ھ تا سنہ ۶۴ھ	۱۔ حادثہ کربلا (سنہ ۶۱ھ) ۲۔ مدینہ کی جنگ ۳۔ مکہ کا محاصرہ ۴۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت حجاز میں
۳	معاویہ ثانی	سنہ ۶۴ھ	تین ماہ بعد حکومت سے دستبردار ہو گیا
۴	مروان	سنہ ۶۴ھ	۱۔ ابن زبیر حجاز میں بدستور حکمران رہے ۲۔ جنگ مرج راہط (سنہ ۶۴ھ)

Marfat.com

۵	عبدالملک	سنہ ۶۵ھ تا سنہ ۸۶ھ	۱۔مختار ثقفی کا ظہور اور قاتلین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے انتقام ۲۔ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت کا خاتمہ (سنہ ۷۳ھ) ۳۔حجاج بن یوسف کی ولایت اور سیاست ۴۔شمالی افریقہ کی فتوحات ۵۔عربی کا دفتری زبان بننا۔عربی رسم الخط کی اصلاح،عربی سکوں کا اجراء،ڈاک کا انتظام
۶	ولید	سنہ ۸۶ھ تا سنہ ۹۶ھ	۱۔فتح سندھ،ترکستان،اندلس ۲۔رفاہ عامہ کے کام
۷	سلیمان	سنہ ۹۶ھ	۱۔فتح جرجان وطبرستان
۸	عمر بن عبدالعزیز	سنہ ۹۹ھ تا سنہ ۱۰۱ھ	۱۔اصلاحات ۲۔عربوں کا داخلہ فرانس میں
۹	یزید ثانی	سنہ ۱۰۱ھ تا سنہ ۱۰۵ھ	۱۔خاندان مہلب کی تباہی ۲۔عباسی دعوت کی ابتداء

Marfat.com

۱۰	ہشام	۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ	۱۔قفقاز اور وسطی ایشیا کی جنگیں ۲۔جنگ طورش (فرانس) ۳۔بربروں کی بغاوت ۴۔دعوت عباسیہ کی ترقی
۱۱	ولید ثانی	۱۲۶ھ	یحییٰ بن زید بن علی کا خروج
۱۲	یزید ثالث	۱۲۶ھ	بنواُمیہ کی خانہ جنگی
۱۳	ابراہیم	۱۲۹ھ	بنواُمیہ کی خانہ جنگی
۱۴	مروان ثانی	۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ	۱۔خراسان میں علانیہ بغاوت ۲۔جنگ زاب ۳۔مروان کا قتل اور اموی عہد کا خاتمہ

❀❀❀

Marfat.com

پہلا باب

۱۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

۴۱ھ تا ۶۰ھ

بنواُمیہ

زمانۂ جاہلیت میں مکہ کے قریش مختلف خاندانوں میں منقسم تھے اور شہر کے انتظامی اُمور مختلف گھرانوں کے سپرد تھے۔ مثلاً خانہ کعبہ کا انتظام اور حاجیوں کی میزبانی بنو ہاشم سے متعلق تھی۔ ①

بوقت جنگ فوج کی علمبرداری اور قیادت بنواُمیہ کرتے تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو مکہ کے اکثر متمول خاندان ان کے مخالف ہو گئے۔ اس مخالفت میں بنو اُمیہ کا خاندان کسی سے کم نہ تھا، ان میں سے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ ②

باقی لوگ اسلام کے شدید مخالف رہے۔ چنانچہ جنگ اُحد کے موقع پر کفار مکہ کی کمان خاندان کے سردار ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی۔ ③

جب رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح کر کے مخالفین اسلام کو پورے طور پر مغلوب کر لیا تو وہاں کے دوسرے لوگوں کے ساتھ بنواُمیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ④

آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اہل مکہ کی تمام گزشتہ خطائیں معاف کر دیں۔ بلکہ ان کو مال و دولت دے کر ان کی تالیف قلوب کی۔

قبول اسلام کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے معاویہ رضی اللہ عنہ رسول خدا ﷺ کے ساتھ

---

① ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۳۵، ۱۳۷، ۱۴۲

② ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۵۰

③ ابن الاثیر، الکامل: ۲/۱۴۹

④ ابن ہشام السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۰۰

Marfat.com

مدینے چلے آئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۳ سال کے قریب تھی۔ چونکہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس لیے نبی کریم ﷺ نے انھیں کاتبانِ وحی کے حلقہ میں شامل کر لیا۔

اسلامی حکومت میں بنواُمیہ کی خدمات

بنواُمیہ قبول اسلام کے بعد آہستہ آہستہ حکومت کے کاموں میں دخیل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ اسلامی سلطنت پر قابض ہوگئے۔ رسولِ خدا ﷺ کی وفات کے بعد جب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام اور فلسطین کی تسخیر کے لیے فوجیں روانہ کیں تو ایک دستہ فوج کی کمان ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے یزید رضی اللہ عنہ کو سپرد کی۔ ①

یزید کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شریک جنگ ہوئے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب یزید رضی اللہ عنہ نے سن ۱۸ ہجری میں وفات پائی۔ تو ان کی بجائے معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق کے والی مقرر ہوئے۔ ②

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بنواُمیہ دبے رہے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے امیر المؤمنین منتخب ہونے پر بنواُمیہ نے اقتدار حاصل کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنواُمیہ سے تھے اور ان کو اپنے رشتہ داروں پر بڑا اعتماد تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے خاندان کے متعدد اشخاص کو سلطنت کے ممتاز عہدوں پر مقرر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے عہد میں بصرہ، کوفہ اور مصر کی حکومت پر بیشتر اُموی خاندان کے لوگ فائز رہے اور اسلامی سلطنت میں ہر طرف بنواُمیہ ہی نظر آنے لگے۔ اس سے بنواُمیہ کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی حالات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والیوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ اوّل اوّل صرف دمشق کا ضلع ان کے پاس تھا۔ مگر جب دوسرے اضلاع کے حاکم یکے بعد دیگرے فوت ہوگئے تو شام اور فلسطین کا سارا ملک ان کی ولایت میں آگیا۔ اسی زمانے میں اُنھوں نے بحیرہ

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱۳۶/۴

② ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۴۰۶/۷

Marfat.com

روم میں بیڑا تیار کر کے جزیرہ قبرص فتح کیا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے ہوشیار سیاستدان تھے۔ اُنھوں نے اپنی تدبیر اور سخاوت سے اہل شام کے دلوں میں گھر کر کے وہاں ایسے مضبوط قدم جمائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اہل شام کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صِفّین کے مقام پر لڑے۔ ①

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت

جب سن ۳۷۔ ہجری میں دو ثالثوں نے اپنا فیصلہ سنایا تو اہل شام نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ شام کے خلیفہ بن گئے اور جب سن ۴۱۔ ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو گئے تو تمام عالم اسلام نے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ ② اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت مستحکم ہو گئی۔ کئی سال سے دمشق ان کا پایۂ تخت چلا آ رہا تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد یہ شہر تمام عالم اسلام کا دارالخلافہ قرار پایا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمّال

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت کے تین عامل (گورنر) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے اپنی قابلیت سے ان کی حکومت کو کامیاب بنایا۔

اول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر، جو ان کے دست بازو تھے۔ زیادہ تر ان ہی کی کوششوں سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت نصیب ہوئی تھی۔ مصر کا ملک ان کی عملداری میں تھا۔ اُنھوں نے سن ۴۳۔ ہجری میں تہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ ③

دوسرے مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی بصرہ کے حاکم رہ چکے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے عہد حکومت میں کوفہ کا والی مقرر کیا۔ کوفہ کے لوگ بڑے سرکش اور تفرقہ پرداز تھے۔ نیز یہ شہر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف داروں کا مرکز تھا۔ مگر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۶۱/۴

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۶۲/۵

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲۶۶/۳

Marfat.com

نے اپنی تدبیر سے ان کو قابو میں رکھا۔ اُنھوں نے سن ۵۰ ہجری میں وفات پائی۔ ①

تیسرے زیاد جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فارس کا عامل مقرر کر رکھا تھا۔ چونکہ وہ ایک بڑا تیز فہم اور قابل شخص تھا اور اُمور سلطنت کی بڑی سمجھ رکھتا تھا۔ اس لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی وساطت سے اسے اپنے ساتھ ملا لیا اور اسے بصرہ کا والی مقرر کر دیا اور مغیرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ کی حکومت بھی اس کے سپرد کر دی گئی۔ زیاد ایک عقلمند مگر سخت گیر حاکم تھا۔ اس نے سن ۵۳ ہجری میں وفات پائی۔ ②

مشرقی فتوحات

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مملکت عرب کے مشرقی اطراف میں متعدد مقامات پر شورش برپا ہوئی۔ عربوں نے نہ صرف ان بغاوتوں کو فرو کیا۔ بلکہ مشرق کی طرف مزید پیش قدمی کی۔ سن ۴۱ ہجری میں جب ہرات والوں نے بغاوت کی تو عربوں نے ہرات کو دوبارہ فتح کر کے کابل پر چڑھائی کی اور کئی ماہ کے محاصرے کے بعد اسے فتح کر لیا۔ ③

اس کے علاوہ اُنھوں نے غزنہ، غور اور قندھار کو بھی مطیع بنایا اور اپنی علمداری کو ہندوستان کی حدود تک پھیلا دیا۔ عبداللہ بن سوار نے قیقان پر چڑھائی کی اور مہلب بن ابی صُفرہ پیش قدمی کرتے کرتے کوئٹہ تک پہنچ گیا۔ وہ سیستان کی طرف سے ایک درّے کے راستے سے بنوں اور پھر لاہور پہنچ گیا، وہاں سے ملتان ہوتا ہوا بلوچستان میں داخل ہوا۔ ④

ترکستان کی فتوحات

سن ۵۴ ہجری میں عبیداللہ بن زیاد خراسان کا والی مقرر ہوا۔ اس نے ترکستان کے ملک پر چڑھائی کی اور سُغد کے علاقہ میں داخل ہو کر کئی شہر لے لیے۔ ⑤ اگلے سال اس کی جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سعید خراسان کے گورنر مقرر ہوئے۔

① ابن حجر، الاصابہ: ۱۰/ ۳۰۰
② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۲/ ۹۹
③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱/ ۴۱۳
④ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۴/ ۸۶۹
⑤ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/ ۲۹۵

Marfat.com

اُنھوں نے ترکستان کی مہم کو جاری رکھا اور دریائے جیحون کو عبور کر کے ترکستان میں داخل ہو گئے۔ مقامی باشندے کثیر تعداد میں ان کے مقابلہ کے لیے بڑھے اور بخارا کے شہر میں فریقین کا آمنا سامنا ہوا۔ مگر اہل سغد میں پھوٹ پڑ گئی۔ جس سے ان کا پہلو کمزور ہو گیا اور اُنھوں نے دَب کر صلح کر لی اور اسلامی فوج بغیر کسی لڑائی بھڑائی کے بخارا میں داخل ہو گئی۔

بخارا کی فتح کے بعد مسلمانوں نے سمرقند کا محاصرہ کیا۔ کئی دن تک اہل شہر بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن جب محاصرہ نے طول پکڑا تو اہل شہر نے ہمت ہار دی اور اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ عربوں کو سات لاکھ سالانہ خراج ادا کریں گے۔ اس کے بعد اسلامی فوجوں نے ترمذ کا رُخ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے بھی بغیر جنگ کے صلح کر لی۔ ①

افریقہ میں عُقبہ کی پیش قدمی

سن ۴۱۔ ہجری میں مصر کے والی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے عُقبہ بن نافع کو بربروں کے مقابلے میں بھیجا۔ عقبہ نے برقہ کو مرکز بنا کر بربروں پر فوج کشی کی۔ چند ایک دیگر عرب سرداروں نے بھی مختلف مقامات پر حملے کر کے بربری قبائل کو مطیع کیا۔ مگر بربری لوگ بڑے سرکش اور آزادی پسند تھے۔

جب کوئی عرب سپہ سالار ان پر حملہ آور ہوتا تو وہ عارضی طور پر اس کی اطاعت قبول کر لیتے اور جب ان کے سر سے فوجی دباؤ اُٹھ جاتا تو وہ خود بخود مختار بن جاتے۔ یہ صورت حال دیکھ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۵۰۔ ہجری میں عُقبہ بن نافع کو دس ہزار فوج دے کر بربروں کی سرکوبی پر دوبارہ مامور کیا۔ عقبہ نے پیش قدمی کر کے تونس کے علاقے میں قیروان کا شہر آباد کیا اور اسے خوب مضبوط کر کے عربی حکومت کا مرکز بنایا تا کہ آس پاس کے ملکوں میں عربوں کا تسلط قائم رہ سکے۔ ②

چند سال کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جانشین یزید بن معاویہ کے عہد میں عقبہ مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے بحر اوقیانوس کے ساحل تک جا پہنچا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو پانی میں اُتار کر

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/ ۳۰۴، ۳۰۶

② ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۴۶۵

Marfat.com

کہا کہ اگر میرے راستے میں سمندر حائل نہ ہوتا تو میں راہِ خدا میں جہاد جاری رکھتے ہوئے اور آگے بڑھتا۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد بربروں نے اپنے سردار کُسیلہ کے اُکسانے سے عربوں کے خلاف بغاوت کی اور سن ۶۳ ہجری میں عقبہ کو اپنے ساتھیوں سمیت قتل کر ڈالا۔ اس بغاوت سے برقہ کے مغرب کے تمام افریقی مقبوضات عربوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ①

قسطنطنیہ کا محاصرہ

اہل عرب کی سب سے بڑی حریف رومی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ زیادہ تر اسی سلطنت سے رہتا تھا۔ رومیوں کے مقابلہ کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بری اور بحری دونوں قسم کی فوجیں تیار کر رکھی تھیں، بری فوج کی دو قسمیں تھیں۔ ایک شاتیہ جو جنگ کے لیے سردی کے موسم میں بھیجی جاتی تھی، اور دوسری صائفہ جو گرمی کے موسم میں برسرپیکار رہتی تھی۔

عرب لوگ میدانِ جنگ کے عادی تھے۔ چونکہ ایشیائے کوچک کا اکثر علاقہ پہاڑی اور دشوار گزار ہے اور وہاں سردی کے موسم میں سخت سردی پڑتی ہے۔ اس لیے عرب ملک کو باوجود سالانہ فوج کشی کے مکمل طور پر تسخیر نہ کر سکے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں قسطنطنیہ پر دو دفعہ حملہ کیا۔ مگر اُسے فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

قسطنطنیہ پر عربوں کا پہلا حملہ سن ۴۹ ہجری ، ۶۶۹ عیسوی میں ہوا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خشکی کے راستے سے سفیان بن عوف کی سرکردگی میں ایک بھاری فوج بھیجی۔ جس میں کئی ممتاز صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے اور ان کی امداد کے لیے اپنے نوجوان بیٹے یزید کو بھی ایک دستہ فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ رومیوں نے اپنے دارالسلطنت کی بڑے زور و شور سے حفاظت کی۔ اس لیے عرب فوجیں چند ماہ کے محاصرے کے بعد لوٹ آئیں اس محاصرے کے دوران میں ایک مشہور صحابی حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور قسطنطنیہ کی فصیل کے باہر مدفون ہوئے۔ ان کا مرقد آج بھی زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ ②

① ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۱۰۵، ۱۰۸

② ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۴۵۸

Marfat.com

سن ۵۴ہجری، ۶۷۴ عیسوی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحری راستے سے دوبارہ لشکر کشی کی۔ عربوں نے بحیرہ مالہ مورہ میں ایک جزیرے پر قبضہ کر کے اسے اپنا مرکز بنالیا تھا۔ وہاں سے نکل کروہ ہر سال موسم بہار میں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوتے رہے۔ شہر کے اردگرد نہایت مضبوط فصیل تھی۔ نیز اس کے قدرتی محلِ وقوع نے اسے بڑا محفوظ بنا رکھا تھا۔ اس لیے شہر کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ علاوہ بریں رومیوں نے حملہ آوروں کے خلاف گریک فائر یعنی یونانی آگ استعمال کی جو ان ہی ایام میں ایجاد ہوئی تھی۔ یہ ایک آتش گیر کیمیائی مرکب تھا جو پانی کی سطح پر جلتا رہتا تھا۔ رومی اسے عربوں کے جہازوں پر پھینکتے اور انھیں جلا ڈالتے۔

یہ محاصرہ چھ سات سال تک جاری رہا۔ آخر کار جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۶۰ہجری میں وفات پائی تو عرب فوجیں قسطنطنیہ سے واپس آگئیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد کی بغاوتیں

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں اہل اسلام تین بڑی سیاسی جماعتوں میں منقسم تھے۔

(۱) بنواُمیہ کے طرفدار جو حکومت کے حامی تھے۔ ان میں اہل شام پیش پیش تھے۔ قبائل عرب میں سے کلب کا قبیلہ بھی ان کا زبردست حامی تھا۔ کیونکہ اموی حکمرانوں نے اس قبیلہ کو شادی بیاہ کے رشتہ سے اپنے ساتھ جوڑ لیا، بحدل ان کا سردار تھا۔ [①]

(۲) دوسرے شیعان علی رضی اللہ عنہ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پارٹی جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کے بعد ان کی اولاد کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ عراق کے اکثر لوگ اور بعض مصری بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد ان کا کوئی سرکردہ میدان عمل میں نہ تھا۔ اس لیے یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خاموش رہے۔

(۳) خوارج جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کو برسر غلط سمجھتے تھے اور مذکورہ بالا دونوں جماعتوں سے الگ تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ خلیفہ کا قریش میں سے ہونا ضروری نہیں اور اگر کوئی حاکم ظالم ہو تو اس کے خلاف ہتھیار اٹھانا فرض ہے۔ یہ لوگ اپنے عقائد میں بڑے پکے

① ذہبی، التاریخ: ۴۱/۵

Marfat.com

تھے اور اپنے عقائد کی خاطر لڑنے مرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ چنانچہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کئی بار حکومت کے خلاف اُٹھے۔ کوفہ اور بصرہ ان کے دو بڑے مرکز تھے۔ ①

سن ۴۱ہجری میں ایک خارجی سردار فروہ بن نوفل نے کوفہ کے نواح میں علم بغاوت بلند کیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے مقابلہ کے لیے جو فوجیں بھیجیں، ان کو شکست دی۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو فروہ کی گرفتاری کے لیے لکھا، اہل کوفہ نے اسے گرفتار تو کر لیا مگر خارجیوں نے حوصلہ نہ ہارا اور عبداللہ کو اپنا سردار بنا کر بدستور لڑتے رہے۔ جب کوفیوں نے عبداللہ کو بھی قتل کر دیا تو خارجیوں نے حَوثرہ کو اپنا سردار بنالیا۔

آخر کار حَوثرہ بھی قتل ہو گیا مگر خارجیوں کے جوش و خروش میں کچھ فرق نہ آیا۔

اندریں حالات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ مغیرہ بڑے ہوشیار اور آزمودہ کار مدبر تھے۔ اُنھوں نے اپنی تدبیر سے ایک سال کے اندر اندر خارجیوں کا زور توڑ دیا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد سن ۴۳ہجری میں خارجیوں میں پھر حرکت پیدا ہوئی اور ان کا سردار مُستَورِد بھی کچھ مدت کے بعد لڑتا ہوا مارا گیا۔ ②

امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد سن ۴۱ہجری میں مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری سال وہیں گزارے۔ یہاں تک کہ سن ۵۰ہجری میں بقضاء الٰہی وفات پائی اور جنت البقیع کے قبرستان میں اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ③

عام روایت یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی کے ذریعے زہر کھلا دیا تھا جس سے ان کی موت واقع ہوئی۔ بہر حال حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امیر

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/ ۶۴

② ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۴۰۹، ۴۱۴

③ ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۱/ ۴۴۰

Marfat.com

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین نامزد کرنے اور لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لینے کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں۔

یزید کی ولی عہدی

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص تھے اور ان کی طرف سے کوفہ کے حاکم مقرر تھے۔ اُنھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر دیں اور اپنی زندگی ہی میں رعایا سے ان کے حق میں بیعت لے لیں۔ تاکہ ان کی وفات کے بعد جانشینی کے بارے میں اُمت میں اختلاف نہ ہو اور خون ریزی کی نوبت نہ آئے۔ ①

یزید ایک لااُبالی نوجوان تھا، جسے سیر و شکار کے سوائے اور کسی بات سے دلچسپی نہ تھی۔ ②
اس بناء پر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خدشہ ظاہر کیا کہ اکثر مسلمان یزید کی بیعت پر راضی نہ ہوں گے اور مغیرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس مشکل کام کو سرانجام کون دے گا۔

اس وقت سیاسی لحاظ سے اسلامی سلطنت کے تین بڑے اہم مرکز تھے۔ کوفہ، بصرہ اور حجاز، مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوفہ کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ بصرہ والوں کو زیاد ہموار کرے گا اور جب ان مقامات کے لوگ رضا مند ہو جائیں گے تو باقی صوبوں کو مخالفت کی جرأت نہ ہوگی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوفہ جاؤ اور وہاں کے بڑے بڑے لوگوں سے مشورہ کر کے اطلاع دو۔

جب مغیرہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں واپس آئے تو وہاں کے رئیسوں کو بلایا اور ان سے یزید کی ولی عہدی کا ذکر کیا۔ وہ اس کی بیعت پر رضا مند ہو گئے۔ چنانچہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کا ایک وفد اپنے بیٹے کے ہمراہ دمشق بھیجا۔ ان لوگوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم اس رائے کو پسند کرتے ہیں کہ یزید کو ولی عہد مقرر کیا جائے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو رخصت کیا اور کہا کہ آپ لوگ اپنی رائے پر قائم رہیں۔ جب وقت آئے گا تو آپ سے بیعت لیں گے۔

کوفہ کے وفد سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو بڑی تقویت پہنچی۔ چنانچہ اُنھوں نے بصرہ

① ابن خلدون، التاریخ: ۱۹/۳
② ابن الاثیر، الکامل: ۵۰۵/۳

Marfat.com

کے والی (گورنر) زیاد کو بھی لکھا کہ تم وہاں کے سرداروں سے یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مشورہ کرو۔ زیاد نے عبید بن کعب کو بلایا۔ جو ممتاز سرداروں میں سے تھا اور جس پر اسے بڑا اعتماد تھا اور اسے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا خط دکھلایا اور کہا کہ یزید ایک لا اُبالی نوجوان ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس کو ولی عہد قبول کرنے میں پس وپیش کریں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ابھی یہ معاملہ ملتوی رکھا جائے۔ عبید نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ میں جا کر یزید سے ملوں اور اس سے کہوں کہ تم بے شک ولی عہد ہو سکتے ہو۔ مگر لوگوں کو تمھارے متعلق کچھ شکایات ہیں تم اپنی اصلاح کرو۔ اس فہمائش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یزید اپنی عادات درست کرلے گا اور اس سے امیر المؤمنین کا مقصد خود بخود پورا ہو جائے گا۔ زیاد نے اس رائے کو پسند کیا اور عبید کو دمشق روانہ کر دیا۔

اس نے یزید کو سمجھایا کہ تمھیں اپنے آپ کو منصب خلافت کے لیے تیار کرنا چاہیے۔

کوفہ اور بصرہ کے مقابلہ میں حجاز کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا۔ وہاں حضرت حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم جیسے معزز لوگ موجود تھے۔ جو بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولاد تھے اور خود امارت وخلافت کی اہلیت رکھتے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کو لکھا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میرے بعد اُمت میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ اس لیے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین بنا جاؤں۔ تم یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھو اور ان کے جواب سے مجھے اطلاع دو۔

اس پر مروان نے اہل مدینہ سے مشورہ کیا۔ مگر جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہتے ہیں تو اُنھوں نے تجویز کی مخالفت کی اور کہا کہ امیر کو اُمت کی خیر خواہی مطلوب نہیں، بلکہ وہ خلافت کو اپنی میراث بنانا چاہتے ہیں اور اسے بادشاہت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملوں یعنی صوبیداروں کو لکھا کہ اپنے ہاں کے سرداروں اور رئیسوں کو میرے پاس بھیج دو تاکہ میں ان سے اپنے جانشین کے بارے میں گفتگو کروں۔ چنانچہ وہاں کے عاملوں نے ایسے لوگوں کے وفد بھجوائے جو یزید کی ولی عہدی کو قبول کرنے کے لیے تیار

Marfat.com

نہ تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربار عام کیا اور ہر طبقہ کے لوگوں کو بلایا اور ان کے سامنے تقریر کی اور یزید کی خوبیاں بیان کر کے ان سے خواہش کی کہ وہ اس کی جانشینی پر بیعت کریں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور سرداروں نے بھی تقریریں کیں۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کا تہیہ کر چکے تھے یہ محض رسمی کارروائی تھی۔ چنانچہ بعض لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور بعض کو انعام و اکرام دے کر رضا مند کر لیا اور ان سب سے یزید کے حق میں بیعت لے لی اور اس کی جانشینی کا اعلان کر دیا گیا، یہ واقعہ سن ۵۶ ہجری کا ہے۔ ①

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عراق گئے اور وہاں کے لوگوں سے بیعت لی۔ پھر ایک ہزار شامی سواروں کے ساتھ حجاز کا رُخ کیا اور مدینہ پہنچے۔ ان کی آمد کی خبر سن کر حضرت امام حسین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم، یہ پانچوں حضرات مکہ چلے گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ سے کہا کہ یزید سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نہیں۔ بعض لوگ اس کے مخالف ہیں مجھے ان پر سختی کرنی پڑے گی، کاش کہ یہ لوگ میری تنبیہ کو سمجھتے۔ ②

پھر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ آئے اور مذکورہ بالا حضرات کو بلایا اور ان کو لطف و مدارات سے مائل کرنے کی کوشش کی اور ان سے کہا کہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں۔ یزید تمھارا بھائی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اپنے خلیفہ کا لقب دے دو۔ سلطنت کے تمام کام تمھارے ہاتھ میں ہوں گے۔

اس کے جواب میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ انتخاب خلیفہ کی ہمارے سامنے تین مثالیں ہیں یا تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجیے۔ مسلمان جسے پسند کریں گے منتخب کر لیں گے یا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح ایسے شخص کو نامزد کیجیے جس کا آپ سے کوئی تعلق نہ ہو یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اس معاملہ کو چند آدمیوں کے شوریٰ پر چھوڑ دیجیے۔

اس کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ ہم کو قبول نہیں۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۵۰۳، ۵۰۷

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/ ۳۰۳

Marfat.com

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ لوگ آسانی سے بیعت نہیں کریں گے تو ان کو یہ دھمکی دے کر چھوڑ دیا کہ اگر تم نے مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا اور باہر نکل کر مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ ان لوگوں نے بیعت کر لی ہے، آپ لوگ بھی بیعت کر لیجیے، اس پر سب نے بیعت کر لی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کو واپس چلے گئے، ان کی واپسی پر لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا مگر اب مخالفت بے کار تھی۔ ①

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے مسلمانوں سے ان کے حق انتخاب کو چھین لیا اور اسلامی خلافت کو جس کی بنیاد جمہور کے انتخاب پر تھی، ایک خاندانی سلطنت میں تبدیل کر دیا۔ جہاں بالعموم ایک حکمران کے بعد اس کا بیٹا ہی حکمران بنتا ہے۔

خواہ اس میں جہانبانی کے اوصاف موجود ہوں یا نہ ہوں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ مگر اُنھوں نے خلافت کو اپنے ہی خاندان کے اندر محدود نہیں رکھا تھا۔ اس کے برعکس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بیٹے کی نامزدگی سے گویا شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی خلافت نے عملاً ایک دنیاوی بادشاہت کی صورت اختیار کر لی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے دانا، ہوش مند، معاملہ فہم اور ہوشیار سیاستدان تھے۔ حلیم الطبع اور نرم مزاج تھے۔ یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی ان کے تحمل اور بردباری کا اعتراف کرتے تھے۔ ②

وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے مصالحانہ طریقہ اختیار کرتے اور جب تک مجبور نہ ہو جاتے سختی سے کام نہ لیتے تھے۔ اتنے مردم شناس تھے کہ جو لوگ ان کے لیے مفید ہو سکتے تھے، اُنھیں کسی نہ کسی صورت اپنا ہمنوا بنا لیتے تھے، بڑے فیاض اور سخی تھے، مال و دولت دے کر راضی کر لینا ان کی سیاست کا ایک بڑا نمایاں اُصول تھا۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۰۹/۳، ۵۱۱

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۲/۸

Marfat.com

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سلطنت کے کاروبار کو پورے انہماک سے سرانجام دیتے تھے۔ ان کی جہانبانی اور ملک داری کی قابلیت مسلمہ ہے۔ ان کے عہد میں بحیثیت مجموعی امن رہا اور اسلامی سلطنت کی حدود پہلے کی نسبت وسیع ہوگئیں۔ سلطنت کے نظم ونسق کے سلسلہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کئی کارنامے قابل ذکر ہیں۔ مثلاً ان کے عہد میں بحری فوج کو نمایاں ترقی ہوئی اور اس کا الگ سپہ سالار مقرر ہونے لگا۔ جنگی بیڑے کی ضروریات کے لیے ساحلی مقامات اور خصوصاً مصر میں جہاز سازی کے کارخانے قائم ہوئے۔

ان کے عہد میں جنگی بیڑا ایک ہزار سات سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔

سلطنت کے استحکام کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت سے قلعے بنوائے اور پرانے قلعوں کی مرمت کرائی۔ خصوصاً شام کی شمالی سرحد کو جہاں رومیوں کے حملے کا خطرہ رہتا ہے، خوب مضبوط کیا۔ قبرص اور دوسرے مقامات میں جدید فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ ①

نیز شمالی افریقہ میں بربروں کو قابو رکھنے کے لیے قیروان کا نیا شہر آباد ہوا۔ شہر کے وسط میں دارالامامت تیار ہوا اور اس کے اردگرد مسلمانوں کے محلے آباد ہوئے۔ عقبہ بن نافع نے ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ رفتہ رفتہ قیروان نے اتنی رونق پائی کہ شمالی افریقہ کا سیاسی مرکز بن گیا، یہ شہر آج تک آباد ہے اور افریقہ کے مسلمان اسے خاص عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ②

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اندرونی امن وامان کے لیے بھی پولیس کے محکمہ کو بڑی ترقی دی۔ حکومت کی طرف سے مشکوک چال چلن کے لوگوں کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ چنانچہ دارالخلافہ دمشق کے بدمعاش لوگوں کے نام درج رجسٹر تھے۔ ③

سلطنت کا دوام اور ملک کا امن وامان اس بات پر موقوف تھا کہ دور دراز کے صوبوں اور شہروں کے حالات سے باخبر رہیں۔ اس مقصد کے لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خبر رسانی کا پورا پورا

---

① البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۱۵۸

② یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۴/ ۴۲۰

③ خلیفہ بن خیاط، التاریخ، ص: ۲۲۸

Marfat.com

انتظام کر رکھا تھا۔ خبر رسانی کے صیغہ کو برید کہتے تھے۔ شاہی سڑکوں پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔ سرکاری ہرکارے ان کو منزل بمنزل بدلتے تھے اور خلیفہ کے احکام صوبیداروں کو جلد جلد پہنچاتے تھے اور وہاں کی خبریں خلیفہ کے پاس لاتے تھے۔

تمام سرکاری احکام اور فرامین پر مہر لگائی جاتی اور ان کی نقلیں رکھی جاتی تھیں تا کہ ان میں کسی قسم کا رد و بدل نہ ہو سکے۔ جس محکمہ میں مہر لگائی جاتی تھی، اسے دیوانِ خاتم کہتے تھے، صوبیدار بھی اسی دستور کی پیروی کرتے تھے۔ ①

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں رفاہ عام کے بہت سے کام مکمل ہوئے۔ چنانچہ بہت سی نہریں جاری ہوئیں۔ جن میں سے ہزاروں لاکھوں ایکڑ زمین سیراب ہونے لگی اور زراعت کو بڑی ترقی ہوئی۔ ②

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فن تعمیر سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔

دمشق میں قصر خضراء کے نام سے ایک عظیم الشان محل تعمیر کیا۔ ③

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۷۸ برس کی عمر میں تقریباً بیس برس کی خلافت کے بعد سن ۶۱ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کا بیٹا یزید ان کا جانشین ہوا۔ ④

❀❀❀

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۳۰/۵

② البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۲۹۱

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۷/۸

④ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/ ۳۲۳، ۳۲۵

Marfat.com

دوسرا باب

۲۔ یزید بن معاویہ

۶۰ھ تا ۶۴ھ

یزید قبیلہ کلب کے سردار بحدل کی بیٹی میسون کے بطن سے تھا۔ اس کی ولادت اس زمانے میں ہوئی تھی جب اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے والی تھے۔ تاریخی روایات میں مذکور ہے کہ یزید ایک لااُبالی نوجوان تھا جسے اُمور سلطنت میں بہت کم دلچسپی تھی۔ وہ شکار اور شکاری کتوں کا زیادہ شائق تھا۔ شعر گوئی کا بھی شوق رکھتا تھا۔ اپنا وقت لہو ولہب میں گزارتا تھا۔ اس لیے لوگ عام طور پر اس کے اطوار کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ ①

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اس کی جانشینی کے لیے لوگوں سے بیعت لے رکھی تھی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ یزید نے تین سال اور چند ماہ حکومت کی۔

اس کے عہد حکومت کے پہلے سال میں کربلا کا المناک حادثہ پیش آیا، جس میں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جگر گوشہ بتول رضی اللہ عنہا یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔

دوسرے سال اس کی فوجوں نے بلد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اور حرّہ کے میدان میں شہر کے ہزاروں باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتارا اور اس مقدس شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کیا جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو آڑے وقت میں پناہ دی تھی۔ وہ ارض پاک جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دس سال بسر کیے تھے اور جس کو اُنھوں نے اپنی آخری آرام گاہ کے لیے پسند فرمایا تھا۔

تیسرے سال میں اس کی فوجوں نے مکہ پر چڑھائی کی اور محاصرہ کر لیا اور کعبہ کی حرمت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شہر پر سنگ باری کی جس سے بیت اللہ کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ ابھی

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴۸۰/۵

Marfat.com

یہ محاصرہ جاری تھا کہ یزید کا انتقال ہو گیا اور محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

حادثہ کربلا، محرم ۶۱ھ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ دونوں حضرات یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ جب مدینہ کے اموی حاکم نے ان سے یزید کی بیعت کے لیے کہا تو وہ مدینہ سے نکل کر مکہ چلے گئے۔ ①

اسی اثنا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے بعض لوگوں کی طرف سے اسی مضمون کے خطوط پہنچے کہ ہم یزید کی حکومت سے راضی نہیں ہیں۔ اگر آپ کوفہ تشریف لائیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور آپ کو خلیفہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو دریافتِ حالات کے لیے کوفہ بھیجا۔ وہاں ایک جماعت ان کی حمایت پر آمادہ ہوگئی۔ بعدازاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ خود بھی روانگی کے لیے تیار ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی خیر خواہوں نے اہل کوفہ کی متلوّن مزاجی اور غداری کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ کو روکنا چاہا مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ ذوالحجہ سن ۶۰۔ ہجری میں اہل وعیال سمیت کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب کوفہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہاں کے حاکم عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل کر ڈالا ہے۔ یہ خبر سن کر آپ کے ساتھیوں نے واپسی کا مشورہ دیا مگر مسلم کے بھائیوں نے انتقام کی خاطر آگے بڑھنے پر اصرار کیا۔ جو لوگ راستہ میں ساتھ ہوئے تھے وہ لوٹ گئے، صرف عزیزوں اور خاص رفیقوں کی ایک قلیل جماعت ساتھ رہ گئی جو مکہ سے ہمراہ آئی تھی۔ ②

عبیداللہ بن زیاد نے حُر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گھیر کر اس کے پاس لے آئے۔ چنانچہ حُر نے آپ کو کوفہ کی طرف بڑھنے یا حجاز کی طرف لوٹنے سے روکا۔ اس مزاحمت پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ دریائے فُرات کے کنارے کنارے

① ابن الاثیر، الکامل: ۳/ ۵۰۹

② البلاذری، انساب الاشراف: ۳/ ۳۶۹، ۳۸۰

Marfat.com

شمال کی طرف چلے اور اپنا قافلہ کوفہ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر کربلا کے مقام پر مجبوراً اُتار دیا۔

چند دن کے بعد ابن زیاد نے چار ہزار سوار عمر بن سعد کی سرکردگی میں بھیجے اور شمر کے مشورہ سے اس بات پر اصرار کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے اور انکار کی صورت میں ان کے ساتھ جنگ کی جائے۔ چنانچہ عمر بن سعد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مختصر سی جماعت کے گرد گھیرا ڈال دیا اور دریائے فُرات پر پانچ سواروں کا پہرہ بٹھا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا پانی بند کر دیا۔ ①

آپ کے اہل وعیال نے جن میں پردہ نشین خواتین، بیمار اور کمسن بچے بھی تھے، پیاس کی وجہ سے تکلیف اٹھائی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، تم اپنی جانیں کیوں خطرے میں ڈالتے ہو، میری طرف سے اجازت ہے جو شخص جہاں چاہے چلا جائے مگر اُنھوں نے ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا، بلکہ کوفہ کا ایک سردار حُر بن یزید تمیمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حق وصداقت پر دیکھ کر ان کے ساتھ آملا اور اس نے اپنی قسمت کو ان کی قسمت کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ ②

شہادتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ دشمن ان سے جبراً یزید کی بیعت لے رہے ہیں تو آپ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ فریقین کی تعداد میں کوئی مناسبت نہ تھی، ایک طرف ستر بہتر جانبازوں کی قلیل جماعت تھی اور دوسری طرف چار پانچ ہزار سواروں کا لشکر جرار۔ تاہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ دشمنوں کے تیروں کی بے پناہ بوچھاڑ سے حسینی فوج کے بہت سے آدمی شہید ہو گئے۔ باقی دست بدست لڑائی میں شہید ہوئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نوجوان فرزندان کے بھتیجے اور دوسرے عزیز ایک ایک کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے خاک وخون میں تڑپتے ہوئے سرد ہو گئے۔ آخر کار حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی جب زخموں

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۴۶/۸

② البلاذری، کتاب جمل من انساب الاشراف: ۳۹۷/۳

Marfat.com

سے نڈھال ہو گئے تو دشمنوں نے نرغا کر کے انھیں بھی شہید کر ڈالا۔ ان کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس کوفہ لے گئے۔ یہ المناک حادثہ دس محرم سن ۶۱۔ ہجری مطابق ۱۰۔ اکتوبر سن ۶۸۱ عیسوی کو پیش آیا۔ تاریخی روایات میں بتایا گیا ہے کہ ابن زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو معہ آپ کے اہل و عیال کے یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا۔ ①

اس ہولناک حادثہ سے عالم اسلامی میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اکثر لوگوں کے دلوں میں بنو اُمیہ سے نفرت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے گہری عقیدت کے جذبات پیدا ہو گئے اور آخر کار یہی جذبات بہت حد تک بنو اُمیہ کے زوال کا موجب بنے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند تھے اور حسن رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی۔ آپ مدینہ میں ماہ شعبان سن ۴۔ ہجری میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے پرورش پائی۔ ان کے نانا یعنی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بے حد عزیز رکھتے تھے اور ان کی بڑی ناز برداری کرتے تھے۔ جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا تو آپ ان قریشی نوجوانوں میں شامل تھے جنھوں نے کئی دن تک قصرِ خلافت کی حفاظت کی۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ مدینہ میں سکونت اختیار کی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں سیاست سے الگ رہے۔ مگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جب ان کا بیٹا یزید تخت نشین ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اہل کوفہ کے بلانے پر عراق کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں کربلا کا المناک حادثہ پیش آیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ ②

حضرت حسین رضی اللہ عنہ بڑے پرہیز گار، حلیم الطبع، رحمدل اور عالی حوصلہ بزرگ تھے۔ آپ نے اپنے بلند اُصول کی خاطر میدانِ کربلا میں بے رحم دشمنوں کے مقابلہ میں استقلال اور شجاعت کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے۔

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴۲۶/۵
② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۴۴۲/۱

Marfat.com

مدینہ پر حملہ

اہل حجاز نے یزید کی حکومت کو خوشی سے قبول نہیں کیا تھا۔ جب انھیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ یزید سے اور بھی بیزار ہو گئے۔ چنانچہ اہل مدینہ یزید کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک انصاری کو اپنا امیر منتخب کر کے بنواُمیہ کو شہر سے نکال دیا۔ جب یزید کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے مسلم بن عُقبہ مُرّی کو دس ہزار فوج دے کر حجاز کی طرف روانہ کیا۔ مسلم نے مدینہ پہنچ کر وہاں کے رئیسوں کو یزید کی اطاعت کرنے کے لیے کہا مگر اہل مدینہ نے اس بات کی پروانہ کی اور مخالفت پر اڑے رہے۔

شامی فوج نے آخر کار شہر پر حملہ کر دیا اور مدینہ کے باہر حرہ کے میدان میں اموی فوج اور اہل مدینہ کے درمیان تین روز تک خونریز جنگ ہوتی رہی جس میں بہت سے اشرافِ مدینہ کام آئے۔ اہل مدینہ نے شکست کھائی اور شامی فوج نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام کیا اور تین دن تک لوٹ مار کی اور ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا۔ جب قدرے امن ہوا تو لوگوں نے مجبوراً یزید کی بیعت کر کے اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ یہ واقعہ سن ۶۳ ہجری ذوالحجہ کا ہے۔ ①

مکّہ کا محاصرہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ابتدا ہی سے یزید کی جانشینی کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اہل مکہ کو یزید کے خلاف اُبھارا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور زبیر بن العوّام رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ حضرت اسماء حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ آپ بڑے دیندار، حق پرست اور دلیر آدمی تھے۔ غرض آپ کی ذات میں کئی ایسی صفات تھیں جن کی وجہ سے اہل مکہ آپ کی طرف مائل ہو گئے اور آپ نے ان سے بیعت لے کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ②

جب مسلم بن عُقبہ مُری نے دیکھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تو

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۱۱/۴

② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳۹/۳

Marfat.com

اس نے ان کے مقابلے کے لیے مکہ کا رُخ کیا۔ راستہ میں مسلم نے وفات پائی اور حُصَین بن نُمیر اس کا قائم مقام ہوا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ کے باہر شامیوں کا مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر مکہ میں واپس آگئے۔ شامیوں نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا ہوا تھا کہ یزید نے وفات پائی، اس پر لڑائی بند ہو گئی اور اموی فوج واپس چلی گئی۔ ①

یزید بن معاویہ نے ربیع الاول سن ۶۴ ہجری میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی اور مدتِ حکومت ۴ سال ۹ ماہ تھی۔ ②

❀❀❀

۳۔ معاویہ ثانی

۶۴ھ

یزید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معاویہ تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر اکیس سال کی تھی مگر وہ بیمار اور کمزور تھا۔ اس میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہ تھی اس لیے دو تین ماہ کی حکومت کے بعد تختِ شاہی سے دستبردار ہو گیا اور چند ماہ کے بعد اس دُنیا سے چل بسا۔ ③

❀❀❀

① النویری، نہایۃ الارب: ۳۱۱/۲۰

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۲۵/۴

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۰۳/۵

Marfat.com

تیسرا باب

۴۔ مَروان بن حکم

مروان بن حکم

معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد بنواُمیّہ کی حالت بہت ابتر ہوگئی۔ ان کے درمیان کوئی ایسا ممتاز اور قابل شخص نظر نہ آتا تھا جو خاندان کا رہنما بن کر حکومت سنبھال سکے۔ اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور ان کا اثر و رسوخ اسلامی سلطنت کے دیگر حصوں میں بھی بڑھ رہا تھا۔ شام کے جن عرب قبائل پر بنواُمیّہ کی قوت کا دارومدار تھا، ان میں بھی اختلاف پیدا ہو چکا تھا۔ بنوکلب رشتہ داری کے سبب سے بنواُمیہ کے حامی تھے، مگر ان کا حریف قبیلہ قیس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا طرفدار بن گیا تھا۔ خاندان امیہ کے بعض افراد معاویہ ثانی کے بھائی خالد بن یزید کے حق میں تھے، چونکہ وہ کم عمر تھا، اس لیے اکثر بنواُمیہ نے اس کو خلیفہ بنانے سے انکار کر دیا۔ بنواُمیہ اور ان کے طرف دار جابیہ کے مقام پر جمع ہوئے اور بحث وتمحیص کے بعد آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ بنواُمیہ میں سے مروان بن حکم ہی سب سے زیادہ معمر اور تجربہ کار ہونے کے سبب سے خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے ذوالعقدہ سن ۶۴ ہجری میں مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور خالد بن یزید اس کا ولی عہد مقرر ہوا۔ مروان کے انتخاب سے بنواُمیہ کی گرتی ہوئی عمارت سنبھل گئی۔ بنواُمیہ کے تمام حامی دوبارہ ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور معاویہ ثانی کی وفات کے بعد ان کی حکومت میں جو ضعف پیدا ہو گیا تھا وہ ایک حد تک دور ہو گیا۔[۱]

عربوں کی خانہ جنگی

مروان کے انتخاب سے تمام بنی اُمیہ ایک مرکز پر جمع ہو گئے مگر اس کے عہد میں عربی قبائل

---

[۱] ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/۵۳۰

Marfat.com

کے درمیان مرج راہط میں ایک ہولناک جنگ ہوئی جسے ہم عربوں کی دوسری خانہ جنگی کہہ سکتے ہیں۔اسلامی عہد حکومت میں عربوں کی سب سے پہلی خانہ جنگی (CIVIL WAR) وہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد برپا ہوئی۔اس خانہ جنگی میں مسلمانوں نے جنگ جمل کے موقع پر پہلی مرتبہ ایک دوسرے پر تلوار اٹھائی۔پھر صفین کے میدان میں کئی ماہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور فریقین کے اتنے آدمی ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے گئے، جتنے ایران اور روم کی فتوحات میں بھی کام نہ آئے تھے۔

عربوں کی دوسری خانہ جنگی وہ ہے جو یزید اور معاویہ ثانی کی وفات کے بعد مروان کے عہد میں برپا ہوئی۔یہ جنگ یمنی اور مُضری قبیلوں کے درمیان ہوئی۔اس کا سبب یہ تھا کہ بعض عربی قبیلے بنواُمیہ کے حق میں تھے اور بعض مخالف تھے۔مخالف قبیلے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے حامی تھے جنھوں نے حجاز میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔اس عہد کی سیاسی تاریخ کو سمجھنے کے لیے صرف ان فرقوں کے مسلک کا جاننا کافی نہیں جن کا اُوپر ذکر ہوا، بلکہ قبائل کے باہمی تعلقات کا سمجھنا بھی ضروری ہے جنھوں نے اس دور کی سیاست میں حصہ لیا۔لہٰذا ذیل کا بیان غور سے پڑھنا چاہیے۔

عربی قبیلے قدیم زمانے سے نسل کے لحاظ سے دو بڑے گروہوں میں منقسم چلے آئے تھے۔ اسماعیلی اور قحطانی۔یہ تقسیم نسبتی امتیاز پر مبنی تھی۔اسماعیلی قبیلے زیادہ تر شمالی عرب میں آباد تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پسر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سمجھتے تھے۔یہ قبیلے اپنے متعدد مورثوں کے نام پر عدنانی، معدّی اور مُضری بھی کہلاتے تھے۔ان کی بہت سی چھوٹی بڑی شاخیں تھیں۔مثلاً: ربیعہ، قیس، بکر، قریش وغیرہ۔ان کے برعکس قحطانی قبیلوں کا اصلی وطن یمن تھا، اس لیے یہ قبیلے یمنی کہلاتے تھے۔ان کی بھی بہت سی شاخیں تھیں مثلاً: حِمیَر، کہلان، اَزْد وغیرہ۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے یمن اور اس کے گردونواح میں ان کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں۔ جب یہ سلطنتیں زوال پذیر ہوئیں تو اکثر قبیلوں نے شمال کی راہ لی اور بہت سے مضری قبیلوں کو ان کے علاقوں سے خارج کر کے ان کی جگہ لی۔چنانچہ ظہورِ اسلام کے وقت وہ ملک کے اکثر حصوں میں مضری قبائل کے دوش بدوش آباد نظر آتے ہیں۔یمنی اور مضری قبائل کی یہ باہمی کشمکش مدت تک جاری رہی۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی عناد کے جذبات پیدا ہو گئے جو قبول اسلام کے بعد

Marfat.com

بھی قائم رہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی دانشمندی سے یمنی اور مضری قبیلوں کے درمیان توازن قائم رکھا اور کسی فریق کو شکایت کا موقعہ نہ دیا۔ مگر دوسرے حکمران اس توازن کو قائم نہ رکھ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبائلی رقابت کی آگ وقتاً فوقتاً بھڑکتی رہی اور سلطنت کے امن وامان میں خلل ڈالتی رہی۔

مَرج راہط کا معرکہ

یزید بن معاویہ کی والدہ مَیسُون اور اس کی بیوی دونوں یمنی قبیلہ کلب سے تھیں۔ ①

لہٰذا قبیلہ کلب بنواُمیہ کا حامی تھا۔ کلب کا مرکز تدمُر تھا اور ان کے سردار ابن بحدل کا دمشق کے دربار میں بڑا رسوخ تھا۔ کلب کو سلطنت کے کاروبار میں جو دخل حاصل تھا، اس سے ان کا حریف قبیلہ بہت جلتا تھا۔ قبیلہ قیس جس کا تعلق شمالی عرب کے مُضری قبائل سے تھا، ایک عرصہ دراز سے شمالی شام میں الجزیرہ میں فُرات کے دونوں جانب آباد تھا۔ قِنّسرِین، قرقیسیا اور حران ان کے علاقے کے بڑے بڑے شہر تھے۔ قنسرین میں ابن بحدل کا بھائی سعید حاکم تھا۔ یہ امر قیس کو بہت ناگوار تھا کہ ان کے خاص اپنے علاقے میں ایک بھی کلبی برسرِحکومت ہو۔ علاوہ ازیں قیس کی قدیمی سکونت کے مقابلے میں قبیلہ کلب کے لوگ شام میں نو وارد تھے۔ غرض قیس اور دوسرے مضری قبائل اس بات کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ کلب نے بنواُمیہ کے ساتھ رشتہ ناطہ کر کے اپنا رسوخ بڑھا لیا ہے اور میدانِ سیاست میں ہم پر سبقت لے گئے ہیں، لہٰذا وہ اموی حکمرانوں کے مخالف بن گئے اور جب معاویہ ثانی کی دست برداری سے شام کا تختِ حکومت خالی ہو گیا تو قبیلۂ قیس نے سعید کلبی کو قنسرین سے نکال دیا اور ان کے سردار ضحاک بن قیس نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور جب اہل حجاز اور دیگر صوبہ جات نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ضحاک اور چند دیگر مضری سردار بھی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کر کے ان کے حامی بن گئے۔

جب جابیہ کے مقام پر بنواُمیہ اور ان کے حامیوں نے مروان بن حکم کو اپنا خلیفہ منتخب کیا تو اس وقت ضحاک اپنے حلیفوں کے ساتھ دمشق کے نزدیک مرج راہط میں مقیم تھا۔ اس لیے مروان

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۸/۳۲۰

Marfat.com

بن حکم قبیلہ کلب، سَکاسِک اور غسان کو لے کر ضحاک کے مقابلے میں بڑھا۔ بیس روز تک فریقین کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوتی رہی! آخر کار قیس اور اس کے حلیفوں نے شکست کھائی اور ضحاک اور اس کے بہت سے طرفدار مارے گئے۔ مرج راہط کے معرکہ سے شام اور فلسطین بنوامیہ کے مخالفین سے خالی ہو گئے اور وہاں ان کی حکومت دوبارہ قائم ہوگئی۔

شام اور فلسطین پر قبضہ کرنے کے بعد مروان نے مصر پر چڑھائی کی۔ اہل مصر نے اس کی خلافت تسلیم کر لی۔ اس طرح مصر کشت وخون کے بغیر مروان کے قبضے میں آ گیا۔ ①

جب مروان نے دیکھا کہ اس کی حکومت مضبوط ہوگئی ہے تو اس نے خالد بن یزید کی ولی عہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے عبدالملک کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔

توّابین ۶۵ھ

توّابین شیعان علی رضی اللہ عنہ کی ایک جماعت تھی جس نے مَرْوان بن حَکَم کے زمانے میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کوفہ میں خروج کیا، ان کا سرکردہ سلیمان بن صُرد تھا۔ یزید بن معاویہ کے زمانے میں جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے قریب پہنچے تھے تو یہ لوگ ان کی کماحقہ امداد کرنے سے قاصر رہے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ان لوگوں کو اپنی کوتاہی پر سخت ندامت ہوئی اور اپنے قصور سے تائب ہو کر اپنا نام توّابین یعنی توبہ کرنے والے رکھا اور قاتلین حسین رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کو اپنے گناہ کا کفارہ قرار دیا۔ مروان کے زمانے میں یہ لوگ کوفہ سے نکلے اور کربلا پہنچ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مشہد پر بہت روئے۔

عبیداللہ بن زیاد ان دنوں الجزیرہ میں تھا۔ جب اسے توّابین کے خروج کی خبر ملی تو اس نے کئی ہزار کا لشکر ان کے مقابلے میں بھیجا۔ فریقین میں سخت جنگ ہوئی جس میں سلیمان بن صُرد اور اس کے بہت سے ساتھی مارے گئے۔ جو لوگ بچے وہ کوفہ بھاگ آئے۔ ②

رمضان سن ۶۵۔ ہجری میں مروان بن حکم نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی مدت حکومت صرف نو ماہ ہے۔ ③

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/ ۵۳۵

② ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۱۵۸

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵/ ۶۱۰

Marfat.com

چوتھا باب

۵۔عبدالملک بن مروان

۶۵ھ تا ۸۶ھ

مروان کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا عبدالملک رمضان سن ۶۵۔ہجری میں دمشق میں تخت نشین ہوا۔عبدالملک سن ۲۶۔ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوا تھا۔جب بڑا ہوا تو اس نے یہاں کے ارباب علم سے استفادہ کیا اور اس کا شمار علماء میں ہونے لگا۔تخت نشینی کے وقت اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔وہ ایک مدبّر،صاحب ہمّت اور مستقل مزاج شخص تھا۔جب اس نے تختِ حکومت پر قدم رکھا تو بنواُمیہ ایک پُرآشوب دور میں سے گزر رہے تھے۔ان کی حکومت صرف شام اور مصر تک محدود تھی۔حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنی علیحدہ خلافت قائم کر رکھی تھی اور اکثر ممالک نے ان کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا تھا۔ان کے برعکس اور جماعتیں بھی ان کی مخالفت پر کمر بستہ تھیں۔عراق میں شیعانِ علی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفداروں کا زور تھا، خوارج بھی ان کے مخالف تھے۔عبدالملک نے استقلال کے ساتھ ان تمام مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا اور ان کو یکے بعد دیگرے زیر کر کے بنواُمیہ کی حکومت کو از سر نو قائم کیا۔ ①

ہم خلیفہ عبدالملک کے بیس سالہ عہد حکومت کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔اس نے پہلے دس سال اپنے مخالفین کو نیچا دکھانے میں صرف کیے اور آخری دس سال سلطنت کو مضبوط بنانے میں۔اس کے حریفوں میں سے سب سے زبردست حریف عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے جنھوں نے حجاز میں امویوں کے مقابلے میں نو سال تک حکومت کی۔چونکہ اکثر لوگوں نے ان کو اپنے وقت کا جائز خلیفہ تسلیم کیا ہے اسی لیے ان کے حالات یہاں ترتیب کے ساتھ ایک جگہ لکھے جاتے ہیں۔

① ابن عساکر، التاریخ: ۸۰/۳۹

Marfat.com

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما

۶۴ھ تا ۷۲ھ

آپ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کی والدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ آپ بڑے پرہیز گار اور حق پرست تھے۔ یزید کی وفات کے بعد جب اموی خاندان میں کوئی ایسا صاحب ہمت شخص نہ رہا جو حکومت سنبھال سکے تو اہل حجاز نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اہل بصرہ اور اہل کوفہ نے بھی اپنے اپنے وفد بھیج کر ان کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ اسی طرح اہل مصر نے بھی ان کی اطاعت اختیار کر لی۔ چنانچہ شام کے سوا تمام عالم اسلامی ان کی خلافت پر متفق ہو گیا۔

شام میں بھی بعض لوگ ان کے حق میں تھے۔ اگر وہ فوراً شام پہنچ جاتے تو وہ ملک بھی بنو اُمیہ کے حامیوں سے پاک ہو جاتا اور اُموی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا، مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما حجاز میں بیٹھے رہے۔ اُنھوں نے ایک اور غلطی یہ کی کہ مروان اور دوسرے لوگوں کو مدینہ سے نکال دیا۔ یہ لوگ شام میں اپنے حامیوں سے جا ملے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ بنو اُمیہ مروان کو اپنا سرکردہ منتخب کر کے اس کے گرد جمع ہو گئے اور اپنے مخالفوں سے مقابلہ کے لیے دوبارہ تیار ہو گئے۔ [1]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو عراق میں مختار ثقفی سے لڑنا پڑا۔ اسلامی تاریخ میں مختار ثقفی کی شخصیت اس لحاظ سے خاصی اہم اور دلچسپ ہے۔ اس کے ہاتھوں بہت سے لوگ جنھوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا، اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

اس موقع پر چند الفاظ اس کے متعلق سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔

---

① ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳۹/۳

Marfat.com

مختار بن ابی عُبید ثقفی

توّابین کی شکست اور ناکامی کے بعد سن ٦٦ ہجری میں کوفہ میں ایک شخص مختار بن ابی عبید جو طائف کے قبیلہ ثقیف سے تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون کے انتقام کے حوالے سے اٹھا۔ اس نے مشہور کیا کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے اس کام پر مامور کیا ہے۔ وہ دراصل ایک چالاک اور دنیا طلب شخص تھا جو اپنی ذاتی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے آلِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی آڑ میں آہستہ آہستہ اپنے پیروؤں کی ایک بڑی جماعت پیدا کر لی جس میں زیادہ تر عراق کے عجمی لوگ شامل تھے۔ اس زمانے میں اہل کوفہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت تسلیم کر رکھی تھی۔ مختار نے سب سے پہلے ان کے والی کو کوفہ سے نکال دیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں کے لوگوں سے اس بات کا عہد لیا کہ کتاب اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کریں گے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لیں گے۔ بعد ازاں تمام عراق اس کے قبضے میں آ گیا۔ کوفہ کے بعض لوگ مختار کی مخالفت میں اُٹھے مگر اس کی جماعت نے اتنا زور پکڑ لیا تھا کہ اس کے مخالفین کی کچھ پیش نہ گئی۔

کوفہ کے جن لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف فوج کشی میں حصہ لیا تھا، مختار نے ان کو چُن چُن کر قتل کر دیا۔ اس طرح عمر بن سعد، شمر اور دوسرے کئی سو آدمی کیفر کردار کو پہنچائے۔ پھر اس نے ابن اشتر کو عبیداللہ بن زیاد کے مقابلے کے لیے بھیجا جو ایک فوج کے ساتھ عراق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سن ٦٧ ہجری کے آغاز میں دریائے زاب کے کنارے دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی۔ ابن زیاد کی فوج نے شکست کھائی اور وہ خود بھی مارا گیا۔ لوگ اس کا سر کاٹ لائے اور مختار کے سامنے اسی دارالامارت میں ڈال دیا، جہاں اس نے چھ سال پیشتر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کی بے ادبی کی تھی۔

جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ مختار بہت زور پکڑ گیا ہے تو اُنھوں نے اپنے بھائی مُصعَب کو بصرہ سے اس کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ مصعب نے مختار کی فوج کو شکست دی اور کوفہ میں داخل ہو کر اُسے قتل کر ڈالا۔ اس طرح سے عراق میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی۔ [1]

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/۱۱، ۴۵

Marfat.com

خوارج

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو مختار کے علاوہ خوارج سے بھی لڑنا پڑا۔ ان کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باہمی اختلاف کے زمانے میں پڑی تھی اور یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنواُمیہ دونوں سے برسرِ پرخاش تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید دونوں کے عہد میں خروج کیا۔ یزید اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی باہمی کشمکش میں اُنھوں نے پہلے پہل حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھ دیا مگر بعد میں ان سے علیحدہ ہوگئے اور ان کے خلاف عراق میں بڑی شورش اٹھائی۔ جب بصرہ خطرہ میں پڑ گیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک تجربہ کار اور لائق جرنیل مُہلب بن ابی صفرہ کو خارجیوں کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ مہلب نے خوارج کو شکست دے کر فارس کی طرف ہٹا دیا مگر ان کا پوری طرح سے استیصال نہ کر سکا۔

خوارج بڑے بہادر، نڈر اور جانباز لوگ تھے۔ جب شکست کھاتے تو عارضی طور پر دَب جاتے تھے مگر مناسب موقعہ پاتے ہی پھر اُٹھ کھڑے ہوتے۔ غرض اُنھوں نے ایران کے مختلف صوبوں میں کئی سال تک ہنگامہ برپا رکھا۔ لوگوں پر بڑے مظالم ڈھائے۔ عورتوں اور بچوں تک کو بے رحمی سے قتل کر دیا۔ جب عبدالملک نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو ان کی مخالفت کا رُخ عبدالملک کی طرف پھر گیا۔ ①

عراق پر عبدالملک کی فوج کشی

جب عبدالملک نے دیکھا کہ شام و مصر میں اس کی حکومت خوب مضبوط ہوگئی ہے تو اس نے قیصرِ روم کے ساتھ صلح کر کے سن ۷۱ ہجری میں اپنے حریف حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف قدم اٹھایا اور مُصعب کے خلاف عراق پر چڑھائی کر دی اور وہاں کے بہت سے لوگوں کو جو مصعب کی حکومت سے بددل تھے، اپنے ساتھ ملا لیا۔ مصعب بن زبیر بھی اپنے دست راست ابن اشتر کو لے کر مقابلے کے لیے نکلے اور بڑی شجاعت سے لڑے، مگر آخرکار شہید ہوگئے۔ عبدالملک کوفہ میں داخل ہوا اور تمام اہل عراق نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ ②

① ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۲۸۱، ۳۴۲

② ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۳۲۳

Marfat.com

مکہ کا محاصرہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنے بھائی مصعب کی موت سے قدرتی طور پر بہت صدمہ ہوا۔ اگرچہ مصعب کے شہید ہونے اور عراق کے ہاتھ سے جانے کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی قوت کمزور پڑ گئی مگر وہ مکہ میں اپنے منصب خلافت پر بدستور سابق قائم رہے۔ اس لیے عبدالملک نے ان کے مقابلے میں سن ۷۳ہجری میں اپنے ایک افسر حجاج بن یوسف کے ماتحت (جو طائف کے قبیلہ ثقیف سے تھا) ایک فوج روانہ کی۔ جب حجاج مکہ کے قریب پہنچا تو اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ اگر آپ ہتھیار ڈال دیں تو عبدالملک کی طرف سے آپ کو امان حاصل ہے، مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس تجویز کو رد کر دیا۔ اس پر حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر لیا اور شہر پر سنگ باری شروع کر دی، جس سے کعبہ شریف کی عمارت کو نقصان پہنچا۔ علاوہ ازیں اس نے رسل و رسائل کے تمام راستے بند کر دیے۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور شہر میں سامان خوراک ختم ہو گیا تو مکہ میں سخت قحط پڑ گیا اور بہت سے لوگ تنگ آ کر حجاج کی پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ صرف چند اشخاص رہ گئے۔ ①

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت کا خاتمہ

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ ان کے اکثر طرفداروں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو وہ اپنی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس مشورہ کے لیے آئے اور ان سے کہا کہ دشمن میرے ساتھ رعایت کرنے کے لیے تیار ہے، بشرطیکہ میں اس کی اطاعت اختیار کر لوں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور جواب دیا کہ اے بیٹا! اگر تو سچائی پر ہے اور آج تک سچائی ہی کے لیے لڑتا رہا ہے تو اب بھی اس سچائی کے لیے لڑو، جس کی خاطر تمھارے ساتھیوں نے گردنیں کٹوائی ہیں۔ لیکن اگر تو دُنیا کی خاطر لڑتا رہا ہے تو تو نے بہت برا کیا۔ خود بھی ہلاک ہوا اور اپنے دوستوں کو بھی ہلاک کر دیا، زندگی چند روزہ ہے، سچائی کے لیے جان دینا بنواُمیہ کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ یہ حوصلہ افزا جواب سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سیدھے میدان جنگ میں

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۱۰۵

Marfat.com

پہنچے۔ دشمنوں پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخرہ سن ۷۳۔ ہجری، سن ۶۹۲۔ عیسوی کا ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۳ سال کی تھی۔ آپ کی خلافت نو سال تک قائم رہی۔ آپ کی شہادت کے بعد تمام اسلامی ممالک نے عبدالملک کی حکومت تسلیم کر لی۔

صرف خوارج فارس کے بعض علاقوں میں اس کے مقابلے میں اَڑے رہے۔ ①

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی سیرت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور اور ممتاز صحابی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ ہجرت کے بعد وہ پہلے لڑکے تھے جو مہاجرین کے ہاں مدینہ میں سن ۲۔ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ②

لڑکپن میں ہی ان میں بزرگی کے آثار ہویدا تھے۔ وہ بڑے پرہیز گار، جری اور بہادر تھے۔ یہ ان کی ذاتی شجاعت اور حق پسندی کا نتیجہ تھا کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے حق میں بیعت لی تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر ان کا جادو نہ چل سکا اور وہ کسی طرح یزید کی جانشینی پر راضی نہ ہوئے اور یزید کے تخت نشین ہونے کے بعد اگر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما حجاز سے نکل کر اپنی خلافت کے استحکام کے لیے دوڑ دھوپ کرتے تو اپنے حریفوں کے مقابلے میں غالباً کامیاب رہتے، مگر اُنھوں نے حرم مکہ کو نہ چھوڑا اور وہ تدابیر اختیار نہ کیں جو میدان سیاست میں ان کو کامیاب بنا سکتی تھیں۔

عامۃ الناس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی داد و دہش کے خوگر ہو چکے تھے، مگر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما محض تالیف قلوب کے لیے اور لوگوں کو اپنے ساتھ لانے کے لیے انعام و اکرام دینا جائز نہ سمجھتے تھے، اس لیے وہ اپنے جان نثار طرفداروں کی کوئی کثیر جماعت پیدا نہ کر سکے اور آخر کار نو سال کی خود مختار حکومت کے بعد اپنے حریفوں کے ہاتھ سے مغلوب ہو گئے۔ ③

① ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۳۵۲

② ابن عبدالبر، الاستیعاب: ۳/ ۳۹

③ ابن الاثیر، اسد الغابہ: ۳/ ۱۶۱

Marfat.com

حجّاج بن یُوسف ثقفی

خلیفہ عبدالملک کے عہد کے صوبیداروں اور سپہ سالاروں میں جس شخص نے سب سے زیادہ ناموری حاصل کی وہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے، اور عبدالملک کی کامیابی بہت حد تک حجاج کی مدبّرانہ سیاست کی مرہُون منت ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ عبدالملک کے عہدِ خلافت کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک فصل اس کے مشیرِ خاص اور دستِ راست یعنی حجاج بن یوسف کے لیے وقف کی جائے جس نے عراق پر تقریباً بیس برس تک حکومت کی۔

عراق کے اہم ترین شہر یعنی بصرہ اور کوفہ ایک مدت سے بنواُمیہ کی مخالفت کا مرکز چلے آرہے تھے ، اور وہاں کے باسی بنی اُمیہ اور ان کے عاملوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حجاج نے اموی خاندان کی جو سب سے بڑی خدمت سرانجام دی وہ یہی تھی کہ اس نے عراق کے لوگوں کو اموی حکومت کا مطیع بنایا۔ مگر اہل عراق کو بنی اُمیہ کا تابع بنانا کوئی آسان بات نہ تھی۔ اہل عراق ایک عرصہ سے سرکشی اور شورش پسندی کے عادی چلے آرہے تھے اس لیے عراق کے لوگوں کو مطیع اور پرامن بنانے کے لیے حجاج کو انتہائی درجہ کی سختی سے کام لینا پڑا، اس نے ہزاروں باغیوں کو قتل کیا۔

ہزاروں شورش پسندوں کو قید کیا۔ حجاج کی اس سختی سے ملک میں اموی حکومت تو قائم ہوگئی مگر حجاج اپنی سخت گیری کی وجہ سے بہت بدنام ہوگیا۔ اس کے مخالفین نے اسے ظالم اور سفاک کہا اور اسے بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے افسانے اور قصے تراشے۔ چونکہ حجاج اپنے دشمنوں کے حق میں بڑا سفاک اور خونریز تھا اس لیے اس کی سفاکی اور خون آشامی کی توجیہ کے لیے ایک فتنہ یہ تراشا گیا کہ بچپن میں حجاج نے اپنی ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا اسے تین دن تک بھیڑیے کا خون پلایا گیا۔ چوتھے روز اس نے تنگ آکر خود بخود عورت کا دودھ پینا شروع کر دیا۔ ①

بعض لوگوں نے اس قسم کے بے سروپا افسانوں کو تاریخ سمجھ کر اپنی کتابوں میں داخل کر لیا ہے۔

---

① المسعودی، مروج الذہب: ۱۵۱/۳

Marfat.com

حجاج کے ابتدائی حالات

حجاج قبیلہ ثقیف سے تھا، اسی لیے وہ ثقفی کہلاتا ہے۔ وہ سن ۴۱ھ۔ ہجری کے قریب شہر طائف میں پیدا ہوا۔ ابتداء میں وہ کسی مدرسہ میں مدرّس تھا[۱] مگر بعد ازاں اپنی خداداد لیاقت سے ترقی کرتے کرتے اموی خاندان کا سب سے مشہور اور زبردست سیاستدان بن گیا۔ جس زمانے میں عبدالملک عراق کی تسخیر میں مصروف تھا، اسی کے قریب حجاج اس کی ملازمت میں داخل ہوا۔ خلیفہ نے سب سے پہلی اہم خدمت اس کے سپرد یہ کی کہ وہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلے پر نکلے۔ حجاج نے اس مہم کو بڑی کامیابی سے سرانجام دیا اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا خاتمہ کر کے حجاز کو عبدالملک کا مطیع بنایا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد عبدالملک نے اسے حجاز کا حاکم بنا دیا۔[۲] اور دو سال بعد اسے عراق کی طرف منتقل کر کے وہاں کا والی مقرر کر دیا[۳] کیونکہ وہاں ایک زبردست حاکم کی ضرورت تھی۔

حجاج کا داخلہ عراق میں

ان ایام میں خوارج کے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی تھی اور بنی اُمیہ کی فوجیں مُہلب بن ابی صفرہ کی سرکردگی میں ان کے ساتھ برسرپیکار تھیں، مگر مشکل یہ تھی کہ بصرہ اور کوفہ کے جو لوگ فوجی خدمت کے لیے گئے ہوئے تھے، وہ میدان جنگ چھوڑ کر گھروں کو واپس آرہے تھے۔ یہ صورت حالات دیکھ کر مہلب نے خلیفہ عبدالملک کو لکھا کہ مجھے جلد از جلد کُمک بھیجی جائے یا اس مہم سے دستبردار کیا جائے۔

خلیفہ عبدالملک نے سوچا کہ ایسے موقع پر عراق کی ولایت کے لیے ایک سخت گیر حاکم کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے پیش نظر حجاج سے بہتر کوئی شخص نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس نے اسے حجاز سے منتقل کر کے عراق بھیج دیا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ جب حجاج کوفہ پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرادی۔ چنانچہ تمام لوگ جامع مسجد میں جمع ہوگئے۔ اہل شہر کو حجاج کے تقرر کا علم نہ تھا اور نہ

---

۱ دینوری، المعارف، ص: ۱۷۳

۲ دینوری، المعارف، ص: ۱۷۳

۳ ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۳۷۴

Marfat.com

ہی وہ اسے پہچانتے تھے۔ اُنھوں نے پہلے اس سے گستاخی کا ارادہ کیا، بلکہ بعض لوگ اس پر پھینکنے کے لیے سنگ ریزے لائے تھے، مگر جب انھیں معلوم ہوا کہ حجاج منبر پر خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی ہیبت سے لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور سنگریزے ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے، حجاج کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔

تم ایک مدت سے فتنہ و فساد کے بستر پر لوٹتے اور تفرقہ پردازی کی خواب گاہ میں سوتے رہے ہو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمھاری آنکھوں کو کھول دوں اور تمھیں بتاؤں کہ کون سا راستہ صحیح ہے۔ تمھاری مثال اس بستی والوں کی ہے جو قرآن میں بیان کی گئی ہے کہ وہ اطمینان کے ساتھ رہتے تھے اور ہر طرف سے ان کی روزی چلی آتی تھی، مگر اُنھوں نے خدا کی ناشکری کی، اس لیے ان پر بھوک اور خوف کا عذاب مسلّط کر دیا گیا۔

امیر المؤمنین نے اپنے تمام تیروں کو دیکھا۔ ان میں سے جو سب سے زیادہ سخت اور جگر دوز تھا، اس کو تمام پر چلایا، دیکھو میں وہی تیر ہوں۔ میں تمھیں سب شرارتیں بھلا دوں گا اور تمھارے سب بَل نکال دوں گا۔ امیر المؤمنین نے حکم دیا ہے کہ تمھاری تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں گی اور تم لوگ مُہلب کے پاس خوارج کے مقابلہ میں پہنچ جاؤ۔ تنخواہ کی تقسیم کے چوتھے روز اگر کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا تو اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ جو کچھ میں زبان سے کہتا ہوں اس کو پورا کر کے چھوڑوں گا۔

اس دہشت انگیز تقریر نے اہل کوفہ کو خائف کر دیا۔ اُنھوں نے اپنا سامان درست کیا اور مہلب کے پاس روانہ ہو گئے اور تین دن کے اندر کوفہ خالی ہو گیا۔ ①

اس کے بعد حجاج بصرہ آیا اور وہیں بھی ایسی ہی لرزہ خیز تقریر کی اور لوگوں کو بہت ڈرایا اور دھمکایا۔ کوفہ اور بصرہ دونوں فوجی چھاؤنیاں تھیں اور یہاں کے لوگ فوجی خدمت کے عوض سرکاری خزانہ سے تنخواہیں پاتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی مصعب نے اپنے زمانے میں ان کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا تھا، مگر حجاج نے پھر کمی کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن جارود نامی ایک شخص نے اس تخفیف کے خلاف آواز اٹھائی اور بہت سے اور لوگ بھی اس کے ہمنوا بن گئے اور

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۰۲/۶

Marfat.com

حجاج کے خلاف فتنہ وفساد برپا کر دیا۔ ابن جارود نے حملہ کر کے حجاج کا خیمہ لوٹ لیا اور اس کے ساتھ جنگ کی، مگر اچانک اس کو تیر آ لگا اور وہ مارا گیا۔ اس پر اس کے ساتھیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ تتر بتر ہو گئے، حجاج نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور بصرہ میں امن بحال ہو گیا۔ ①

خارجیوں کی بغاوت

جب بصرہ اور کوفہ میں امن قائم ہو گیا اور وہاں کے لوگ اموی حکومت کے مطیع ہو گئے تو حجاج مُہلب کی امداد کے لیے وقتاً فوقتاً عراقیوں کی آزمودہ کار فوج بھیجتا رہا۔ مہلب خارجیوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھا جو انتہائی درجہ کے جانباز اور سرفروش واقع ہوئے تھے۔ ان کا ایک ایک فرد سینکڑوں بہادروں پر بھاری تھا۔ ان کو زیر کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مگر مہلب ان کے مقابلے میں بڑے استقلال کے ساتھ ڈٹا رہا اور آخر کار ان کو مغلوب کرنے میں کامیاب رہا اور ان کو منتشر کر کے ملک کو ان کے فتنہ سے نجات دلائی۔ حجاج نے اس کارگزاری کے صلہ میں مہلب کو خراسان کا حاکم بنا دیا۔ ② مہلب نے سن ۸۲ ہجری میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یزید اس کا جانشین بنا۔ ③

ابن اشعث کی بغاوت

حجاج کے زمانے میں عربوں نے کئی بار سیستان کے علاقے میں پیش قدمی کی اور وہاں کے بادشاہ رتبیل کے ساتھ جنگ کی مگر ہر بار زک اٹھائی۔ حجاج نے آخر کار آزمودہ کار جرنیل عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کو اس مہم پر مقرر کیا۔ ابن اشعث نے بڑی احتیاط کے ساتھ پیش قدمی کی۔ وہ جس شہر یا علاقے کو فتح کرتا، اس کا پورا پورا بندوبست کر کے آگے بڑھتا تھا۔ جب بہت سے مقامات فتح کر چکا تو اس نے فیصلہ کیا کہ ہم آئندہ سال تازہ دم ہو کر آگے بڑھیں گے۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۸۰/۴

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۱۹/۶

③ ابن الاثیر، الکامل: ۴۷۵/۴

Marfat.com

حجاج نے اس کو لکھا کہ یہ فیصلہ تمھاری کمزوری اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ تم کو چاہیے کہ رتبیل کے قلعوں کو فتح کر کے مسمار کر دو اور اس کے ملک پر قبضہ کر کے اس کو قرار واقعی سزا دو۔ ورنہ فوج کی کمان چھوڑ دو۔ جب ابن اشعث کے پاس یہ فرمان پہنچا تو اس نے فوج کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے لشکر کشی ایک سال کے لیے اس خیال سے ملتوی کر دی تھی کہ تم تازہ دم ہو جاؤ، لیکن حجاج چاہتا ہے کہ سیستان فوراً تسخیر کیا جائے۔ اگر ہم نے جلد بازی کی تو ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو ہمارے پیشرو لوگوں کا ہو چکا ہے۔ اہل فوج حجاج کی سختیوں سے پہلے ہی تنگ آ چکے تھے۔ اُنھوں نے ابن اشعث کو اپنا امیر تسلیم کر کے حجاج کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہ واقعہ سن ۸۰ ہجری کا ہے۔ ①

ابن اشعث نے رتبیل کے ساتھ صلح کر لی اور حجاج کے مقابلہ کے لیے عراق کی طرف روانہ ہو گیا۔ خلیفہ عبدالملک کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے حجاج کی امداد کے لیے شام سے فوج روانہ کی۔ حجاج ابن اشعث کو روکنے کے لیے نکلا مگر اس نے شکست کھائی اور بھاگ کر بصرہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ اہل بصرہ پہلے ہی حجاج کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ جب ابن اشعث حجاج کے تعاقب میں بصرہ پہنچا تو اہل شہر فوراً اس کے ساتھ ہو گئے اور حجاج کو بصرہ چھوڑ کر زاویہ کے مقام پر ڈیرے ڈالنے پڑے۔ ②

زاویہ کے قریب فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں آخر کار شامی غالب آئے اور ابن اشعث شکست کھا کر کوفہ چلا گیا۔ حجاج نے اس کا تعاقب کیا اور ابن اشعث کو دوبارہ شکست دی۔ اس پر ابن اشعث سیستان کی طرف چلا گیا اور رتبیل کے پاس پہنچا۔ رتبیل نے حجاج کی متواتر دھمکیوں سے خوف کھا کر اسے گرفتار کر کے کوفہ کی طرف روانہ کر دیا۔

مگر وہ جوانمرد راستہ ہی میں خودکشی کر کے حجاج کی دار و گیر سے آزاد ہو گیا۔ ③

ابن اشعث کی بغاوت ایک شخص واحد کی بغاوت نہیں تھی بلکہ وہ دراصل اہل عراق کی جنگ آزادی تھی مگر وہ اپنے مقصد میں یعنی اپنی گردن میں سے بنو اُمیہ کی حکومت کا طوق اتارنے میں

① البدایۃ والنہایۃ: ۱۷۸/۹

② النویری، نہایۃ الارب: ۱۴۵/۲۱

③ ابن الاثیر، الکامل: ۴۶۷/۴

Marfat.com

ناکام رہے۔اس جنگ میں جو کئی سال تک جاری رہی اہل عراق کا بہت سا جانی اور مالی نقصان ہوا۔

واسِط کا آباد ہونا

اہل بصرہ اور کوفہ کی مسلسل سرکشی سے تنگ آ کر حجاج نے سن ۸۳ ۔ہجری میں شامی فوجوں کے قیام کے لیے ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام واسِط رکھا۔ کیونکہ یہ مقام کوفہ، بصرہ، مدائن اور اہواز کے درمیان واقع تھا۔ اموی حکومت کا دارومدار شامی فوجوں پر تھا اس لیے حجاج نے بھی وہیں قیام اختیار کیا۔ یہ جدید شہر دریائے دِجلہ اور فُرات کے درمیان ایک شاداب میدان میں آباد ہوا اور مدت تک ایک بھاری چھاؤنی کی حیثیت سے قائم رہا۔ [①]

خلیفہ عبدالملک کی وفات سن ۸۶ ۔ہجری کے بعد اس کا بیٹا ولید تخت حکومت پر بیٹھا، وہ بھی حجاج کا احترام کرتا تھا [②] اور اُمور سلطنت میں اس سے مشورہ لیتا تھا۔حجاج نے ولید کے عہد میں محمد بن قاسم کو فتح سندھ کے لیے بھیجا۔ [③] جیسا کہ آئندہ صفحات میں ولید کے بیان میں مذکور ہوگا۔حجاج نے [مرض سرطان سے] وفات پائی۔ [④]

حجاج کی سیرت

حجاج بن یوسف ثقفی نے عراق کے ملک پر تقریباً بیس سال تک حکومت کی ۔ وہ اموی حکمرانوں کا ایک معمولی صوبیدار نہیں تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک نائب السلطنت کی تھی ۔ وہ ایک ایسا ستون تھا جس کے بغیر اموی حکومت کی عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی تھی ۔ جس وقت اس نے عراق کی ولایت سنبھالی، وہاں کے لوگ اموی حکومت سے سخت متنفر تھے اور اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

لہٰذا ان کو مطیع بنانے کے لیے حجاج کو بڑی سختی کرنی پڑی اور ہزاروں لوگوں کا خون بہانا پڑا۔ اس طریق سے وہ عراق میں امویوں کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا، جس کی

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۳۴۷/۵

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۱۹/۹، ۲۳۴

③ النویری، نہایۃ الارب: ۱۸۴/۲۱

④ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۹۳۲/۷

Marfat.com

تفصیل گزر چکی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنی خونریزی کے لیے ایسا بدنام ہوا کہ اس کی جفا کاری اور سفا کی ضرب المثل بن گئی اور تاریخ کی کتابوں میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگئی۔

سختی کے ساتھ حجاج میں کچھ خوبیاں بھی تھیں۔ مثلاً وہ ایک فصیح و بلیغ مقرر بھی تھا، جس کے خطبے عربی بلاغت کا عمدہ نمونہ سمجھے جاتے تھے اور ادب کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں۔ حجاج قرآن کا اچھا قاری تھا۔ چنانچہ قرآن پاک کی عبارت پر نقطے اس کی تجویز اور تحریک پر لگائے گئے تا کہ ہمشکل حروف میں تمیز ہو سکے۔ ①

اب ہم خلیفہ عبدالملک کے عہد حکومت کے دیگر اہم واقعات بیان کرتے ہیں۔

عبدالملک کی فتوحات اور اصلاحات

افریقہ کی جنگیں

جیسا کہ اُوپر بیان ہوا کہ یزید کے عہدِ حکومت ہی میں بربروں نے بغاوت کر کے عقبہ بن نافع اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا تھا اور برقہ سے پرے تمام مقبوضات عربوں کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس حادثہ کے بعد عرب حکمران خانہ جنگی کی وجہ سے کئی سال تک افریقی مقبوضات کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ جب عبدالملک نے دوبارہ اموی حکومت کو مستحکم کیا تو اس نے سن ۶۹ ہجری میں زہیر بن قیس کو قوت دے کر افریقہ کی طرف روانہ کیا۔ زہیر نے قیروان پر دوبارہ قبضہ کر کے کُسیلہ کو شکست دی اور اسے قتل کر ڈالا۔ اسی اثناء میں رومیوں نے بَرقہ پر حملہ کیا۔ زہیر ان کے مقابلے کے لیے آگے بڑھا اور شکست کھا کر مارا گیا۔ ②

جب عبدالملک نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مخالفت سے فرصت پائی تو اس نے حسان بن نعمان کو سن ۷۴ ہجری میں ایک کثیر فوج کے ساتھ بربروں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ کُسیلہ کی

① ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۳۲/۲

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۰۸/۴

Marfat.com

شکست کے بعد بربری قبائل ایک ملکہ کے جھنڈے تلے جمع ہوئے جو عربوں کے ہاں کاہنہ کے لقب سے مشہور تھی، رومی بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ بربری اور رومی فوجوں نے مل کر حسان کو شکست دی اور وہ بَرقہ کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہوگئے۔ آخر چار سال بعد اس نے کاہنہ کے خلاف دوبارہ پیش قدمی کی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اسے شکست دی، کاہنہ ماری گئی اور اس کے قتل ہونے کے بعد بہت سے بربری قبیلے مسلمان ہوگئے۔ حسان نے اس کے ایک لڑکے کی جان بخشی کر کے اُسے نومسلم بربروں کی فوج کا افسر مقرر کیا۔

علاوہ ازیں اس نے بربروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کیے اور ان کے ساتھ مل کر رومیوں کو تمام ساحلی مقامات سے نکال دیا۔ نیز ان کی مدد سے مغرب کے ان بربری قبائل کے خلاف قدم بڑھایا جو ابھی تک خودمختار چلے آتے تھے۔

حسان کی اس حکمت عملی سے عربوں کی حکومت شمالی افریقہ میں مستحکم ہوگئی۔ [1]

رومیوں کے ساتھ جنگیں

جب قیصرِ روم نے دیکھا کہ خانہ جنگی نے عربوں کو کمزور کر دیا ہے تو اس نے آرمینیہ پر قبضہ کر لیا اور سن ۷۰ ہجری میں شام پر بھی چڑھائی کر دی۔ عبدالملک میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے اس نے قیصر روم کے ساتھ دس سال کے لیے چند شرائط پر صلح کر لی اور اسے ایک ہزار دینار فی ہفتہ خراج دینا منظور کر لیا۔ [2] مگر تین سال کے بعد قیصر روم نے معاہدہ صلح توڑ کر شام پر حملہ کر دیا، اس فوج میں صَقالبہ بھی تھے۔ عبدالملک اب اپنے حریف ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے فارغ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی محمد بن مروان کو رومیوں کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ پہلے پہل رومیوں کو غلبہ حاصل رہا مگر جب (SLAVS) صقالبہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تو اُنھوں نے شکست کھائی، آرمینیہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ آئندہ سال محمد بن مروان نے صقالبہ کے ہمراہ رومی علاقے پر چڑھائی کی اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کر لے آیا۔ [3] رومیوں نے شام پر ایک بار پھر فوج کشی کی مگر شکست کھائی۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۶۹/۴
② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۵۰/۶
③ ابن الاثیر، الکامل: ۳۶۱/۴

Marfat.com

عبدالملک کی اصلاحات

عبدالملک نے اپنے عہدِ حکومت میں بہت سی اصلاحات جاری کیں۔ اولاً عربی زبان کو دفتری زبان قرار دیا۔ عرب لوگ اب تک ملکی فتوحات میں مصروف رہے تھے اور انھیں حساب کتاب اور ملکی کاروبار کی جزئیات سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے شام کے سرکاری دفاتر یونانی زبان میں اور عراق کے پہلوی زبان میں چلے آ رہے تھے۔ نیز دفتری کاروبار بیشتر ملکی باشندوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ عبدالملک نے حکم دیا کہ یہ تمام دفاتر عربی زبان میں منتقل کیے جائیں۔ جب عربی زبان کی اشاعت سے اس کا استعمال بڑھا تو یہ بات محسوس ہوئی کہ اس کا رسم الخط اس لحاظ سے ناقص ہے کہ حروف پر نقطے نہیں۔ چنانچہ جو حروف ایک دوسرے سے مشابہ تھے ان کے تلفظ میں غلطی کا احتمال تھا۔ لہٰذا ایسے ہمشکل حروف مثلاً ب ت ث کے اختلاف مخرج کے امتیاز کے لیے ان پر نقطے ڈالے گئے۔ ان اصلاحات سے عربی رسم الخط بہتر ہو گیا اور عجمیوں کے لیے قرآن شریف کا پڑھنا آسان ہو گیا اور مختلف قسم کے اغلاط کا سدباب ہو کر دینی اور دنیوی علوم کی ترقی کے لیے راستہ کھل گیا۔

عبدالملک کے عہد تک حجاز، شام اور مصر میں رومی سکے رائج رہے اور عراق میں ایرانی سکے۔ اس سے پیشتر اسلامی سلطنت میں سونے اور چاندی کے جو سکے مضروب ہوئے تھے، وہ بالعموم رومی اور ایرانی سکوں کی نقل تھے۔ عبدالملک نے سب سے پہلے سن ۷۶۔ ہجری، ۶۹۵۔ عیسوی میں دمشق میں سونے اور چاندی کے خالص سکے بنائے تھے اور ان پر قرآنی آیات لکھیں۔ ①

طلائی سکے کو دینار اور چاندی کے سکے کو درہم کہتے تھے۔ تانبے کے سکے کو فِلس کہتے تھے۔

اگرچہ سرکاری مراسلات کی ترسیل کے لیے ڈاک کا انتظام پہلے خلفاء کے عہد میں بھی کم و بیش موجود تھا مگر خلیفہ عبدالملک نے اس محکمہ کی تنظیم پر خاص توجہ دی اور اسلامی سلطنت کے تمام حصوں میں گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر دارالخلافہ دمشق کو سلطنت کے تمام اہم مرکزوں کے ساتھ ملا دیا۔ ڈاک کو عربی زبان میں بَرِید کہتے ہیں اور محکمہ ڈاک کے افسر کو صاحب البرید۔ سرکاری

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۵۶/۶

Marfat.com

مراسلات بھیجنے کے علاوہ صاحب البرید کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اپنے علاقے کے تمام اہم واقعات کے متعلق خلیفہ کو براہِ راست خفیہ رپورٹ بھیجتا رہے۔ ①

عبدالملک نے سن ٨٦۔ہجری، ۷۰۵ عیسوی میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔اس کی کل مدتِ حکومت اکیس برس ہے۔ ②

❀❀❀

① المسعودی، مروج الذہب: ۱۹٦/۳

② ابن سعد، الطبقات الکبری: ۱۷٦/۵

Marfat.com

پانچواں باب

۶۔خلیفہ ولید

۸۶ھ تا ۹۶ھ = ۷۰۵ء تا ۷۱۵ء

ولید بن عبدالملک

عبدالملک نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے ولید کو جانشین مقرر کر کے اس کے حق میں لوگوں سے بیعت لے رکھی تھی۔ چنانچہ اپنے والد کی وفات کے بعد ولید سن ۸۶۔ہجری، ۷۰۵۔عیسوی میں ۳۶ سال کی عمر میں مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ [1]

ولید کے عہد حکومت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑا وسیع ہوا۔اُندلس، ہندوستان، بلادِ روم اور ترکی کے علاقوں پر اسلامی پرچم لہرائے۔ولید نے اپنے باپ کی طرح حجاج بن یوسف پر پورا اعتماد رکھتے ہوئے اسے بدستور عراق کی گورنری پر بحال رکھا مگر اس نے حجاز کی حکومت اپنے چچیرے بھائی عمر بن عبدالعزیز کے سپرد کر دی۔ یزید اور عبدالملک کے زمانے میں مدینہ منورہ کو جنگ وجدال کی وجہ سے جو نقصان پہنچا تھا، عمر بن عبدالعزیز نے اس کی تلافی کی کوشش کی۔

مسجد نبوی کو وسعت دی اور اس کی آراستگی میں بڑا روپیہ صرف کیا۔

خلیفہ ولید کی ہدایات کے مطابق خانہ کعبہ کو جانے والی سڑکوں کو درست کیا، کنویں کھدوائے۔غرض عمر بن عبدالعزیز کے عدل وانصاف سے حجاز کو ایسی خوشحالی نصیب ہوئی کہ وہاں کا امن وامان دیکھ کر عراق کے بہت سے لوگوں نے حجاج کے ظلم وستم سے تنگ آ کر وہاں پناہ لی۔حجاج کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس نے خلیفہ ولید پر دباؤ ڈال کر عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کی حکومت سے برطرف کرادیا۔ [2]

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۵۱۳، ۵۲۲

② ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۵۷۷

Marfat.com

مُہلب کی وفات کے بعد خراسان کی حکومت اس کے بیٹے یزید کے پاس تھی ۔ حجاج نے یزید بن مہلب سے ناراض ہو کر اس پر مال خَراج میں خیانت کرنے کا الزام لگایا اور اسے خُراسان کی حکومت سے برطرف کر کے قُتیبہ بن مسلم کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ ①

فتح تُرکستان

قُتیبہ بن مسلم ایک باتدبیر حاکم اور لائق جرنیل تھا۔اس نے شہر مرو کو اپنا مرکز بنایا اور دریائے جَیحُون کے پار کے ملک پر جس کو عرب لوگ ماوراء النہر کہتے تھے، ہر سال حملے کرنے شروع کیے۔ اس کی فوج کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تھی، جس میں عربوں کے علاوہ ایرانی سپاہی بھی شامل تھے۔ اس سے پیشتر بھی عرب ماوراء النہر پر فوج کشی کر چکے تھے اور بعض علاقوں کے حکمرانوں کو باجگزار بنا چکے تھے۔مگر وہاں کے لوگ بڑے طاقتور تھے اور ان کا فوجی جذبہ زوروں پر تھا۔ جب عرب خانہ جنگی میں مصروف ہو گئے اور ان کی مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی تو وہ خود مختار بن بیٹھے اور اُنھوں نے خراج دینا بند کر دیا۔ جب عبدالملک بنواُمیّہ کے تمام مخالفین کو زیر کر چکا اور ولید کے عہد میں اموی حکومت از سرِ نو مستحکم ہو گئی تو بیرونی فتوحات کے لیے سازگار حالات پیدا ہو گئے، چنانچہ قتیبہ نے ماوراء النہر پر فوج کشی کر دی۔

قتیبہ نے سب سے پہلے طخارستان کے علاقہ پر چڑھائی کی، جو دریائے جیحون کے جنوب میں واقع ہے اور وہاں کے پایہ تخت بَلخ کو فتح کر لیا۔ پھر دریائے جیحون پار کر کے ماوراء النہر میں قدم رکھا۔ یہ ملک اس وقت مختلف حکمرانوں میں بٹا ہوا تھا۔اس کی باہمی مخالفت سے فائدہ اٹھا کر چغانیاں اور شُوماں کے علاقوں کو لے لیا اور سن ۸۷ ۔ہجری میں بخارا کے ملحقہ علاقے میں شہر بیکَند پر چڑھائی کی ۔ یہ شہر تجارت کا مرکز تھا اور یہاں کے لوگ بڑے دولت مند تھے، اہل شہر قلعہ بند ہو گئے ۔قتیبہ نے محاصرہ کر کے شہر کو بزور شمشیر فتح کر لیا اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ ②

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/ ۴۲۴

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/ ۴۲۴، ۴۲۹

Marfat.com

اس کے بعد سن ۸۸۔ہجری میں خاص بخارا پر چڑھائی کی۔ یہاں کے فرمانروا نے مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر اطاعت کرنے پر مجبور ہوا۔قتیبہ نے بخارا میں عربوں کی ایک نوآبادی قائم کردی اور آس پاس کے علاقے کو جس کو سُغد کہتے تھے، تسخیر کر لیا۔ ①

اس علاقے کا دوسرا اہم شہر سمرقند تھا۔قتیبہ سے بھی اپنے قبضہ میں لے آیا اور پھر خوارزم پر چڑھائی کر کے اسے بھی فتح کر لیا۔سُغد اور خوارزم کی فتح سے فارغ ہو کر قتیبہ نے دریائے سیحون کو پار کیا اور شاش (تاشقند) کو تسخیر کیا۔ پھر مشرق کی طرف فرغانہ کی طرف بڑھا اور خجندہ اور دیگر متعدد شہر فتح کرتے ہوئے کاشغر اور حدود چین تک جا پہنچا۔ ②

عربوں نے مقامی حکمرانوں کو اپنے اپنے علاقے میں بحال رکھا اور ملک کا اندرونی انتظام ان ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیا، مگر تحصیل خراج اور فوجی انتظام کے لیے اپنے نائب مقرر کر دیے اور اپنی حکومت کے استحکام کے لیے بخارا، سمرقند اور خوارزم میں عربوں کی مستقل آبادیاں قائم کر دیں۔ ماوراء النہر میں آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا گیا اور وہاں کے شہر اسلامی تمدن اور اسلامی علوم و فنون کے مرکز بن گئے۔ان شہروں سے بڑے بڑے عالم اور فاضل اُٹھے، جن کی شہرت کا آوازہ تمام دُنیا میں بلند ہوا۔

فتح سندھ

سندھ کے بحری قزاقوں نے عربوں کے چند جہاز لوٹ لیے تھے۔ چونکہ سندھ کا ہندو راجہ اس نقصان کی تلافی کرنے سے قاصر رہا، اس لیے سن ۸۹۔ہجری، ۷۰۸۔عیسوی میں حجاج بن یوسف نے اپنے چچیرے بھائی محمد بن قاسم کو بارہ ہزار فوج اور دیگر ساز و سامان کے ساتھ سندھ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔محمد بن قاسم کی عمر اس وقت صرف سترہ ۱۷ سال کی تھی۔اس نے سندھ کی حدود میں داخل ہو کر دیبل کا محاصرہ کر لیا جو سمندر کے کنارے ایک بندرگاہ تھا اور شہر پر سنگباری شروع کر دی، محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا۔آخر کار عربوں نے شہر پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا اور راجہ

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۳۹/۹

② النویری، نہایۃ الارب: ۱۸۲،۱۸۰/۲۱

Marfat.com

داہر کا نائب شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔

محمد بن قاسم وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت کو آباد کر کے آگے بڑھا۔ ①

راجہ داہر اس وقت بہمن آباد میں مقیم تھا۔ محمد بن قاسم دریائے سندھ کو پار کر کے اس کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ راوَر کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ راجہ داہر کے ساتھ پچاس ہزار سوار تھے اور اس کی فوج میں بہت سے ہاتھی بھی تھے۔ راجہ داہر بڑی بہادری سے لڑا مگر آخر مارا گیا اور اس کی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی۔ راور کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے بہمن آباد پر قبضہ کر لیا اور مفتوحہ مقامات میں اپنے نائب مقرر کر کے شمال کا رُخ کیا اور بہت سے شہر اور قلعے فتح کرتا ہوا ملتان تک جا پہنچا۔ سات دن کے محاصرہ کے بعد وہاں کا حاکم بھاگ گیا اور اہل شہر نے سن ۹۳ ہجری، ۷۱۲ عیسوی میں محمد بن قاسم کی اطاعت اختیار کر لی۔ یہاں ہندوؤں کا ایک بڑا مذہبی مندر تھا، وہاں سے عربوں کو بیشمار دولت ہاتھ آئی۔ فتح ملتان کے بعد محمد بن قاسم نے کچھ متفرق مقامات کے فرمانرواؤں کو زیر کیا۔ اسی اثناء میں خبر پہنچی کہ خلیفہ ولید نے انتقال کیا۔

اس سے عربوں کی مزید پیش قدمی رُک گئی۔ ②

محمد بن قاسم نے صرف قلعہ میں بند لوگوں اور مسلح لشکریوں کے ساتھ جنگ و جدال کیا۔ جن مقامات کے باشندوں نے مصالحت کر کے اطاعت اختیار کر لی، ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا۔ رعایا کی عبادت گاہوں کو عام طور پر بدستور قائم رہنے دیا اور مذہب کے معاملے میں ان کو پوری آزادی دی۔ اندرونی معاملات میں وہاں کے لوگ خود مختار تھے۔ چنانچہ وہ اپنے باہمی لڑائی جھگڑے پنچایت کے ذریعے طے کر لیتے تھے۔ پہلے حکمرانوں کے ظلم و تشدد کے مقابلے میں محمد بن قاسم کی حکومت عادلانہ تھی۔ اس لیے رعایا کے درمیان اسے بڑی ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔

کئی مقامات پر عربوں نے چھاؤنیاں اور نو آبادیاں قائم کر لیں اور بعض نے مقامی عورتوں کے ساتھ شادیاں بھی کر لیں۔

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۵۳۷

② النویری، نہایۃ الارب: ۲۱/ ۱۸۴، ۱۸۷

Marfat.com

ہند میں عربوں کی فتوحات سندھ تک محدود رہیں، چونکہ سندھ کا ملک سلطنت عرب کے سیاسی مرکز سے بہت دُور تھا، اس لیے وہاں ان کا تسلّط کمزور ہی رہا اور جب ان کا عہد حکومت ختم ہوا تو وہاں ان کے کوئی پائیدار تمدنی آثار باقی نہ رہے۔ ہندوستان کے دیگر حصوں میں اسلامی حکومت بعد میں ترکوں اور افغانوں کی قوت بازو سے قائم ہوگئی۔

شمالی افریقہ

خلیفہ ولید نے افریقہ کو مصر سے علیحدہ کر کے ایک مستقل صوبہ کی حیثیت دی، جس کا صدر مقام قیروان تھا۔ حسان بن نعمان کے بعد موسیٰ بن نصیر کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ موسیٰ بن نصیر نے حسان بن نعمان کی حکمت عملی کو جاری رکھا اور بربروں کے ساتھ مصالحت کر کے ان کی بیگانگی کو دور کیا اور آئندہ فتوحات میں ان کو اپنا شریک کار بنایا۔ بربروں کے درمیان مذہب اسلام اور عربی زبان کی اشاعت سے دونوں قوموں کی مغائرت دور ہوگئی اور ان کے باہمی نسلی اختلاط نے ان میں اور بھی یکسائی اور یک جہتی پیدا کر دی۔ غرض بربر لوگ رفتہ رفتہ عربوں کے دست و بازو بن گئے اور اسلامی سلطنت کا جزو قرار پائے۔ اس سے افریقہ میں اسلام کو ازبس تقویت حاصل ہوئی اور بربروں کے تعاون سے عربوں کا قدم افریقہ سے گزر کر یورپ کی سرزمین تک جا پہنچا۔ ①

فتح اندلس

آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں سپین کا ملک جس کو عربی مؤرخین اَندُلس لکھتے ہیں، قُوطی (GOTHIC) خاندان کے زیر حکومت تھا۔ ملک سرسبز اور شاداب تھا مگر وہاں کی سیاسی اور معاشی حالت اچھی نہ تھی۔ حکام عیش پرست تھے، عیسائی کلیسا اُمور سلطنت میں حد سے زیادہ دخیل تھا۔ قوانین حکومت جابرانہ اور غیر منصفانہ تھے اور سلطنت کے محاصل کا بار زیادہ تر کسانوں، دستکاروں اور رعایا کے دیگر نچلے طبقوں پر تھا۔ عام لوگ امیروں، جاگیرداروں کے مظالم سے نالاں تھے، صنعت و حرفت برائے نام تھی، تجارت کا بازار سرد تھا۔ ملک میں کچھ یہودی بھی آباد تھے مگر ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ غرضیکہ رعایا میں ایک عام بے چینی تھی اور ان کے

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۳۹/۴

Marfat.com

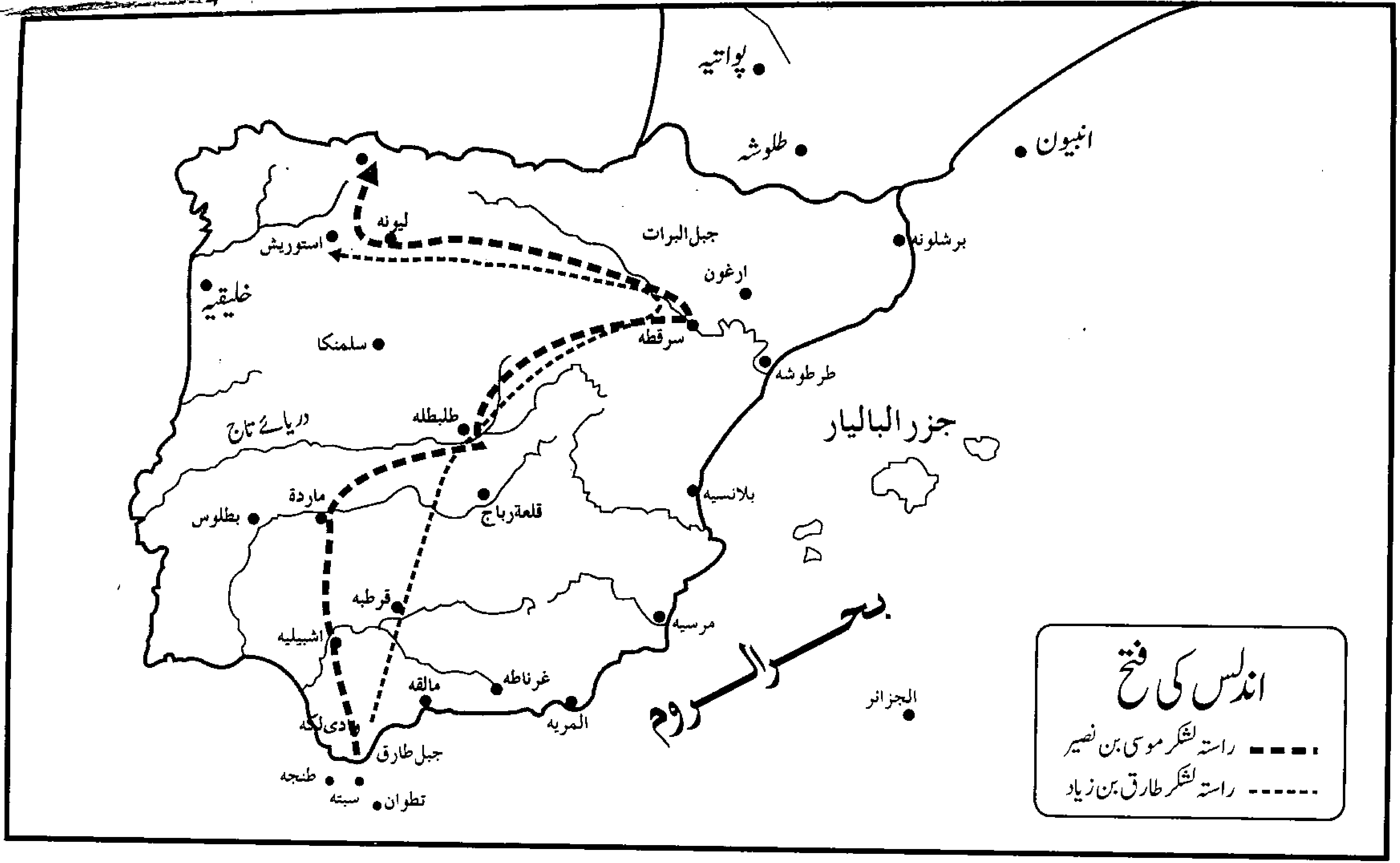
اندلس کی فتح
راستہ لشکر موسیٰ بن نصیر
راستہ لشکر طارق بن زیاد
بحر الروم
جزر البالیار
پواتیہ
طلوشہ
انبیون
برشلونہ
جبل البرات
ارغون
سرقطہ
طرطوشہ
لیونہ
استوریش
خلیقیہ
سلمنکا
طلبطلہ
دریائے تاج
ماردة
بطلوس
قلعۃ رباج
بلانسیہ
قرطبہ
اشبیلیہ
مرسیہ
غرناطہ
مالقہ
المریہ
وادی لکہ
جبل طارق
طنجہ
سبتہ
تطوان
الجزائر

Marfat.com

طبقوں میں باہمی نفرت بڑھی ہوئی تھی۔ اندریں حالات جنوبی ساحل کے مقابل افریقہ کے دشت میں عربوں کے لشکر فتح وظفر کے پرچم اُڑاتے نمودار ہوئے اور سمندر عبُور کر کے ملک پر قابض ہو گئے۔اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

سن ۹۱۔ہجری مطابق سن ۷۱۰۔عیسوی میں افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نُصیر کے ایک غلام طریف نے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ جو تقریباً تمام بربری تھے،سمندر پار کر کے سپین کے جنوبی ساحل پر چھاپا مارا، یہ حملہ کامیاب رہا۔حوصلہ پا کر موسیٰ نے اگلے سال ایک اپنے بربری افسر طارق بن زیاد کو سات ہزار فوج کے ساتھ جس میں زیادہ تر بربر شامل تھے،سپین پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ایک روایت کے مطابق شہر سَبتہ (CEBTA) کا حاکم جُولیان (JULIAN) بھی اس کے ہمراہ تھا اور اسی کے اُکسانے سے عربوں کو سپین پر حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا تھا کیونکہ وہ سپین کے بادشاہ کے ساتھ کینہ رکھتا تھا جس نے اس کی لڑکی کی آبروریزی کی تھی۔

طارق سپین کے ساحل پر ایک پہاڑی کے پاس اترا جو اس کے نام پر آج تک جبل طارق (GIBRALTER) کہلاتی ہے۔طارق نے حکم دیا کہ وہ کشتیاں جن پر اُنھوں نے سمندر عبور کیا تھا، جلادی جائیں تا کہ ان کے ہمراہی اپنے دل سے بازگشت کا خیال بالکل نکال دیں اور مرنے مارنے کے ارادے سے دشمن کا مقابلہ کریں،سپین کا بادشاہ راڈرک (RODARIC) جو ملک کے ایک دوسرے حصہ میں ایک مہم میں مصروف تھا، اطلاع پاتے ہی حملہ آوروں کو روکنے کے لیے بڑھا،سلطنت کے تمام بڑے بڑے امیر اور جاگیر اس کے ہمرکاب تھے اور پچاس ہزار کے قریب سپاہ اس کے جھنڈے تلے تھی۔ جب موسیٰ نے راڈرک کی آمد کا حال سنا تو اس نے طارق کی امداد کے لیے پانچ ہزار فوج اور بھیج دی۔مدینہ شذونہ (MEDINA SIDONIA) کے قریب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ چونکہ راڈرک دراصل ایک غاصب تھا جو ملک کے اصلی فرمانروا کو تخت سے اتار کر خود بادشاہ بن بیٹھا تھا،اس لیے بہت سے امیر اور افسر جو اس سے بددل تھے،عین معرکہ میں اس کا ساتھ چھوڑ بیٹھے۔اس سے راڈرک کی فوج نے شکست کھائی اور وہ کہیں ایسا غائب ہوا کہ پھر کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

Marfat.com

مدینہ شذونہ کی شکست کے بعد ہسپانی امراء اور ارکانِ دولت نے پایہ تخت طُلَیطلہ (TOLEDO) میں پناہ لی۔ طارق نے ارشدونہ (ARCHIDONA) البیرہ (ALVIRA) قُرطبہ (CORDOVA) مالقہ (MALAGA) اور دوسرے اہم مقامات کی تسخیر کے لیے کئی فوجی دستے ہوشیار افسروں کی سرکردگی میں روانہ کیے اور خود طُلَیطلہ کا رُخ کیا۔ چند ماہ کی مدت میں مسلمانوں نے یہ تمام شہر آسانی کے ساتھ فتح کر لیے۔

طارق ان فتوحات میں مصروف تھا کہ موسیٰ بن نُصیر نے بھی دس ہزار عربی فوج کے ساتھ سپین کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھانے کے لیے مفتوحہ علاقے کو چھوڑ کر ایسے شہروں کا رُخ کیا جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ شذونہ اور قَرمونہ (CARMONA) فتح کرنے کے بعد اس نے اشبیلیہ (SEVILE) کا رُخ کیا، یہ بڑا قدیم اور تاریخی شہر تھا۔ ایک مہینے کے محاصرہ کے بعد اُسے بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد موسیٰ ماردہ (MERIDA) فتح کرتے ہوئے طُلَیطلہ کی طرف بڑھا۔ طارق نے بڑھ کر استقبال کیا۔ موسیٰ نے مالِ غنیمت کا جائزہ لیا اور ملک کے باقی ماندہ حصوں پر فوج کشی کے انتظامات مکمل کیے۔ طارق کو شمال کی طرف روانہ کیا اور مفتوحہ علاقوں کا بندوبست کرنے کے لیے خود اس کے پیچھے چلا۔ عربوں کی گزشتہ کامیابیوں سے اہل ملک پر اتنی ہیبت چھا گئی تھی کہ طارق جس طرف رُخ کرتا تھا لوگ صلح اور اطاعت کے لیے آمادہ نظر آتے تھے۔ چنانچہ سَرقسط (SARAGOSSA) اور برشونہ (BECELONA) کے اہم شہر فتح کرتے ہوئے فاتحین فرانس کی سرحد تک جا پہنچے۔ پھر ارغون (ARAGON) لیون (LEON) اور جلّیقیہ (GALICIA) کے صوبوں میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ ہسپانیہ کی شکست خوردہ فوجوں میں جو لوگ بچے تھے اُنھوں نے استوریہ (ASTURIA) کے پہاڑوں میں پناہ لی۔

اسی اثنا میں خلیفہ ولید نے موسیٰ بن نصیر کو دمشق میں طلب کیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو سپین میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ عرب امیروں کے علاوہ چار سو قوطی شہزادے، ہزاروں لونڈیاں، غلام اور بے شمار مالِ غنیمت تھا۔ موسیٰ دارالخلافہ

Marfat.com

میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ داخل ہوا۔ خلیفہ نے اس کی باریابی کے موقع پر دربار عام کیا اور موسیٰ نے بہت سے نادر تحفے جو مالِ غنیمت میں حاصل ہوئے تھے، خلیفہ کے حضور میں پیش کیے۔ ①

فتح اَندُلس کے نتائج

عربوں کی فتح سے اندلس کی تاریخ میں ایک نئے اور عظیم الشان دور کا آغاز ہوتا ہے۔ عربوں نے ان وحشی قوموں کی طرح، جو ان سے پہلے حملہ آور ہو چکی تھیں، اس ملک کو تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ مفتوح قوم کے ساتھ رواداری برتی، اُنھیں امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع دیا اور ملک میں ایسا عادلانہ نظامِ حکومت قائم کیا جو اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ اُنھوں نے رعایا کو کامل مذہبی آزادی دی اور اس بات کی اجازت دی کہ وہ اپنے قدیم قوانین کی پیروی کریں اور اپنے تنازعات اور مقدمات اپنے ہم مذہب حاکموں کے پاس لے جائیں۔ کلیسا کی زمینیں اور ان امیروں کی جاگیریں جو ملک سے بھاگ گئے تھے، عام کاشتکاروں میں تقسیم کر دیں۔ مالکان اراضی پر بلا لحاظ مذہب لگان مقرر کیا اور شہریوں پر جزیہ لگایا۔ ذِمی لوگوں کو اجازت دی کہ وہ جزیہ کی رقم کو ماہوار قسطوں میں اَدا کریں۔ غلاموں کے ساتھ رومی (ROMAN) اور قوطی (GOTHIC) حکمران ظالمانہ سلوک کرتے آئے تھے۔ عربوں نے ان کی آزادی میں سہولتیں بہم پہنچائیں اور انھیں ذلّت کی زندگی سے نجات دلائی۔ غرضیکہ عربوں کی فتح سے سپین کے اکثر طبقوں کی حالت بہتر ہوگئی۔

عربوں نے اندلس میں ایسے عادلانہ آئین حکومت جاری کیے جن سے ملک نے ترقی کی راہ میں قدم اٹھایا، زراعت نے ترقی پائی، تجارت کی گرم بازاری ہوئی، علوم وفنون کو فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اندلس خوشحالی اور تہذیب وتمدن میں یورپ کے دوسرے ملکوں پر سبقت لے گیا۔ جب دوسرے ملکوں پر جہالت کی تاریکی چھائی تھی، اَندلس ایک شمع کی طرح فروزاں تھا، جس کی روشنی کئی صدیوں تک چاروں طرف اُجالا کرتی رہی۔ وہ علوم وفنون جن کا دُنیائے اسلام میں چرچا تھا بیشتر اَندُلس کے راستے سے یورپ میں پہنچے۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۵۶۴، ۵۶۶

Marfat.com

رُومیوں سے لڑائیاں

خلیفہ ولید کے عہد میں رومیوں کے مقابلے میں شام کی سرحد پر اس کا بھائی مَسلمہ بن عبدالملک متعین رہا۔ اس نے مختلف اوقات میں رومیوں کے علاقے پر کئی بار فوج کشی کی اور ان کو پَسپا کیا۔ اور مَصِیصَہ اور دوسرے بہت سے شہر جو جنگ کے نقطہ نظر سے اہم تھے، فتح کیے۔ [1]

بحری انتظامات اور فتوحات

چونکہ اسلامی مقبوضات بحرِ متوسط کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ بحر اُوقیانوس تک پھیلی ہوئے تھے اور ان کی پوری حفاظت زبردست بحری بیڑے کے بغیر ممکن نہ تھی، اس لیے خلیفہ ولید نے بحری انتظامات پر خاص توجہ دی اور سلطنت کے مختلف مرکزوں میں پانچ مختلف بیڑے متعین کیے۔ جہاز سازی کے لیے متعدد مقامات مثلاً: بابلیوں، قُلزُم اور تُونُس میں مستقل کارخانے قائم تھے، جن کو دارالصناعۃ کہتے تھے۔ بحری مہمیں عام طور پر سرما کے موسم میں روانہ کی جاتی تھیں۔

سن ۸۸۔ ہجری، ۷۰۷۔ عیسوی میں عربوں نے مَیُورقہ اور مَنُورقہ کے جزیرے فتح کیے جو سپین کے مشرقی ساحل کے بالمقابل واقع ہیں۔ [2] سن ۹۲۔ ہجری، ۷۱۱۔ عیسوی میں عربوں نے جزیرہ سردانیہ پر بھی حملہ کیا۔ یہاں سے انھیں بہت سا مال و دولت ہاتھ آیا۔ [3]

ولید کے عہد کے رفاہی کام

خلیفہ ولید نے رفاہِ عام کے لیے بھی بہت سے کام سرانجام دیے:

- اس نے تمام اسلامی سلطنت میں سڑکیں بنائیں۔
- شاہراؤں کے ساتھ ساتھ کنویں کھدوائے۔
- نہریں جاری کرائیں۔
- مسافروں کے آرام کے لیے جابجا مہمان خانے بنوائے۔

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۲۸/۴

② سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۲۰۹

③ ابن الاثیر، الکامل: ۵۶۷/۴

Marfat.com

- اندھے اور اپاہج لوگوں کے رہنے کے لیے محتاج خانے بنوائے۔
- بیماروں کے لیے شفا خانے قائم کیے۔
- اپاہجوں اور محتاجوں کے لیے وظیفے مقرر کیے۔
- یتیموں کی تربیت اور کفالت کا انتظام بھی کیا۔[1]

خلیفہ ولید کو عمارات کا بھی بڑا شوق تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر اور توسیع کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے دارالخلافہ دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر پر بے دریغ روپیہ صرف کیا۔ روم، ایران اور ہند سے عمارتی سامان اور کاریگر منگوائے۔ ہزاروں کاریگروں اور مزدوروں نے مل کر آٹھ سال کی مدّت میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ پوری عمارت مختلف قسم کے قیمتی اور خوبصورت پتھروں سے بن کر تیار ہوئی۔ جامع دمشق آج بھی موجود ہے اور دُنیائے اسلام کی عظیم الشان مشہور ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے۔

ولید کا عہد حکومت

خلیفہ ولید اپنے بھائیوں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتا تھا اور رعایا کے ساتھ اس کا سلوک منصفانہ تھا۔ خلیفہ ولید نظم و نسق کا بڑا سلیقہ رکھتا تھا اور اس معاملے میں سختی بھی کرتا تھا۔ فیاضی اور دہندی کے لیے مشہور تھا۔

اپنے باپ عبدالملک کی طرح بلند پایہ عالم تو نہ تھا لیکن اس نے دینی تعلیم کو فروغ دیا۔

جہاں بانی اور حکمرانی کے اوصاف کی بدولت ولید کا عہد حکومت بہت کامیاب ہے۔ اس کا زمانہ تمدنی ترقی اور ملکی فتوحات کے اعتبار سے بنواُمیّہ کے عہد حکومت کا بہترین دور شمار ہوتا ہے۔

اس سے پیشتر خانہ جنگی اور آپس کی لڑائیوں کے سبب مسلمانوں کی قوتیں ضائع ہو رہی تھیں، مگر جب عبدالملک نے اپنے مخالفوں کو مغلوب کر کے تمام دنیائے اسلام کو دوبارہ ایک جھنڈے تلے جمع کیا تو اس کے جانشین خلیفہ ولید نے اندرونی امن و امان سے فائدہ اٹھا کر بیرونی فتوحات پر خاص توجہ دی۔ چنانچہ اس کے عہد میں سندھ ماوراء النہر اور اَندلُس کے ملک فتح ہو گئے[2] اور اسلامی حکومت

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/۴۳۷، ۴۹۶

② سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۲۰۸

Marfat.com

کی حدود مشرق میں ہندوستان اور چین اور مغرب میں فرانس تک وسیع ہو گئیں اور کئی ایک دوسری قوموں سے مسلمانوں کے تعلقات قائم ہو گئے۔

زین العابدین علی

فرقہ شیعہ امامیہ کے چوتھے امام، خلیفہ ولید کے عہد میں اہل بیت کے نامور بزرگ تھے۔ ان کی ولادت سن ۳۸۔ہجری میں ہوئی تھی۔ حادثہ کربلا میں وہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ تھے مگر بیمار ہونے کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے اور زندہ سلامت بچ رہے۔ آپ نے تمام عمر مدینہ منورہ میں بسر کی اور سیاسی معاملات سے الگ تھلگ رہے۔ چونکہ آپ اپنا اکثر وقت عبادت میں گزارتے تھے اس لیے زین العابدین اور سجّاد کہلائے۔ یعنی عابدوں کی زینت اور بہت سجدے کرنے والے تھے۔ آپ نے خلیفہ ولید کے عہد میں ۵۷ سال کی عمر میں سن ۹۴۔ہجری یا ۹۵۔عیسوی ہجری میں وفات پائی اور گورستان بقیع میں مدفون ہوئے۔ ①

خلیفہ ولید نے سن ۹۶۔ہجری مطابق ۷۱۵۔عیسوی میں دس سال کی حکومت کے بعد تقریباً چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ ②

❀❀❀

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۸۰/۹

② خلیفہ بن خیاط، التاریخ، ص: ۳۰۹

Marfat.com

چھٹا باب

۷۔ سلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ = ۷۱۵ء تا ۷۱۷ء

سلیمان کی تخت نشینی

عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد مقرر کر کے اپنے دوسرے بیٹے سلیمان کو اس کا جانشین مقرر کیا تھا۔ ولید نے اپنے عہد حکومت میں چاہا کہ سلیمان کو جانشینی سے برطرف کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرے۔ حجاج بن یوسف اور قیتبہ بن مسلم نے اس ارادے کی تائید کی۔ اس سے سلیمان بہت برافروختہ ہوا اور حجاج اور قیتبہ کا سخت دشمن بن گیا۔ مگر پیشتر اس کے کہ ولید اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکے، اس نے سن ۹۶۔ ہجری سن ۷۱۵۔ عیسوی میں وفات پائی اور سلیمان تخت نشین ہوا۔ ①

نامور سپہ سالاروں سے بدسلوکی

سلیمان کے تخت نشین ہونے سے پیشتر ہی حجاج بن یوسف سن ۹۵۔ ہجری میں فوت ہو چکا تھا اس لیے سلیمان نے حجاج کی بجائے اس کے متعلقین سے انتقام لیا۔ چنانچہ اس نے محمد بن قاسم کو سندھ کی ولایت سے معزول کرنے کے بعد گرفتار کر کے منگوایا اور صالح بن عبدالرحمٰن کے سپرد کر دیا جو عراق میں خراج وصول کرنے پر مقرر تھا۔ حجاج نے صالح کے بھائی کو بغاوت کے الزام میں قتل کرا دیا تھا۔ صالح نے اس کے بدلے میں محمد بن قاسم کو بری طرح اذیتیں دے کر مار ڈالا۔ ② محمد بن قاسم کی معزولی اور موت سے ہند میں مسلمانوں کی فتوحات رک گئیں اور ایک نوجوان اور لائق سپہ سالار جس نے اسلامی سلطنت کی غیر معمولی خدمت سرانجام دی تھی، ذاتی

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۲۴۵/۱۵

② الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۲۴۵/۴

Marfat.com

کینہ اور خاندانی رقابت کی نذر ہو گیا۔

قُتیبہ بن مسلم کو حجاج ہی نے خراسان کی ولایت پر مقرر کیا تھا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ خلیفہ سلیمان، حجاج اور اس کے متعلقین کا سخت دشمن ہے، اس لیے وہ سلیمان کی تخت نشینی سے بہت خائف تھا۔ محمد بن قاسم کا دردناک انجام بھی اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ چنانچہ اس نے خلیفۂ وقت کی اطاعت کو بالائے طاق رکھ کر علم بغاوت بلند کر دیا مگر اس نے اپنی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ عرب فوج کے تمام عناصر نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اَزد اور تمیم کے قبیلے اس کے مخالف ہو گئے اور اس کے خلاف لڑے۔ اس لڑائی میں قتیبہ شہید ہو گیا اور دشمنوں نے اس کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیج دیا۔ ① اس طرح ایک نامور سپہ سالار جس نے ماوراء النہر کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا تھا اور تمام وسطی ایشیا میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی تھی، افسوسناک انجام کو پہنچا۔ قتیبہ کے قتل کے بعد خلیفہ سلیمان نے یزید بن مُہلب کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا۔ ②

موسیٰ بن نُصیر فاتح اَندلس کے ساتھ بھی سلیمان نے نامناسب سلوک کیا۔ ولید نے موسیٰ کو دارالخلافہ میں واپس بلایا تھا، اسی اثناء میں وہ مرض الموت میں گرفتار ہو گیا۔ سلیمان نے جو اس وقت ولی عہد تھا، موسیٰ کو لکھا کہ تم ایسی رفتار سے چلو کہ ولید کے بعد دارالخلافہ میں پہنچو۔

موسیٰ خلیفہ ولید کی زندگی ہی میں دمشق پہنچ گیا۔ خلیفہ نے اس کی بڑی قدر افزائی کی۔ اس پر سلیمان موسیٰ سے بگڑ گیا اور ولید کی وفات کے بعد اس سے حقارت آمیز سلوک کیا اور خیانت کے الزام میں اس پر اتنا بھاری تاوان لگایا کہ موسیٰ اُسے کسی صورت میں ادا نہ کر سکتا تھا۔ آخر کار وہ بیچارہ انتہائی تنگ دستی میں انتقال کر گیا۔ ③

موسیٰ اندلس چھوڑنے سے پہلے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا والی مقرر کر آیا تھا۔ کچھ عرصے کے بعد عبدالعزیز اپنی ہی فوج کے ہاتھوں مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے قتل میں سلیمان کا بھی ہاتھ تھا۔ اندلس کے شمال مغرب میں استوریہ کا دشوار گزار پہاڑی علاقہ ہے۔ وہاں کے

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۳۵۷، ۳۶۰

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/ ۵۲۵

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۳۶۴

Marfat.com

عیسائیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کر دی اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کے خلاف زور پکڑتے گئے۔

فتح جُرجان وطبرستان

طبرستان اور جرجان (گورگان) کے ملک کم وبیش پہاڑی اور دشوار گزار ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں ان پر چڑھائی کی تھی، مگر وہاں کے حکام سے خراج کی ادائیگی پر صلح ہوگئی تھی، اور یہ ملک عملی طور پر خود مختار ہی رہے مگر چونکہ خراسان اور ماوراء النہر کے راستے میں حائل تھے اس لیے مسلمانوں کے لیے ان کا تسخیر کرنا ضروری تھا۔ قُتیبہ بن مسلم کے بعد یزید بن مُہلب خراسان کا والی مقرر ہوا تو اس نے سن ۹۸۔ ہجری میں جرجان کے ملک پر فوج کشی کی جو بحیرہ خُزر کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ وہاں کے پہاڑی قلعوں کا سر کرنا آسان نہ تھا اس لیے یزید نے ناکہ بندی کر کے ان کی رسد بند کر دی اور اہل جرجان کو مجبوراً صلح کرنی پڑی۔ یزید نے وہاں چار ہزار فوج متعین کر کے خود طبرستان کا رُخ کیا۔

طبرستان کے حاکم میں مسلمانوں کے مقابلے کی تاب نہ تھی اس نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی، تاہم مسلمانوں کا بھی بہت سا جانی نقصان ہوا۔ جب اہل جرجان کو مسلمانوں کی مشکلات کا علم ہوا تو انھوں نے مقامی مسلمان فوج پر شب خون مار کر اسے تہ تیغ کر ڈالا۔ یزید نے طبرستان والوں کے ساتھ صلح کر کے جرجان کی طرف دوبارہ رُخ کیا اور بہت سے کُشت وخون کے بعد انھیں مطیع کر لیا۔ اس مہم کے اختتام پر جب یزید نے خلیفہ سلیمان کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی تو از راہِ فخر مالِ غنیمت کی مقدار بتانے میں بہت مبالغہ سے کام لیا۔

یہ غلط بیانی بعد میں اس کے حق میں بلائے جان ثابت ہوئی۔ ①

قسطنطنیہ کا محاصرہ

سلیمان کے عہد میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر تیسری بار حملہ کیا۔ چنانچہ سن ۹۸۔ ہجری ۷۱۶۔ عیسوی میں خلیفہ نے اپنے بھائی مسلمہ کو ایک لشکر جرار اور بہت سا ساز وسامان دے کر

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/ ۵۴۲، ۵۴۱

Marfat.com

قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا۔ شامی اور مصری بحری بیڑے بھی امداد کے لیے بھیج دیے اور خود اس کی امداد کے لیے سرحد کے قریب وابق کے سرسبز و شاداب مقام پر ٹھہرا۔ مسلمہ نے بری اور بحری دونوں جانب سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا اور رومیوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ اتفاق سے اس سال غیر معمولی برف باری ہوئی۔ عرب لوگ زیادہ سردی برداشت کرنے کے عادی نہ تھے، اس لیے ان کی فوج کے بہت سے آدمی بیمار پڑ گئے، اس کے علاوہ ان کا سامان رسد بھی ختم ہو گیا۔ ان وجوہات سے ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے اور ان کی فوج کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا۔ اسی اثناء میں خلیفہ نے انتقال کیا۔

آخر کار مسلمانوں نے محاصرہ اٹھالیا اور واپس چلے آئے۔ ①

سلیمان کی وفات اور سیرت

سلیمان وابق ہی میں مقیم تھا کہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ وہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا مگر وہ ابھی نابالغ تھا۔ اس لیے ایک مخلص خیر خواہ کے مشورے سے اس نے اپنے چچیرے بھائی عمر بن عبدالعزیز کو اپنا ولی عہد نامزد کیا، اور اس وصیت کے چند دن بعد سن ۹۹۔ ہجری مطابق ۷۱۷۔ عیسوی میں ۴۵ سال کی عمر میں دو سال آٹھ ماہ کی مختصر حکومت کے بعد انتقال کر گیا۔ ②

سلیمان بڑا عیش پسند تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ تنگ ظرف کینہ پرور اور حاسد بھی تھا۔ خلیفہ ولید کے عہد میں جن عرب قائدین نے اپنی غیر معمولی تدبیر اور شجاعت سے وسیع ممالک فتح کر کے مسلمانوں کی شان و شوکت میں چار چاند لگائے تھے، سلیمان نے ان کے شاندار کارناموں اور خدمات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے ذاتی بغض و عناد اور کوتاہ نظری کے سبب ان تمام نامور فاتحین کے ساتھ بدسلوکی روا رکھی۔ اس کا یہ طرزِ عمل اس کے نام پر نہایت بدنما دھبہ ہے اور خاندان اُمیہ کے زوال کا پیش خیمہ تھا۔ سلیمان نے اپنی زندگی میں اگر کوئی نیک کام کیا ہے تو صرف یہ کہ اس نے عمر بن عبدالعزیز جیسے پرہیز گار اور عادل شخص کو اپنا جانشین بنایا۔

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۹/ ۳۶۷

② ابن خلدون، التاریخ: ۳/ ۷۷

Marfat.com

ساتواں باب

۸۔ عمر بن عبدالعزیز

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ = ۷۱۷ء تا ۷۲۰ء

عمر بن عبدالعزیز کی سیرت

سلیمان کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے چچیرے بھائی عمر بن عبدالعزیز نے بار خلافت سنبھالا۔ آپ بڑے پرہیز گار، خدا ترس اور انصاف پسند تھے اور اس لحاظ سے اپنے خاندان کے دوسرے افراد سے بالکل مختلف تھے۔ ان کو اپنے پیشرو اموی خلفاء کی بدعنوانیوں کا پورا احساس تھا اور وہ ان کے پیدا کردہ مفاسد کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے مختصر عہدِ حکومت میں اپنی تمام قوتوں کو ان خرابیوں کے دُور کرنے میں صرف کیا اور اپنے حسن سیرت اور عدالت گستری سے خلافت راشدہ کی روایات کو کچھ عرصے کے لیے تازہ کر دیا۔ اسی لیے بعض اوقات لوگ ان کو عمر ثانی کہتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات

جس وقت عمر بن عبدالعزیز تختِ خلافت پر بیٹھے اس وقت اموی خاندان کی حکومت پر ساٹھ سال گزر چکے تھے۔ اس ساٹھ سال کے عرصے میں اسلامی مملکت اور اس کے طرزِ حکومت میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ جمہوری خلافت نے ایک شخصی حکومت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ خلیفۂ وقت خود مختار تھا اور اس کے استبداد سے رعایا کی آزادی ختم ہو چکی تھی۔ اس نئے نظامِ حکومت میں جمہور کے شوریٰ کے لیے مطلق کوئی گنجائش نہ تھی۔ بیت المال حکمرانوں کا ذاتی خزانہ

Marfat.com

بن گیا تھا، جس طرح چاہتے تھے خرچ کرتے تھے۔ غرض کہ اموی حکومت میں وہ تمام برائیاں پیدا ہو گئی تھیں جو شخصی حکومت میں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مختصر عہد حکومت میں ان خرابیوں کو دُور کرنے کی پوری کوشش کی۔

جاگیروں کی واپسی

اموی خلفاء یکے بعد دیگرے شاہی خاندان کے افراد اور دوسرے ارکانِ دولت کو جاگیریں بخشتے آئے تھے یا اُنھوں نے از خود رعایا کی زمینوں اور جائیدادوں کو زبردستی سے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ شاہی خاندان کے نام بیت المال سے بیش بہا وظائف جاری تھے۔ غرض کہ خلیفہ کے اندازے کے مطابق ملک کا نصف یا دو تہائی مال ان کے قبضہ میں جا چکا تھا۔ حضرت عمر نے یہ جاگیریں ان کے قبضہ سے نکال کر ان کے اصل مالکوں کو واپس دلا دیں، یہاں تک کہ اپنی ذاتی جاگیر بھی واپس کر دی۔ اس موقعہ پر آپ نے عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے حسب ذیل تقریر کی:

''ان لوگوں نے یعنی اموی حکمرانوں نے شاہی خاندان کے ارکان کو ایسی جاگیریں اور عطیے دیے جن کے دینے کا ان کو کوئی حق حاصل نہ تھا اور نہ ہمیں ان کے لینے کا۔ اب میں ان سب کو ان کے حقداروں کو واپس کرتا ہوں اور اس کام کو اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں۔''[۱]

اس کے بعد جاگیروں کی سندات منگوائیں اور ان کو یکے بعد دیگرے پھاڑ کر پھینک دیا اور اپنے پورے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کر دی۔ بعض خیر خواہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین اگر اپنی موروثی جاگیریں واپس کر دیں گے تو اولاد کے لیے کیا چھوڑ جائیں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ ان کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

خلیفہ عبدالملک کی بیٹی فاطمہ جناب عمر بن عبدالعزیز کے عقد نکاح میں تھی۔ عبدالملک نے اپنی حینِ حیات میں اپنی بیٹی کو ایک بیش قیمت پتھر دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہدِ خلافت

[۱] الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء: ۵/ ۳۵۵

Marfat.com

میں جب اصلاحات کا بیڑا اٹھایا تو اس سلسلہ میں اپنی بیوی سے کہا کہ اسے بیت المال میں داخل کر دو۔ اس نے کمال فرمانبرداری سے اسے فوراً بیت المال میں داخل کر دیا۔ جنابِ عمر کی وفات کے بعد خلیفہ عبدالملک کا بیٹا یزید جب تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے چاہا کہ وہ قیمتی پتھر اپنی ہمشیرہ فاطمہ کو واپس کر دے مگر اس پیکر وفا نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ چیز جو میں نے اپنے شوہر کی زندگی میں اپنے پاس نہیں رکھی۔

اس کی وفات کے بعد اب اس کے واپس لینے میں میرے لیے کیا لطف ہے۔ ①

جب عمر اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیریں واپس کر چکے تو اُنھوں نے اپنی توجہ ان جاگیروں کی طرف مبذول کی جو بنواُمیہ نے رعایا سے چھین کر اپنے قبضہ میں لے رکھی تھیں مگر یہ معاملہ اتنا آسان نہ تھا، کیونکہ اس اقدام سے تمام بنواُمیہ کی مخالفت یقینی تھی مگر آپ نے ان کی ناراضگی کی کچھ پروا نہ کی اور غصب شدہ جائیدادیں ان کے اصلی مالکوں کو واپس دلائیں۔ آپ نے صوبجات کے والیوں اور عاملوں کو بھی اس مضمون کے تاکیدی احکام بھیجے کہ غصب کردہ املاک واپس کر دی جائیں۔ بنی اُمیہ اس سے بہت سیخ پا ہوئے اور گستاخی سے پیش آئے مگر جناب عمر اپنے ارادے پر قائم رہے اور ان کے اہل خاندان کو آخر کار ان کی حق پرستی کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

فدک کا معاملہ

فدک مدینہ کے شمال میں خیبر کے پاس ایک نخلستان ہے جو رسول اکرم ﷺ کا خالصہ تھا اور جس کی آمدنی سے آپ ﷺ اپنی اور اپنے خاندان یعنی بنو ہاشم کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ خلفاء راشدین بھی اس آمدنی کو انھی مصارف میں خرچ کرتے رہے۔ مروان بن حکم نے اپنے عہد حکومت میں اسے اپنی جاگیر بنا لیا تھا۔ اس کے بعد فدک وراثتاً عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آیا۔ اُنھوں نے اسے واگزار کر کے قدیم مصارف کے لیے خاص کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ فدک پر میرا کوئی حق نہیں، اس لیے تم گواہ رہنا کہ فدک کے مصارف کی جو صورت رسول اللہ ﷺ

① ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۵/ ۳۹۳

Marfat.com

کے زمانے میں تھی، میں اس کو اسی حالت پر لوٹاتا ہوں۔ ①

عاملوں کا محاسبہ

اموی گورنر ظلم و ستم کے عادی ہو چکے تھے۔ جناب عمر نے ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ حجاج کا ظلم و جور ضرب المثل بن چکا تھا۔ اس کا خاندان بھی اس کے نقش قدم پر گامزن تھا۔ عمر نے ان کو یمن کی طرف جلاوطن کر دیا اور حجاج کے رشتہ داروں اور مقرر کردہ عہدہ داروں کو جو ناجائز سختی کے عادی ہو چکے تھے برطرف کر دیا۔

خلیفہ سلیمان کے زمانے میں یزید بن مُہلب نے جُرجان اور طَبرستان کی فتح کے بعد مال غنیمت کی جو مقدار بتائی تھی اس کا خمس چالیس لاکھ درہم تھا۔ ابھی اس کے بھیجنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ جناب عمر نے یزید بن مہلب سے اس رقم کا مطالبہ کیا، جب وہ ادا نہ کر سکا تو اسے قید خانہ میں ڈال دیا۔ ② جناب عمر سے پہلے اموی حاکموں کا دستور تھا کہ ذرا سی بدگمانی یا شک کی بناء پر لوگوں کو سزائیں دیتے تھے۔ عمر نے اس مذموم طریقہ کا بالکل خاتمہ کر دیا اور حکم دیا کہ کسی شخص کو محض شبہ کی بنا پر سزا نہ دی جائے۔

ذمیوں کے ساتھ منصفانہ سُلوک

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ذمیوں کے بارے میں بڑی رواداری اختیار کی۔ ان کی سہولت اور آسائش کا ہر طرح خیال رکھا اور اپنے عاملوں کو ہدایت کی کہ جزیہ کی وصولی میں ان پر سختی نہ کریں۔ حجاج نے عراق کے ذمیوں کا جو جزیہ بڑھا دیا تھا آپ نے اس اضافہ کو منسوخ کر دیا اور ان کی جو زمینیں امراء نے چھینلی تھیں انھیں واپس دلا دیں۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی پر ظلم کرتا تو اسے قرار واقعی سزا دی جاتی تھی۔

نیز آپ نے ناکارہ اور محتاج ذمیوں کے لیے بیت المال سے وظیفے مقرر کر دیے۔ ③

① ابن سعد، الطبقات الکبری: ۳۸۹/۵

② ابن الاثیر، الکامل: ۴۸/۵

③ ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۶۹/۶

Marfat.com

بدگوئی کی موقوفی

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برسر منبر برا بھلا کہنے اور ان کے حق میں ناشائستہ کلمات استعمال کرنے کا رواج ہو گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس بری رسم کو موقوف کیا اور اپنے عاملوں کے نام فرمان لکھ بھیجا کہ وہ اس رسمِ بد کو بند کر دیں۔ ①

بیت المال کی اصلاحات

اموی خلفاء بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ سمجھنے لگے تھے۔ جائز اور ناجائز ہر قسم کے ذریعہ سے روپیہ حاصل کرتے اور اس کا اکثر حصہ اپنے ذاتی عیش و عشرت اور اپنے خاندان کی پرورش پر صرف کرتے تھے۔ حضرت عمر نے بیت المال کے تمام ناجائز اخراجات بند کر دیے۔ شاہی خاندان کے افراد کو بیت المال سے جو وظیفے ملتے تھے وہ سب بند کر دیے، اس پر وہ لوگ بہت سٹپٹائے مگر آپ نے قطعاً پروانہ کی۔

شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور درباری شان و شوکت کو قائم رکھنے پر جو اخراجات ہوتے تھے آپ نے وہ سب موقوف کر دیے۔ آرائش کا تمام سامان فروخت کر کے بیت المال میں جمع کرا دیا حتیٰ کہ شاہی اصطبل کے گھوڑے بیچ کر ان کی قیمتِ فروخت بیت المال میں داخل کر دی اور اپنی سواری کے لیے صرف ایک خچر باقی رکھا۔ ان اصلاحات سے بیت المال کی آمدنی میں بہت اضافہ ہو گیا جس کو آپ نے رفاہِ عامہ کے کاموں میں صرف کیا۔ ②

رفاہِ عامہ کے کام

آپ نے رفاہِ عامہ کے بہت سے کام کیے۔ مدینہ میں مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کرایا۔ مسافروں کے آرام کے لیے تمام راستوں پر سرائیں تعمیر کرائیں، نئی نہریں جاری کیں جس سے زراعت کو ترقی ہوئی۔ جو لوگ معذور تھے ان کے نام دفتر میں لکھے گئے اور ان کے لیے وظیفے مقرر کر دیے۔ دیگر حاجت مندوں میں صدقات تقسیم ہوتے تھے۔ ایک لنگر خانہ قائم کیا جس میں

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۴۲

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/ ۵۵۲

Marfat.com

مساکین کو کھانا ملتا تھا۔

اصلاحات کا نتیجہ

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حکومت کے کاروبار میں جو عدل وانصاف قائم کیا اور رعایا کے مال و دولت اور ان کے حقوق کی جس طور پر حفاظت کی، اس سے ان کے ہم نام یعنی خلیفہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عادلانہ عہد کی یاد پھر تازہ ہوگئی۔ چنانچہ اسی بنا پر ان کو بعض اوقات عمر ثانی کہا جاتا ہے۔

جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ڈھائی سال کی مختصر مدت کے بعد وفات پائی تو ان کی جاری کردہ تمام اصلاحات ملیامیٹ ہوگئیں اور اموی حکمرانوں نے پھر پرانی روش اختیار کرلی اور جناب عمر کی تمام سعی اور کوشش رائیگاں گئی مگر یہ اصلاحات اس لحاظ سے نہایت اہم اور دلچسپ ہیں کہ ان سے وہ تمام مختلف قسم کی خرابیاں نمایاں ہوجاتی ہیں جو ساٹھ سال کی مدت میں بنی اُمیہ کے زمانے میں رفتہ رفتہ پیدا ہوگئی تھیں۔

فرانس میں عربوں کا داخلہ

عبدالعزیز بن موسیٰ کے قتل کے بعد والیٔ افریقہ نے حُر بن عبدالرحمٰن ثقفی کو اندلس کا حاکم مقرر کیا۔ جب حر کو معلوم ہوا کہ اندلس کی سرحد کے پار کوہستان البرانس کی جانب ایک بڑا شاداب اور دولت مند ملک واقع ہے تو اس نے سن ۹۹۔ ہجری، ۷۱۸۔ عیسوی میں جنوبی فرانس پر چڑھائی کی۔ حُر سب سے پہلا عرب سردار ہے جس نے کوہ البرانس (PYHENEES)[1] کو عبور کر کے فرانس کی سرزمین میں قدم رکھا۔ اس زمانے میں فرانس کا ملک متعدد ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور وہاں کے حکمران آپس میں آئے دن لڑتے رہتے تھے۔ ان کی ناانصافی سے عربوں نے فائدہ اٹھایا۔ ایکی تانیا (AQUITANIA)[2] کی ریاست کو تاخت وتاراج کر ڈالا اور سپتی مانیا کے علاقے میں شہر نیم (NIMES)[3] تک جا پہنچے۔[4]

① سپین اور فرانس کی سرحد کے ساتھ ساتھ تقریباً 300 میل (483 کلومیٹر) طویل پہاڑی سلسلہ

② جنوب غربی فرانس کا ایک تاریخی علاقہ

③ جنوبی فرانس کا ایک شہر

④ ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۲۳

Marfat.com

حُر کے بعد اس کے جانشین سَمح بن مالک خولانی نے سپتی مانیا (SEPTIMANIA) کے علاقے پر دوبارہ فوج کشی کی جو اس سے پیشتر بھی سپین کے قوطی بادشاہوں کے زیرنگیں رہ چکا تھا۔ یہاں کا سب سے اہم شہر اربونہ (ARBONNE) تھا جو فرانس کی سرحد کے قریب سمندر سے صرف چند میل دور واقع تھا۔ سَمح نے سن ۱۰۱ ۔ہجری، سن ۷۲۰ ۔عیسوی میں اربونہ فتح کر کے اسے خوب مستحکم کیا اور عربوں نے اسے آئندہ پیش قدمی کے لیے اپنا مرکز بنایا۔

عمر بن عبدالعزیز کے جانشین یزید کے عہد میں سن ۱۰۲ ۔ہجری، سن ۷۲۱ ۔عیسوی میں سَمح نے ایکی تانیا کے پایہ تخت طلوشہ (TOULOUSE ۔طولوز) پر فوج کشی کی۔ وہاں کا حکمران ایک کثیر فوج کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ سَمح میدان جنگ میں زخمی ہو کر مارا گیا۔ عرب فوج نے ہراساں ہو کر شکست کھائی اور اربونہ کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہوئی۔ اس شکست کے بعد بہت سے مفتوحہ علاقے عربوں کے ہاتھ سے نکل گئے مگر وہ اربونہ پر بدستور قابض رہے۔ جب انھیں اندلس سے کمک پہنچی تو انھوں نے آس پاس کے علاقوں میں دوبارہ جارحانہ پیش قدمی کی۔

عمر بن عبدالعزیز کی وفات

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے سن ۱۰۱ ۔ہجری، سن ۷۲۰ ۔عیسوی میں چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کی مدت خلافت اڑھائی سال ہے۔ [1]

❀❀❀

[1] المسعودی، مروج الذہب: ۳/ ۲۲۳

Marfat.com

۹۔ یزید بن عبدالملک

۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ = ۷۲۰ء تا ۷۲۴ء

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد سلیمان کی وصیت کے مطابق یزید بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ یزید آرام طلب اور عیش پسند تھا، اس نے شانِ حکومت سنبھالتے ہی ان تمام اصلاحات کو منسوخ کر دیا جو عمر بن عبدالعزیز نے رائج کی تھیں اور بنو اُمیہ کے پرانے اور جابرانہ اور خود مختارانہ دستورِ حکومت کو دوبارہ جاری کر دیا، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عاملوں کو برطرف کر کے نئے عامل مقرر کر دیے۔ ①

یزید بن مُہلب کی بغاوت

مہلب بن ابی صفرہ ایک بڑا تجربہ کار جرنیل تھا جس نے خلیفہ عبدالملک کے عہد میں بڑی خدمات سرانجام دی تھیں۔ اس کے بیٹوں نے بھی اپنی قابلیت کی بدولت بڑا عروج پایا کہ خصوصاً اس کا بیٹا یزید خلیفہ سلیمان کا مقربِ خاص بن گیا۔ خلیفہ سلیمان کو حجاج بن یوسف اور اس کے متعلقین کی سخت گیری اور ستم شعاری پسند نہ تھی، چنانچہ اس کے اشارے پر یزید بن مہلب نے خلیفہ سلیمان کے عہد حکومت میں حجاج کا بہت سا مال و دولت ضبط کر لیا۔ ان لوگوں میں حجاج کی بھتیجی بھی تھی جو یزید بن عبدالملک کے عقد نکاح میں تھی، یزید بن مہلب نے اس خاتون کی وہ جائیداد بھی ضبط کر لی جو اسے اپنے باپ سے ورثہ میں ملی تھی۔

اس سے یزید بن عبدالملک بہت برہم ہوا اور یزید بن مہلب کا دشمن بن گیا۔ ②

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جُرجان اور طبرستان کے مالِ غنیمت کا

---

① المسعودی، مروج الذہب: ۲۴۰/۳

② ابن الاثیر، الکامل: ۲۳/۵، ۵۷

Marfat.com

حساب کتاب لیتے وقت یزید بن مہلب کو قید کر دیا تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور یزید بن مہلب نے دیکھا کہ ان کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ بننے والا ہے تو اسے اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوا، چنانچہ وہ قید خانہ سے بھاگ نکلا اور بصرہ کے والی کو شہر سے نکال کر خود اس پر قابض ہو گیا اور سرکاری خزانہ لوگوں میں تقسیم کر کے اپنے ساتھ ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی۔ ①

اسی اثناء میں یزید بن عبدالملک تختِ حکومت پر بیٹھ چکا تھا۔ جب اسے یزید بن مہلب کی بغاوت کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو اس کے مقابلے میں عراق کی طرف بھیجا۔ دونوں فوجوں میں دریائے فُرات کے کنارے لڑائی ہوئی۔ یزید بن مُہلب کی فوج نے شکست کھائی اور وہ میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ یہ واقعہ سن ۱۰۲ ہجری، سن ۷۲۰ عیسوی کا ہے۔ اس شکست کے بعد یزید کے بھائی اور اس کے خاندان کے دوسرے لوگ جنوب کی طرف بھاگ نکلے۔ دشمنوں نے تعاقب کر کے سب کو قتل کر ڈالا۔ چنانچہ مہلب کے نامور اور کثیر الافراد خاندان میں سے صرف چند عورتیں اور ایک دو چھوٹی عمر کے لڑکے سلامت بچے۔ ②

دولتِ بنی اُمیّہ کا اِنحطاط

اگرچہ بنواُمیہ کے خلاف یزید بن مہلب کی بغاوت ناکام رہی مگر اس سے اثرات اور نتائج دُوررس اور اُموی حکومت کے لیے سخت خطرناک اور ضرررساں ثابت ہوئے۔ یزید بن مہلب یمنی قبیلہ اَزْد سے تھا۔ اس کے مارے جانے کے بعد خلیفہ یزید بن عبدالملک نے اس کے خاندان اور قبیلے کو تباہ برباد کرنے میں جس سنگدلی اور بے رحمی کا ثبوت دیا، اس سے تمام یمنی قبائل آگ بگولا ہو گئے اور مُضری یمنی عربوں کے درمیان دشمنی کی آگ از سرِ نو بھڑک اُٹھی اور وہ اندلس، افریقہ اور مشرقی ممالک میں ہر جگہ ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہو گئے۔ خود خلیفہ یزید بڑا عیش پسند ہونے کی وجہ سے محنت اور سخت کوشش سے جی چراتا تھا اور اس کے مشیر کار

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/ ۵۶۴

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۴۱

Marfat.com

اور عامل بھی ویسے ہی دون ہمت اور نالائق تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنوں نے مملکت کی اندرونی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہر طرف سے سر اٹھایا۔

چنانچہ ماوراء النہر میں فرُغانہ اور سُغد کے لوگوں نے بغاوت کر دی اور وہ یزید کی وفات تک لڑتے بھڑتے رہے۔ قفقاز کے علاقے میں خزر اور قپچاق اقوام نے عربوں کو دو دفعہ زک پہنچائی اور انھیں پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ خلیفہ یزید نے افریقہ پر ایک ایسے شخص کو والی مقرر کیا جو اس سے پہلے حجاج کا میر منشی رہ چکا تھا۔ اس نے نومسلم بربروں پر بے جا ٹیکس لگائے اور ان پر ایسی سختی کی کہ اُنھوں نے بغاوت کر کے اسے مار ڈالا۔ [1] اس واقعہ سے افریقہ میں عربی حکومت کے اقتدار کو بڑا دھچکا لگا۔ اس کے علاوہ اَندلُس کے قبائل میں بھی باہمی رقابت پھوٹ پڑی۔

یزید ثانی کی وفات

یزید بن عبدالملک نے سن ۱۰۵۔ ہجری، سن ۷۲۴۔ عیسوی میں تقریباً چار برس حکومت کے بعد چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

یزید کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک تخت حکومت پر بیٹھا۔ [2]

❀❀❀

① ابن الاثیر، الکامل: ۹۵/۵، ۱۰۱

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۲۰/۵

Marfat.com

آٹھواں باب

۱۰۔ ہشام بن عبدالملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ = ۲۴ےء تا ۴۳ےء

اپنے تدبر اور عالی ہمتی کی بدولت ہشام کا شمار بنو اُمیہ کے مشہور اور اولوالعزم خلفاء میں ہوتا ہے۔ جب اس نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لی تو سلطنت کی حالت بہت بگڑی ہوئی تھی۔ شمالی سرحد پر خزر اور ترک دباؤ ڈال رہے تھے۔ حدود سلطنت کے اندر خوارج بار بار سر اٹھا رہے تھے۔ ملک میں قحط الرجال تھا، کیونکہ عرب قوم کے طاقتور اور ممتاز خاندان قبائلی رشک و رقابت اور حکمرانوں کے ذاتی بغض و عناد کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔

ہشام نے بڑے استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا سامنا کیا۔

چنانچہ ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا۔ رومیوں کا مقابلہ کیا اور خوارج کا سر کچلا۔ غرض اس نے اپنے عہد حکومت کے بیس سال اسی جدوجہد میں صرف کر دیے مگر باوجود اپنی بیدار مغزی اور تدبّر کے وہ اس روز بد کو ٹال نہ سکا جو بنو اُمیہ پر آنے والا تھا، کیونکہ دعوتِ عباسیہ اموی حکومت کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہی تھی۔ اگرچہ ہشام کی فوجی مہمیں بظاہر کامیاب رہیں مگر اس سے بنو اُمیہ کی حکومت کو استحکام اور اس کے خاندان کو دوام حاصل نہ ہو سکا۔

خلیفہ ہشام نے عمر بن ہُبیر کو عراق کی ولایت سے معزول کر کے خالد بن عبداللہ قسری کو اس کی جگہ مشرقی ممالک کا والی مقرر کیا۔ خالد ایک لائق اور عادل شخص تھا جس نے پندرہ سال تک بڑی تدبیر اور عقلمندی کے ساتھ مشرقی صوبوں پر حکومت کی تھی۔ اس نے مضری اور یمنی قبائل کے درمیان توازن قائم رکھا اور یہود و نصاریٰ سے بھی رواداری برتی تھی۔ ①

① ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۱۱۴

Marfat.com

وسط ایشیا کے سیاسی حالات

ہشام کے عہد حکومت میں ماوراء النہر میں مسلسل جنگ جاری رہی۔ اگرچہ عربوں نے بعض اوقات ہزیمت اٹھائی مگر آخر کار ملک پر ان کا دوبارہ تسلط ہو گیا۔

ماوراء النہر کا ملک مختلف ریاستوں خُوارزم، سُغد، چغانیاں اور فَرغانہ میں بٹا ہوا تھا۔ وہاں کے مقامی فرمانروا عربوں کے باجگزار تھے۔ قتیبہ کی فتوحات کے بعد جب اُنھوں نے دیکھا کہ عرب محض غارت گری کے لیے نہیں بلکہ ان کی حکومت کا جوا ان پر مضبوط ہو رہا ہے اور عرب عاملوں کی حرص و آز کی وجہ سے بار خراج بھی ان کی برداشت سے باہر ہو رہا ہے تو وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور ماوراء النہر کے اکثر علاقوں خصوصاً فرغانہ اور سغد میں بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی ۔ترکوں کا فرمانروا خاقان بھی ان کی امداد کے لیے آ دھمکا اور اس نے کئی سال تک ماوراء النہر میں ہنگامہ کارزار برپا رکھا، ایک دو بار عربوں کو شکست بھی دی۔ ان جنگوں میں عربوں کا پہلو اپنے قدیمی قبائلی رشک و رقابت اور باہمی نااتفاقی کی وجہ سے کمزور رہا۔ یہاں تک کہ ایک عرب سردار حارث نامی ترکوں کے ساتھ مل کر کئی سال تک عرب حاکموں کے ساتھ لڑتا رہا۔

غرض پندرہ سال تک جنگ اسی طرح جاری رہی۔ کبھی ایک فریق غالب رہتا اور کبھی دوسرا۔ خلیفہ ہشام نے آخر کار سن ۱۲۰ ہجری میں ایک معمر اور تجربہ کار سردار نصر بن سیار کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ نصر نے اپنی عمر کے گذشتہ تیس سال مشرقی ممالک ہی میں گزارے تھے اور وہ یہاں کے سیاسی حالات سے خوب واقف تھا۔ اس نے سمرقند میں عرب فوج متعین کر کے وہاں نظم ونسق درست کیا اور چاچ (تاشقند) پر چڑھائی کی۔

پھر وہ فرغانہ کی طرف بڑھا۔ وہاں کے حاکم نے بھی صلح کر کے اطاعت اختیار کر لی۔

غرض اس نے دو تین سال کے عرصے میں تمام ماوراء النہر کو از سرِ نو مطیع کیا۔ نصر کی پختہ رائے تھی کہ ماوراء النہر کے باشندوں کو محض زورِ بازو سے دبائے رکھنا ممکن نہیں، اس لیے اس نے اپنے عادلانہ نظامِ حکومت سے ان کے تالیف قلوب میں پوری کوشش کی اور ان کا اعتماد حاصل کیا۔ اس نے نومسلموں کو جزیہ کی ادائیگی سے آزاد کر دیا اور تمام مالکانِ اراضی پر خراج لگایا۔ خواہ وہ عرب

Marfat.com

ہوں یا غیر عرب، مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ نصر نے رعایا کے معقول مطالبات کو منظور کر لیا اور ایک مدت کے کُشت وخون کے بعد ملک کو امن اور سکون حاصل ہوا۔ ①

آرمینیہ اور قفقاز کی جنگیں

ہشام کے عہد میں قفقاز اور آرمینیہ میں بھی خزر اور اُلان قوموں کے ساتھ کئی سال تک جنگ جاری رہی۔ عربوں نے بالآخر ملک پر اپنا تسلط دوبارہ جما لیا مگر جنگ کے دوران میں انھیں ایک سے زیادہ مرتبہ زک اٹھانی پڑی۔ چنانچہ سن ۱۱۲ھ ہجری، سن ۷۳۰ء عیسوی میں خزر نے ترکمانوں کے ساتھ مل کر عرب فوج کو تباہ کر ڈالا اور کردستان تک بڑھ آئے۔ خلیفہ نے ان کے مقابلے میں ایک تازہ دم فوج بھیجی جس نے خزر کو شکست دی۔ اسی طرح کئی سال تک فریقین کے درمیان جنگ جاری رہی۔ کبھی عرب فتح یاب ہو کر قفقاز کے علاقے میں دُور تک نکل جاتے اور کبھی خزر اُن کو پیچھے دھکیل دیتے۔ آخر کار ہشام نے مروان بن محمد کو عرب فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے ان کے مقابلے میں بھیجا۔ اس نے کئی سال کی مسلسل جنگ وجدل کے بعد آرمینیہ سے لے کر طبرستان تک تمام ملک کو مطیع بنایا اور بحیرہ خزر کا ساحلی علاقہ بھی سر کر لیا۔ ②

عربوں کی پیش قدمی فرانس میں

جیسا کہ اُوپر بیان ہوا امیر سمح حاکم ایکی تانیا کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے بعد عنبسہ اَندلس کا والی مقرر رہا۔ اس نے سن ۱۰۵ھ ہجری، سن ۷۲۴ء عیسوی میں کوہ البرانس کو عبور کر کے فرانس پر فوج کشی کی اور قرقشونہ، نیم اور کئی دوسرے شہر لے لیے۔ اہل قرقشونہ نے خراج دے کر اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ عربوں کے حلیف رہیں گے۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد امیر عنبسہ جبل البرانس کی ایک وادی میں عیسائیوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا۔

سن ۱۱۳ھ ہجری میں امیر عبدالرحمٰن غافقی اندلس کا والی مقرر ہوا۔ اس نے ملک کا نظم ونسق درست کر کے فرانس پر حملہ کرنے کے لیے اعلیٰ پیمانہ پر تیاری کی اور سن ۱۱۴ھ ہجری میں جبل

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۸۳/۵، ۲۳۶

② النویری، نہایۃ الارب: ۲۵۶/۲۱

Marfat.com

البرانس کے مغربی دروں سے ایک بھاری فوج کے ساتھ فرانس کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اسی اثناء میں ایک بربری امیر ابن ابی نسعہ نے بغاوت کی۔ عبدالرحمٰن اس کی سرکوبی سے فارغ ہو کر بُرۡدِیل یعنی بوردو کی بندرگاہ کی طرف بڑھا۔ ایکی تانیا کا حاکم اس کا مزاحم ہو گیا مگر عربوں کو روکنے میں ناکام رہا۔ عربوں نے بوردو پر قبضہ کر کے بہت سامال و دولت حاصل کیا۔ پھر برگنڈی کے علاقے میں داخل ہو کر لیون اور دوسرے شہر فتح کیے۔ امیر عبدالرحمٰن نے ان تمام مفتوحہ شہروں میں فوجی دستے متعین کر کے خود شمال کا رُخ کیا۔ ①

جنگِ طُورش

جب ایکی تانیا کے حاکم نے دیکھا کہ عربوں کے حملوں کو روکنا اس کی بساط سے باہر ہے تو اس نے اپنی ہمسایہ میرودنجی سلطنت سے مدد مانگی، جہاں قوم افرنگ (FRANKS) کی حکومت تھی اور ایک امیر کبیر چارلس نامی سلطنت کے تمام سیاہ وسفید کا مالک تھا۔ چارلس نے دیکھا کہ عربوں کی پیش قدمی تمام فرانس کے لیے خطرناک ہے، اس لیے اس نے ان کو روکنے کے لیے فرانس اور جرمنی کی جنگجو قوموں کا ایک لشکر جرار تیار کیا۔

اس کی امداد کے لیے فرانس کے دوسرے امیر بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر آ پہنچے۔

اس وقت عربی فوجیں شہر طورش (TOURS) تک بڑھ آئی تھیں ۔ چنانچہ طورش اور پواتیے کے درمیان دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ کئی دن تک میدان کارزار گرم رہا۔ عربوں نے فتوحات کے دوران میں بہت سامال غنیمت سمیٹ لیا تھا۔ ایک دن جب کہ جنگ زوروں پر تھی، افرنگیوں نے اچانک عربوں کے خیمہ گاہ کا رُخ کیا۔ اس پر عرب فوج کو مالِ غنیمت کی فکر دامن گیر ہوئی اور ان کے پائے ثبات میں لغزش آ گئی۔ امیر عبدالرحمٰن دادِ شجاعت دیتا ہوا مارا گیا۔ اس سے اہل لشکر کی ہمت اور بھی پست ہوئی۔ دن بھر کی لڑائی کے بعد جب جنگ ملتوی ہوئی تو عربوں نے رات کی تاریکی میں چپکے سے اپنا کیمپ خالی کر دیا اور جنوب کی طرف پسپا ہو گئے۔
(سن ۱۱۴ـ ہجری، اکتوبر سن ۷۳۲ـ عیسوی)

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۷۴/۵

Marfat.com

چارلس نے عربوں کی پسپائی کو غنیمت سمجھا اور ان کا تعاقب کرنے کی بجائے اپنے دارالسلطنت کی راہ لی۔ اس نے بزعم خود عربوں کی فوجی طاقت پر جو کاری ضرب لگائی اس کی بنا پر اس نے اپنے لیے مارٹل یعنی ہتھوڑے کا لقب اختیار کیا۔ طورش میدان میں عربوں نے جو زک اٹھائی اس سے فرانس کی شمال کی جانب میں ان کی مزید پیش قدمی رک گئی، مگر وہ تھوڑے ہی عرصے میں سنبھل گئے اور ان کی فتوحات کا رخ مشرقی علاقوں کی طرف پھر گیا۔ چارلس مارٹل کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے وسطی فرانس کے ایک وسیع علاقے کو خاک سیاہ کر دیا تاکہ برباد شدہ علاقہ اس کی سلطنت اور عرب مقبوضات کے درمیان حائل رہے۔

جب سپین کے عیسائیوں نے سنا کہ امیر عبدالرحمن مارا گیا ہے تو انھوں نے بغاوت کر دی۔ چنانچہ اندلس کے نئے والی عبدالملک بن قطن نے سب سے پہلے ارغون اور نبرہ (NAVARRE) کے باغیوں کی طرف توجہ کی اور انھیں متعدد معرکوں میں زک دے کر اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اندلس میں امن وامان قائم کرنے کے بعد اس نے جنوبی فرانس کا قصد کیا اور جو مقامات عربوں کے قبضے میں تھے انھیں خوب مستحکم کیا۔ سن ۱۱۶ ہجری، سن ۷۳۴ عیسوی میں اربونہ کے عرب حاکم نے دریائے رون (RHONE) کو عبور کر کے اینیون (AVIGNON) کے شہر پر چڑھائی کی اور فرنگیوں (FRANKS) کی مزاحمت کے باوجود اسے فتح کر لیا۔ یہ شہر کئی سال تک عربوں کے قبضے میں رہا۔①

عربوں کی پیش قدمی مشرقی فرانس میں

عبدالملک کے بعد امیر عقبہ اندلس کا والی مقرر ہوا۔ اس نے بھی مغربی مقبوضات کے استحکام پر خاص توجہ دی اور جنوبی فرانس میں کئی بار فوج کشی کی۔ چنانچہ سن ۱۱۸ ہجری، سن ۷۳۶ عیسوی میں دو فینے کے علاقے میں داخل ہو کر بہت سے شہر فتح کرتے ہوئے اپنے فوجی دستے برگنڈی تک پھیلا دیے۔ ادھر مشرق میں عرب فوجیں پیڈمونٹ (PIADMONT) تک جا پہنچیں۔ عربوں نے کئی مقامات پر چھاؤنیاں قائم کر دیں۔ ان کی فتوحات کا قدم رفتہ رفتہ وہ

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۵/۱۷۵، ۲۵۱

Marfat.com

الپس تک جا پہنچا۔ ① جنوبی فرانس میں عربوں کی حکومت تقریباً دو سو سال تک قائم رہی۔ چنانچہ ان علاقوں میں ان کے دھندلے سے آثار اب تک باقی ہیں۔

جزائر بحر المتوسط

سن ۱۱۰ہجری میں عربوں نے صقلیہ پر حملہ کیا اور وہاں سے بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت حاصل کیا۔ ② سن ۱۱۷ہجری، سن ۷۳۵عیسوی میں اُنھوں نے جزیرہ سردانیہ پر حملہ کر کے اسے لوٹا۔ ③

سن ۱۲۲ہجری میں عربوں نے افریقہ کی طرف سے صقلیہ پر دوبارہ فوج کشی کی اور اہل جزیرہ کو سَرَقُوسہ کے نزدیک شکست دی اور شہر کا محاصرہ کر کے خراج دینے پر مجبور کیا۔ عرب سردار کا ارادہ تھا کہ جزیرہ کی فتح کی تکمیل کے لیے وہاں قیام کرے مگر اسی اثناء میں افریقہ میں بربروں نے بغاوت کر دی، اس لیے والیٔ افریقہ نے مجبوراً واپس بلا لیا۔ ④

بربروں کی بغاوت

جیسا کہ پیشتر ذکر ہوا ہے بربر لوگ بڑے جنگجو اور آزادی پسند تھے اور شمالی افریقہ کے وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کو محض زورِ بازو سے زیر رکھنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے حسان جیسے مدبّر سرداروں نے مصالحانہ طریق اختیار کر کے ان کو اپنا مطیع اور حلیف بنا رکھا تھا، ⑤ مگر خلیفہ ہشام کے عہد میں والیوں نے کوتاہ اندیشی سے کام لیا اور ان پر ایسے بے جا ٹیکس لگائے جن کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔ عرب والیوں کے اس جابرانہ طرزِ عمل سے بربر لوگ مشتعل ہو گئے اور بغاوت پر تل پڑے۔ چونکہ وہ بنو اُمیہ کی حکومت سے برگشتہ ہو چکے تھے اس لیے خارجی عقائد نے ان کے درمیان خوب فروغ پایا۔

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۲۵۰/۵

② ابن الاثیر الکامل: ۱۹۱/۵

③ ابن الاثیر الکامل: ۵۶۷/۴

④ ابن الاثیر، الکامل: ۴۵۶/۵

⑤ ابن الاثیر، الکامل: ۳۶۹/۴

Marfat.com

خوارج کا ابتداء ہی سے یہ عقیدہ تھا کہ ظالم حاکم کے برخلاف خروج کرنا ضروری ہے اور اگر وہ اپنی اصلاح پر مائل نہ ہوتو اسے برطرف کرنا بلکہ قتل کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اُنھوں نے بنواُمیہ کے خلاف بار بار ہتھیار اٹھائے تھے۔ جب بربر بنواُمیہ سے برگشتہ ہو گئے تو ان کی مخالفت نے بھی خارجی عقائد کی صورت اختیار کی۔ چنانچہ ان کے درمیان ان عقائد نے خوب اشاعت پائی اور بہت سے بربر خارجیوں کے ہمنوا بن گئے۔

بَربَروں کی بغاوت کا آغاز سن ۱۲۲ہجری، ۷۴۰ء عیسوی میں طَنجہ کے مقام پر ہوا۔ ایک عرب لشکر کو تباہ کرنے کے بعد بربروں کا ایک بھاری لشکر قیروان کی طرف بڑھا۔ خلیفہ ہشام نے حنظلہ بن صفوان کلبی کو افریقہ کا والی مقرر کیا اور ایک لشکر جرار کے ساتھ اسے بربروں کے مقابلے پر بھیجا۔ حنظلہ نے قیروان میں پہنچ کر اہل شہر کی ہمت بڑھائی اور باہر نکل کر بربروں کے ٹڈی دل پر اس زور سے حملہ کیا کہ ہزاروں بربر کھیت رہے۔ باقی تتر بتر ہو گئے۔ اس جنگ میں اتنے بربری کام آئے کہ عربوں کے مقابلے میں ہمیشہ کے لیے ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ ①

دعوت عبّاسیہ

دعوتِ عبّاسیہ کا آغاز

ظہور اسلام سے پیشتر ہی قریش کے دو مشہور خاندانوں بنو ہاشم اور بنو اُمیہ میں رقابت موجود تھی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بنو ہاشم سے تھے، اس لیے بنواُمیہ نے اسلام قبول کرلیا تو کچھ عرصے کے لیے باہمی عداوت دَب گئی، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی جنگ وجدال سے باہمی مخالفت کی یہ آگ دوبارہ بھڑک اُٹھی اور یہ مخالفت فریقین تک محدود نہ رہی بلکہ طرفداری اور فرقہ بندی تمام اُمت میں سرایت کرگئی اور اکثر مسلمانوں نے بنواُمیہ کے موافق یا مخالف پہلو اختیار کرلیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار شیعۂ علی

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۹۱/۵

Marfat.com

کہلاتے اور خصوصاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ساتھ گہری عقیدت اور بنو اُمیہ سے شدید نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

ان کے درمیان یہ عقیدہ تدریجاً راسخ ہوتا گیا کہ اسلامی خلافت صرف آلِ رسول کا حق ہے جن کی نمائندگی کا شرف صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو حاصل ہے۔ چنانچہ یہ لوگ خلفاء بنی اُمیہ کو غاصب سمجھتے تھے۔ شیعانِ علی کے علاوہ عام مسلمان بھی خصوصاً ایران کے عجمی لوگ بنو اُمیہ کی بدعنوانیوں اور ان کے عاملوں کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے تھے اور ان سے سخت بیزار تھے۔ خاندانِ علی رضی اللہ عنہ کے اماموں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی اس لیے میدانِ سیاست میں کوئی ایسا شخص نظر نہ آتا تھا جو بنو اُمیہ کی جابرانہ حکومت کے خلاف رعایا کے بے چین طبقوں کی رہنمائی کرے۔ ان حالات میں بنو عباس میدان سیاست میں اُترے۔ سلطنت عرب کی مختلف جماعتوں میں مختلف وجوہات سے بنو اُمیہ کے خلاف کم و بیش جذبہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ اُنھوں نے اس جذبہ کو اُبھارا۔ ان کے مخالف عناصر کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور آخر کار ان کی بساطِ حکومت کو اُلٹ کر خود مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔ ①

بنو عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لڑکوں میں سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے زیادہ مشہور تھے۔ اُنھوں نے سن ۶۵ ہجری میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے علی بدستور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرتے رہے۔ ان کے بیٹے محمد بن علی بڑی ہمت اور لیاقت کے مالک تھے۔ بنو عباس میں سے پہلے ان ہی کے دل میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اُنھوں نے اپنے خاندان کے حق کو ثابت کرنے کے لیے اس عقیدے کی تلقین شروع کر دی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی امامت ان کے فرزند حضرت زین العابدین علی کی طرف منتقل نہیں ہوئی تھی، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن الحنفیہ کو ملی تھی اور پھر ان کی وفات (سن ۸۰ ہجری) کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ کے حصے میں آئی تھی اور ابو ہاشم نے اپنی

① ابن خلدون، التاریخ: ۱۷۶/۳

Marfat.com

وفات سن ۱۰۰۔ہجری سے پہلے علی بن عبداللہ بن عباس کو تفویض کر دی تھی اور اپنے پیرودٔں کو ہدایت کر دی تھی کہ ان کے بعد علی بن عبداللہ عباسی ہی ان کے جانشین ہوں گے۔ چنانچہ ابو ہاشم کی وفات کے بعد اہل بیت کے بعض طرفداروں نے علی بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

محمد بن علی اور ان کا خاندان ایک عرصے سے فلسطین میں حمیمہ کے گاؤں میں مقیم تھا۔ اُنھوں نے اس مقام کو اپنی دعوت (پروپیگنڈا) کا مرکز بنایا اور یہاں سے اپنے داعی یا مبلغ مشرقی صوبوں میں بھیجنے شروع کیے، جہاں اموی حکومت کے خلاف پہلے ہی سے مخالفت کی آگ سلگ رہی تھی۔ یہ داعی لوگوں کو خفیہ طور پر محمد بن علی عباسی کی امامت کو تسلیم کرنے کی ترغیب دیتے تھے مگر اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے بنو عباس کے لیے ضروری تھا کہ وہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کی شرکت اور حمایت بھی حاصل کریں جن کو پہلے ہی سے وسیع اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اس غرض سے عباسی داعیوں کو ہدایت تھی کہ وہ حسبِ موقعہ اپنی دعوت کو ہاشم کے نام پر پھیلائیں، جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے مورث اور جد اعلیٰ تھے۔ عباسی داعیوں کی اس کارروائی کا سراغ سب سے پہلے یزید ثانی کے عہد حکومت میں ملتا ہے۔ چنانچہ اس کے زمانے میں خُراسان کے اموی حاکم کے پاس چند ایک عباسی داعی پکڑے آئے جو سوداگروں کے بھیس میں رعایا کے درمیان اپنے خیالات کی اشاعت کر رہے تھے۔ اموی حاکم نے ان سے باز پرس کی، وہ حیلہ بہانہ کر کے صاف بچ گئے۔ اس طرح پر عباسی کارندوں نے خراسان میں دعوت عباسیہ (عباسی تحریک) کا پودا لگایا، جس نے رفتہ رفتہ ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لی۔

دعوتِ عبّاسیہ کی ترقی

خلیفۂ ہشام کے عہد میں دعوتِ عباسیہ برابر پھیلتی رہی اور عباسی تحریک کا نظام اور زیادہ مکمل اور اس کا دائرہ تبلیغ اور زیادہ وسیع ہوتا گیا۔ عباسیوں کے داعی عراق، خراسان اور دوسرے اسلامی ملکوں میں مسلسل مصروف کار رہے۔ یہ لوگ بھیس بدل کر شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ پھرتے تھے اور لوگوں سے خفیہ طور پر حاکمانِ وقت کی برائیاں اور ان کے مظالم کی کہانیاں بیان کرتے تھے اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کو بنو عباس کی طرف بلاتے تھے اور ان کے حق خلافت کو ثابت کرتے تھے۔ کبھی

Marfat.com

کبھی عباسی کارندوں کا پردہ فاش ہو جاتا تھا اور وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیے جاتے تھے مگر اس سے ان کی سیاسی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آتا۔ اگر ایک داعی مارا جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ چنانچہ ہشام کے عہد میں ان کی کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رہا اور ان کے خیالات سے ہزاروں آدمی متاثر ہوئے۔ ①

عباسی تحریک نے جو بنو اُمیہ کی مخالفت پر مبنی تھی، ایرانیوں کے درمیان بالخصوص فروغ پایا۔ اہل ایران کو اپنی قدیم تہذیب اور سیاسی عظمت پر بڑا ناز تھا اور ان کو اس کے برباد ہونے پر قدرتی طور پر بڑا رنج تھا، اس لیے وہ عربوں سے من حیث القوم عناد اور نفرت رکھتے تھے اور بنو اُمیہ سے بالخصوص ان کی جابرانہ حکومت کی وجہ سے سخت بیزار تھے۔ جب بنو عباس نے ان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کو اپنا نصب العین بنایا تو ایرانیوں نے ان کی دعوت پر خوشی سے لبیک کہا۔ یہی وجہ تھی کہ عباسی تحریک کو خراسان یعنی ایران کے مشرقی صوبے میں خاص طور پر کامیابی ہوئی اور بنی اُمیہ کے خلاف علانیہ بغاوت کا ظہور بھی اس ملک میں ہوا۔ ②

امام محمد باقر

ہشام کے عہدِ خلافت میں امام ابو جعفر محمد باقر نے وفات پائی جو شیعۂ امامیہ کے پانچویں امام ہیں۔ آپ امام زین العابدین کے فرزند تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آپ مدینہ میں ماہ صفر سن ۵۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے اپنے جد امجد یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر تین چار برس کی تھی۔

آپ کی والدہ اُم عبداللہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

آپ نے اپنی تمام عمر خاموشی کے ساتھ مدینہ منورہ میں گزاری اور اپنے والد بزرگوار کی طرح سیاسی معاملات سے الگ رہے۔ آپ اپنے حسب و نسب اور علم و فضل دونوں لحاظ سے بہت نامور اور معزز تھے اور مذہبی اور علمی مسائل میں بہت سے لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۲۵/۵، ۱۴۳

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۱۴۱/۷

Marfat.com

تھے کہ علم حدیث میں خاص کر آپ کو بہت درک حاصل تھا۔ آپ ہر بات میں سچائی کا بہت خیال رکھتے تھے اور اس بارے میں یہاں تک احتیاط تھی کہ آپ بے جا مبالغہ سے بھی دُور رہتے تھے۔ آپ بہت خوش خلق، بردبار اور فیاض تھے۔ اگرچہ آپ کے اہل وعیال بہت تھے مگر سخاوت کا یہ حال تھا کہ ہر جمعہ کو بہت سی اشرفیاں خیرات کرتے تھے۔ آپ نے بقول یعقوبی سن ۱۱۷۔ ہجری میں اور بقول مسعودی سن ۱۲۵۔ ہجری میں وفات پائی اور بقیع کے گورستان میں دفن ہوئے۔ ①

ہشام کی وفات

یزید بن عبدالملک ہشام کے بعد اپنے بیٹے ولید کو مسند حکومت کے لیے نامزد کر گیا تھا۔ ولید ابتداء جوانی ہی سے لہو ولعب اور فسق وفجور میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہشام نے اس کے برے اطوار دیکھ کر چاہا کہ اس کے بجائے اپنے لڑکے کو جانشین بنائے مگر پیشتر اس کے کہ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا سکے اس کا سن ۱۲۵۔ ہجری میں انتقال ہو گیا اور ولید بغیر کسی مزاحمت کے تخت کا مالک بن گیا۔ ②

❀❀❀

① یعقوبی، التاریخ: ۲/ ۲۴۸۔ والمسعودی، مروج الذہب: ۳/ ۲۶۶

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۲۱۲

Marfat.com

نواں باب

۱۱۔ ولید ثانی

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

ولید نے حکومت سنبھالتے ہی متوفی خلیفہ ہشام کی اولاد اور اس کے دیگر متعلقین کے ساتھ انتہائی بدسلوکی روا رکھی اور اس کے مقرر کردہ عاملوں کو برطرف کر دیا۔ اس نے یمنی قبائل کو بھی نظروں سے گرا دیا۔ چنانچہ خالد بن عبداللہ قسری پر جو کئی سال تک عراق کا والی رہ چکا تھا اور یمنی عربوں کا ایک ممتاز لیڈر تھا، ایک بھاری تاوان لگایا اور اسے اس کے جانی دشمن یوسف بن عمر کے حوالے کر دیا۔ اس نے خالد کو ایسی اذیتیں پہنچائیں کہ وہ بے چارا جانبر نہ ہو سکا۔ اس واقعہ سے یمنی عربوں کے دل غم و غصہ سے بھر گئے۔

اگرچہ ولید نے لشکریوں کی تنخواہیں بڑھا دیں اور اپنے درباریوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا تھا مگر اس کی عیش پسندی اور ظلم و ستم سے رعایا کے تمام طبقے اس سے بیزار ہو گئے۔ اس نے اپنے دو کمسن لڑکوں کو ولی عہد بنایا اور جو شخص ان کی جانشینی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا، اسے قید کر دیتا تھا۔ غرض ارکان شاہی اور عام رعایا کی بددلی کو دیکھ کر خلیفہ ولید کے بیٹے یزید نے علم بغاوت بلند کر دیا اور یمنی عربوں کی مدد سے ولید ثانی کو شکست دے کر قتل کر دیا۔

یہ واقعہ سن ۱۲۶ ہجری کا ہے۔ ①

ولید نے ایک سال حکومت کی۔ قتل کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال تھی۔ ②

❀❀❀

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/۲۱۲، ۲۱۷

② المسعودی، مروج الذہب: ۳/ ۲۵۸

Marfat.com

۱۲۔ یزید ثالث

۱۲۶ھ

خاندان اُمیہ کی نااتفاقی اور جنگ وجدل سے خاندان شاہی کی ہیبت رعایا کے دلوں سے جاتی رہی اور وہ حکّامِ وقت کی مخالفت میں بے باک ہوگئے۔اس کے علاوہ یزید ثالث نے یمنی قبائل کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی، اس لیے یمنی اور مُضری قبائل کی پرانی رقابت بھی دوبارہ چمک اُٹھی اور اکثر مُضری عرب یزید کے مخالف ہوگئے۔ چنانچہ شام کے بعض حصوں میں اس کے خلاف بغاوت برپا ہوگئی۔سب سے پہلے حِمص کے باشندوں نے یزید کی حکومت کوتسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کے بھائی عباس بن ولید کا گھر مسمار کردیا اور ایک اموی شہزادے کی سرکردگی میں دمشق پر چڑھائی کردی۔

اگرچہ یزید نے ان کوشکست دے کرمنتشر کردیا مگر جلد ہی فِلَسطین میں ایک اس سے بھی زیادہ خطرناک بغاوت پھوٹ پڑی۔ وہاں باشندوں نے اپنے حاکم کو نکال کر ایک دوسرے اموی شہزادے کوحاکم بنالیا۔آخرکار بڑی مشکل سے یزید نے اس بغاوت کوفرو کیا۔بنواُمیہ کے درمیان مختلف جماعتیں بن گئی تھیں اور خاندان شاہی کے افراد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہورہے تھے۔ چنانچہ مروان بن محمد بن مروان اول نے الجزیرہ پر قبضہ کرلیا اور وہ چاہتا تھا کہ یزید کے مقابلے میں دارالخلافہ پر چڑھائی کرے،مگر یزید نے اسے الجزیرہ، آرمینیہ اور آذربائیجان کی حکومت دے کرخاموش کردیا۔ ①

یزید ثالث نے چھ ماہ کی پرآشوب حکومت کے بعد سن ۱۲۶۔ہجری کے آخر میں وفات پائی۔انتقال کے وقت اس کی عمر ۴۶ سال تھی۔ ②

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۲۹۲، ۳۰۹

② سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۲۳۶

Marfat.com

۱۴۳۔ مروان ثانی

۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ

یزید کے انتقال کے بعد اس کا بھائی ابراہیم خلیفہ بنا، مگر مروان پہلے ہی سے متعدد صوبوں کا حاکم تھا اور خلافت پر دانت تیز کر رہا تھا۔ شام پر چڑھائی کر دی اور مخالف کو شکست دے کر سن ۱۲۷ہجری میں حکومت پر قابض ہو گیا۔① مروان ایک سن رسیدہ تجربہ کار اور بہادر شخص تھا مگر اموی سلطنت کا نظام ایسا درہم برہم ہو چکا تھا کہ اس کا درست کرنا مروان کی بساط سے باہر تھا۔ بنواُمیہ میں کئی سال سے خانہ جنگی جاری تھی۔ خاندان شاہی کے متعدد افراد سالہائے گزشتہ میں ایک دوسرے کے ہاتھ سے مغلوب یا مقتول ہو چکے تھے۔

اس باہمی کُشت وخون سے بنواُمیہ کی طاقت بہت حد تک زائل ہو چکی تھی۔ اس کے علاوہ مُضری اور یمنی قبائل جن پر سلطنت کی فوجی قوت کا انحصار تھا، ایک دوسرے سے برسرِ پرخاش تھے۔ مدبّر اور ہوشیار خلفاء نے ان کے درمیان توازن قائم رکھا تھا مگر اب وہ حکمرانوں کی سوء تدبیر سے ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان تھے۔

چونکہ مروان کو مضری عربوں کی امداد حاصل تھی، اس لیے یمنی عرب اس کے مخالف بن گئے۔ اس کے علاوہ خوارج بھی عراق میں حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مروان ایک بہادر اور مستقل مزاج حکمران تھا۔ اس نے اپنے مخالفین کو یکے بعد دیگرے نیچا دکھایا اور ناسازگار حالات پر ایک حد تک قابو بھی پا لیا، مگر بنوعباس کی دعوت جو بیس پچیس سال سے خفیہ طور پر جاری تھی، آہستہ آہستہ بنواُمیہ کی جڑوں کو کھوکھلا کر چکی تھی۔ بنواُمیہ کی قوت کا دارومدار آج تک شام اور وہاں کے عرب قبائل کی وفاداری پر تھا، مگر شاہی خاندان کی خانہ جنگی اور قبائل کی باہمی رقابت نے اُموی حکومت کے مرکز کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ مروان عباسی تحریک کا

① ابن الاثیر، الکامل: ۳۲۱/۵

Marfat.com

سدباب نہ کرسکا۔[1]

عباسی دعوت کی کامیابی

سن ۱۲۶۔ہجری میں محمد بن علی عباسی نے وفات پائی اور ان کے بیٹے ابراہیم ان کے جانشین بنے۔اُنھوں نے عباسی تحریک کو سرگرمی سے جاری کیا اور تجربہ کار داعی خُراسان میں بھیجے۔غرض ان کے عہد میں تحریک نے خواب ترقی پائی۔عراق اور خراسان کے ہزاروں لوگ اس میں شریک ہوگئے اور عوام کے علاوہ بہت سے اشراف اور رؤساء بھی اس میں شامل ہوگئے۔

وہ داعی جس نے اس عہد میں دعوتِ عباسیہ کو خراسان میں کامیاب بنانے میں سب سے زیادہ حصہ لیا، ایک ایرانی نومسلم تھا جو تاریخ میں ابومُسلم خراسانی کے نام سے مشہور ہے۔اس نے کوفہ میں عباسی داعیوں کے سائے میں تربیت پائی۔وہ ایک ہوشیار اور لائق شخص تھا جو بہت جلد عباسیوں کا رازدار بن گیا۔اس نے اپنی کارگزاری سے ان کا اتنا اعتماد حاصل کرلیا تھا کہ ابراہیم نے اس کو داعیٔ اعظم بنا کر خراسان بھیج دیا۔

ابومسلم نے بڑے استقلال اور ہوشیاری سے عباسی دعوت کو پھیلایا۔تھوڑے ہی عرصہ میں اس تحریک نے اتنی قوت پکڑلی کہ بنوعباس کے طرف دار اُموی حکومت کے مقابلے میں علانیہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔چنانچہ سن ۱۲۹۔ہجری کے آخر میں ابومسلم نے مَرْو کے قریب بنواُمیہ کے خلاف علم استقلال بلند کردیا اور شہر پر قبضہ کرلیا۔بہت سے دوسرے مقامات کے باشندے بھی اس کے ساتھ ہوگئے۔چنانچہ رفتہ رفتہ ہرات اور دوسرے شہروں نے بھی اُموی فوجوں کو نکال دیا۔[2] ابومُسلم کے جھنڈے کا رنگ سیاہ تھا، چنانچہ عباسیوں نے اسی رنگ کو اپنا خاندانی نشان بنایا۔

اس زمانے میں بنواُمیہ کی طرف سے نصر بن سیار خُراسان کا حاکم تھا۔وہ بنواُمیہ کا ایک وفادار اور لائق والی تھا۔چونکہ وہ مُضری تھا، اس لیے خراسان کے یمنی قبیلے اس کے خلاف تھے اور ان کا حلیف قبیلہ ربیعہ بھی اس کا مخالف تھا۔چونکہ یہ تمام عرب فریق آپس میں برسرپیکار تھے، اس

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۷/ ۳۱۳، ۳۴۷

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۷/ ۳۵۳

Marfat.com

لیے ابومسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت کو نہ دبا سکے۔ نصر بن سیار نے خلیفہ مروان کو ان تمام حالات سے اطلاع دی اور اسے اس خطرہ سے آگاہ کیا جو بنواُمیہ کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ مروان اس وقت خوارج اور دیگر باغیوں کے ساتھ مصروف پیکار تھا، اس لیے وہ نصر کی امداد نہ کر سکا۔ جب مروان کو معلوم ہوا کہ اس تحریک کی باگ ڈور ابراہیم بن محمد عباسی کے ہاتھ میں ہے تو اس نے اسے حُمَیمَہ کے مقام سے پکڑ منگوایا اور کچھ مدت قید میں رکھنے کے بعد قتل کر دیا۔

ابراہیم کے دونوں بھائی ابوجعفر عبداللہ اور ابوالعباس عبداللہ بھاگ کر بصرہ میں روپوش ہو گئے اور ابوالعباس اس کا جانشین قرار پایا۔ ابومسلم نے ربیعہ اور یمنی قبائل کے ساتھ اتحاد کر کے نصر بن سیار کو شکست دی۔ نصر نیشاپور کی طرف پسپا ہو گیا اور ابومسلم نے اپنے ایک سردار قحطبہ بن شبیب کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ نصر نے جرجان کی راہ لی مگر وہاں اس نے دوبارہ شکست کھائی۔ اس کے بعد اس نے فارس کا رُخ کیا مگر راستے میں ہی ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ①

نصر کے انتقال کے بعد قحطبہ نے عراق پر چڑھائی کی اور وہاں کے اموی امیر پر فتح پائی۔ خراسانی فوج نے کوفہ پر قبضہ کر لیا اور آلِ عباس کے طرفداروں نے ابوالعباس عبداللہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا اور ربیع الاول سن ۱۳۲ ہجری، سن ۷۵۰ عیسوی میں تمام اہل کوفہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابوالعباس عبداللہ نے شہر کی جامع مسجد میں اپنا پہلا خطبہ دیا اور اس میں بنوعباس کی اسلامی خدمات اور خلافتِ اسلامی کے لیے ان کے استحقاق کو بیان کیا۔ ②

جنگ زاب اور مروان کا قتل

بیعت عامہ کے بعد ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان کے مقابلے پر روانہ کیا جو اس وقت ایک لاکھ سے زائد فوج لیے دریائے زاب کے کنارے ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ اموی فوج نے شکست کھائی اور مروان مَوصِل کی طرف بھاگ گیا۔ عبداللہ بن علی نے اس کا پیچھا کیا۔ مروان حَرَّان سے ہوتا ہوا شام پہنچا، اہل شام نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا، اس لیے مروان فِلَسْطین

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۷/۴۰۳

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/۲۶۱

Marfat.com

ہوتا ہوا مصر کی طرف بھاگ گیا۔ دشمن اس کے تعاقب میں تھے۔ سن ۱۳۲ا۔ ہجری کے آخری ماہ میں بُوصیر کے مقام پر لڑتا ہوا مارا گیا۔ قتل کے وقت مروان کی عمر ۶۲ سال کی تھی اور مدت حکومت چھ سال۔ اس کے قتل سے مشرق میں اموی حکومت کا چراغ گل ہو گیا۔ ①

بنواُمیہ کا خاتمہ

مروان کی شکست اور قتل کے بعد بنو عباس نے بنواُمیہ کے افراد کو چن چن کر مار ڈالا۔ جہاں کہیں کوئی اموی نظر آتا اسے بے دریغ قتل کر دیا جاتا۔ کئی سو اموی جنگ میں مارے گئے تھے اور جو زندہ بچے گرفتار کر لیے گئے ان کی تعداد ایک سو کے قریب تھی۔ عبداللہ بن علی نے ان سب کو مروا ڈالا۔ کچھ اموی روپوش ہو گئے، کچھ اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ بنو عباس کا جذبۂ انتقام اتنا مشتعل تھا کہ اُنھوں نے اموی حکمرانوں کی قبروں کو بھی کھود ڈالا اور ان کی لاشوں کو اکھڑوا کر اِدھر اُدھر پھینک دیا۔ صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز کی قبریں ان کی دست بُرد سے بچ رہیں۔

بنواُمیہ میں سے جن لوگوں نے بھاگ کر جان بچائی، ان میں خلیفہ ہشام کا ایک پوتا عبدالرحمٰن بھی تھا۔ اس نے بھیس بدل کر مغرب کی راہ لی اور ہزاروں مصیبتیں جھیل کر آخر کار اندلس جا پہنچا اور تخت حکومت پر قابض ہو گیا۔ اس نے وہاں ایک مستقل خاندان کی بنیاد ڈالی جس نے ۲۷۵ سال تک اندلس پر حکومت کی۔ ②

بنواُمیّہ کے زوال کے اسباب

بنواُمیہ نے صرف نوے سال حکومت کی۔ ان کے زوال کا سبب یہ ہوا کہ رعایا کے اکثر طبقے ان کی حکومت سے خوش نہ تھے۔ بنواُمیہ نے محض سیاسی چالوں سے غلبہ حاصل کیا تھا، ورنہ جمہور اسلام نے ان کا انتخاب نہیں کیا تھا۔ علاوہ بریں وہ اسلامی خلافت کے لیے کوئی خاص استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے۔ اکثر لوگوں نے ان کی حکومت کو مجبوراً تسلیم کر لیا تھا مگر وہ دل سے ان کی اطاعت پر رضامند نہیں تھے، بلکہ ان کی طرزِ حکومت اور ان کے ذاتی چال چلن کو ناپسند کرتے تھے۔

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۷/ ۴۳۲

② الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۸/ ۱۶۷

Marfat.com

ذیل کی جماعتیں مختلف وجوہات سے ان کی مخالف تھیں۔ آخرکار انھی کی مخالفت سے اموی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا:

ا۔(ا) شیعانِ علی جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی دلجوئی کے لیے خاندانِ ہاشم کے رئیسوں سے نرمی اور بردباری سے پیش آتے تھے اور ان سے فیاضیانہ سلوک کرتے تھے، مگر ان کے جانشین اس حکمت عملی پر کاربند نہ رہ سکے۔ یزید کے عہد میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک حادثہ پیش آیا، جس سے شیعانِ علی کی نفرت اور مخالفت شدید سے شدید تر ہوگئی اور ان کے دل میں انتقام کی آگ سلگتی رہی۔ چنانچہ عبدالملک کے زمانے میں شیعانِ علی نے مختار ثقفی کا ساتھ دیا۔① عجمی لوگ عربوں سے بالعموم اور بنواُمیہ سے بالخصوص متنفر تھے، اس لیے شیعی خیالات نے ایران اور خُراسان کی سرزمین میں خاص طور پر فروغ پایا اور عباسی تحریک کے لیے راستہ صاف کیا۔

(ب) خوارج بنواُمیہ کو بے دین اور غاصب سمجھتے تھے اس لیے ان کے خلاف ہتھیار اٹھانا مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ ان کی مسلسل بغاوتوں سے ملک میں مدت تک بدامنی رہی اور حکومت کے اقتدار کو ضعف پہنچا۔

(ج) اگرچہ عام مسلمانوں نے اموی خلافت کو مجبوراً تسلیم کرلیا تھا مگر وہ بنواُمیہ کی جابرانہ حکومت، ان کے فسق و فجور اور ان کے عاملوں کے مظالم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ابن الاشعث کی بغاوت میں بیشتر ایسے ہی لوگوں نے حصہ لیا تھا۔②

(د) اگرچہ موالی یعنی نومسلم عجمی لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ عربوں کے دینی بھائی بن چکے تھے مگر عربوں نے ان کو کبھی اپنا ہمسر تسلیم کرکے ان کو حکومت میں شریک نہ کیا۔ لہٰذا موالی اپنی سیاسی اور معاشرتی پستی کو سختی سے محسوس کرتے تھے اور حکام کی طرف سے بددل رہتے تھے۔ چنانچہ عبدالملک کے زمانے میں جب مختار ثقفی نے عراق میں سر اٹھایا تو موالیوں نے اس کا ساتھ دیا۔③

① العاصمی، سمط النجوم: ۳/ ۲۲۹

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶/ ۳۴۲

③ العاصمی، سمط النجوم: ۳/ ۲۲۹

Marfat.com

۲۔ بنواُمیہ کے زوال کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ ان کے عہد میں عرب قبائل کی عصبیت نے دوبارہ سر اٹھایا۔ اسلام نے کچھ مدت کے لیے زمانۂ جاہلیت کی اس عصبیت کو دبا دیا تھا اور عرب قبائل کو آپس میں متحد کر دیا تھا، مگر اُموی دور میں مُضری اور یمنی عربوں کے باہمی حسد و رقابت کی آگ دوبارہ بھڑک اُٹھی جس نے حکومت کے اقتدار کو بہت نقصان پہنچایا۔ عرب قبائل کی اس باہمی عداوت کا ظہور سب سے پہلے مروان اول کے عہد میں ہوا۔ جب مَرج راہط میں ایک طرف قیس اور دیگر مضری قبیلے صف آرا ہوئے اور دوسری طرف مروان کے ساتھ یمن کے بنوکلب۔ [1]

اس لڑائی میں مروان فتح یاب تو ہو گیا مگر مضری قبائل کے دلوں میں یمنی عربوں کے خلاف انتقام کی آگ برابر سلگتی رہی۔ یہ قبائلی منافرت خُراسان میں اور بھی شدید تھی جہاں یمنی قبائل میں سے اَزْد اور مضری قبائل میں سے تمیم آباد تھے۔ اُموی خلفاء اور امراء کی کوتاہ اندیشی سے یہ قبائلی جذبہ بیدار رہا۔ جب کسی یمنی حریف کو نیچا دکھانا مقصود ہوتا تو وہ مضری عربوں کی امداد طلب کر کے اس کو تباہ و برباد کر دیتے اور اگر کسی مضری مخالف کو زَک دینا مطلوب ہوتا تو یمنی عربوں کو اپنا حلیف بنا کر مضریوں کو نیست و نابود کر دیتے۔ اس مسلسل خانہ جنگی سے عربوں کے بہت سے نامور خاندان مثل آلِ مُہلب، خاندان حجاج وغیرہ مٹ گئے۔ اس کُشت و خون سے عربوں کو من حیث القوم بہت نقصان پہنچا اور مخالفین کے مقابلے میں ان کی سیاسی طاقت کمزور پڑ گئی۔

۳۔ بنواُمیہ کے زوال کا تیسرا سبب یہ ہوا کہ ان کے ہاں جانشینی کا کوئی خاص دستور نہ تھا۔ اس سے بھی ان کی حکومت کو بہت ضعف پہنچا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کیا تھا، مروان اول کے زمانے سے اموی حکمرانوں نے ایک کی بجائے دو دو ولی عہد نامزد کرنے شروع کر دیے۔ [2] اس سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ جب ایک شخص خلیفہ بن جاتا تو عام طور پر اس کی یہ قدرتی خواہش ہوتی تھی کہ اپنے جانشین کو برطرف کر کے اس کی بجائے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنائے۔ اس سے شاہی خاندان کے ارکان میں باہمی رنجش اور عداوت پیدا ہوتی گئی اور ان کے

① المسعودی، مروج الذہب: ۳/ ۱۰۴

② ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۱۸۹

Marfat.com

ہاں مخالف فریق پیدا ہو گئے۔

یہاں تک کہ کشت وخون تک نوبت جا پہنچی اور خاندان اُمیہ کا شیرازہ بکھر گیا۔

۴۔ بنو اُمیہ کے زوال کا ایک قوی سبب یہ بھی ہوا کہ ان کی عیش پسندی نے رفتہ رفتہ ان کے مردانہ اوصاف اور مردانہ جوہر سلب کر لیے تھے۔ شخصی حکومت میں سلطنت کے تمام کاروبار کا دارومدار حکمران کی واحد ذات پر ہوتا ہے۔ جب تک حکومت صاحب تدبیر اور عالی ہمت فرمانرواؤں کے ہاتھ میں رہے سلطنت کا نظام درست رہتا ہے۔

اس کے برعکس نالائق اور بے پرواہ حکمران اس کی تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔

چند خلفاء کے سوا جو اُمور سلطنت میں کماحقہ انہماک رکھتے تھے، اموی خاندان کے اکثر افراد عیش وعشرت کے دلدادہ تھے۔ ان کے اسلاف سخت کوش اور عرب کی سادہ زندگی کے عادی تھے۔ مگر اخلاف پر شہری زندگی کے آرام و آسائش نے بہت برا اثر ڈالا اور حکومت و اقتدار کے ساتھ ساتھ سامان عشرت کی فراوانی ان کے لیے مہلک ثابت ہوئی۔ یہ ان کی بے اعتدالیوں ہی کا نتیجہ تھا کہ اموی حکمرانوں میں سے نصف نے چالیس سال سے زیادہ عمر نہ پائی اور اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عبدالملک اور ہشام کو مستثنیٰ کر دیا جائے، جنھوں نے بیس بیس سال حکومت کی تو باقی گیارہ فرمانرواؤں کی اوسط مدت صرف تین سال نکلتی ہے۔

مذکورہ بالا اسباب سے بنو اُمیہ کی حکومت رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی، رعایا کے دلوں میں ان کے خلاف جو نفرت پیدا ہو گئی تھی، بنو عباس نے اسے اپنے پراپیگنڈا سے اور ابھارا اور آخر کار اُموی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔

❀❀❀

Marfat.com

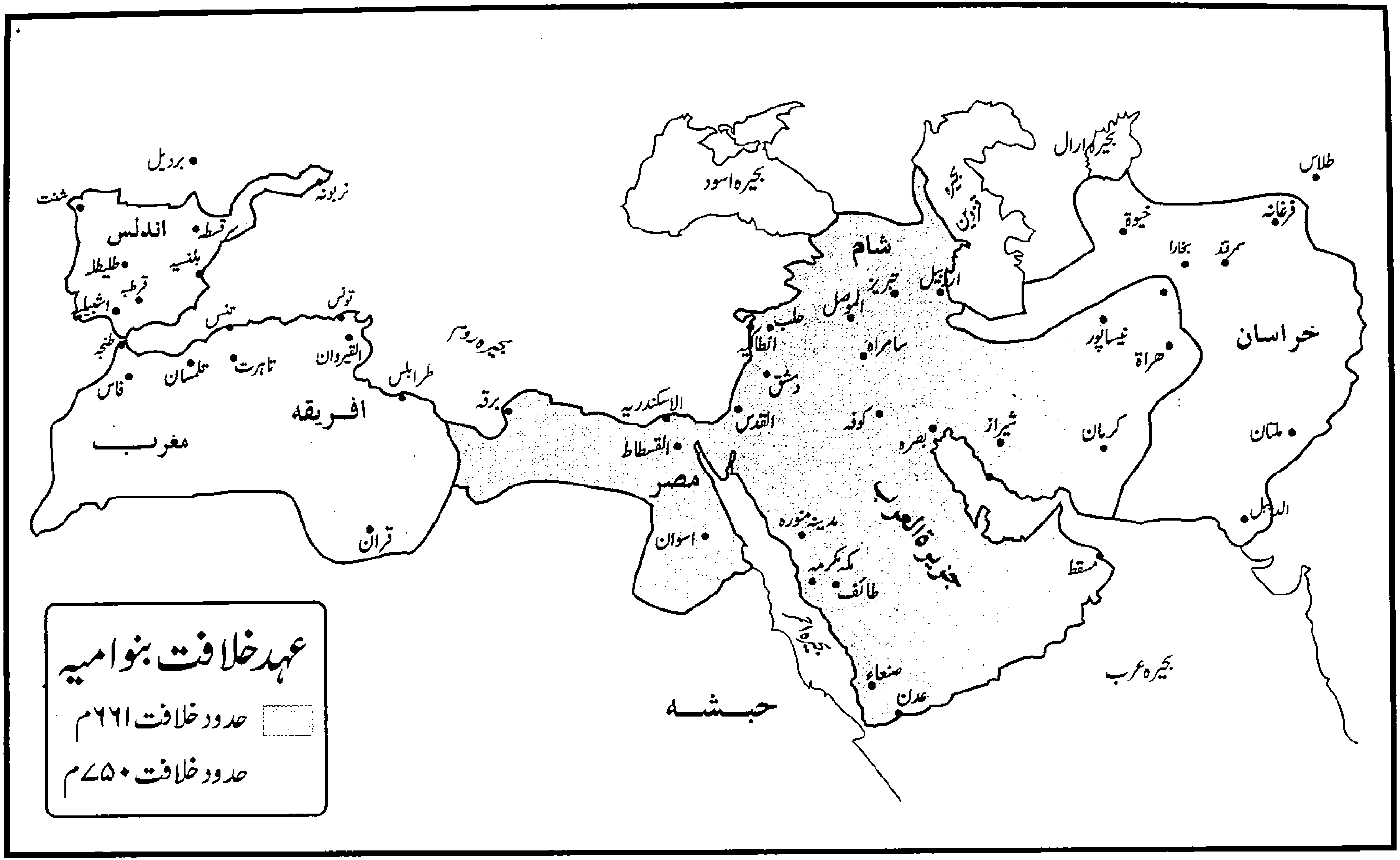
عہد خلافت بنوامیہ
حدود خلافت ٦٦١م
حدود خلافت ٧٥٠م
بردیل
شنت
زبونہ
اندلس
قسطہ
بلنسیہ
طلیطلہ
قرطبہ
اشبیلیہ
طنجہ
فاس
تلمسان
تاہرت
تنس
تونس
القیروان
افریقہ
مغرب
قران
طرابلس
برقہ
بحیرہ روم
الاسکندریہ
القسطاط
مصر
اسوان
حبشہ
بحیرہ اسود
شام
حلب
انطاکیہ
دمشق
القدس
کوفہ
سامراہ
الموصل
تبریز
اردبیل
بحیرہ قزوین
بصرہ
شیراز
کرمان
نیساپور
ہراۃ
خیوۃ
بخارا
سمرقند
فرغانہ
طلاس
بحیرہ ارال
خراسان
ملتان
الدیبل
جزیرۃ العرب
مدینہ منورہ
مکہ مکرمہ
طائف
صنعاء
عدن
مسقط
بحیرہ احمر
بحیرہ عرب

Marfat.com

دسواں باب

اُموی عہد پر تبصرہ

۴۱ھ تا ۱۳۲ھ

بنواُمیہ کے عہدحکومت کی خصوصیات

(۱) بنو اُمیہ کے عہد میں اسلامی سلطنت نے خلفاء راشدین کی جمہوری خلافت کی بجائے حکومت کی صورت اختیار کر لی تھی جس میں جبر و استبداد کا رنگ غالب تھا۔ خلیفہ کا تقرر جمہوری انتخاب کی بجائے خاندانی وراثت کے اُصول پر ہوتا تھا۔ ہر حکمران اپنے حین حیات ہی میں اپنے خاندان سے ایک ایک دو دو جانشین نامزد کر جاتا تھا۔ اس لیے ان کے عہد میں وہ تمام خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں جو ایک خود مختار شخصی حکومت میں ہوتی ہیں۔ سوائے ایک آدھ خلیفہ کے تمام اُموی حکمران خود مختار اور مطلق العنان تھے۔ اپنے ذاتی یا خاندانی مفاد کے لیے جو کچھ جی میں آتا تھا کر گزرتے تھے۔ انھیں کسی قسم کی جوابدہی کا اندیشہ نہ تھا۔

جمہور کی آواز اتنی دب گئی تھی اور ان کی آزادی اتنی سلب ہو چکی تھی کہ عام مسلمانوں کے لیے اُمور سلطنت میں مشورہ یا دخل دینے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔ حکمرانوں نے بیت المال کو اپنا ذاتی خزانہ سمجھ رکھا تھا۔ جس طرح چاہتے خرچ کرتے تھے۔

شاہی خاندان نے لاکھوں روپے کی جاگیریں لے رکھی تھیں۔

چنانچہ ملک کا بہت سا حصہ ان کی ذاتی ملکیت بن چکا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں ان خرابیوں کو دُور کرنے کی کوشش کی مگر ان کی وفات کے بعد ان کی تمام اصلاحات مِلیا میٹ ہو گئیں۔ غرض کہ بنو اُمیہ کی حکومت ہر لحاظ سے ایک دنیوی بادشاہت تھی اور استبداد اور ملوکیت کا ایک صحیح نقشہ تھی۔

Marfat.com

(۲) اُموی حکومت خالص عربی سلطنت تھی۔ اس اعتبار سے کہ حکومت کی باگ ڈور عرب قوم کے ہاتھ میں تھی اور سلطنت کے سیاہ وسفید کے وہی مالک تھے۔ حکومت کے تمام اہم انتظامی عہدے ان ہی کو ملتے تھے اور بری اور بحری فوج کی کمان بھی ان ہی کے ہاتھ میں تھی۔ سلطنت چونکہ انھی کے زورِ بازو سے قائم تھی اس لیے حکومت کے فوائد سے بے شرکتِ غیرے متمتع ہونے میں وہ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے۔

نخلِ اسلام کی آبیاری عربوں ہی کے خون سے ہوئی تھی، اس لیے حکومت میں وہ ان مفتوحہ اقوام کی شرکت کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب مختار ثقفی نے عراق کے موالی کو بھی مالِ غنیمت سے حصہ دلایا تو عرب لوگ اس مساویانہ سلوک سے بہت برہم ہوئے۔ عبدالملک نے حجاج کی مدد سے عجمیوں کو حکومت کے دفاتر سے بھی نکالنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اگرچہ مفتوحہ اقوام میں بہت سے لوگوں نے رفتہ رفتہ اسلام قبول کرلیا تھا۔ مثلاً: مشرق میں اکثر ایرانی اور مغرب میں بربرلوگ مُشرَّف باسلام ہو چکے تھے مگر سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے عربوں نے انھیں کبھی اپنا ہمسر تسلیم نہیں کیا اور اُموی عہد میں عجمی نومسلم ہمیشہ ثانوی درجے پر رہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے عرب لوگ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ظہورِ اسلام کے بعد جب وہ مفتوحہ ملکوں میں آباد ہوئے تو ان کی قبائلی تقسیم قائم رہی۔ خصوصاً مُضری اور یمنی قبائل کا باہمی امتیاز اور افتراق تمام اُموی عہد میں بہت نمایاں رہا اور عربوں کی اندرونی کمزوری کا موجب ہوا۔ اس سے عربی سلطنت کو بہت ضعف پہنچا اور آخر کار یہی امر بنواُمیہ کے زوال کا ایک قوی سبب ثابت ہوا۔

(۳) خاندان اُمیہ کے اکثر حکمرانوں میں خالص اسلامی روح بہت کمزور تھی، بلکہ بعض میں تو برائے نام، ظاہر ہے کہ حکمران خاندان کے اس طرزِ زندگی سے سلطنت کا کاروبار اور اندازِ حکومت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس خاندان کے اکثر حکمران یا تو مذہبی احکام کی طرف سے بے پروا تھے یا ان کی علانیہ خلاف ورزی کرتے تھے۔ شعائر اسلام کی جو تھوڑی بہت پابندی تھی وہ محض رسمی تھی اور وہ بھی اس لیے کہ وہ بہرحال اسلامی سلطنت کے حکمران تھے اور خلیفۃ

Marfat.com

المسلمین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ سوائے چند خلفاء کے جو اُمور سلطنت میں کما حقہ انہماک رکھتے تھے، اُموی خاندان کے اکثر حکمران عیش وعشرت کے دلدادہ تھے اور سلطنت کے کاروبار میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے۔ حکومت وسلطنت ان کے لیے عیش وعشرت کا سامان بہم پہنچانے کا ایک ذریعہ تھی اور ان کے اسلاف سادہ زندگی کے عادی تھے، مگر اخلاف پر متمدن زندگی کے آرام وآسائش نے نہایت برا اثر ڈالا اور دنیوی حکومت واقتدار کے لوازمات یعنی عیش وعشرت کے بے اندازہ ساز وسامان ان کے لیے مہلک ثابت ہوئے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُموی حکمرانوں میں سے نصف نے چالیس سال سے زیادہ عمر نہ پائی اور اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، عبدالملک اور ہشام کو مستثنیٰ کر دیا جائے جنھوں نے بیس بیس سال حکومت کی تو باقی گیارہ فرمانبرداروں کی اوسط مدت حکومت صرف تین سال نکلتی ہے۔ ان حالات میں یہ امر باعث تعجب نہیں کہ نہ صرف خارجی اور شیعانِ علی بنواُمیہ کی حکومت سے بیزار تھے اور ان کو خلافتِ اسلامی کا اہل نہیں سمجھتے تھے، بلکہ عام مسلمان بھی ان کے اطوار کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(۴) بنواُمیہ کی حکومت تمام عالم اسلام پر حاوی تھی۔ یعنی کوئی اسلامی ملک ایسا نہ تھا جو ان کے دائرہ حکومت سے باہر ہو۔ بعد کے زمانے میں عالم اسلام کی یہ سیاسی وحدت قائم نہ رہ سکی۔ گو بنو عباس نے بنواُمیہ کی جگہ لے لی مگر اَندلُس کا ملک ابتداء ہی سے ان کی سلطنت سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے ملکوں میں بھی متعدد خاندان یکے بعد دیگرے خودمختار بن بیٹھے اور اسلامی دُنیا کی سیاسی وحدت جاتی رہی۔

اُموی سلطنت کا نظم ونسق

بنواُمیہ کے عہد میں اسلامی سلطنت حسبِ ذیل پانچ بڑے صوبوں یا ولایتوں میں منقسم تھی:

(۱) عراق جس کا صدر مقام کوفہ تھا۔ عرب کے مشرقی علاقے اور ایران بھی اس میں شامل تھے۔ خُراسان کا عامل بھی والی عراق ہی کے ماتحت تھا۔ اس کا صدر مقام مَرو تھا۔ (۲) حجاز، نَجد اور یمن ایک والی کے ماتحت تھے۔ (۳) الجزیرہ، آرمینیہ اور آذربائیجان مل کر ایک والی کے زیر تصرف تھے۔ (۴) مصر کی ولایت علیحدہ تھی۔ (۵) افریقہ کی ولایت جس کا صدر مقام قیروان

Marfat.com

تھا۔ اَندلس اور بحر المتوسط کے مفتوحہ جزائر بھی اسی کے ماتحت تھے۔

ضلعی اور صوبائی حاکم امن و امان قائم رکھنے کے لیے منڈیوں کی دیکھ بھال، ناپ تول کے پیمانوں کی نگرانی، سڑکوں کی درستی اور صفائی وغیرہ کے بھی ذمہ دار تھے۔

سلطنت کے انتظام کے لیے متعدد محکمے بن چکے تھے۔ مثلاً: دیوان الخَراج جس میں سلطنت کے محاصل اور مالیات کا حساب رکھا جاتا تھا۔ فوج اور پولیس کی تنخواہوں کے حساب کے لیے بھی جداگانہ محکمے تھے۔ متفرق محاصل کے لیے الگ محکمہ تھا۔ دیوان الانشاء یا دیوان الرسل جس میں شاہی فرامین تیار ہوتے تھے اور عمال اور امراء کے نام بھیجے جاتے تھے۔

ان فرامین کی نقلیں دیوان الخاتم میں رکھی جاتی تھیں۔

ہر ایک ولایت کے سیاسی انتظامی اور فوجی معاملات وہاں کے والی یا امیر کے ہاتھ میں ہوتے تھے مگر مالیانہ کی وصولی کے لیے بعض اوقات ایک علیحدہ عامل مقرر کر دیا تھا جس کو صاحب الخراج کہتے تھے۔ مقامی اخراجات کو پورا کرنے کے بعد حاصل کی باقی ماندہ رقم دارالخلافہ کے مرکزی بیت المال میں جمع کرا دی جاتی تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مسلمان آباد تھے، مقدمات کے فیصلے کے لیے قاضی مقرر تھے۔ اوقاف اور یتیموں کے مال کی نگرانی بھی انھی کے متعلق تھی۔ ذمیوں کے تنازعات ان کے اپنے مذہبی پیشوا طے کرتے تھے۔

عہدِ اُموی کا فوجی نظام

بنواُمیہ کی فوجی طاقت کا دارومدار بیشتر شام کے عربوں پر تھا۔ جب حجاج کی سیاست سے عراق بھی بنواُمیہ کا مطیع و وفادار بن گیا تو مشرقی فتوحات کے لیے کوفہ اور بصرہ میں بھی ان کی فوجیں تیار ہونے لگیں۔ عربوں کی باہمی خانہ جنگی اور سلطنت کی اندرونی بغاوتوں اور شورشوں کے باوجود بنواُمیہ کے عہد میں عربوں کی فوجی طاقت انتہائی عروج پر پہنچ گئی اور ان کے عہد میں مشرق میں ماوراء النہر اور سندھ اور مغرب میں افریقہ اور اَندلس جیسے اہم اور وسیع ممالک سلطنت اسلام میں داخل ہوئے۔ اس عہد میں بہت سے نامور اور ممتاز سپہ سالار مُہلب بن ابی صفرہ، قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم، مسلمہ بن عبدالملک، عقبہ بن نافع، موسیٰ بن نُصیر اور طارق بن زیاد وغیرہ پیدا

Marfat.com

ہوئے جنھوں نے چار دانگِ عالم عربوں کی دھاک بٹھا دی اور دور دور تک ان کا شہرہ پھیلا دیا۔

بنو اُمیہ کے عہد میں عربی فوج کی تنظیم اور توسیع بہت حد تک رومی فوج کے نمونہ پر عمل میں آئی۔ میدان جنگ میں فوج کو ان پانچ حصوں پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ قلب، میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور ساقہ، ہر ایک حصہ کی علیحدہ صف بندی ہوتی تھی۔ آخری اُموی خلیفہ مروان ثانی نے چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کو رواج دیا جس کو کُرْدُوس (جمع کرادیس) کہتے تھے۔ ہتھیار تقریباً وہی تھے یعنی تلوار، نیزہ، تیر، جو خلافت راشدہ میں مستعمل تھے مگر قلعوں اور قلعہ بند شہروں کی تسخیر کے لیے عربوں نے منجنیق اور دبّابہ کا استعمال شروع کیا۔ نیز آتشیں گولوں کا رواج بھی شروع ہوا جن میں رال کی قسم کا آتش گیر مادہ بھر کر دشمنوں پر پھینکتے تھے۔

عربوں کی بحری فوج کی بنیاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں پڑ چکی تھی۔ بنو اُمیہ نے اسے یہاں تک ترقی دی کہ چند ہی سالوں میں عربوں کا بیڑا رومی بیڑے کا مدمقابل بن گیا اور بحر متوسط میں عربوں کی سَطوَت قائم ہوگئی۔ اسلامی مقبوضات اَندلُس اور فرانس تک پھیل چکے تھے جن کی پوری حفاظت بحری بیڑے کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی۔ چنانچہ عربوں نے کئی بندرگاہوں میں جہاز سازی کے کارخانے قائم کر دیے تھے۔ جہاز سازی اور جہاز رانی میں عرب حکمران مفتوحہ اقوام کے لوگوں سے بھی کام لیتے تھے۔ ①

عہد بنی اُمیّہ کے مالی انتظامات

اسلامی سلطنت کے محاصل میں آمدنی کی سب سے اہم مد خَراج یعنی زمین کا لگان تھا۔ اس کی مقدار اور وصولی کے اُصول میں وقتاً فوقتاً جو تبدیلیاں ہوتی رہیں ان کا بیان اُموی عہد کے مالی انتظامات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ دستور تھا کہ مسلمان عرب صرف زکوٰۃ دیتے تھے اور جن لوگوں کے پاس زمینیں تھیں وہ مد زکوٰۃ میں ان کی پیداوار کا عُشر یعنی دسواں ادا کرتے تھے۔ آپ نے مفتوحہ ملکوں میں ذمی لوگوں کی اراضی ان کے پاس ہی رہنے دیں اور ان پر خَراج

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۲۶۰/۴

Marfat.com

مقرر کیا جس کی شرح زمین کی صلاحیت اور فصل کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف تھی مگر اس کی مقدار عُشر کے مقابلے میں بہر حال زیادہ ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ کے عہد میں صرف عراق کا خراج بارہ کروڑ چالیس لاکھ درہم تک پہنچ گیا تھا۔ عربوں کو اہل الذمہ کی اراضی حاصل کرنے کی ممانعت تھی۔

مگر یہ ممانعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اٹھا دی گئی اور بہت سے مسلمانوں نے مفتوحہ ممالک میں وسیع اراضی حاصل کر لیں جو خراجی سے عشری بن گئیں۔ آگے چل کر اُموی دور میں جب ذمی لوگ دائرہ اسلام میں کثرت سے داخل ہونے شروع ہوئے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے اُنھوں نے اپنی زمینوں پر خراج کی بجائے عشر دینا شروع کیا تو اس سے بھی بیت المال کی آمدنی گھٹنے لگی۔ اس کے علاوہ عراق اور خُراسان میں بہت سے مزارعین اپنی زمینیں چھوڑ کر شہروں میں آباد ہونے لگے، اس سے بھی ملک کی خوشحالی کو نقصان پہنچا۔ ان مشکلات کا حجاج نے یوں تدارک کیا کہ جو زمینیں عربوں کے قبضے میں جا چکی تھیں ان پر خراج بدستور باقی رکھا۔ اس طرح جن عجمی مالکانِ اراضی نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے لیے بھی خراج کی ادائیگی لازمی رکھی۔ نیز مزارعین کو شہروں میں آباد ہونے سے روکا۔ چونکہ حجاج کا یہ طرزِ عمل پہلے دستور سے مختلف تھا اس لیے عربوں اور عجمی نومسلموں کے درمیان ایک عام اضطراب پیدا ہو گیا۔

جب عمر بن عبدالعزیز نے رعایا کی بے چینی کو دیکھا تو آپ نے حجاج کے دستور العمل کی اصلاح ضروری سمجھی اور یہ اصل الاصول قرار دیا کہ کوئی مسلمان خواہ وہ عرب ہو یا غیر عرب زمین کا خراج دینے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ اس سے صرف عشر لیا جائے۔ جو اراضی عربوں کے قبضے میں جا چکی تھیں انھیں بحال رکھا مگر اس کے ساتھ ہی یہ قاعدہ جاری کیا کہ سن ۱۰۰۔ ہجری کے بعد کوئی خراجی زمین عربوں یا نومسلموں کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے۔

اگر کوئی ذمی مسلمان ہو جاتا یا زمین چھوڑ کر کسی شہر میں آباد ہو جاتا تو وہ اپنی زمین اجارہ پر دینے کا مجاز ہوتا تھا مگر وہ زمین بدستور خراجی رہتی۔ ان قواعد کے اجراء سے سلطنت کے محاصل نہ صرف نقصان سے محفوظ ہو گئے بلکہ عمر بن عبدالعزیز کے حسنِ انتظام سے بیت المال کی آمدنی پہلے کی نسبت بڑھ گئی۔

Marfat.com

اُموی دور میں خراسان کا سب سے آخری والی نصر بن سیار تھا۔ اس نے جو مالی بندوبست کیا وہ بھی اپنی خوبی کے لحاظ سے قابلِ ذکر ہے۔ اس نے خراج کو سلطنت کی آمدنی کا اہم اور مستقل ذریعہ قرار دے کر ہر ایک ضلع کے لیے خراج کی ایک رقم مقرر کر دی۔ جو تمام مالکانِ اراضی سے خواہ وہ عرب ہوں یا غیر عرب مسلم ہوں یا غیر مسلم، ان کی اراضی کے تناسب سے وصول کی جاتی تھی۔ جزیہ زمین کے لگان سے بالکل علیحدہ تھا اور صرف زرتشتیوں، یہودیوں اور عیسائیوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ قبولِ اسلام سے جزیہ ساقط ہو جاتا تھا مگر چونکہ سلطنت کی آمدنی کا انحصار بیشتر خراج پر تھا، اس لیے ذمیوں کے قبولِ اسلام سے حکومت کے خزانے پر زیادہ اثر نہیں پڑتا تھا۔

اشاعتِ اسلام

اُموی خلفاء میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز بڑے پرہیز گار اور فرض شناس تھے۔ اُنھوں نے اشاعتِ اسلام پر خاص توجہ دی اور ترکستان اور سندھ کے حکمرانوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور عربی نام بھی اختیار کر لیے۔ خلیفہ نے اپنے عاملوں کو بھی لکھا کہ وہ رعایا کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیں۔

اُموی عہد میں شمالی افریقہ کے بربری قبائل نہ صرف سیاسی لحاظ سے مفتوح ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

ظہورِ اسلام سے پہلے ایران کے لوگ زرتشت کے پیرو تھے۔ عرب لوگ ان کو مجوس اور ان کے مذہبی پیشواؤں کو مُوبذ کہتے تھے۔ [1] ہمارے ہاں وہ لوگ زرتشتی، گبر اور آتش پرست کے ناموں سے مشہور تھے۔ جب ایران میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو وہاں کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ ملک میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی تو زرتشتیوں میں سے بعض لوگ ترکِ وطن کر کے ہندوستان کے مغربی ساحل پر گجرات کے علاقہ میں آ کر آباد ہو گئے اور پارسی کہلائے، کیونکہ وہ پارس یعنی فارس کے ملک سے آئے تھے۔ چند ہزار زرتشتی اب

① الشہرستانی، الملل والنحل: ۱/۲۳۰

Marfat.com

بھی ایران میں آباد ہیں اور اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔

عہدِ بنی اُمیہ کی معاشرت

اُموی عہد میں اسلامی سلطنت کی آبادی چار بڑے طبقوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے (۱) عرب فاتحین (۲) نومسلم اور موالی (۳) اہل الذمہ اور (۴) غلام لوگ۔

(۱) جب عرب لوگ فتوحات کے بعد صحرا کی سادہ زندگی کو خیر باد کہہ کر غیر ممالک میں آباد ہو گئے تو اُنھوں نے رفتہ رفتہ بہت سے عجمی رسوم و آداب اختیار کر لیے۔ بہت سے عربوں نے غیر اقوام کی عورتوں سے شادیاں کر لیں اور چونکہ انھیں تعدّدِ ازواج یعنی ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی مذہباً اجازت تھی، اس لیے تھوڑے ہی عرصے میں ان کی نسل میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ خُراسان کے عربوں نے ایرانی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں، ایرانی لباس اختیار کر لیا تھا۔ وہ نوروز اور مہرگان کے تہوار مناتے تھے اور فارسی زبان سمجھ لیتے تھے۔ عرب فاتحین اپنی سلطنت کی توسیع، فتوحات کے استحکام اور مملکت کے نظم و نسق میں مصروف رہتے تھے، اس لیے انھیں زراعت اور صنعت و حرفت کے لیے نہ تو فرصت تھی اور نہ ہی اس سے دل بستگی۔

اس لیے یہ مشاغل بیشتر ذمیوں کے ہاتھ میں رہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ رات کے وقت قدیم تاریخی واقعات اور حکایات سنتے تھے۔ بعض خلفاء کی تفریح نے اور ہی صورت اختیار کر لی اور ان کے دربار میں آہستہ آہستہ قیصر و کسریٰ کے سے آداب اور تکلفات نے جگہ لے لی اور ان کے محلات میں ویسے ہی ساز و سامان دکھائی دینے لگے۔ کئی ایک اُموی حکمران راگ و رنگ کے دلدادہ تھے۔ ان کی سرپرستی سے موسیقی نے بہت رواج پایا۔ شاہی محلات میں خواجہ سراؤں سے خدمت لینے کی جو رسم رومی حکمرانوں کے ہاں موجود تھی، اس نے مسلمانوں کے ہاں بھی رواج پایا۔

(۲) وہ نومسلم عجمی جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور عرب قبائل کی حمایت میں ان کے حلیفوں کی حیثیت سے رہتے تھے، موالی کہلاتے۔ وہ دراصل اسیران جنگ تھے جو فتوحات کے دوران میں عربوں کے ہاتھ قید ہو گئے تھے۔ اگرچہ قبولِ اسلام کے بعد ان کے مالکوں نے انھیں

Marfat.com

آزاد کردیا مگر وہ اپنے آقاؤں سے بے نیاز نہ تھے اور ضرورت کے وقت خدمت اور اعانت کے لیے طلب کیے جاسکتے تھے اور میدانِ جنگ میں ان کے دوش بدوش لڑتے تھے۔

(۳) ذمیوں میں مفتوحہ ممالک کے یہودی، عیسائی، زرتشتی اور دوسرے غیر مسلم شامل تھے۔ ان کی حفاظت عرب حکام کے ذمے تھی اور اس کے معاوضہ میں وہ جزیہ ادا کرتے تھے۔ انھیں مذہب کے معاملے میں پوری پوری آزادی حاصل تھی اور ان کے باہمی مقدمات کا فیصلہ بھی ان کے اپنے مذہبی پیشواہی کرتے تھے۔ سرکاری عہدے اور منصب ان کے لیے ممنوع نہیں تھے۔ قبول اسلام سے ذمیوں کی تعداد رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی۔

(۴) جو لوگ لڑائی میں پکڑے جاتے اور زرِ فدیہ ادا نہ کرسکتے تھے وہ عرب فاتحین کے غلاموں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ مختلف فتوحات میں جو عجمی لوگ غلام بنائے گئے، ان کی تعداد ہزاروں لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں تقریباً ہر متوسط الحال عرب کے پاس متعدد غلام ہوا کرتے تھے۔ اس طبقہ میں افریقہ کے سیاہ فام حبشی، ماوراء النہر کے ترک، یورپ کے سفید رنگت والے صقلبی، غرض متعدد قوموں کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ مالک ان سے ہر قسم کی خدمت لے سکتے تھے۔ شریعت اسلام میں غلاموں سے نیک سلوک کرنے کی سخت تاکید تھی، اس لیے ان کی عام حالت خانگی ملازموں سے ملتی جلتی تھی۔

عہدِ اُموی میں مسلمانوں کے مدارس فکر میں اہل السنہ، شیعہ، خوارج، مرجیہ اور معتزلہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عہد بنی اُمیّہ کی علمی ترقی

خلافت راشدہ کا زمانہ بیرونی فتوحات یا اندرونی خانہ جنگی میں گزرا۔ لہٰذا مسلمانوں کے ہاں علمی ترقی کی ابتداء بنو اُمیہ کے دور سے ہوئی۔ بالخصوص تفسیر، حدیث، علمِ نحو، ادب، فقہ، لغت، طب اور سیر و مغازی نے رواج پایا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال مسلمانوں کے لیے شمع ہدایت کا کام دیتے ہیں اور ان سے قرآن کے بہت سے مقامات کی وضاحت ہوتی ہے، اس لیے مسلمانوں نے ان کی حفاظت اور کتابت و روایت کا اہتمام کیا۔ سن ۱۰۰ ہجری کے بعد

Marfat.com

حدیث کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری عمر کے دس سال مدینہ منورہ میں گزارے تھے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی وہیں سکونت اختیار کی تھی، اس لیے مدینہ ہی علمِ حدیث کا سب سے پہلا مرکز قرار پایا۔ یہاں کے سب سے پہلے بڑے محدث امام زہری تھے۔ پھر دوسرے شہروں میں بھی حدیث کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ کئی آئمہ نے احادیث کے جمع و روایت میں خاص نام پیدا کیا۔ قرآن اور حدیث پر مسلمانوں کے دینیات (عقائد و اعمال) اور علم فقہ (اسلامی قانون) کی بنیاد پڑی۔

جب مفتوحہ ممالک میں عجمیوں کے ساتھ عربوں کا اختلاط بڑھا اور نو مسلموں کو قرآن شریف کے سمجھنے کے لیے عرب فاتحین کے ساتھ میل جول رکھنے اور سرکاری عہدہ داروں کو فرائض منصبی کے سرانجام دینے کی ضرورت پیش آئی تو ان کی توجہ عربی زبان کے علمی مطالعہ کی طرف منعطف ہوئی۔ چنانچہ بصرہ اور کوفہ کے مسلمان علماء نے جن میں بہت سے عجمی بھی شامل تھے، عربی زبان کے اُصول و قواعد اور اس کے ذخیرہ الفاظ کا بغور مطالعہ شروع کیا اور اُنھوں نے عربوں کی لغات کی طرح کر ڈالی اور عربی زبان کے قواعد کو ضبط کر کے علم نحو کی بنیاد رکھی۔

اس عہد کے مشہور شاعر جریر، فرزدق اور اخطل تھے۔ ان کا کلام قدیم عرب شعراء کے کلام کے طرز پر تھا۔ اخطل عیسائی قبیلہ تغلِب سے تھا اور خلیفہ عبدالملک کا درباری شاعر تھا۔ اسی عہد میں عمر بن ابی ربیعہ نے حجاز میں خالص غزلیہ شاعری کا آغاز کیا۔ اس کی عشقیہ نظمیں زبان کی شیرینی اور خیال کی لطافت دونوں لحاظ سے بہت دل آویز ہیں۔ قیس عامری جو عام طور پر مجنوں کے لقب سے مشہور ہے [۱] اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو علمِ تاریخ کا بہت شوق تھا۔ اُنھوں نے یمن کے ایک شخص عبید بن شریہ کو اپنے دربار میں بلایا جو انھیں قدیم تاریخ کے متعلق روایات سنایا کرتا تھا۔ [۲] وہب بن منبہؒ نے اہل کتاب کی روایات اور عقائد اور یمن کی قدیم تاریخ کے متعلق کتابیں تالیف کیں۔

---

① ابن فضل اللہ، مسالک الابصار: ۱۴/۲۵۶، ۲۷۰

② دینوری، المعارف، ص: ۲۳۲

Marfat.com

ظہورِ اسلام کے وقت سلطنتِ اسلام میں یونانی حکمت وفلسفہ کی بچی کھچی روایات کا سب سے بڑا مرکز اِسکنْدَرِیَّہ تھا۔ شام (سوریہ) کے علماء بھی یونانی علوم وفنون میں دسترس رکھتے تھے اور بہت سی یونانی تالیف کو سریانی زبان میں ترجمہ کر چکے تھے۔ بنواُمیہ کے دور میں انھی کے ذریعے سے عرب لوگ بھی یونانی علوم سے آشنا ہوئے۔ چنانچہ خالد بن یزید بن معاویہ نے یونانی وقبطی زبانوں سے علمِ کیمیا اور طب کی متعدد کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ ① اسی طرح مروان بن حکم کے عہد میں ایک یہودی طبیب، سرجویہ نے طب کی ایک کتاب کا سریانی زبان سے ترجمہ کیا، جسے اسکندریہ کے ایک عیسائی فاضل نے یونانی زبان میں لکھا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے یونانی طبیبوں کو اسکندریہ سے انطاکیہ اور حرّان منتقل کیا۔ ② یونانی علوم سے استفادہ کی یہ ابتدائی کوششیں تھیں لیکن اسلامی دنیا میں یونانی علوم وفنون کی پوری ترویج خاندان عباسیہ کے عہد میں ہوئی۔ اس فلسفہ وحکمت کے رواج سے مسلمانوں میں نئے نئے مسائل پر بحث چھڑی، جس سے متعدد فرقے پیدا ہوئے۔

اسلام کے ابتدائی عہد میں اکثر علوم سینہ بسینہ روایت ہوتے رہے اور ان کی تعلیم بھی زبانی رہی، اس لیے کتابیں کم مدوّن ہوئیں۔ جو کتابیں لکھیں گئیں وہ امتدادِ زمانہ سے ناپید ہو گئیں۔

ان کی وجوہات سے اُموی عہد کی بہت کم تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔

فنون

اُموی عہد میں فن عمارت نے بڑی ترقی کی۔ خلفاء اور امراء نے بہت سی مساجد تعمیر کیں۔ مثلاً مسجد قیروان، مسجد دمشق، جامع عتیق، نیز مسجد نبوی کی توسیع وتزئین۔ مساجد کے علاوہ شاہی محلات تعمیر کیے گئے۔ دمشق میں قصرِ خضراء جمال وجلال کا بہترین نمونہ تھا۔

اسی طرح کئی شہروں کی بنیاد رکھی گئی۔ مثلاً: واسط اور قیروان، اُموی خلفاء نے دمشق کے حسن وجمال اور رونق کو بھی چار چاند لگا دیے۔

شہروں کی تاسیس اور مساجد کی تعمیر وتزئین کے سلسلے میں اُموی خلفاء نے فن تعمیر میں بڑے حسن ذوق کا ثبوت دیا ہے۔

---

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۳/۱۶۴

② ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص: ۲۰۹

Marfat.com

بنو عبّاس کا عہدِ حکومت

۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ = ۷۵۰ء تا ۱۲۵۸ء

پہلے دس عباسی خلفاء

نام	خلافت نشینی	وفات
ابوالعباس السفاح	۱۳۲ھ (۷۵۰ء)	۱۳۶ھ
ابوجعفر المنصور	۱۳۶ھ (۷۵۴ء)	۱۵۸ھ
المہدی بن المنصور	۱۵۸ھ (۷۷۵ء)	۱۶۹ھ
الہادی بن المہدی	۱۶۹ھ (۷۸۵ء)	۱۷۰ھ
ہارون الرشید بن المہدی	۱۷۰ھ (۷۸۶ء)	۱۹۳ھ
الامین بن ہارون الرشید	۱۹۳ھ (۸۰۹ء)	۱۹۸ھ
المامون بن ہارون الرشید	۱۹۸ھ (۸۱۴ء)	۲۱۸ھ
المعتصم بن ہارون الرشید	۲۱۸ھ (۸۳۳ء)	۲۲۷ھ
الواثق بن المعتصم	۲۲۷ھ (۸۴۲ء)	۲۳۲ھ
المتوکل بن المعتصم	۲۳۲ھ (۸۴۶ء)	۲۴۷ھ (۸۶۲ء)

Marfat.com

بنوعباس کا عہدِ حکومت

عباسی عہد کی خصوصیات

بنوعباس کے برسراقتدار آنے سے تاریخ اسلام میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس سے پیشتر اُموی خاندان کی حکومت اس لحاظ سے خالص عربی حکومت تھی کہ اس کی باگ ڈور عرب قوم کے ہاتھ میں تھی، مگر بنوعباس کے عہد میں عربوں کے علاوہ دوسری مسلمان قومیں بھی ان کے ساتھ حکومت میں شریک ہوگئیں۔ چونکہ بنوعباس کو حکومت دلانے میں ایرانیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، اس لیے ان کے عہد میں سب سے پہلے عجمی لوگ سلطنت کے کاروبار میں دخیل ہوئے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کا اثر ورسوخ بڑھنے لگا۔ کچھ مدت کے بعد عباسی خلفاء نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ ان کا اقتدار حد سے زیادہ بڑھ گیا۔

ان تمام اسباب کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنتِ اسلام میں عربوں کی پہلی سی قدر ومنزلت باقی نہ رہی اور نومسلم عجمی اقوام بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ کرنے لگیں۔ چنانچہ عہد عباسی میں سلطنتِ اسلام نے ایک بین الاقوامی صورت اختیار کرلی۔ کئی مختلف قوموں کے لوگ عرب، ایرانی اور ترک مختلف حیثیتوں سے شریک تھے۔ ان کے باہمی میل جول سے ایک نیا تمدن ظہور میں آیا۔

عباسی خلافت سن ۱۳۲۔ ہجری، ۷۵۰۔ عیسوی سے لے کر سن ۶۵۶۔ ہجری، سن ۱۲۵۸۔ عیسوی تک یعنی پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ تک قائم رہی۔ تاریخ اسلام میں اسے مذہبی، سیاسی اور تمدنی لحاظ سے ایک خاص اہمیت اور امتیاز حاصل ہے جو کسی دوسرے حکمران خاندان کے حصے میں نہیں آیا۔ اگرچہ دولتِ عباسیہ پر اس عرصہ میں بہت سے انقلابات آئے اور عباسی خلفاء کی قوت گھٹتی بڑھتی رہی مگر عالمِ اسلام کا بیشتر حصہ ان کی خلافت اور سیادت کو تسلیم کرتا رہا۔

بنوعباس اُمویوں کے استبداد اور ان کے جبر وتعدّی کے خلاف اصلاح وارشاد کی دعوت

Marfat.com

لے کر اٹھے تھے۔ اگرچہ حصول مقاصد میں اُنھوں نے دُنیاداروں کی سی حیلہ سازی اور چالبازی سے کام لیا، اوران کے عہد میں حکومت کا جبر واستبداد پہلے سے بھی بڑھ گیا تھا، تاہم روئے زمین کے اکثر مسلمان ان کو حامیٔ دین تصور کرتے تھے اوران کی حکومت وسیادت کوتسلیم کر کے ان کا احترام کرتے تھے۔

عباسیوں کے عہد میں تہذیب وتمدن کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ صنعت وحرفت اورتجارت کی گرم بازاری، دینی اور دنیوی ہر قسم کے علم وفن نے ترقی پائی اور رعایا کو خوش حالی نصیب ہوئی۔ عباسی خاندان کے پہلے آٹھ دس خلفاء بڑے مدبر اولوالعزم اور حوصلہ مند تھے۔ وہ بڑی شان و شوکت اور جاہ وجلال کے مالک تھے۔ اُنھوں نے ایک سو سال تک حکومت کی۔ اس دور کے سیاسی عروج، تمدنی فروغ اور علمی ترقی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے عام طور پر تاریخ اسلام کا زرّیں عہد کہا جاتا ہے۔

❁❁❁

Marfat.com

عباسی عہد کے پانچ دَور

عباسی خاندان کی ابتداء سن ۱۳۲۔ہجری بمطابق سن ۷۵۰۔عیسوی سے ہوتی ہے۔ جب لوگوں نے ابوالعباس عبداللہ السفاح کے ہاتھ پر کوفہ میں بیعت کی [①] اور اس کا خاتمہ سن ۶۵۶۔ہجری بمطابق سن ۱۲۵۸۔عیسوی میں ہوا۔ جب تاتاریوں کے بادشاہ ہلاکو خاں نے بغداد کو تباہ کر کے خلیفہ مستعصم کو قتل کر ڈالا۔ اس لحاظ سے ان کی کل مدتِ حکومت ۵۲۴ قمری سال ہے۔ اس مدت میں کل ۳۷ حکمران یکے بعد دیگرے مسندِ خلافت پر بیٹھے جن کی اوسط مدت حکومت ۱۴ سال ہے۔

عباسی خلفاء نے حقیقی معنوں میں صرف ایک سو سال حکومت کی۔ اس کے بعد ان کے اقتدار میں کمی بیشی ہوتی رہی اور ان پر بہت سے انقلابات آئے۔ ان انقلابات کے اعتبار سے ہم عباسی عہد کو پانچ مختلف دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

ہر دَور کی الگ الگ سیاسی اور تمدنی خصوصیات ہیں۔

پہلا دَور

عباسی عہد کا پہلا دَور سن ۱۳۲۔ہجری سے لے کر سن ۲۳۲۔ہجری تک ایک سو سال کا ہے جس میں ۹ حکمران یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے۔ یہ دَور خلافتِ عباسیہ کے عروج کا زمانہ ہے جس میں عباسی خلفاء نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔ اَندلُس کے سوا تمام عالم اسلام ان کے زیر نگیں تھا اور کسی شخص کو ان کے حکم سے سرتابی کرنے کی مجال نہ تھی۔ خارجیوں اور علوی خاندان کے بعض افراد نے ان کا مقابلہ کرنے کی جسارت کی مگر ان کے دبدبہ کے آگے کسی کی پیش نہ چل سکی۔

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۴۰۸

Marfat.com

اس دَور میں ایرانی لوگ اُمورِ سلطنت میں دخیل ہو گئے اور تمدن اور معاشرت میں بھی ان کا اثر ونفوذ نمایاں ہو گیا۔ اس کے علاوہ یونانی علوم وفنون کی سینکڑوں کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں، جن کے ذریعہ سے مسلمانوں کو قدیم یونان کے فلسفہ وحکمت، ریاضی وہیئت، طب اور دوسرے علوم سے واقفیت حاصل ہوئی۔

اس سے ان کا دائرہ معلومات وسیع ہوا اور نئے نئے مسائل زیرِ بحث آئے۔

عباسیوں کے عروج کا یہ دَور خلیفہ واثق کی وفات یعنی سن ۲۳۲۔ہجری پر ختم ہو جاتا ہے۔

دُوسرا دَور

عباسی عہد کا دوسرا دور ۱۰۲ سال کا ہے جو سن ۲۳۲۔ہجری سے لے کر سن ۳۳۴۔ہجری تک ممتد ہے۔ یہ دَور ترکی فوجوں کی چیرہ دستی اور خلفاء کے ضعف وانحطاط کا زمانہ ہے۔ آٹھویں خلیفہ معتصم نے وسط ایشیا کے ترکوں کو اسلامی فوج میں بھرتی کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترک سپہ سالار آخر کار سلطنت کے سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے تھے۔ جس کو چاہتے تخت پر بٹھا دیتے اور جب چاہتے اتار دیتے تھے۔ عباسی خاندان کا دسواں خلیفہ متوکل ترکوں کا زور توڑنے کی کوشش میں قتل ہو گیا[1] اور دَورِ انحطاط کی ابتداء اسی کے عہدِ حکومت سے کی جاتی ہے۔

جب ترکوں کی چیرہ دستی سے عباسی قضاء بہت کمزور ہو گئے تو سلطنت کے دُور دراز صوبوں میں کئی خود مختار خاندان معرضِ وجود میں آئے۔ مصر میں طولونی خاندان خود مختار بن بیٹھا اور مشرق میں علوی، صَفاری اور سامانی خاندانوں نے اپنی اپنی بساطِ حکومت بچھائی۔ سامانی خاندان کی سرپرستی میں فارسی اَدبیات نے دوبارہ جنم لیا۔ جہاں تک اسلامی علوم کا تعلق ہے، حدیث نبوی ﷺ کی تدوین میں علماء دین نے خاص سرگرمی دکھائی۔ اسی دور میں اسماعیلی فرقہ کی ابتداء ہوئی جو کہ شیعہ کی ایک شاخ ہے۔ ان کے بعد قرامطہ نے ظہور کیا۔ قرمطی تحریک کی تہ میں دراصل اقتصادی اور معاشرتی اسباب کارفرما تھے۔

---

① سیوطی، التاریخ، ص: ۳۰۱، ۳۲۴

Marfat.com

تیسرا دَور

عباسی عہد کا تیسرا دور ۱۱۳ سال کا ہے۔ جب دیلمی حکمران ایران کے علاوہ بغداد پر متسلط رہے۔ (سن ۳۳۴ ہجری تا سن ۴۴۷ ہجری) ان کو بنی بویہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ وطن کے لحاظ سے ایرانی اور مذہب کے لحاظ سے شیعی تھے۔ اُنھوں نے کئی شیعی رسوم بغداد میں رائج کیں اور دارالخلافہ میں شیعہ سنی فساد اسی زمانے سے شروع ہوا۔ عباسی خلفاء بالکل بے بس تھے اور مذہبی اختلاف کی بناء پر دیلمی حکمران ان کی دیدہ دانستہ اہانت کر رہے تھے۔ آخر کار سن ۴۴۷ ہجری میں سلجوقی ترکوں نے بغداد میں داخل ہو کر دیلموں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

چوتھا دَور

عباسی عہد کا چوتھا دَور ۱۴۳ سال کا ہے۔ جس میں سلجوقی ترک برسرِ اقتدار تھے۔ اس دَور کی ابتداء سن ۴۴۷ ہجری سے ہوتی ہے، جب سلجوقیوں نے بغداد میں داخل ہو کر دیلموں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ یہ لوگ سُنی تھے اور خلفاء کا بہت احترام کرتے تھے۔ لہٰذا اس دور میں ظاہری عزت اور وقار کے لحاظ سے عباسی خلفاء کی حالت پہلے کی نسبت بہتر ہو گئی، اگرچہ ملک کے حقیقی حاکم سلجوق ہی تھے۔ خانہ جنگی نے سلجوقیوں کو رفتہ رفتہ کمزور کر دیا۔ یہاں تک کہ خوارزم شاہیوں نے مشرق سے بڑھ کر سلاجقہ کو شکست دی اور سن ۵۹۰ ہجری میں ان کی حکومت کا چراغ گل کر دیا۔

اس دَور میں یورپ کے عیسائیوں نے اسلامی ملکوں پر بار بار چڑھائی کی اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی، ان جنگوں کو صلیبی جنگیں کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ بیت المقدس (یروشلم) کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑایا جائے۔ سلجوقی سلاطین باہمی خانہ جنگی میں اپنی قوت ضائع کر رہے تھے، اس لیے وہ صلیبی جنگوں میں خاطر خواہ حصہ نہ لے سکے اور عیسائیوں کو روکنے کا کام شام اور الجزائر کے مقامی حکمرانوں مثلاً: عماد الدین زنگی، نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو سرانجام دینا پڑا تھا۔

Marfat.com

پانچواں دور

عباسی عہد کا پانچواں اَور آخری دور ٦٦ سال کا ہے۔ اس دور کی ابتدا سن ۵۹۰ ہجری سے ہوتی ہے۔ جب سلاجقہ کے زوال کے بعد عباسیوں نے اقتدار سنبھالا اور اپنی جہد مسلسل سے خلافت کا کھویا ہوا وقار ایک حد تک دوبارہ قائم کرلیا، مگران کا یہ اقتدار دیرپا ثابت نہ ہوا کیونکہ ۲۵ سال کے بعد ممالک اسلام پر تاتاریوں کے حملے شروع ہو گئے اور چنگیز خاں نے تُرکستان کے اکثر شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

آخرکاراس کے پوتے ہلاکو خاں نے سن ٦۵٦ ہجری میں بغداد کو تباہ کر کے خلیفہ مستعصم کو قتل کردیا اور عباسی خلافت کا چراغ گل ہو گیا۔

❀❀❀

Marfat.com

خلافتِ بنی عبّاس

دور	مدت	سنین	سیاسی کیفیت
پہلا دور	۱۰۰ سال	۱۳۲ھ ۷۵۰ء تا ۲۳۲ھ	عباسیوں کا عروج
دوسرا دور	۱۰۲ سال	۲۳۲ھ تا ۳۳۴ھ	ترکوں کا غلبہ
تیسرا دور	۱۱۳ سال	۳۳۴ھ تا ۴۴۷ھ	دیلم کا زمانہ
چوتھا دور	۱۴۳ سال	۴۴۷ھ تا ۵۹۰ھ	سلاجقہ کا زمانہ
پانچواں دور	۶۶ سال	۵۹۰ھ تا ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء	عباسیوں نے دوبارہ اقتدار حاصل کرلیا

Marfat.com

پہلا باب

ا۔ابوالعباس السفّاح

۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ

سفّاح کے ملکی انتظامات

کوفہ شیعانِ علی کا مرکز تھا، اس لیے سفاح نے اسے چھوڑ کر انبار کے قریب اپنے لیے ایک نیا دار الحکومت تعمیر کیا اور اس کا نام اپنے جدا علیٰ کے نام پر ہاشمیہ رکھا۔ ①

ربیع الاول سن ۱۳۲۔ ہجری میں اہل کوفہ نے سفاح کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، جب اس سال کے آخر میں اُموی خاندان کا تاجدار مروان ثانی مارا گیا اور سلطنت اسلام کے اکثر صوبوں نے سفاح کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اس نے مملکت کے نظم ونسق پر توجہ دی۔ خُراسان کی ولایت بدستور ابومسلم کے پاس رہنے دی اور دوسرے صوبوں پر اپنے قریبی رشتہ داروں کو حاکم مقرر کیا جن پر وہ بھروسہ کر سکتا تھا۔ ان عباسی والیوں نے اپنے اپنے صوبوں میں نہ صرف اُموی خاندان کو چن چن کر قتل کیا بلکہ ان کے طرفداروں اور ہواخواہوں کو بھی بے دریغ تہ تیغ کیا۔ ②

عُہدہ وزارت

دولت عباسیہ سے پہلے وزارت کا عہدہ نہ تھا بلکہ ہر ایک خلیفہ کے اپنے اپنے مشیر اور حاشیہ نشین ہوتے تھے جن سے وہ اہم اُمور میں مشورہ لیتا تھا یا کاتب ہوا کرتے تھے جو سرکاری فرمان اور راز کے مراسلات لکھتے تھے۔ سب سے پہلے سفاح نے وزیر کا منصب قائم کیا۔ اِس کے عہد میں سب سے پہلا شخص جو وزیر کے نام سے مشہور ہوا ابوسلمہ خلاّل تھا۔ ابوسلمہ کوفہ کا رئیس تھا جو عباسیوں کا ایک ممتاز داعی اور وزیر آل محمد (ﷺ) کے لقب سے مشہور تھا، مگر سفاح نے اپنی

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۳۸۹/۵

② خلیفہ بن خیاط، التاریخ، ص: ۴۱۳، ۴۰۹

Marfat.com

بیعت خلافت کے چند ماہ بعد اسے قتل کرا دیا۔ اس کے بعد ابوالجہم کو، بعد ازاں خالد بن برمک کو خالد کے آباؤ اجداد بلخ کے معبد، نو بہار کے متولی تھے۔ اس نے دعوت عباسیہ کے پھیلانے میں خاص خدمات سرانجام دی تھیں۔ ان کے صلہ میں سفاح نے اسے وزیر بنا دیا۔ خالد اس عہدے پر خلیفہ منصور کے عہد تک فائز رہا۔ ①

فتوحات

خلیفہ سفاح کے عہد میں سرحدی علاقوں میں بھی جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہا۔ سندھ کے حاکم نے عباسیوں کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ عباسی فوجوں نے بہت سے کشت وخون کے بعد اسے شکست دی اور وہ ریگستان میں فرار ہو گیا۔ فرغانہ کے حاکم نے بھی شورش برپا کی اور ایک لاکھ چینی سپاہ کی مدد سے چاچ پر حملہ کر دیا۔ ابومسلم نے سمرقند سے گورنر زیاد بن صالح کو ان کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ زیاد نے سن ۱۳۳۔ہجری (سن ۷۵۱۔عیسوی) میں حاکم فرغانہ کو دریائے طراز کے کنارے شکست فاش دی۔ ② اس جنگ میں ترکوں کے علاوہ بہت سے چینی قیدی بھی پکڑے گئے۔ چینی قیدیوں میں سے بعض کاغذ سازی کی صنعت جانتے تھے۔ ان کے ذریعے کاغذ سازی، سمرقند میں شروع ہوگئی۔ اس زمانے تک کاغذ بنانے کا فن صرف اہل چین تک ہی محدود تھا۔ پھر بعد میں یہ صنعت سمرقند سے خُراسان، بغداد اور دوسرے ملکوں میں رائج ہوگئی۔

سفاح کی وفات

سفاح نے ذوالحجہ سن ۱۳۶۔ہجری مطابق جون سن ۷۵۴۔عیسوی میں دارالحکومت ہاشمیہ میں چار سال کی حکومت کے بعد چیچک کے عارضہ سے وفات پائی۔

انتقال کے وقت اس کی عمر تینتیس سال سے زائد تھی۔ سفاح نے اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا۔ ③

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۳/ ۶۳، ۱۴۹

② ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۴۴۹

③ ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۴۵۹، ۴۶۱

Marfat.com

بنو عباس کا شجرہ نسب

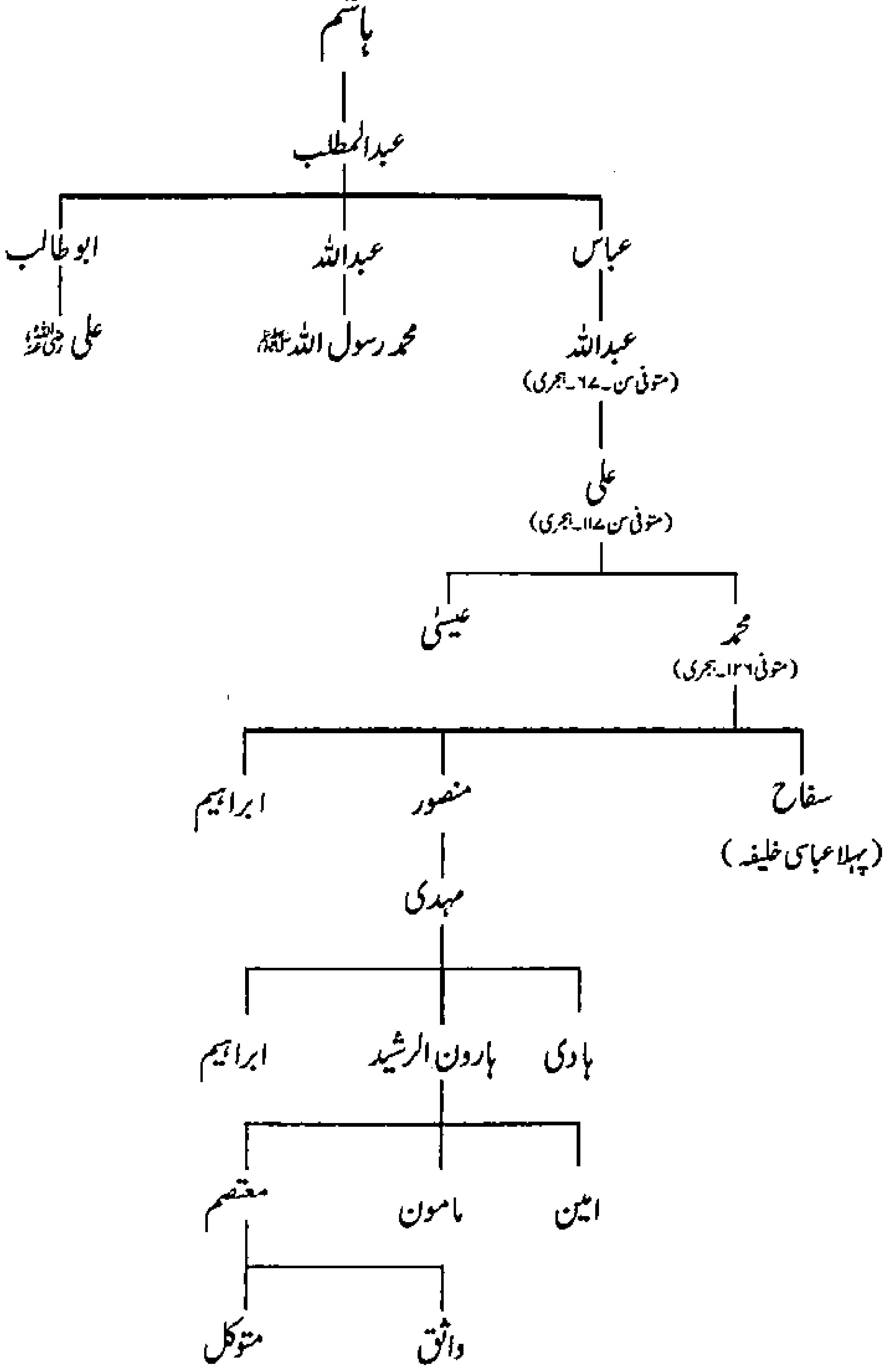

Marfat.com

۲۔ابوجعفر منصُور

۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ = ۷۵۴ء تا ۷۷۵ء

خلیفہ منصُور

خلیفہ سفاح کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بھائی ابوجعفر سن ۱۳۶۔ ہجری، سن ۷۵۴۔عیسوی میں اس کا جانشین ہوا۔اس وقت اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ ابوجعفر عمر میں سفاح سے بڑا تھا مگر چونکہ وہ ایک بربری لونڈی کے پیٹ سے تھا،اس لیے خلافت کے معاملہ میں سفاح کو اس پر سبقت حاصل رہی۔ابوجعفر نے تخت نشین ہو کر المنصور کا لقب اختیار کیا اور حکومت کے کاروبار میں کمال انہماک سے مصروف ہوگیا۔ ①

عبداللہ بن علی کی بغاوت

سفاح کی وفات کے وقت اس کا چچا عبداللہ بن علی شام کا والی تھا اور اس کے پاس ایک بھاری لشکر تھا۔اس نے منصور کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور فوج سے اپنے حق میں بیعت لے لی۔منصور نے اس کے مقابلے میں ابومسلم کو بھیجا۔ابومسلم نے عبداللہ کو نصیبین کے مقام پر شکست دی۔عبداللہ نے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان کے پاس کوفہ میں پناہ لی۔منصور نے اسے امان دی، بعد میں اُسے قید کر دیا اور چند سال بعد اسے قید ہی میں مروا ڈالا۔ ②

ابومُسلم کا قتل

ابومسلم نے نہ صرف دولت عباسیہ کا نخل لگایا بلکہ اپنی تدبیر اور شجاعت سے عبداللہ بن علی کے مقابلے میں منصور کو تخت دلایا تھا۔بجائے اس کے کہ منصور اس کا شکر گزار ہوتا،اس نے اپنے دل

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۸۹/۱۰

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۹۰/۱۰

Marfat.com

میں اس کے قتل کی ٹھان لی۔ منصور اس کے اقتدار اور خودسری کو اپنے خاندان کے لیے خطرناک سمجھتا تھا اور اسے کئی سال سے خوف اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا رہا تھا۔ ابو مسلم بھی منصور کی طرف سے بدظن تھا اور چاہتا تھا کہ اپنی سلامتی کی خاطر سیدھا خُراسان کی طرف واپس چلا جائے۔ چنانچہ وہ عبداللہ بن علی کو شکست دینے کے بعد مشرق کی طرف روانہ ہوگیا مگر منصور نے اس کی طرف پے درپے قاصد بھیج کر اسے خلیفہ کے پاس حاضر ہونے پر رضامند کرلیا۔ جب ابو مسلم دربار میں حاضر ہوا تو منصور نے پہلے سے ہی چند مسلح سپاہی پس پردہ چھپا رکھے تھے۔ گفتگو کے دوران میں منصور نے اس سے کئی ایک باتوں کی شکایت کی اور اس سے جواب طلب کیا۔

غرض کچھ بحث وتمحیص کے بعد منصور نے تالی بجائی اور سپاہیوں نے پردے کے پیچھے سے نکل کر ابو مسلم کا کام تمام کردیا۔ یہ واقعہ سن ۱۳۷ھ ہجری کا ہے۔ [1]

عبدالرحمٰن الدّاخل اَندلُس میں

جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا ہے کہ خلیفہ ہشام کے ایک پوتے عبدالرحمٰن نے اپنے خاندان کے قتل عام سے بچ کر مغرب کی راہ لی۔ وہ پانچ چھ سال کی آوارہ گردی کے بعد آخر کار اندلس میں جا پہنچا اور یمنی عربوں کی مدد سے ملک پر قابض ہوگیا۔ اس نے وہاں ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی جس نے ۲۷۵ سال تک حکومت کی۔

اس طرح سے اندلس کا ملک عباسی سلطنت سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہوگیا۔ [2]

رومیوں کے ساتھ جنگ

سن ۱۳۸ھ ہجری، سن ۷۵۶ عیسوی میں قیصر روم نے اسلامی سلطنت پر حملہ کر کے مَلَطیہ کو جو سرحد پر فوجی لحاظ سے ایک اہم شہر تھا، تباہ کر ڈالا۔ مگر اگلے سال مسلمانوں نے اُسے واپس لے لیا۔ قیصر روم کے ساتھ سات سال کے لیے صلح ہوگئی اور طرفین کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہوا۔ منصور نے سرحدی مقامات کا دورہ کر کے ملطیہ، مَصِیصہ اور دوسرے شہروں کو از سر نو تعمیر کر کے اُنھیں خوب

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۹۱/۱۰

② ابن الاثیر، الکامل: ۴۹۳/۵

Marfat.com

مستحکم کیا اور سرحد کی حفاظت کے لیے کئی نئے قلعے بنائے اور ان میں فوج متعین کی۔ چند سال کے بعد قیصر روم نے نقضِ عہد کر کے اسلامی علاقے پر دوبارہ فوج کشی کی مگر شکست کھائی۔ ①

علویوں اور عباسیوں کے تعلقات

بنواُمیہ کے عہد میں شیعانِ علی کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جنھیں اہل بیت کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ جب بنوعباس نے بنواُمیہ کے خلاف تحریک شروع کی تو اُنھوں نے اس عقیدت سے بہت فائدہ اُٹھایا اور وہ کسی امام کا نام متعین کیے بغیر لوگوں کو بنواُمیہ کے خلاف اُبھارتے رہے۔ جب بنواُمیہ کا خاتمہ کر چکے تو خود خلافت پر قابض ہو گئے اور علوی خاندان کے لوگ جو خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے ان کا منہ دیکھتے رہ گئے، اور اُنھیں اُمویوں کی طرح غاصب اور ظالم سمجھنے لگے۔ چنانچہ جب سفاح نے خلافت سنبھالی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ اور دوسرے علوی کوفہ آئے اور اُنھوں نے سفاح سے کہا کہ یہ بات کیا ہے کہ تم خلافت پر جو ہمارا حق تھا قابض ہو گئے ہو؟ سفاح نے ان کو بہت سا مال و دولت دے کر خاموش کر دیا اور دوسرے علویوں کو بھی انعام و اکرام دے کر خوش و خرم رخصت کیا۔

جب ابوجعفر منصور خلیفہ بنا تو اسے علویوں کی طرف سے بہت سا خطرہ پیدا ہوا۔ خصوصاً عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے بیٹے محمد کی طرف سے، کیونکہ بنواُمیہ کی حکومت کے آخری ایام میں جب مکہ میں ہاشمیوں کی ایک مجلس انتخاب خلیفہ کے لیے بیٹھی تھی تو بنوہاشم نے جن میں منصور بھی شامل تھا، محمد بن عبداللہ کو خلافت کے لیے منتخب کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ محمد بن عبداللہ اپنے شریفانہ اخلاق اور اعلیٰ سیرت کی وجہ سے نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ جب منصور نے خلافت سنبھالی تو ان کے دل میں منصور کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ محمد نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم دونوں منصور کے خوف سے روپوش ہو گئے۔ منصور نے انھیں تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر ان کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس سے منصور کو یقین ہو گیا کہ وہ خفیہ طور پر اپنی طاقت کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ جب وہ ان کو گرفتار کرنے میں ناکام رہا تو اس نے جھلا کر مدینہ سے

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۷/۴۹۷

Marfat.com

علوی خاندان کے تمام ممتاز افراد کو جن کی تعداد ایک درجن کے قریب تھی شبہ میں گرفتار کر لیا اور مقید کر کے اذیتیں دیں اور اکثر کو قتل کر دیا۔① غرض منصور نے علویوں کے ساتھ ایسا ظلم وستم روا رکھا جس کا بنو امیہ نے بھی اپنے عہدِ عروج میں ارتکاب نہیں کیا تھا۔

نفسِ زکیہ کا خروج

جب نفس زکیہ نے ان مظالم کا حال سنا تو انھیں مزید ضبط کی تاب نہ رہی۔ چنانچہ اُنھوں نے سن ۱۴۵ ہجری میں مدینہ میں داخل ہو کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ جب منصور کو نفس زکیہ کے خروج کی اطلاع پہنچی تو اس نے انھیں ایک خط لکھا کہ اگر تم اطاعت اختیار کر لو تو تمھیں میری طرف سے امان حاصل ہے، مگر نفس زکیہ نے اس کے امان نامہ کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس پر منصور نے ان کے مقابلے کے لیے عیسیٰ بن موسیٰ کو بھیجا۔ عیسیٰ نے مدینہ کا محاصرہ کر کے نفس زکیہ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دی۔ نفس زکیہ لڑتے ہوئے مارے گئے اور عیسیٰ نے شہر میں داخل ہو کر ان کے تمام خاندان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔

نفسِ زکیہ کے بھائی ابراہیم بصرہ میں تھے۔ وہاں کے بہت سے لوگوں نے ان کا ساتھ دیا اور نفس زکیہ کے خروج کے چند دن بعد اُنھوں نے بھی اپنا جھنڈا بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور لوگوں سے اپنے بھائی کے حق میں بیعت لی اور واسط پر بھی قابض ہو گئے۔ مگر اتنے میں خبر آئی کہ نفس زکیہ مارے گئے ہیں، اس سے ابراہیم کی کمر ٹوٹ گئی۔ عیسیٰ نفس زکیہ سے فارغ ہو کر ابراہیم کے مقابلے کے لیے بڑھا اور اس کی فوج کو شکست دے کر انھیں قتل کر دیا۔ ابراہیم کے علاوہ نفس زکیہ کے دوسرے بھائی اور لڑکے بھی مختلف اسلامی ملکوں میں ان کی خلافت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ منصور نے ان کو گرفتار کر کے بعض کو قید کر دیا اور بعض کو قتل کرا دیا۔②

بغداد کا آباد ہونا

منصور نے اپنے عہد حکومت کے ابتدائی سال ہاشمیہ ہی میں گزارے مگر یہ مقام اس لحاظ

① ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۵۱۳

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۳۱۷، ۳۲۱

Marfat.com

سے نامناسب اور غیر موزوں تھا کہ وہ کوفہ کے قریب تھا۔ جہاں کے اکثر لوگ متلون مزاج اور خاندان علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے۔ لہٰذا منصور نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے لیے ایک نیا دارالحکومت بنائے۔ اس کے لیے اس نے بغداد کا انتخاب کیا۔

بغداد مدائن کے شمال میں پندرہ میل کے فاصلے پر دریائے دِجلہ کے کنارے ایک قدیم موضع تھا۔ منصور نے اس دریا کے مغربی کنارے پر سن ۱۴۵ ہجری میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جو ایک دائرہ کی شکل میں تھا۔ منصور نے اس نئے دارالخلافہ کی تعمیر کے لیے دُور دُور سے باکمال معمار اور ہنرور کاریگر منگوائے۔ مرکز میں شاہی محلات، جامع مسجد اور سرکاری دفاتر تھے۔ ان کے اردگرد کچھ فاصلے پر امرا کے مکانات تھے۔ کوچہ و بازار کشادہ اور ترتیب کے ساتھ بنائے گئے تھے۔ ان کے اِردگرد ایک مضبوط فصیل تعمیر ہوئی، خندق بھی کھدوائی۔ آب رسانی کے لیے نہریں جاری کی گئیں۔ مختلف قسم کی منڈیاں شہر سے باہر قائم کی گئیں۔ شہر کے چار بڑے دروازے تھے جن پر دن رات پہرہ رہتا تھا۔ فوجی چھاؤنی دریا کے کنارے پر بسائی گئی۔ مضری، یمنی اور خراسانیوں کے لیے الگ الگ بارکیں بنائی گئیں۔ بغداد کی تعمیر سن ۱۵۰ ہجری میں تکمیل کو پہنچی اور اس پر لاکھوں دینار خرچ ہوئے۔ منصور نے اس کا نام مدینۃ السلام رکھا۔

بغداد کا محل وقوع کئی لحاظ سے نہایت موزوں تھا۔ چونکہ سلطنت کے مرکز میں واقع تھا، اس لیے وہاں سے تمام صوبہ جات کی بخوبی نگرانی ہوسکتی تھی۔ نیز آرمینیہ اور الجزیرہ کی پیداوار اور ہند اور چین کا تجارتی مال جہازوں کے ذریعے براہِ راست وہاں پہنچ سکتا تھا۔ باکمال اور اہل فن دُور دُور سے آکر وہاں جمع ہو گئے۔ صنعت وحرفت اور تجارت کی گرم بازاری ہوئی۔ خلفاء کی قدردانی نے اطراف عالم سے علماء اور فضلاء کو کھینچا۔ غرض بغداد کی رونق اور وسعت میں ترقی ہوتی گئی، یہاں تک کہ وہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا سیاسی اور علمی مرکز بن گیا۔ [1]

منصور نے بغداد کی تعمیر کے بعد سن ۱۵۱ ہجری میں اس کے بالمقابل دِجلہ کے مشرقی کنارے پر اپنے بیٹے مہدی اور اس کے لشکر کے لیے ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جو رُصافہ کے نام

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۳۳۳، ۳۴۲

Marfat.com

مشہور ہوا۔ یہاں بھی محلات اور باغات تیار کر کے ان کے درمیان نہریں جاری کیں اور ان کے گرد فصیل بنوائی۔ ①

مہدی کی ولی عہدی

سفاح نے اپنے بعد منصور اور عیسیٰ بن موسیٰ کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین نامزد کیا۔ منصور نے چاہا کہ اپنے بعد عیسیٰ کی بجائے اپنے بیٹے مہدی کو تخت و تاج دلائے، چنانچہ اس نے عیسیٰ کا رُتبہ گھٹانا شروع کیا اور اسے طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور آخر کار سن ۱۴۰ ہجری میں اسے ولی عہدی سے ہٹا کر اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد مقرر کیا۔ ②

منصور کے عہد کے علمی حالات

اسلام کے ابتدائی زمانے میں دینی علوم کا سلسلہ زبانی روایت کے ذریعے سے چلتا رہا۔ عباسیوں کے عہد سے ان کی تدوین شروع ہوئی۔ یعنی علماء نے اپنے فن میں کتابوں کی تالیف شروع کی۔ چنانچہ ابن جریج، اوزاعی، ابن ابی عروبہ، حماد بن سلمہ، معمر بن راشد اور سفیان ثوری نے احادیث نبوی ﷺ کو کتابوں میں جمع کیا۔ امام مالک بن انس نے منصور کی فرمائش پر اپنی مشہور کتاب مؤطا تالیف کی۔ محمد بن اسحاق نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کے غزوات پر ایک کتاب لکھی۔ امام ابوحنیفہ نے کوفہ میں اور امام مالک نے مدینہ میں اپنے اپنے اُصول پر فقہ اسلامی کی تعلیم جاری رکھی، جس پر حنفی اور مالکی فقہ کی بنیاد پڑی۔

ابن المقفع نے جو ایرانی نسل سے تھا، منصور کے عہد میں زبان کے ادیب کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ اس نے ایک تاریخی کتاب خدائے نامہ کو پہلوی زبان سے سیر ملوک العجم کے نام سے ترجمہ کیا۔ نیز پہلوی کی ایک اور کتاب کو ''کلیلہ و دمنہ'' کے نام سے ترجمہ کیا، جو دراصل سنسکرت زبان میں ہندی راجاؤں کی اُصول سیاست سکھلانے کے لیے کہانیوں کی صورت میں لکھی گئی تھی۔ محمد بن ابراہیم فزازی نے منصور کے حکم سے علم ہیئت کی ایک کتاب

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۴۶/۳

② خلیفہ بن خیاط، التاریخ، ص: ۴۲۳

Marfat.com

سدھانتا کو سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا۔ ابو یحییٰ ابن البطریق نے منصور کے لیے یونانی حکماء بقراط اور جالینوس کو عربی لباس پہنایا۔ ①

ساسانیوں کے عہد سے خُوزِستان کے شہر جندی سابور میں ایک بیمارستان جو طبی درسگاہ کا کام بھی دیتا تھا، قائم تھا۔ اس کی بنیاد نسطوری فرقہ کے عیسائی طبیبوں نے ڈالی تھی اور عہد اسلام میں بھی وہی اس کے نگران چلے آ رہے تھے۔ خلیفہ منصور نے جورجس بن جبرئیل بن بخت یشوع کو جو اس زمانے میں جندی سابور کے بیمارستان کا رئیس الاطباء تھا، اپنے علاج کے لیے طلب کیا اور اسے اپنے دربار کا طبیب مقرر کیا۔ جورجس نے طب کی کئی کتابیں یونانی سے عربی میں ترجمہ کیں۔ چنانچہ اس کی کوشش سے طبی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ عربی زبان میں فراہم ہو گیا۔ جورجس نے خود بھی ایک کتاب کُنّاش کے نام سے سریانی زبان میں لکھی، جسے بعد ازاں حنین بن اسحاق نے عربی میں منتقل کیا۔ اس کا خاندان کئی پشت تک خلفاء بغداد کی سرپرستی میں علم طب کی خدمات کرتا رہا۔ ②

منصُور کی سِیاست اور سیرت

منصور ایک بڑا مدبّر، بیدار مغز اور مستقل مزاج حکمران تھا جو رات دن سلطنت کے کاروبار میں منہمک رہتا تھا۔ اس نے اپنے خاندان کے افراد کو مختلف صوبوں کا والی مقرر کیا مگر ساتھ ہی وہ ان کی کڑی نگرانی بھی کرتا تھا اور بوقتِ ضرورت انھیں سزا دینے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ عربوں کے علاوہ اس نے کئی ایک عجمیوں کو بھی اہم انتظامی عہدے دیے تھے۔ اس سے دربار خلافت میں عجمیوں کا رسوخ بڑھنے اور عربوں کا زور گھٹنے لگا۔ والیوں اور دوسرے عہدہ داروں کی نگرانی کے لیے ہر جگہ پرچہ نویس مقرر کیے گئے تھے جو خلیفہ کو عاملوں کی کارگزاریوں، قاضیوں کے فیصلوں، بازار کے نرخوں اور دوسرے اہم واقعات اور معاملات سے آگاہ رکھتے تھے۔ اس طریق سے خلیفہ اپنی سلطنت کے دور دراز علاقوں کے تمام حالات سے باخبر اور ہر قسم کی خرابی دُور کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ منصور سلطنت کی آمدنی اور اخراجات پر گہری نظر رکھتا تھا اور سلطنت کے محاصل

① ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص: ۵۵۰

② ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص: ۱۶۳، ۲۵۶

Marfat.com

بڑھانے میں ہر طرح سے کوشاں رہتا تھا۔ اس کی طبیعت میں بڑی جُزرسی تھی اور اخراجات میں ہمیشہ تخفیف کو مدنظر رکھتا تھا اور مال کو بے فائدہ ضائع نہ کرتا تھا۔ اس کی احتیاط کو بعض لوگ بخل پر محمول کرتے تھے[۱] لیکن یہ امر اس کی کفایت شعاری ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے بغداد کی تعمیر پر زرِ کثیر صرف کرنے کے باوجود اپنی وفات کے وقت شاہی خزانہ میں بے شمار دولت چھوڑی تھی۔

حکومت کے مخالفین کے بارے میں منصور کسی قسم کی نرمی کو روا نہ رکھتا تھا بلکہ ان کو قابو میں لانے اور تباہ کرنے میں اپنے عہد و پیمان کی بھی پروا نہ کرتا تھا۔ اس نے ابن ہبیرہ کو عہد نامہ لکھ دینے کے بعد قتل کر دیا۔ اپنے چچا عبداللہ کو امان دے کر قید کر دیا اور کچھ عرصے کے بعد مروا ڈالا۔ اسی طرح دولت عباسیہ کے بانی اور اپنے بڑے حامی ابومسلم کو دم دلاسا دے کر بلایا اور پھر اپنے سامنے قتل کرا دیا۔ منصور نفس زکیہ کو بھی اسی طرح دھوکہ دے کر اپنے قابو میں لانا چاہتا تھا مگر وہ اس کے دام فریب میں نہ آئے اور انھوں نے اس کے قول و قرار پر اعتماد کرنے کے بجائے میدان جنگ میں لڑ کر جان دینا بہتر سمجھا۔[۲] سلطنت کے حسنِ انتظام اور مملکت کے استحکام کے لحاظ سے منصور ایک صاحب عزم اور کامیاب حکمران ثابت ہوا، اسی لیے اسے دولت عباسیہ کا حقیقی بانی سمجھا جاتا ہے۔ اور اگرچہ اس کے نام پر بدعہدی، احسان فراموشی اور بنوحسن کے بے گناہ قتل کا داغ موجود ہے، تاہم اس کا شمار دنیائے اسلام کے جلیل القدر بادشاہوں میں ہوتا ہے۔

منصور نے سن ۱۵۸ ہجری میں بائیس سال کی حکومت کے بعد وفات پائی اور اس وقت اس کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔[۳] منصور ہی درحقیقت سلطنت عباسیہ کا بانی تھا۔ اس نے اپنے ۲۲ سالہ عہدِ حکومت میں اپنے خاندان کے دشمنوں کو نیچا کر دیا تھا اور اپنے حسن تدبیر سے سلطنت کی عمارت کو ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا کہ اس کا خاندان پانچ سو سال سے زیادہ مدت تک برسرِ حکومت رہا۔ بعد میں حکومت کرنے والے تمام عباسی خلفاء اسی کی نسل سے تھے۔

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۶۷/۱۰، ۳۷۳
② ابن الاثیر، الکامل: ۴۷۶/۵، ۵۲۹، ۵۸۱،
③ خلیفہ بن خیاط، التاریخ، ص: ۴۲۹

Marfat.com

دوسرا باب

۳۔ محمد مہدی

۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ = ۷۷۵ء تا ۷۸۵ء

مہدی کی خلافت

ابو جعفر منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد مہدی مسند خلافت پر بیٹھا۔ مہدی فطری طور پر رحمدل اور سخی تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کی درشتی اور سخت گیری کو عفو و ترحم میں بدل دیا۔ مقاماتِ مقدسہ سے جو مراعات چھن چکی تھیں ان کو بحال کر دیا۔ قید خانوں میں جتنے سیاسی قیدی تھے ان میں سے اکثر کو رہا کر دیا۔ وہاں کی مساجد کو وسیع کر کے ان کی زیب و زینت میں اضافہ کیا۔ دوسرے شہروں میں بھی مساجد کی توسیع کی اور وہاں نئی عمارات بنائیں۔ علویوں کی جو جائیدادیں منصور نے ضبط کر لی تھیں مہدی نے ان کو واگزار کر دیا۔ اسی طرح جن لوگوں سے تاوان اور جرمانے وصول کیے گئے تھے وہ تمام رقمیں ان لوگوں کو واپس کر دیں۔ اس نے کئی دفعہ حجاز اور بیت المقدس کا شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ سفر کیا اور حرمین کے لوگوں کو انعام واکرام سے مالا مال کر دیا۔ اس کی فیاضی اسراف کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ کا جمع کیا ہوا خزانہ اپنی سخاوت سے چند ہی سالوں میں خالی کر دیا۔

زنادقہ کا استیصال

تیسری صدی عیسوی میں ایران میں ایک شخص نے جس کا نام مانی تھا، نبوت کا دعویٰ کیا اور قدیم مجوسی عقائد میں عیسائیت کی آمیزش کر کے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ بہت سے لوگ اس کے پیرو بن گئے۔ اس وقت ملک میں زرتشت کے پیروؤں کا بہت زور تھا۔ اُنھوں نے مانی کی سخت مخالفت کی اور بادشاہ وقت کے ہاتھوں اس کو اور بہت سے پیروؤں کو قتل کرا دیا۔ اس کے فرقے کے جو لوگ بچے وہ مدت تک اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ جب اسلام کا زمانہ

Marfat.com

آیا اور اس نے غیر مذاہب والوں کو آزادی دی تو فرقہ مانویہ کے لوگ بھی اطمینان کے ساتھ رہنے لگے اور اپنے مذہب کی ترویج میں مصروف ہوئے۔

عام لوگ ان کو زندیق (جمع زنادقہ) کہتے تھے۔ دولت عباسیہ کا عہد آیا تو ان کی کتابیں ملک میں پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے اثر سے لوگ الحاد یعنی بے دینی کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ خلیفہ مہدی نے ان کے استیصال پر کمر باندھی اور سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو قتل کرا دیا اور حکم دیا کہ ان کے عقائد کی تردید میں کتابیں لکھی جائیں اور ان کا کھوج نکالنے کے لیے ایک خاص افسر مقرر کیا جس کو صاحب الزنادقہ یا عارف الزنادقہ کہتے تھے۔ ①

مہدی کی وفات اور سیرت

مہدی نے دس سال کی حکومت کے بعد سن ۱۶۹ ہجری میں وفات پائی۔ ② مہدی فطری طور پر حلیم الطبع تھا اور خونریزی سے پرہیز کرتا تھا۔ اس کے باپ کے زمانے میں سلطنت کے اکثر دشمنوں کا قلع قمع ہو چکا تھا، اس لیے اس کے عہد میں امن و سکون رہا اور رعایا آسودہ حال رہی۔ وہ سلطنت کے کاروبار کو پورے انہماک سے سرانجام دیتا تھا اور مظالم کے انسداد اور اس کے عفو و کرم نے اسے ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔

مہدی نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹوں، موسیٰ ہادی اور ہارون الرشید کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ ③

❀❀❀

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۲۵۳، ۲۵۵

② خلیفہ بن خیاط، التاریخ ص: ۴۴۶

③ ابن الاثیر، الکامل: ۶/ ۴۴

Marfat.com

۴۔خلیفہ ہادی

سن ۱۶۹۔ہجری میں ہادی نے اپنے باپ مہدی کی وفات کے بعد منصب خلافت کو سنبھالا۔ ہادی کے عہد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے حسین بن علی اور ان کے قرابت داروں نے عباسیوں کے خلاف مدینہ میں سر اُٹھایا اور شہر پر قبضہ کرلیا مگر کچھ عرصہ کے بعد اُنھوں نے عباسیوں کے ہاتھ سے شکست کھائی اور حسین بن علی اور بہت سے دوسرے علوی فَخ کے مقام پر مارے گئے۔ ① اس معرکہ سے جو علوی بچ نکلے ان میں نفس زکیہ کے بھائی ادریس بن عبداللہ اور یحییٰ بن عبداللہ بھی تھے۔ادریس فرار ہو کر مصر کے راستے سے مغرب اقصیٰ میں جا پہنچا اور وہاں کے بربروں کو اپنا طرفدار بنالیا اور سن ۱۷۶۔ہجری میں ادریسہ خاندان کی بنیاد ڈالی۔یحییٰ دیلم کے علاقہ میں چلا گیا، جہاں اس نے خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں خروج کیا۔ ②

ہادی بھی اپنے باپ کی طرح زندیقوں کا سخت دشمن تھا۔اس نے بہت سے لوگوں کو جو زندیق (مانی کے پیرو) تھے یا جن پر زندقہ کا شبہ تھا قتل کرادیا یا قید کردیا۔

ہادی اُمور سلطنت پر پوری توجہ دیتا تھا۔ اس نے ایک سال کی حکومت کے بعد سن ۱۷۰۔ہجری (سن ۷۸۶۔عیسوی) میں وفات پائی۔انتقال کے وقت اس کی عمر ۲۶ سال تھی۔ ③

❀❀❀

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۴۱۷

② الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۸/ ۲۰۷

③ خلیفہ بن خیاط، التاریخ، ص: ۴۴۵

Marfat.com

تیسرا باب

۵۔ ہارون الرشید

۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ = ۷۸۶ء تا ۸۰۹ء

ہارون الرشید کی خلافت

ہارون الرشید نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد سن ۱۷۰۔ہجری، سن ۷۸۶۔عیسوی میں ۲۵ سال کی عمر میں مسند خلافت پر قدم رکھا اور اپنے اتالیق یحییٰ بن خالد برمکی کو منصب وزارت عطا کیا۔ ہارون الرشید نے اپنی خلافت کے پہلے سال میں ہی بیت اللہ کا حج کیا اور حرمین (مکہ اور مدینہ) کے باشندوں کو بہت کچھ انعام واکرام دیا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کے بعض حصوں میں شورش اُٹھی مگر خلیفہ نے اسے دبا دیا۔ سن ۱۷۶۔ہجری میں نفس زکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم کے علاقہ میں خروج کیا۔ خلیفہ نے یحییٰ وزیر کے بیٹے فضل کو اس کے مقابلے کے لیے بھیجا، فضل نے اسے صلح پر آمادہ کرلیا۔ ہارون الرشید نے اسے امان نامہ لکھ دیا اور ایک بھاری رقم عطا کی مگر بعد میں اسے حراست میں لے لیا۔ ①

رومیوں کے ساتھ جنگیں

چونکہ رومیوں کی طرف سے ہمیشہ حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا اس لیے ان کی پوری پوری روک تھام کے لیے ہارون الرشید نے شام کے سرحدی اضلاع کو ملا کر ایک علیحدہ مستقل ولایت کی صورت دی، اور اس پر ایک ترکی جرنیل کو حاکم مقرر کیا۔ اپنی تخت نشینی کے آٹھ نو سال بعد ہارون الرشید نے بغداد کو چھوڑ کر شام کے شمال میں شہر رَقّہ کو اپنا مستقر بنایا اور وہاں سے رومیوں کے خلاف تقریباً ہر سال فوج بھیجتا رہا۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت اور قیدی حاصل ہوئے اور کبھی کبھی ان کو نقصان بھی اُٹھانا پڑتا تھا۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۶/ ۱۲۵

Marfat.com

سن ۱۸۱۔ہجری میں ہارون الرشید نے بنفس نفیس لشکر کشی کی۔اس وقت رومی سلطنت کی زمامِ حکومت ملکہ ارینی (IRENE) کے ہاتھ میں تھی۔اس نے دب کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور خلیفہ کو خراج دینا منظور کر لیا۔اس کے بعد نقفور س (NICEPHOROS) تخت قیاصرہ پر بیٹھا۔اس نے معاہدہ صلح کو توڑ کر ہارون الرشید کو ایک گستا خانہ خط لکھا اور زرِ خراج کی واپسی کا مطالبہ کیا۔اس سے ہارون الرشید آگ بگولا ہو گیا اور ایک بھاری فوج لے کر سن ۱۹۰۔ہجری، سن ۸۰۶۔عیسوی میں رومی علاقے پر چڑھائی کی اور بری طرح سے رومیوں نے شکست کھائی اور خراج دے کر صلح کر لی۔ ①

کچھ مدت کے بعد رومیوں نے موقعہ پا کر اسلامی مقبوضات پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ان مسلسل لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ طرفین کے درمیان عداوت زیادہ شدید ہو گئی۔

امین اور المامون کی ولی عہدی

ہارون الرشید کی چہیتی بیوی زبیدہ خلیفہ منصور کی پوتی تھی۔اس کے بطن سے امین پیدا ہوا۔ چنانچہ الامین ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی تھا، ابھی وہ پانچ برس کا تھا کہ ہارون نے اسے سن ۱۷۵۔ہجری میں ولی عہد مقرر کر دیا۔سات برس کے بعد خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے عبداللہ کو المامون کا لقب دے کر الامین کا جانشین مقرر کیا اور دونوں بھائیوں سے ایفائے عہد کا تحریری اقرار لے کر اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔المامون عمر میں الامین سے چند ماہ بڑا تھا اور اس کی نسبت بڑا ہوشیار اور لائق تھا مگر چونکہ وہ لونڈی کے پیٹ سے تھا، اس لیے جانشینی کے معاملے میں امین اس سے بازی لے گیا۔ ②

برامکہ کا عُروج

خلیفہ مہدی نے خالد بن بَرمک کے بیٹے یحیٰی کو ہارون کا اتالیق مقرر کیا تھا۔چنانچہ ہارون یحیٰی بن خالد کا بہت احترام کرتا تھا اور ہمیشہ اس کے مشورہ پر چلتا تھا۔جب ہارون خلیفہ بنا تو اس

① ابن الاثیر، الکامل: ۶/ ۱۸۵

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/ ۲۴۸

Marfat.com

نے یحییٰ کو اپنا وزیر بنایا اور سلطنت کا تمام کام اس کے سپرد کر دیا۔ یحییٰ بڑا عاقل مدبر اور فیاض طبع تھا۔ اپنی مُروّت اور حسن انتظام سے اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں رعایا کے دلوں میں گھر کر لیا اور اس کی ذات مَرجع انام بن گئی اور خلیفہ کو بھی اس پر پورا اعتماد تھا۔

یحییٰ بن خالد کے چار بیٹے تھے۔ فضل، جعفر، محمد اور موسیٰ، ہارون الرشید نے فضل بن یحییٰ کو اپنے بیٹے الامین کا اتالیق مقرر کیا۔ بعد میں اسے خُراسان کا والی مقرر کر دیا۔ فضل نے اپنے حسن تدبیر سے سلطنت کے مخالفین کو مطیع بنایا، ملک میں امن وامان قائم کیا، جا بجا لنگر خانے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔

غرض اپنے فرائض منصبی کو بہت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ فضل اپنی لیاقت اور فرزانگی سے رفتہ رفتہ وزارت کے کاموں میں دخیل ہو گیا اور اپنے باپ یحییٰ کا نائب بن گیا اور وزارت کے تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں آ گئے۔ فضل بڑا سخی اور فیاض تھا۔ اس نے ہزاروں لوگوں کو انعام واکرام دے کر مالا مال کر دیا اور رعایا کے درمیان بڑی ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔

یحییٰ برمکی کا دوسرا بیٹا جعفر بڑا خوش خلق، لطیف الطبع اور عالی ہمت تھا۔ اسے فصاحت وبلاغت اور ادب وانشاء میں بھی کمال تھا، ہارون نے اسے ہم نشین وہمدم بنایا، جعفر نے اپنی خوش مزاجی سے خلیفہ کے مزاج میں بڑا دخل حاصل کر لیا، ہارون کو جعفر سے بہت انس تھا اور وہ اسے فضل سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ وزارت کے اختیارات جعفر کے سپرد کر دیے گئے۔ جعفر سلطنت کے تمام کاروبار پر حاوی اور حکومت کے تمام صیغوں اور شعبوں پر متسلط ہو گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ صوبوں کے اکثر والی اور منصب دار بھی اسی کے ہاتھ میں تھے۔ چنانچہ اسی کے خاندان نے ان اختیارات سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ بڑی بڑی جاگیریں پیدا کر لیں۔ عالی شان محلات تعمیر کیے اور مال ودولت کی داد ودہش میں بے دریغ صرف کیا۔ دور دور سے لوگ ان کی سخاوت کا حال سن کر آتے اور برمکی ان کو مالا مال کر دیتے۔ شاعر اُن کی مدح میں قصیدے کہتے اور علماء فضلاء ان کی قدردانی کی بدولت فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے۔ غرض برامکہ کو مملکت اور اقتدار واختیارات کے ساتھ انتہائی عزت اور مقبولیت بھی حاصل

Marfat.com

ہوگئی اور ان کا خاندان مرجع خاص و عام بن گیا۔ ①

برامکہ کا زوال

برامکہ کی یہی دولت وحشمت اور شہرت ومقبولیت ان کی بربادی کا باعث ہوئی۔ ان کے اقتدار نے ان کے بہت سے حاسد اور دشمن پیدا کر دیے۔ ان حاسدوں نے ہارون الرشید کے دل میں یہ بات بٹھادی کہ برامکہ حد سے زیادہ طاقتور اور خودسر ہوگئے ہیں۔ حکومت عملی طور پر ان کے ہاتھ میں جا چکی ہے۔ اُنھوں نے سلطنت کے تمام اختیارات اپنے قبضے میں کر لیے ہیں اور ان کی دادودہش اور شان وشوکت نے رعایا کی تمام توجہ اپنی طرف مبذول کر لی ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ وہ کسی دن اچانک اسے بادشاہت سے بالکل بے دخل کر دیں۔ ان کے دشمنوں نے خلیفہ کے دل میں یہ بات بھی ڈال دی کہ برامکہ اہل بیت کے ساتھ دلی محبت رکھتے ہیں اور درپردہ وہ ان کی خلافت کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ چونکہ گزشتہ چالیس سال میں تین چار علوی دعویدار عباسیوں کے خلاف اُٹھے تھے، اس لیے ہارون کو اپنی سلامتی کے بارے میں بہت اندیشہ رہتا تھا۔

رفتہ رفتہ برامکہ کے دشمنوں کی باتیں اس کے دل میں اُتر گئیں اور اسے محسوس ہونے لگا کہ برامکہ نے دفعتہً تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے ایک عضو معطل بنا دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ سلطنت پر خود قبضہ کر لیں یا خلافت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان میں منتقل کر دیں۔ اگرچہ برامکہ نے اپنے خلیفہ کے خلاف علانیہ طور پر تاحال کوئی کارروائی نہیں کی تھی، تاہم حاسدوں کی دراندازی سے اسے اس بات کا یقین ہوگیا کہ برامکہ اس کے خلاف درپردہ گہری سازش کر رہے ہیں۔ ان وجوہات سے اس نے ان کی بیخ کنی کا مصمم ارادہ کر لیا اور مناسب موقعہ کی تلاش میں رہنے لگا۔ چنانچہ سن ۱۸۷ ہجری میں جب وہ حج سے واپس آ رہا تھا، اس نے انبار کے مقام پر رات کے وقت جعفر بن یحییٰ کو قتل کرا دیا اور اس کے باپ اور بھائی کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ چند سال کے بعد وہ اسی قید خانہ میں مر گئے۔ خلیفہ نے ان کے خاندان کے دیگر افراد کو بھی نظر بند کر دیا۔ ان کے مال وجائیداد کو ضبط کر لیا اور ان کے قرابت داروں کو اپنے عہدوں سے برطرف کر دیا۔ ②

---

① المسعودی، مروج الذہب: ۴۵۱/۳

② ابن جریر، تاریخ الطبری: ۳۰۲،۲۸۷/۸

Marfat.com

برامکہ کا شجرۂ نسب

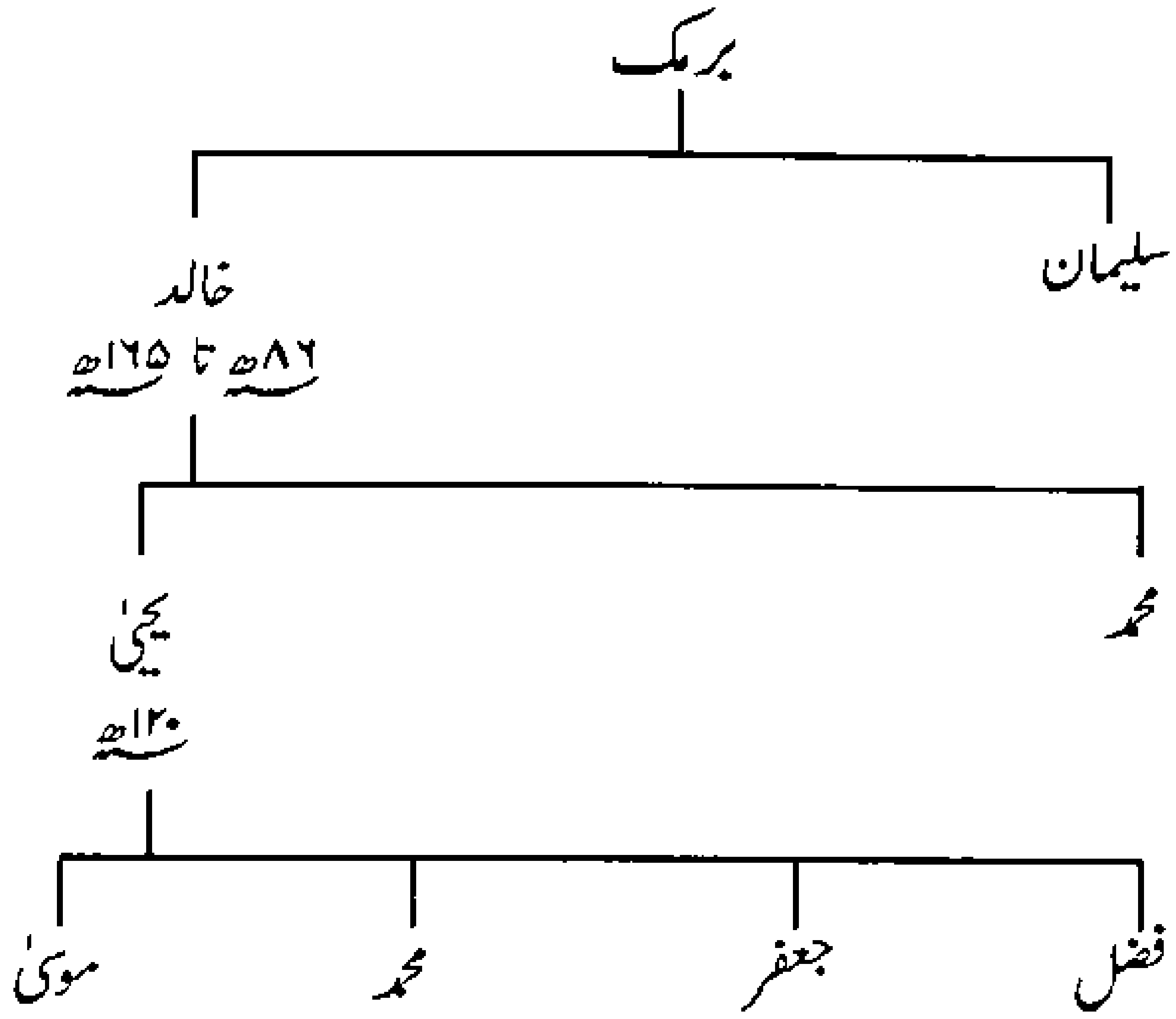

ہارون کے عہد کی علمی ترقی

ہارون الرشید علماء فضلاء کا بڑا قدردان تھا اور اربابِ کمال کی دریادلی کے ساتھ سرپرستی کرتا تھا۔ اس کی شاہانہ قدردانی کا شہرہ سن کر اہل ہنر دور دور سے کھینچ کر بغداد میں جمع ہو گئے اور دارالخلافہ علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ تصنیف وتالیف کا سلسلہ پہلے سے جاری ہو چکا تھا۔ ہارون کے عہد میں اُسے اور ترقی ہوئی۔ اسلامی علوم کے علاوہ علوم عقلیہ یعنی فلسفہ، طب، ہیئت اور ریاضی کے ماہر بھی جمع ہو گئے۔ یہ لوگ یونانی، سریانی، پہلوی اور سنسکرت جس زبان میں کوئی مفید کتاب پاتے، اسے عربی میں منتقل کر لیتے۔ خلیفہ وقت بلالحاظ اختلاف مذہب وملت ان کی سرپرستی کرتا تھا۔

بیت الحکمۃ

ہارون الرشید نے علوم وفنون کی ترقی وترویج کے لیے ایک عظیم الشان محکمہ قائم کیا اور اس کا نام ''بیت الحکمت'' رکھا۔ تصنیفات کا جو ذخیرہ عربی زبان میں پیدا ہو چکا تھا، اسے وہاں جمع کیا اور

Marfat.com

ہر زبان اور ہر فن کے ماہر ترجمہ کے کام پر مامور کیے۔ رومیوں پر ہارون نے جو فتوحات حاصل کیں ان کے دوران میں بھی بہت سی یونانی کتابیں اس کے ہاتھ آئیں۔ یہ تمام کتابیں بیت الحکمت میں داخل کی گئیں اور یوحنا بن ماسویہ کو جو اس زمانے میں ایک مشہور مترجم تھا اس کا ناظم مقرر کیا گیا۔ ①

برامکہ نے بھی علوم وفنون کی اشاعت وترویج میں بڑی کوشش کی۔ وہ ایرانی النسل تھے اس لیے اُنھوں نے ایران کے قدیم علوم اور پہلوی زبان کے تراجم کی طرف خاص توجہ کی۔ اسی خاندان نے علمی مجالس کا رواج ڈالا۔ یحیٰ بن خالد اپنے ہاں مناظرے کی مجلس منعقد کراتا تھا جس میں ہر قوم اور ہر ملت کے لوگ شامل ہوتے۔ اُنھوں نے اپنے گماشتے ہندوستان سے ادویہ لانے کے لیے بھیجے اور وہاں کے کئی ایک طبیب طلب کیے۔

برامکہ نے بغداد میں ایک بیمارستان (ہسپتال) بھی قائم کیا اور ایک ہندی طبیب کو اس کا افسر مقرر کیا۔ اس ہسپتال میں مریضوں کا علاج زیادہ تر ویدک طریق کے مطابق ہوتا تھا۔ اطباء کے علاوہ دوسرے ہندی عالم بھی بغداد پہنچے اور اُنھوں نے سنسکرت زبان کی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد، ابو یوسف یعقوب انصاری (متوفی سن ۱۸۲۔ ہجری، سن ۷۹۵۔ عیسوی) ہارون کے عہد میں قاضی القضات تھے، اُنھوں نے فقہ حنفی کو مدون کیا یعنی فقہِ اسلامی کو اپنے استاد کے اُصول کے مطابق ترتیب دے کر ایک منظم صورت دی۔ قاضی ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید کی فرمائش پر ''کتاب الخراج'' بھی تصنیف کی، جس میں اُنھوں نے مالگزاری کے اُصول اور سلطنت کے قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق بیان کیا۔

اس عہد کے مورخوں میں سے واقدی اور ابن قتیبہ، علمِ لغت کے ماہروں میں اَصمعی اور کسائی اور شاعروں میں مسلم بن الولید، عباس بن احنف، ابونواس اور ابوالعتاہیہ زیادہ مشہور ہیں۔

ہارون الرشید کی سیرت

ہارون الرشید مذہبی احکام کا پابند تھا۔ اس نے اپنے عہد خلافت کے پہلے ہی سال میں کعبہ شریف کا حج کیا۔ جس سال وہ لشکرکشی میں مصروف نہ ہوتا تھا، اس سال حج کعبہ سے مشرف

① ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص: ۲۲۲

Marfat.com

ہوتا۔ وہ سفر کے لیے بڑے جاہ وجلال کے ساتھ نکلتا۔ سینکڑوں علماء اور شعراء اس کے ہم رکاب ہوتے تھے اور حرمین میں بے حساب مال و دولت خیرات کرتا تھا۔

اگرچہ ہارون الرشید راگ ورنگ کا شائق تھا اور مغنیوں کا مُربی، مگر کاہلی اور تن آسانی سے نفور تھا اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہ کرتا تھا، بلکہ ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا۔ وہ اکثر باتوں میں اپنے دادا منصور سے مشابہ تھا اور سیاست میں اس کے نقش قدم پر چلتا تھا، مگر اس میں منصور کی سی جُزرسی نہ تھی بلکہ داد و دہش میں بڑی دریا دلی کا ثبوت دیتا تھا۔

اگرچہ ہارون کے عہد میں مغرب اقصیٰ میں ادریس بن عبداللہ حَسنی نے سن ۱۷۲ ہجری میں ایک مستقل خاندان کی بنیاد ڈالی اور چند سال کے بعد قیروان کا گورنر بھی عملی طور پر خود مختار ہو گیا مگر اس سے سلطنت کا وقار اور اس کی خوشحالی میں کوئی نمایاں فرق نہ آیا۔ محاصل کی کثرت سے خزانہ شاہی ہمیشہ بھرپور رہتا تھا اور اسے خلیفہ اہل لشکر، سرکاری ملازموں کی تنخواہوں اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں فراخدلی سے خرچ کرتا تھا۔

عہد شکنی اور خونریزی کے چند واقعات سے قطع نظر کرتے ہوئے ہارون الرشید کی حکومت عدل و انصاف پر مبنی تھی۔ وہ ذاتی طور پر بڑا بلند ہمت اور عالی حوصلہ تھا۔ اکثر فوجی مہموں میں بذاتِ خود شریک ہوتا اور جنگ کی مشقتیں جھیلتا تھا۔ اس کی فوجیں سلطنت کے دشمنوں کے مقابلے میں اکثر اوقات کامیاب رہتیں۔ خلیفہ کی سَطوت و جبروت کا سکہ دوست دشمن دونوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ غرض ہارون کے زمانے میں خلافتِ عباسیہ اوجِ کمال پر پہنچ گئی تھی۔ اس لیے اس کا عہد دورِ عباسی کا بہترین زمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ [1]

ہارون الرشید نے سن ۱۹۳ ہجری میں جب کہ وہ خُراسان [2] میں ایک بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف تھا، طُوس کے مقام پر وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا، اس کی مدت خلافت ۲۲ سال ہے۔ [3]

---

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۲۶۶

② خراسان مرکب ہے دو لفظوں سے خور اور اسان، جس کا معنی ''زمین شرق'' یعنی ایران کا وہ حصہ جو فارس سے مشرق کی جانب ہے۔ (از مؤلف)

③ ابن الاثیر، الکامل ۶/۲۱۱

Marfat.com

۶۔ محمد الامین

۱۹۳ھ تا ۱۹۸ھ = ۸۰۸ء تا ۸۱۳ء

امین کی خلافت

محمد الامین اپنے باپ ہارون الرشید کی وفات کے بعد سن ۱۹۳۔ہجری، سن ۸۰۸۔عیسوی میں خلیفہ بنا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ اس میں دانشمندی اور حکومت کی لیاقت نہ تھی بلکہ وہ جہانبانی کے اوصاف سے یکسر خالی تھا۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی لہو ولعب میں مشغول ہو گیا اور سلطنت کا کاروبار اپنے وزیر فضل بن ربیع کے سپرد کر کے خود رنگ رلیوں میں ڈوب گیا۔

ارکانِ شاہی اور فوج کے منصب داروں کو دربار سے الگ کر کے اُمور سلطنت سے بالکل غافل ہو گیا۔ مسخروں، خواجہ سراؤں اور اسی قماش کے دوسرے لوگوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں۔ تمام اطرافِ مملکت سے حسین حسین لونڈیاں اور عمدہ عمدہ گانے والیاں محلوں میں جمع کیں اور انھیں لباس فاخرہ اور زر و جواہر میں ملبوس کر کے خزانہ شاہی کو خالی کر دیا اور اپنا تمام وقت انھی کی صحبت میں گزارنے لگا۔ ان تفریحی مشاغل کے لیے نئے نئے محل اور سیر گاہیں تعمیر کرائیں اور دریا کی سیر کے لیے انوکھی طرز کی کشتیاں بنوائیں۔ آخر کار اس کی غفلت شعاری اور ناعاقبت اندیشی اپنا رنگ لائی اور اس کی تباہی کا موجب بنی۔ ①

امین اور مامون کی باہمی جنگ

ہارون الرشید نے اپنی زندگی ہی میں سلطنت کو اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا تھا اور ان کو یکے بعد دیگرے تخت و تاج کا وارث قرار دیا تھا۔ اس تقسیم کے مطابق ہمدان کے مشرق کی طرف تمام اسلامی مقبوضات مامون کے حصے میں آئے تھے۔ جب ہارون نے خُراسان میں

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۰۸/۸

Marfat.com

وفات پائی تو اس وقت امین بغداد میں تھا اور مامون مَرْو میں۔ ہارون نے وصیت کی تھی کہ جو فوج اور خزانہ اس کے ہمراہ ہے وہ مامون کا ہے، مگر وزیر فضل بن ربیع نے اس وصیت کی پروانہ کی اور ہارون کی وفات کے بعد فوج اور خزانے سمیت بغداد کا راستہ لیا۔

مامون نے اس کو اپنے پاس بلانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

فضل بن ربیع نے امین کو اس بات پر اکسایا کہ وہ المامون کو ولی عہد سے برطرف کر کے اپنے بیٹے کو جانشین بنائے مگر مامون اپنے حقوق سے دستبردار ہونے پر راضی نہ ہوا۔ چنانچہ امین نے اس کا نام خطبہ سے خارج کر دیا اور اپنے خُورد سال بیٹے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کر کے تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیے اور ہارون کے لکھوائے ہوئے عہد ناموں کو کعبہ شریف سے منگوا کر چاک کر دیا۔ جب مامون کو ان واقعات کا علم ہوا تو اس نے مقابلے کی تیاری شروع کر دی اور فضل بن سہل کو اپنا وزیر اور طاہر بن حسین کو اپنا سپہ سالار مقرر کر دیا اور سرحدوں پر پہرے بٹھا دیے تاکہ امین کے گماشتے خراسان میں داخل ہو کر وہاں کے لوگوں کو اس سے برگشتہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ①

بغداد کا محاصرہ اور امین کی وفات

اب دونوں بھائیوں میں لڑائی کی ٹھن گئی۔ امین نے مامون کو زیر کرنے کے لیے علی بن عیسیٰ کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ کیا مگر مامون کے سپہ سالار طاہر بن حسین نے اسے شہر رے کے قریب شکست دی۔ اس پر امین نے مامون کی جو مالی جائیداد بغداد میں تھی ضبط کر لی اور اس کے مقابلے میں بار بار کئی فوجیں روانہ کیں جو کامیاب نہ ہو سکیں۔ طاہر نے قزوِین اور حُلوان پر قبضہ کر کے ایک تجربہ کار جرنیل ہَرْثمہ کو وہاں چھوڑا اور خود فارس کی طرف بڑھا اور تمام ملک پر قبضہ کر لیا۔ مامون نے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر کے ملک کے نظم ونسق پر توجہ دی اور مختلف فوجی انتظامی عہدوں پر کارواں افسروں کو مقرر کیا۔

اسی اثناء میں اس کی فوجیں عرب کے مشرقی حصوں کو تسخیر کرتی ہوئیں عراق کی طرف بڑھیں اور واسط پر قابض ہو گئیں۔ بصرہ اور کوفہ کے عاملوں نے مامون کی اطاعت اختیار کر لی اور

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۸/۳۷۴

Marfat.com

حجاز کے والی نے بھی اس کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔

مامون کی فوجوں کی پیش قدمی سے امین پر عرصہ حیات تنگ ہوتا گیا، یہاں تک کہ سن ۱۹۷۔ہجری میں طاہر اور ہرثمہ نے خاص بغداد کو محاصرہ میں لے لیا، یہ محاصرہ کئی ماہ تک جاری رہا، جب دارالخلافہ کی حالت نازک ہوگئی اور امین کا پہلو کمزور ہو گیا تو اس کے بہت سے امراء طاہر سے مل گئے، یہاں تک کہ اس کی جمعیت بالکل پریشان ہوگئی اور اس کے ساتھ صرف چند جانثاروں کی ایک مختصر سی جماعت رہ گئی۔

آخر کار امین ایک رات محل سے نکلا اور کشتی میں سوار ہوا مگر خراسانی سپاہی اسے گرفتار کر کے طاہر کے پاس لے گئے اور طاہر نے اسے قتل کرا دیا۔

یہ واقعہ محرم سن ۱۹۸۔ہجری، سن ۸۱۳۔عیسوی کا ہے۔ امین نے پانچ سال کے قریب حکومت کی۔ ①

❀❀❀

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۴۷۲/۸

Marfat.com

چوتھا باب

۷۔المامون

۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ = ۸۱۳ء تا ۸۳۳ء

مامون کا قیام مَرو میں

امین کے مقتول ہونے کے بعد مامون نے اپنا قیام مَرو میں ہی رکھا۔خود تو علمی مشاغل میں مصروف ہو گیا اور سلطنت کے تمام معاملات اپنے وزیر فضل بن سہل کو سونپ دیے۔ بعد میں وہ تمام اُمور سلطنت پہ حاوی ہو گیا، وہ چاہتا تھا کہ خلیفہ مرو میں رہے اور سلطنت کا کاروبار ان کے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔اس نے خلیفہ کی طرف سے طاہر کے نام فرمان لکھ کرا سے الجزیرہ کا حاکم مقرر کر کے رَقّہ کی طرف بھجوایا اور اس کی جگہ اپنے بھائی حسن بن سہل کو بغداد کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس سے طاہر بد دل ہو گیا اور اہل بغداد کے دل میں بھی ایرانیوں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے کھٹکا پیدا ہو گیا۔امین اور مامون کی باہمی جنگ کے بعد ابھی بغداد میں پورے طور پر امن و سکون نہیں ہوا تھا کہ طاہر کی تبدیلی عمل میں آئی۔ ① اس سے وہاں بدنظمی پیدا ہو گئی اور عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وزیر فضل بن سہل نے خلیفہ کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے اور خود سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا ہے اور ایرانیوں کا اقتدار بڑھ رہا ہے۔ان وجوہات سے اہل بغداد ایرانی وزیر کے دشمن بن گئے اور اس کے بھائی حسن کے بھی مخالف ہو گئے۔

شورشیں اور بغاوتیں

چونکہ مرکزی حکومت کی باگ ڈور ڈھیلی پڑ گئی تھی، اس لیے اطراف ملک میں کئی جگہ شورشیں برپا ہوئیں۔الجزیرہ میں نصر بن شَبث عُقَیلی نے سر اُٹھایا۔ وہ ان عرب سرداروں میں سے تھا جو ایرانیوں کے اُمور سلطنت میں دخیل ہونے سے ناراض تھے۔ وہ کئی سال تک شاہی فوجوں کا

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ :۱۱/۲۱

Marfat.com

مقابلہ کرتا رہا۔ آخر کار اس نے مجبور ہو کر صلح کر لی اور نظر بند کر دیا گیا۔

علویوں نے بھی اس موقعہ کو غنیمت جانا اور خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص نے جو ابن طَباطَبا کے نام سے مشہور تھا، کوفہ میں اپنی امامت کا اعلان کیا۔ ایک شخص ابوالسّرایا نامی بھی اس کے ہمراہ ہو گیا اور کوفہ کے عامل کو نکال کر شہر پر قابض ہو گیا۔ اس اثناء میں ابن طباطبا نے اچانک انتقال کیا مگر ابوالسرایا کئی ماہ تک شاہی افواج کے ساتھ لڑتا رہا۔ آخر کار ہرثمہ نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ علوی عراق سے بھاگ کر مکہ معظّمہ میں جمع ہوئے۔ اُنھوں نے وہاں امام جعفر صادق کے بیٹے کو امیر المومنین کا لقب دے کر اپنا امام بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی مگر شاہی فوجوں نے اس کو شکست دے کر مکہ معظّمہ سے نکال دیا۔

اس مہم کے بعد ہرثمہ نے سیدھا مَرْو کا رُخ کیا تاکہ خلیفہ کو مغربی صوبوں کی اصلی حالت اور رعایا کی بے چینی سے آگاہ کرے، لیکن مامون اس سے بدظن ہو چکا تھا، اس لیے آتے ہی مامون نے اسے قتل کروادیا۔ مامون نے علی بن موسیٰ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور تمام عاملوں کے نام فرمان بھیجے کہ رعایا سے ولی عہدی کی بیعت لیں اور سیاہ لباس کی بجائے جو عباسیوں کا خاص نشان تھا، سبز لباس جو علویوں کا شعار ہے اختیار کریں۔

جب یہ فرمان بغداد پہنچا تو آلِ عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ہوا خواہ بہت برہم ہوئے اور اُنھوں نے مامون کی بیعت توڑ کر اس کے چچا ابراہیم بن مہدی کو خلافت کے لیے منتخب کر لیا۔

ابراہیم نے عراق میں جا بجا اپنی طرف سے عامل مقرر کر دیے۔ ①

مامون کا داخلہ بغداد میں

جب عراق میں انقلاب ہو گیا تو خود امام علی رضا نے مامون کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ فضل آپ سے اصلی واقعات چھپاتا ہے۔ بغداد کے لوگ آپ سے منحرف ہو گئے ہیں اور وزیر اور اس کے بھائی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں، وہ میری ولی عہدی کو بھی پسند نہیں کرتے۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۶/۳۲۶

Marfat.com

جب مامون نے دیکھا کہ اس کی خلافت معرضِ خطر میں ہے تو اس نے بغداد کی طرف رُخ کیا۔ جب شاہی لشکر سَرَخس کے مقام پر پہنچا تو خلیفہ کے چار غلاموں نے وزیر کو حمام میں قتل کر دیا۔ کیونکہ وزیر کی خودسری حد سے بڑھ چکی تھی اور اس کی بے تدبیری نے اہل بغداد کو خلیفہ سے برگشتہ کر دیا۔ جب مامون طُوس میں پہنچا تو امام علی رضا بھی اچانک انتقال کر گئے (۲۰۳۔ ہجری)۔

اس سے بعض لوگوں کو بجا طور پر شک ہوا کہ خود مامون کے اشارے سے ان کو زہر دیا گیا ہے تا کہ ان کی ولی عہدی سے جو عباسیوں میں ہنگامہ پیدا ہو گیا ہے وہ فرو ہو جائے۔ جب مامون بغداد کے قریب پہنچا تو ابراہیم کے ساتھی اس سے الگ ہو گئے اور اس کی فوج نے شہر کو مامون کے افسروں کے حوالے کر دیا، ابراہیم روپوش ہو گیا۔ اس نے بغداد میں دو سال کے قریب حکومت کی۔ ①

فتحِ صِقِلّیَہ ۲۱۳ھ

افریقہ کی بدامنی دور کرنے کے لیے خلیفہ ہارون الرشید نے سن ۱۸۴۔ ہجری، سن ۸۰۱۔ عیسوی میں ابراہیم بن اغلب کو قیروان کا والی مقرر کیا۔ ابراہیم نے اپنے حسن تدبیر سے تمام ملک میں امن و امان قائم کیا۔ اس کی وفات کے بعد افریقہ کی حکومت اس کے خاندان میں موروثی ہو گئی جو تاریخ میں اغلبی خاندان کہلاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس خاندان کے حکمران خلفاء بغداد سے بے نیاز ہو کر خود مختار بن بیٹھے۔ بَرّی فوج کے علاوہ ان کے پاس ایک زبردست جنگی بیڑہ تھا۔ جزیرہ صقلیہ (SICILY) کو سلطنت اسلام میں شامل کرنے کے لیے انھی کی طرف سے اقدام ہوا۔ اگرچہ اس سے پیشتر عربوں نے اس کے ساحلی علاقہ پر متعدد بار غارت گری کی تھی مگر اس کی مکمل تسخیر مامون کے زمانے میں اغلبی خاندان کے ہاتھوں انجام کو پہنچی۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ صقلیہ کے ایک عیسائی امیر نے وہاں کے رومی گورنر کے خلاف مسلمانانِ افریقہ سے امداد کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں تیسرے اغلبی فرمانروا زیادت اللہ نے سن ۲۱۲۔ ہجری، سن ۸۲۷۔ عیسوی میں قاضی اسد بن فرات کے ماتحت ستر جہازوں کا ایک بیڑہ جس میں دس ہزار فوج تھی صقلیہ کی طرف روانہ کیا۔ عربوں نے چند سال کی جنگ کے بعد جزیرہ کے بہت سے حصے کو فتح کر لیا اور رفتہ رفتہ تمام جزیرہ پر قابض ہو گئے۔ ②

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۵۷۰/۸

② یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۴۱۷/۳

Marfat.com

فتح صقلیہ کے بعد عربوں نے جنوبی اٹلی کے بیشتر حصہ پر بھی قبضہ کر لیا اور ان کے امیر برندیزی، آباری، ٹارنٹو وغیرہ شہروں میں مدت تک حکمران رہے۔

عربوں کی حکومت صقلیہ میں

عرب صقلیہ میں اڑھائی سو سال سے زیادہ حکمران رہے۔ ان کے عہد حکومت میں ملک نے ہر لحاظ سے ترقی کی۔ عربوں نے وہاں گنے، کتان، وَسَن، زیتون اور دوسرے پودوں اور پھلوں کی کاشت کو رواج دے کر زراعت کو ترقی دی اور ملک کی دولت مندی میں اضافہ کیا۔ اُنھوں نے صنعت وحرفت اور تجارت کو بھی فروغ دیا۔ بالآخر نارمن (NORMAN) لوگوں نے صِقلِیَّہ میں عربوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ تاہم عربوں کا تمدنی تسلط اس کے بعد بھی وہاں مدتوں قائم رہا۔ نارمن لوگ عربی تمدن کی فضیلت کو مانتے تھے اور اس سے بہت متاثر ہوئے۔

نارمن بادشاہوں نے عربوں کے سیاسی نظام کو بدستور قائم رکھا اور ان کے علماء کی سرپرستی کی۔ چنانچہ مشہور عرب جغرافیہ نگار شریف ادریسی روجر (ROGER) ثانی کے دربار کی زینت تھا۔ بہت سے علوم وفنون اور صنائع وحرف جو اس وقت صرف عربوں کے ہاں رائج تھے، صقلیہ کے راستے سے یورپ میں پہنچے۔

رومیوں کے ساتھ جنگ

مامون کے عہد کے ابتدائی سالوں میں رومیوں کے ساتھ صلح تھی مگر جب اُنھوں نے ماژد کے ایک باغی بابک کے ساتھ مل کر آرمینیہ کی طرف سے اسلامی سلطنت پر حملہ کیا تو مامون نے سن ۲۱۵ ہجری میں بنفس نفیس ایشیائے کوچک پر فوج کشی کی اور طرسوس کے راستے سے رومی سلطنت میں داخل ہو گیا۔ اس نے وہاں متعدد قلعے فتح کیے اور بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے مراجعت کی۔ آئندہ سال اُسے رومیوں کے خلاف دوبارہ لشکر کشی کرنی پڑی کیونکہ اُنھوں نے ایک سرحدی شہر میں کئی ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کر ڈالا تھا۔ سن ۲۱۷ ہجری میں مامون اُن کے مقابلے کے لیے پھر نکلا اور سرحد کی حفاظت کے لیے طُوانہ کے مقام پر ایک وسیع اور مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔ اس مہم کے دوران میں خلیفہ مامون نے جمادی الآخرہ سن ۲۱۸ ہجری میں وفات پائی

Marfat.com

اور طرسوس میں مدفون ہوا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۴۸ سال تھی اور مدت حکومت ۲۰ سال۔ ①

اہل عجم کا غلبہ مملکت اسلام میں

عباسی خاندان کو خُراسان کے عجمیوں کی امداد سے حکومت ملی تھی اس لیے عباسی عہد کی ابتداء سے ہی اُمور سلطنت میں ایرانی اثر و رسوخ شروع ہو گیا۔ خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد ابو مسلم خراسانی نے ہزاروں ایرانیوں کو خلیفہ کی باقاعدہ فوج میں بھرتی کر لیا تھا۔ اس کے بعد برامکہ کے عہد وزارت میں یہ اثر و رسوخ اور بڑھا، یہ بھی ایرانی نسل سے تھے۔ اُنھوں نے اپنی سخاوت اور فیاضی سے تمام دُنیائے اسلام میں بے نظیر شہرت حاصل کی تھی اور عربوں کے مقابلے میں ایرانیوں کے جاہ و مرتبہ کو اتنا بلند کیا کہ ان کی شان و شوکت کے آگے خلیفہ کی ذات بھی ماند پڑ گئی تھی۔ برامکہ کے جو وزیر آئے وہ بھی اکثر ایرانی تھے۔

مامون کی والدہ مَراجل اور اس کی بیوی بُوران دونوں ایرانی نسل سے تھیں۔ ②

غرض ہارون الرشید اور مامون کے عہد میں ایرانیوں کا عمل دخل حدِ کمال تک پہنچ گیا۔ نہ صرف ایرانی لباس نے دربار میں جگہ پائی بلکہ دربار خلافت کے جملہ آئین و آداب میں ایران کے شاہانِ قدیم کی تقلید ہونے لگی اور ایرانی طرزِ معاشرت کو ہر لحاظ سے مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔

عجمیوں نے نہ صرف اُمورِ سلطنت اور معاشرت میں غلبہ حاصل کر لیا بلکہ علوم و فنون کو ترقی دینے میں بھی یہ لوگ پیش پیش تھے۔ عربوں کی توجہ ابتداء سے ہی ملک گیری اور جہانبانی کی طرف مبذول رہی تھی، بلکہ امراء لکھنے پڑھنے کو حقیر جانتے تھے اور علمی شغل کو سپاہیانہ اوصاف کے منافی اور اپنے مرتبہ امارت سے فروتر سمجھتے تھے۔ اس سبب سے علمی ترقی بیشتر ایرانیوں کے حصہ میں آئی اور اُنھوں نے علوم و فنون کو فروغ دینے میں اپنی طبعی ذہانت و فطانت کا بدرجہ اتم ثبوت دیا۔

شام اور عراق کے عربوں کے درمیان عباسیوں کے جدید العہد خاندان کے خلاف بار بار شورش اُٹھی تھی اس لیے عباسی تاجدار اپنے ہم قوم لوگوں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان پر

① ابن الاثیر، الکامل: ۶/ ۲۱۷، ۴۳۱
② العاصمی، سمط النجوم: ۳/ ۴۴۳

Marfat.com

اعتماد نہیں کرتے تھے۔ ان حالات میں عباسی خلفاء کی حکمتِ عملی بھی اس امر کی مقتضی تھی کہ عربوں کا زور توڑنے کے لیے حکومت میں ایرانی عنصر کو شریک کیا جائے تا کہ میزانِ سیاست کا توازن قائم رہ سکے۔ ٹھیٹھ عربوں کو عجمیوں کا سیاسی غلبہ ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ ایرانیوں کے اثر و رسوخ سے برہم تھے مگر اس کی روک تھام نہ کر سکے۔ کیونکہ وہ باہمی جنگ و جدال میں اپنی قوت کھو چکے تھے اور خود حکمرانوں کی حکمتِ عملی نے ایرانیوں کے اقتدار کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا۔

مامون کے عہد میں علمی ترقی

عباسی خلفاء میں سے مامون سب سے زیادہ علم دوست اور صاحب فضیلت خلیفہ گزرا ہے۔ اس نے بچپن میں اپنے زمانے کے بہترین اساتذہ سے تعلیم پائی تھی۔ اسے علمی بحث و تحقیق کا بڑا شوق تھا۔ ہفتے میں ایک دن علمی مجلس قائم کرتا تھا جس میں ہر مذہب و ملت کے عالم جمع ہوتے تھے اور خلیفہ کے حضور میں مختلف مذہبی اور علمی مسائل کے متعلق آزادی سے گفتگو کرتے تھے۔ اس مجلس خاص کے علاوہ مامون نے ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ عام مناظروں میں اپنے مذہب کے اثبات میں دلائل پیش کریں اور دوسرے مذاہب پر آزادی سے نکتہ چینی کریں۔

علوم قدیمہ کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا جو کام پہلے شروع ہو چکا تھا، مامون کے عہد میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری رہا، بلکہ مامون نے بیت الحکمۃ کو اور وسعت دی۔ اس نے رومی مملکت سے یونانی علوم کی بہت سی کتابیں حاصل کیں اور ان کے ترجمے کے لیے آدمی مقرر کیے۔ اس عہد کے مترجمین کی تعداد بڑی کثیر تھی مگر ان میں قسطا بن لُوقا، حُنین بن ثابت، یعقوب کندی اور یوحنا بن ماسور زیادہ مشہور ہیں۔

دوسری اقوام کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے کا شوق اتنا عام ہو گیا تھا کہ خلیفہ کے علاوہ بعض علم پرست امیروں نے بھی تراجم کا اہتمام کر رکھا تھا۔ خاندان برامکہ کی علم نوازی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ بنو موسیٰ بن شاکر یعنی محمد، احمد اور حسن کے ہاں بھی کئی نامور فاضل بیش قرار تنخواہوں پر ترجمہ کے کام پر مامور تھے۔ ان کی مجموعی کوششوں سے عربی زبان، فلسفہ،

Marfat.com

طب، کیمیا، ہیئت، ریاضی، موسیقی وغیرہ علوم سے مالا مال ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ لوگوں کے درمیان نئے نئے مسائل کے متعلق بحث چھڑ گئی جس سے کئی جدید فرقے پیدا ہوگئے۔

مامون نے اجرام فلکی کا مطالعہ کرنے کے لیے بغداد کے دروازہ شماسیہ کے قریب ایک رسد گاہ بنائی اور اپنے عہد کے ممتاز منجمین کو وہاں تحقیقات کے لیے مقرر کیا۔ اس کے عہد میں ہیئت دانوں کی ایک جماعت نے خطِ طول بلد کے ایک درجہ کی پیمائش کرکے اندازہ لگایا کہ کرّہ ارض کا دور ۲۴ ہزار میل ہے۔ ①

محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون کی ہمت افزائی سے نہ صرف یونانیوں کے علم ریاضی اور ہیئت کو سیکھا بلکہ ہندوؤں کے علمِ حساب کا بھی بغور مطالعہ کیا اور ان سے ہندسوں (۱۔۲۔۳۔۴ وغیرہ) کو اختیار کرکے عربوں کے ہاں رواج دیا جس سے حساب کا عمل آسان ہوگیا۔ بعد میں یہی ہندسے عربوں کے توسط سے یورپ میں پہنچے اور وہاں (NUMBERALSIARABIC) کہلائے۔ اس سے پہلے اعداد کو یا تو پوری عبارت میں لکھتے تھے یا ۱ کے لیے ا، ۲ کے لیے ب، ۳ کے لیے ج اور ۴ کے لیے د لکھتے تھے۔ خوارزمی نے سب سے پہلے الجبرا پر بھی ایک کتاب لکھی جس کا نام کتاب الجبرو المقابلہ رکھا۔ الجبرا کا لفظ اسی نام سے ماخوذ ہے۔

اس عہد کے مؤرخوں میں سے المدائنی، ابن ہشام اور ابن سعد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

❀❀❀

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۵/ ۵۷

Marfat.com

اعتزال

(RATIONALISM)

اعتزال ایک مذہبی تحریک کا نام ہے جو عباسی عہد کے ابتدائی دور میں زوروں پر رہی۔ بلکہ خلیفہ مامون، معتصم اور واثق کے عہد حکومت میں اسے درباری اور سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل رہی اور ان خلفاء نے اس کی اشاعت اور ترویج میں ناجائز جبر سے کام لیا۔ جن لوگوں نے اعتزال کو بطور عقیدہ کے اختیار کیا ''معتزلی'' کہلائے۔

ابتداء

معتزلی فرقہ کی ابتداء اور وجہ تسمیہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ حسن بصری بصرہ کی جامع مسجد میں دینی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک دن یہ مسئلہ پیش ہوا کہ آیا کوئی مسلمان گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے بعد مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں۔ عام مسلمانوں کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک شخص یا تو مومن ہے یا کافر۔ مگر حسن بصری کے ایک عجمی شاگرد واصل بن عطاء نے کہا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر، بلکہ ان کے بین بین ہے۔ واصل بن عطاء اپنے چند ہم خیال لوگوں کے ساتھ علیحدہ ہو گیا۔ اس پر حسن بصری بولے ''ھٰؤُلَاءِ اِعْتَزَلُوا'' یعنی یہ لوگ الگ ہو گئے ہیں۔ اس سے اعتزال کی اصطلاح پیدا ہوئی اور اس عقیدہ کے لوگ معتزلی کہلائے۔

معتزلی عقائد

معتزلہ اپنے آپ کو '' أَهْلُ الْعَدْلِ وَالتَّوْحِيْدِ'' کہتے تھے۔ اُنھوں نے چند خاص عقائد اختیار کر لیے جو عام مسلمان کے عقائد سے الگ ہیں۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) جبر و قدر کا مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ یعنی انسان اپنے کاموں میں مجبور ہے یا خود مختار

Marfat.com

ہے۔ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا قادرِ مطلق ہے، اسی نے خیر و شر پیدا کیا۔ انسان اپنے کاموں میں مجبور ہے اور خدا کا منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ اس کے برعکس معتزلہ کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان اپنے اعمال میں خود مختار ہے۔ اگر خود مختار نہ ہو بلکہ مجبور محض ہو تو اپنے افعال کا جواب دہ نہیں ہوتا۔ چونکہ معتزلی انسان کو صاحبِ قدرت یعنی صاحب اختیار سمجھتے تھے اس لیے اُنھیں قدریہ بھی کہتے ہیں۔

(۲) رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق عام مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ مومن لوگ جنت میں خدا تعالیٰ کا دیدار کریں گے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم ایک دن اپنے خدا تعالیٰ کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم نے شب بدر میں ماہِ کامل دیکھا تھا۔[1] معتزلہ کا عقیدہ یہ تھا کہ چونکہ خدا کا نہ جسم ہے نہ مکان ہے اور نہ اس کے لیے جنت ہے، اس لیے وہ ان جسمانی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ باقی رہا رسول اکرم ﷺ کا قول تو وہ اس کی یوں تاویل کرتے تھے کہ موت کے بعد انسان اپنی روحانی آنکھ سے یعنی اپنے عقل و شعور سے محسوس کرے گا۔

(۳) معتزلہ کا ایک مخصوص عقیدہ یہ ہے کہ صفاتِ الٰہیہ ذات الٰہیہ سے الگ نہیں ہیں بلکہ اس کی صفات عین ذات ہیں اور ذات عین صفات ہے۔ اگر اس کی ذات صفات سے جداگانہ ہو تو پھر ذات محتاجِ صفات ہو جائے گی مگر خدا اپنی ذات میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں۔

وہ اسی کو خالص توحید کہتے ہیں۔

(۴) معتزلہ کہتے تھے کہ اشیاء کا اچھا یا برا ہونا عقلی بات ہے۔ عقل تمام احکام کی کسوٹی ہے۔ یعنی احکام کو پہچاننے کا آلہ ہے۔ وہ بات جو عقل میں نہیں آ سکتی تھی وہ واجب التسلیم نہیں۔ اس لیے معتزلہ ان باتوں کو نہیں مانتے تھے جن کا عقل کے ذریعہ سے ادراک نہ ہو سکے۔ اسی لیے مغربی محققین نے مختلف اسلامی ملکوں کے عقائد کا مطالعہ کرنے کے بعد کہا ہے کہ معتزلہ (RATIONALISTS) یعنی عقل پرست ہیں۔

(۵) معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام علت پر مبنی ہیں اور ان میں بندوں کی

---

[1] محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری: ۴۳۴/۷

مصلحت یعنی بھلائی پوشیدہ ہے۔ اگر وہ غرض و غایت سے خالی ہوں تو ان کا بیکار ہونا لازم آئے گا اور یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کام جو حکیم ہے، عبث ہوں۔

(۶) معتزلہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے اور مخلوق ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔ جو لوگ قرآن مجید کو غیر مخلوق کہتے ہیں وہ گویا خدا کے ساتھ قرآن کی قدامت اور ابدیت کے قائل ہیں اور دو ابدی وجودوں کی ہستی کو مانتے ہیں۔ معتزلہ کے نزدیک ایسے لوگ مشرک اور گمراہ ہیں اور حقیقی طور پر موحد نہیں ہیں۔ ①

عقیدہ ''خلق قرآن''

یہ عقیدہ خلق قرآن کا عقیدہ کہلاتا ہے۔ رفتہ رفتہ باقی عقائد کو چھوڑ کر یہ عقیدہ معتزلہ کا خاص الخاص امتیازی عقیدہ بن گیا اور خلیفہ مامون نے اس کو اس سرگرمی سے اختیار کیا کہ اپنے زمانے کے علماء دین کو اسے قبول کرنے پر مجبور کیا اور اس کے بارے میں ناجائز تشدد سے کام لیا۔ اس کی سختی سے لوگوں پر بہت سی آفتیں آئیں۔ اسی لیے عام لوگ خلیفہ کو مُلحد اور بدعتی کہتے تھے۔

خلیفہ مامون کی زندگی کا آخری سال تھا اور وہ ان دنوں بلاد روم کی سرحد پر شہر طرسُوس میں مقیم تھا۔ اس نے حاکم بغداد کو فرمان بھیجا کہ تم قاضیوں اور عالموں کو جمع کرو اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کرو کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں۔ جو شخص قرآن کو مخلوق نہ کہے اس کا نام دفتر سے کاٹ دو اور اسے ملازمت سے علیحدہ کر دیا جائے اور اس کی گواہی بھی قبول نہ کی جائے۔

حاکم بغداد نے علمائے دین کو جمع کیا اور ان کے بیانات قلمبند کیے اور مامون کے پاس بھیج دیے۔ مامون نے ان بیانات کو ناکافی سمجھا اور حاکم بغداد کو دوبارہ لکھا کہ علماء سے خلق قرآن کا اقرار لو اور جو شخص انکار کرے اسے پابہ زنجیر میرے پاس بھیج دو۔

جب علماء نے دیکھا کہ خلیفہ سختی پر تلا ہوا ہے تو اُنھوں نے اپنی سلامتی اس میں دیکھی کہ قرآن کو مخلوق کہہ دیں، صرف امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے عقائد پر قائم رہے۔ حاکم

① ابن حزم، الملل والنحل: ۳/ ۱۲۳

Marfat.com

بغداد نے انھیں طرسوس کی طرف روانہ کر دیا مگر وہ ابھی راستے ہی میں تھے کہ مامون کا انتقال ہو گیا اور وہ طرسوس میں دفن ہوا۔ ①

مامون نے اپنی وفات سے پہلے اپنے جانشین کو وصیت کی کہ وہ معتزلی عقائد پر قائم رہیں اور خلق قرآن کے عقیدے کو لوگوں سے منوائیں۔ چنانچہ مامون کے بعد خلیفہ معتصم نے اس بارے میں تشدد جاری رکھا اور امام احمد بن حنبل کو برسر دربار کوڑے لگوائے مگر امام موصوف اپنے عقائد پر ثابت قدم رہے۔

خلیفہ معتصم کے بعد خلیفہ واثق کا زمانہ آیا۔ اس نے بھی اس بارے میں لوگوں پر سختی جاری رکھی۔ آخر کار جب سن ۲۳۲ ہجری میں متوکل تختِ خلافت پر بیٹھا تو اس نے ان جھگڑوں کو موقوف کر دیا اور لوگوں کو اپنے اپنے عقیدوں پر چھوڑ دیا، اس سے عام مسلمان خوش ہو گئے۔ ②

❀❀❀

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۶۳۱/۸

② سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۰۹، ۳۲۰

Marfat.com

پانچواں باب

۸۔مُعْتَصِم باللّٰہ

۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ

خلیفہ مامون کی وفات کے بعد لوگوں نے اس کے بھائی ابو اسحاق محمد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چنانچہ وہ معتصم باللہ کا لقب اختیار کر کے سن ۲۱۸۔ ہجری میں مسندِ خلافت پر بیٹھا۔

ترکوں کا داخلہ اسلامی فوج میں

معتصم بڑا قوی ہیکل اور بہادر خلیفہ تھا جس نے حکومت کی شان و شوکت اور فوج کی قوت بڑھانے کی طرف خاص توجہ دی تھی۔ اس نے ترکوں کی شجاعت کو دیکھ کر سمرقند، فرغانہ اور تُرکستان کے دوسرے علاقوں سے ہزاروں ترک لشکری فراہم کیے اور انھیں اپنی فوج میں کثرت سے داخل کیا۔ ان میں سے بعض تو فوج خاصہ میں بھرتی کیے گئے۔ جو ذاتی وجاہت اور خاص قابلیت کے مالک تھے وہ خلیفہ کی خوشنودی حاصل کر کے سپہ سالاری کے منصب پر فائز ہو گئے۔ معتصم ترک لشکریوں کو بڑی قدر دانی کی نگاہ سے دیکھتا تھا، چنانچہ اس نے اُنھیں دوسری فوجوں سے ممتاز کرنے کے لیے ان کی وردی طلاکار بنوائی اور انھیں سنہری پیٹیاں پہنائیں۔

اس سے پہلے خُراسانیوں اور ایرانیوں کا زور تھا۔ اب فوج میں ترکی عنصر غالب ہو گیا۔ وہ عرب جن کی قوت بازو سے اسلامی سلطنت کی سطوت ہوگئی تھی۔ اب گمنامی اور کس مپرسی کے گوشے میں چھپ گئے۔ اسلامی لشکر میں صرف ایک عرب فوج مغاربہ کی باقی رہ گئی۔ اکثر عربوں نے صحرا کی راہ لی اور بجائے اس کے کہ وہ پہلے کی طرح سلطنت اسلام کے پشتی بان ثابت ہوں۔ بددل ہو کر شرانگیزی اور بغاوت پر اُتر آئے۔

آغاز کار میں ترکوں کے ذریعے سے بڑی فتوحات حاصل ہوئیں۔ مگر ملک میں ان کا اثر و نفوذ تدریجاً بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ خلفاء کے احاطہ اقتدار سے باہر ہو گئے۔ آخر کار ان کی

Marfat.com

خودسری اتنی بڑھ گئی کہ خلفاء ان کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔ ترک امراء جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جب چاہتے تخت سے اُتار دیتے تھے۔ ①

سامرّا کی آبادی ۲۲۱ھ

اکثر ترک لشکری بہت اکھڑ اور تیز تھے اور ان کی موجودگی اہل بغداد کے لیے زحمت کا موجب تھی۔ ترک فوجی بغداد کی سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے۔ جس سے عورتیں اور بچے زخمی ہو جاتے تھے اور بعض اوقات فتنہ و فساد اور کشت و خون تک نوبت آ جاتی تھی۔ یہ جھگڑے زیادہ بڑھے تو لوگوں نے خلیفہ معتصم کے پاس شکایت کی۔ خلیفہ نے یہی مناسب سمجھا کہ ترک فوجوں کے لیے ایک علیحدہ چھاؤنی بنائی جائے۔ چنانچہ اس نے سن ۲۲۱۔ ہجری، سن ۸۳۶۔ عیسوی میں بغداد سے شمال کی طرف ساٹھ میل کے فاصلے پر دریائے دجلہ کے کنارے سامرا کے مقام پر ایک نیا شہر بسایا اور وہاں فوجی بلاکوں کے علاوہ شاہی محلات بھی تعمیر کرائے۔ اور ترک فوجوں کے ساتھ دربار خلافت بھی سامرا میں منتقل کر دیا۔

بغداد نے ترک لشکریوں سے نجات پائی۔ مگر خود خلیفہ ترکوں کے تصرف میں چلا گیا۔

سن ۲۲۱۔ ہجری سے لے کر سن ۲۷۹۔ ہجری تک سامرا خلافتِ عباسیہ کا پایہ تخت رہا۔ اس عرصے میں سات خلفاء نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ معتصم کے بعد اس کے جانشینوں خصوصاً خلیفہ متوکل نے سامرا میں بہت سی جدید عمارات کا اضافہ کیا۔ جس سے اس کی وسعت اور رونق بہت زیادہ بڑھ گئی اور وہ شان و شوکت میں بغداد کا مقابلہ کرنے لگا۔ ②

رومیوں کے ساتھ جنگ

جب خلیفہ معتصم کی اکثر فوجیں بابک کے خلاف مصروف پیکار تھیں تو قیصر روم نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور بابک کے اُکسانے سے اسلامی سلطنت پر چڑھائی کر دی۔ بہت سے سرحدی مقامات کو لوٹا اور بہت سے شہروں کو آگ لگا دی۔ کہیں مسلمانوں کو قتل کیا اور کہیں ہزاروں

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۱۰

② یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۱۷۴/۳

Marfat.com

باشندوں کو قیدی بنا کر لے گیا۔ جب معتصم کو قیصر روم کے حملے کی خبر ملی تو وہ سن ۲۲۳ھ۔ ہجری میں ایک بھاری لشکر لے کر اس کے مقابلے کے لیے نکلا اور اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے رومی سلطنت پر حملہ آور ہوا، قیصر نے شکست کھائی۔

خلیفہ نے آگے بڑھ کر شہر عموریہ (AMORIUM) کا محاصرہ کر لیا اور دو ماہ کی سخت لڑائی کے بعد اسے فتح کر لیا اور وہاں سے بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت حاصل کر کے شہر کو آگ لگا دی۔ عموریہ کی فتح کے بعد معتصم چاہتا تھا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرے۔ مگر اسی اثناء میں اسے خبر ملی کہ شہزادہ عباس بن مامون اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔

اس لیے اسے ناچار سامرا کی طرف واپس آنا پڑا۔

خلیفہ معتصم نے سن ۲۲۷ھ۔ ہجری میں تقریباً نو سال کی حکومت کے بعد وفات پائی وہ ایک سپاہی آدمی تھا۔ جسے علوم وفنون کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی مگر تلوار کا دھنی تھا۔ وہ کئی بار بنفس نفیس جنگ کے لیے نکلا اور سلطنت کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو نیچا دکھانے میں کامیاب رہا۔ [1]

❀❀❀

(۱) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۱۰۲

Marfat.com

۹۔ واثق باللہ

۲۲۷ھ تا ۲۳۲ھ

معتصم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو جعفر ہارون ''واثق باللہ'' کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا۔ یہ خلیفہ بڑا علم دوست تھا۔ اس نے مامون کی مجلس مناظرہ کو از سر نو جاری کیا۔ اسے قدیم علوم سے بڑا شغف تھا۔ اور گزشتہ حکماء کے خیالات اور عقائد دریافت کرنے کا بڑا شوقین تھا۔ چنانچہ اپنی علم دوستی کے اعتبار سے اسے مامون کے ساتھ بہت ہی مشابہت تھی۔

خلیفہ واثق نے انتظامی اُمور کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ سرکاری دفتروں کی جانچ پڑتال نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کاتب خیانت اور رشوت ستانی کے عادی ہو چکے تھے۔ اور اُنھوں نے مذموم طریق سے بہت سا مال و دولت اکٹھا کر لیا تھا۔ خلیفہ نے ان پر تاوان لگایا۔ اور ان سے بڑی بڑی رقمیں جرمانے میں وصول کیں۔ جس عہدیدار کے پاس معمول سے زیادہ مال و دولت دیکھتا۔ اس پر بددیانتی کا گمان کر کے اس کی جائز آمدنی سے زائد رقم اس سے وصول کر لیتا۔ واثق کی سخت گیری سے خیانت کا بہت حد تک سدباب ہو گیا۔

واثق کے عہد میں ترکوں کو اور عروج حاصل ہوا۔ سلطنت کے کئی حصوں میں شورش برپا ہوئی۔ چنانچہ شام، فلسطین اور بلادِ عرب میں بغاوت نے سر اُٹھایا۔ اور ان بغاوتوں کو دبانے کے لیے واثق نے ترکی فوجوں سے کام لیا۔ اور ترک سپہ سالاروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں بہت سا انعام و اکرام دیا۔ اور ان کی عزت بڑھائی۔ خلیفہ نے نائب السلطنت کا جدید عہدہ قائم کیا۔ اور ترکی سپہ سالار اشناس کو اس پر مقرر کر دیا۔ [1]

---

(۱) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۱۰۹

Marfat.com

دَورِ اوّل کے اہم واقعات کا خلاصہ

شمار	نام خلیفہ	عہد خلافت	واقعات
۱	السفاح	۱۳۲ھ تا ۱۳۶ھ	سن ۱۳۲۔ہجری السفاح کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور خلافتِ عباسیہ کی ابتداء ہوئی۔ وزارت کا عہدہ قائم ہوا۔
۲	منصور	۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ	سن ۱۳۷۔ہجری ابو مسلم خراسانی کا قتل سن ۱۳۸۔ہجری عبدالرحمٰن اموی نے اَندُلس میں علیحدہ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سن ۱۴۵۔ہجری میں نفس زکیہ کا خروج اور قتل سن ۱۴۵۔ہجری بغداد کی تعمیر شروع ہوئی۔ یونانی کتابوں کے تراجم کی ابتداء ہوئی۔
۳	مہدی	۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ	زندیقوں کا محاسبہ ہوا۔
۴	ہادی	۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ	زندیقوں پر تشدُد جاری رہا۔

Marfat.com

۵	ہارون الرشید	سنہ ۱۷۰ھ تا سنہ ۱۹۳ھ	سن ۱۷۲۔ ہجری ادریس بن عبداللہ نے مغرب اقصیٰ میں ایک مستقل خاندان کی بنیاد ڈالی۔ سن ۱۸۱۔ ہجری رومیوں پر ہارون کی فوج کشی اور فتح سن ۱۸۷۔ ہجری جعفر برمکی کا قتل اور برامکہ کی بربادی بیت الحکمۃ کا قیام
۶	امین	سنہ ۱۹۳ھ تا سنہ ۱۹۸ھ	مامون کے ساتھ جنگ ہوئی جس میں امین مارا گیا۔
۷	مامون	سنہ ۱۹۸ھ تا سنہ ۲۱۸ھ	سن ۲۰۱۔ ہجری علی رضا کی نامزدگی بحیثیت ولی عہد کے بابک خرمی کی بغاوت ماژندران میں سن ۲۱۰۔ ہجری کریٹ کی فتح۔ سن ۲۱۳۔ ہجری مسلمانوں نے صِقِلّیہ (سسلی) فتح کیا سن ۲۱۸۔ ہجری مامون نے عقیدہ خلق قرآن کی ترویج میں جبر سے کام لیا۔ یونانی کتابوں کا ترجمہ زوروں پر رہا۔
۸	معتصم	سنہ ۲۱۸ھ تا سنہ ۲۲۷ھ	سن ۲۲۱۔ ہجری معتصم نے سامرا آباد کر کے اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ بابک خرمی کی شکست اور قتل سن ۲۲۳۔ ہجری رومیوں کی شکست اور عَمُّوریہ کی فتح۔
۹	واثق	سنہ ۲۲۷ھ تا سنہ ۲۳۲ھ	قبائل عرب کی شورش اور ان کی سرکوبی

Marfat.com

چھٹا باب

ترکوں کا غلبہ

۲۳۲ھ تا ۳۳۴ھ

عباسی عہد کا دوسرا دور ۱۰۲ برس کا ہے، جس میں ترکوں کو ہر طرح سے غلبہ رہا اور اس دور کی ابتداء خلیفہ متوکل کے عہد سے ہوتی ہے۔ جو ترکوں کا زور توڑنے کی کوشش میں مارا گیا۔

اس دور میں بارہ خلفاء یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے جن کے القاب یہ ہیں۔ متوکل، منتصر، مستعین، معتز، مہتدی، معتمد، معتضد، مکتفی، مقتدر، قاہر، متقی اور مستکفی۔

خلفاء کی کمزوری کی وجہ سے اس دور میں کئی خود مختار خاندان وجود میں آئے۔ نیز اسمٰعیلہ اور قرامطہ کے فرقوں نے ظہور کیا۔

❀❀❀

Marfat.com

۱۰۔المتوکل علی اللہ

۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ

خلیفہ واثق کے بعد ۲۳۲۔ہجری میں اس کا بھائی ابوالفضل جعفر المتوکل علی اللہ کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا۔

جب معتصم نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا تھا تو حکومت میں ان کا اثر ورسوخ بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ جب متوکل تخت نشین ہوا تو اس نے دیکھا کہ سلطنت میں ہر طرف ترک ہی ترک چھا رہے ہیں تو اس نے ان کا زور توڑنے کے لیے کئی تدبیریں کیں۔ مگر ترکوں کے قدم اتنے مضبوط تھے کہ اس کی تمام تدبیریں اکارت گئیں، یہاں تک کہ خود خلیفہ ان کے ہاتھوں مارا گیا۔

ترک لشکریوں کے خلاف متوکل کی جدوجہد

متوکل نے دیکھا کہ تمام ترکی افسروں میں سے ایتاخ سب سے زیادہ طاقتور اور بارسوخ ہے۔ وہ معتصم کے عہد میں سرکاری ملازمت میں داخل ہو کر اپنی دانائی اور ہوشیاری سے اب سرداری اور سپہ سالاری کے عہدے پر پہنچ گیا تھا، حاجب بھی تھا اور محکمہ فوج کا نگران بھی۔ دارالخلافہ کی حکومت بھی اس کے پاس تھی۔ متوکل کو اس کے وسیع اختیارات سے خوف پیدا ہوا۔ چنانچہ اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے خلیفہ نے یہ تدبیر کی کہ اسے حج کے لیے روانہ کر دیا۔ جب ایتاخ حج سے واپس ہوا اور بغداد کے قریب پہنچا تو حاکم بغداد نے خلیفہ کے حکم سے اسے بغداد میں مدعو کیا اور دھوکے سے قید کروا دیا اور وہ بحالت قید ہی مر گیا۔[1]

دارالخلافہ سامرا میں ہر طرف ترک ہی ترک چھائے تھے۔ لہٰذا متوکل نے سامرا سے بیزار ہو کر دمشق کا رُخ کیا اور وہ وہاں قیام کر کے سلطنت کے مختلف محکموں کے لیے دفتروں کی تعمیر

---

① المسعودی، مروج الذہب: ۱۳۲/۴

Marfat.com

شروع کی۔ اس سے ترکوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ دمشق کو پایہ تخت بنانے سے متوکل کی اصلی غرض یہ ہے کہ ان کے خلاف شام کے عربوں کی امداد حاصل کرے۔ چنانچہ اُنھوں نے خلیفہ کے خلاف سرکشی کی دھمکی دی، اس پر متوکل کو مجبوراً سامرا واپس آنا پڑا۔

سامرا کی عمارات

متوکل نے سامرا میں اپنے والد معتصم کے عہد کی قدیم مسجد کی بجائے ایک نئی شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی جو وسعت اور خوبصورتی میں دمشق کی جامع مسجد کا مقابلہ کرتی تھی، اس کا فرش سنگ مرمر کا تھا اور دیواروں پر مینا کاری کی اینٹیں جڑی ہوئی تھیں۔ اس شکستہ مسجد کی دیواریں اب تک موجود ہیں۔ متوکل نے دمشق سے واپسی پر سامرا کے شمال میں تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک نیا شہر بسایا جو خلیفہ کے نام پر محل جعفری یا متوکلیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ①

شہر کے وسط میں ایک نہایت خوبصورت اور شاندار محل لُولوہ نامی تعمیر ہوا۔ جس کے اردگرد باغ لگوائے گئے، نہریں کھودیں گئیں اور اسے ہر قسم کے سامانِ تفریح سے آراستہ و پیراستہ کیا گیا مگر متوکل کے بعد یہ شہر جلدی ویران ہو گیا۔

جب خلفاء نے ترک لشکریوں کی خودسری سے تنگ آکر بغداد کی طرف رجوع کیا تو سامرا آہستہ آہستہ ویران ہو گیا، مگر اس کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں اور ان کے مطالعہ سے اس عہد کے فن تعمیر کے ارتقاء پر بڑی روشنی پڑتی ہے۔ ان آثار قدیمہ کے نزدیک سامرا کے نام سے ایک چھوٹی سی بستی اب بھی موجود ہے جہاں امام علی النقی اور ان کے صاحبزادے امام حسن عسکری مدفون ہیں۔

متوکل کا قتل ۲۴۷ھ

متوکل نے اپنی زندگی میں ہی اپنے تین بیٹوں کو ولی عہد بنا کر تمام سلطنت کو ان میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور اپنی وفات کے بعد ان تینوں کو اپنے اپنے حدود میں خودمختار قرار دے دیا تھا اور رعایا سے ان کے حق میں بیعت لے لی تھی۔ اس انتظام سے بڑے لڑکے محمد منتصر کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی اور خلیفہ نے چاہا کہ منتصر کی بجائے اپنے دوسرے بیٹے معتز کو ولی عہد اول قرار

① النویری، نہایۃ الارب: ۲۲/ ۲۱۲

Marfat.com

دے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا متوکل اور منتصر کی باہمی رنجش بڑھتی گئی۔ بعض خودغرض امراء بھی متوکل کی بدگمانی کو بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ منتصر اپنے باپ کا جانی دشمن بن گیا اور اپنے باپ کے خلاف ترک افسروں کے ساتھ ساز باز کرنے لگا۔

ترک افسر پہلے سے ہی متوکل کی طرف سے بدگمان تھے۔ ایتاخ کا واقعہ انھیں فراموش نہیں ہوا تھا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ خلیفہ ان کی طاقت کو توڑنا چاہتا ہے۔ انہی ایام میں خلیفہ نے چند ترک سپہ سالاروں کی جاگیریں ضبط کر لیں تھیں۔ لہٰذا وہ خوشی سے منتصر کی سازش میں شریک ہو گئے اور رات شاہی محل میں داخل ہو کر انھوں نے خلیفہ کو موت کی نیند سلا دیا۔

یہ واقعہ شوال سن ۲۴۷ ہجری کا ہے۔ [۱]

متوکل پندرہ سال کی حکومت کے بعد چالیس سال کی عمر میں مقتول ہوا۔ وہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جو اپنے لشکریوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

متوکل کی سیرت

خلیفہ متوکل کے عہد حکومت میں رعایا بحیثیت مجموعی آسودہ حال رہی۔ ملک میں امن و امان رہا اور خزانہ شاہی معمور، مگر یہ خوشحالی ایک صدی کے سیاسی استحکام، اور مسلسل معاشی ترقی کا نتیجہ تھی۔ ذاتی سیرت میں متوکل ایک کینہ ور اور بے رحم حکمران تھا۔ جو ادنیٰ سی مخالفت پر غضب ناک ہو کر اپنے مخالفین کو دردناک عذاب دے کر قتل کر دیتا تھا۔ رعایا کے بعض طبقوں کے ساتھ بھی اس کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ خصوصاً آل علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھتا تھا اور ان کا سخت دشمن تھا۔ اس نے کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مرقد کو کھدوا کر اہل اسلام کے جذبات کو مجروح کیا اور لوگوں کو اس کی زیارت سے جبراً روکا۔ اس نے ذمیوں پر بھی بے جا پابندیاں عائد کیں۔ [۲]

سیاست ملکی کے لحاظ سے متوکل کی توجہ زیادہ تر ترکوں کے اقتدار کو کم کرنے کی طرف رہی۔ اگر جانشین کے معاملے میں اس کی تدبیر ناکام نہ رہتی اور اپنے بیٹے کے ساتھ کشیدگی پیدا نہ ہوتی تو

---

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۹/ ۲۲۲

② النویری، نہایۃ الارب: ۲۲/ ۲۰۳

Marfat.com

ترک سپہ سالاروں کو زیر کرنے میں شاید کامیاب ہو جاتا۔ متوکل کے قتل سے منصب خلافت کے وقار کو بہت دھکا لگا۔ خصوصاً ترک لشکریوں کے دل سے خلفاء کا رعب داب اُٹھ گیا اور ان کا عزل ونصب ان کے ہاتھ میں ایک کھیل بن کر رہ گیا۔ ان وجوہات سے متوکل کا عہدِ حکومت خصوصاً اس کا عبرت ناک قتل دولتِ عباسیہ کے زوال کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔

۱۱۔ منتصِر باللہ

متوکل کے قتل کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا منتصر کے لقب سے خلیفہ بنا۔ اس کے عہد میں علویوں کو امن ملا۔ ان کی ضبط شدہ جائیدادیں واپس کی گئیں اور شیعانِ علی کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مرقد کی زیارت کرنے کی دوبارہ اجازت ملی۔ اسی طرح ذمیوں سے بھی تمام پابندیاں ہٹا دی گئیں۔ اس عہد میں حکومت کے تمام اختیارات وصیف اور بغا نامی ترک سپہ سالاروں کے ہاتھ میں رہے۔ منتصر نے چھ ماہ کی حکومت کی اور سن ۲۴۸ ہجری میں وفات پائی۔ ①

۱۲۔ مستعین باللہ

منتصر کے بعد ترک سپہ سالاروں نے خلیفہ معتصم کے ایک پوتے احمد نامی کو خلیفہ بنایا جس کا لقب مستعین باللہ تھا جس سے وہ بدستور سیاہ سفید کے مالک بنے رہے۔ ان کی چیرہ دستی سے تنگ آ کر مستعین بغداد بھاگ گیا۔ ترک اسے سامرا واپس بلانے میں ناکام رہے۔

اس پر اُنھوں نے مستعین کو معزول کر کے متوکل کے دوسرے بیٹے معتز کو خلیفہ بنایا۔

۱۳، ۱۴۔ معتز اور مہتدی کا عہد خلافت اور مستعین باللہ کا قتل

آئے دن انقلاب سے سلطنت کی مالی حالت کمزور ہو گئی۔ مال کا اکثر حصہ وزیر، کاتب اور سلطنت کے دیگر عہدیدار خرد برد کر لیتے تھے، خزانہ بالکل خالی تھا۔ شاہی ملازموں اور لشکریوں کو کئی کئی ماہ تک تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ ترک لشکریوں نے تنگ آ کر قصر خلافت پر حملہ کر دیا، خلیفہ کو محل سے باہر گھسیٹ لائے اور اسے معزول کر کے قید کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اسے قید خانہ میں ہی مروا

① البلخی، کتاب البدء والتاریخ: ۲/۳۰۲

Marfat.com

ڈالا گیا۔ یہ واقعہ سن ۲۵۵۔ہجری کا ہے۔ ①

اس کے بعد معتز خلیفہ بنا۔ معتز کی مدت حکومت تقریباً چار سال ہے۔ معتز کے بعد ترکوں نے خلفیہ واثق کے بیٹے مہتدی کو خلیفہ بنایا۔ وہ ایک عادل، خوش اخلاق، نیک سیرت اور فرض شناس حکمران تھا۔ اس نے مغنیوں اور ارباب نشاط کو دربار سے نکال دیا۔ مگر وہ بھی ایک ہی سال حکومت کر پایا تھا کہ مالی اور فوجی اصلاحات کی کوشش میں ترکوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ سن ۲۵۶۔ہجری کا واقعہ ہے۔ ②

خودمختار حکومتیں

خودمختار حکومتوں کی ابتداء

ترکوں کی چیرہ دستیوں نے خلفاء کے وقار کو خاک میں ملا دیا تھا اور ان خلفاء کے مسلوب الاختیار ہونے سے سلطنت کا نظم ونسق درہم برہم ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی حکومت کے کمزور ہونے سے سلطنت اسلام کے بہت سے حصے آزاد ہو گئے۔ چنانچہ سن ۲۵۰۔ہجری سے لے کر سن ۲۶۰۔ہجری تک دس سال کے عرصے میں طبرستان میں علویہ خاندان، خراسان میں صَفاریہ، مصر میں طولونی اور ماوراءالنہر میں سامانی خاندان خودمختار بن بیٹھے تھے۔

اگرچہ مذکورہ بالا ممالک بغداد کی مرکزی حکومت سے الگ ہو گئے اور سلطنت عباسیہ کی وہ پہلی سی وسعت اور عظمت باقی نہ رہی تھی۔ مگر اس انتشار کے باوجود دنیائے اسلام کی معاشی، تمدنی اور علمی ترقی جاری رہی۔ متعدد مرکزوں کے قائم ہونے سے علوم وفنون کے سرپرستوں کی تعداد بڑھ گئی تھی اور ان کی حوصلہ افزائی سے مختلف مقامات میں اہل ہنر کو اپنے جوہر اور کمالات دکھانے کا موقعہ ملا۔ مقامی حکومتوں کے قائم ہونے سے اہل ملک کو بالخصوص فائدہ پہنچا۔ ملک کی دولت

---

① المسعودی، مروج الذہب: ۱۸۸/۴

② یعقوبی، التاریخ: ۴۷۱/۲

Marfat.com

ملک ہی میں رہنے لگی۔ صنعت وحرفت چمکی اور تجارت نے اعلیٰ پیمانے پر فروغ پایا۔

طبرستان کی علوی حکومت

طبرستان کے عامل کی سختیوں اور وہاں کے جاگیرداروں کی زیادتیوں سے وہاں کے باشندے برافروختہ ہو گئے۔ اس زمانے میں علوی ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ چنانچہ حکام کے مخالفین نے ان کو اپنا سہارا بنایا اور سن ۲۵۰ ہجری، سن ۸۶۵ عیسوی میں ایک علوی حسن بن زید کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ جس نے طبرستان اور جرجان پر قبضہ کرلیا اور اپنی وفات تک ان ملکوں پر قابض رہا۔ [1] اس کے بعد اس کے خاندان کے کئی افراد اس کے جانشین ہوئے اور خطبہ اور سکہ اپنے نام پر جاری کیا۔ اس خاندان کے اکثر حکمران بڑے کریم النفس، مخیّر اور علوم کے سرپرست تھے۔ آخر کار سن ۳۱۶ ہجری میں سامانیوں نے ان سے ملک چھین لیا۔

خاندان صفاریہ ۲۵۳ھ، ۸۶۷ء

اس خاندان کا بانی یعقوب بن لیث سیستان کا باشندہ تھا۔ وہ تانبے کے برتن بنایا کرتا تھا۔ اس لیے صَفّار کہلاتا تھا اور تاریخ میں اس کا خاندان صفاریہ کے نام سے مشہور ہے، وہ ایک نہایت دلیر آدمی تھا، جس نے جنگجو لوگوں کی ایک جماعت اپنے ہمراہ کرکے سیستان کے علاقے پر قبضہ کرلیا اور چند سال کے عرصہ میں کرمان، فارس اور ایران کے دیگر حصوں کو فتح کرکے ایک وسیع سلطنت قائم کرلی اور سن ۲۵۹ ہجری میں نیشاپور پر فوج کشی کرکے طاہری خاندان کا چراغ گل کردیا۔

یعقوب کی وفات کے بعد اس کے بھائی عمرو نے حکومت سنبھالی۔ اس نے ماوراء النہر کے سامانی خاندان کے خلاف فوج کشی کی جس میں شکست کھا کر دشمن کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ ایک مدت ۱۱۶۳ء تک اس کی اولاد سیستان میں حکومت کے لیے لڑتی رہی، مگر باقی تمام مقبوضات ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔

اگرچہ صفاری خاندان نے صرف چالیس سال کے قریب حکومت کی تھی، مگر وہ سیاسی لحاظ سے اس لیے اہم ہے کہ یعقوب اور اس کے بھائی عمرو کی کوشش سے ایران کے اکثر صوبجات

---

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۱۳۰/۷

Marfat.com

خلافت بغداد سے علیحدہ ہو گئے۔ ایران کا ملک عربوں کے تسلط سے آزاد ہونے لگا اور ایرانی قوم ایک مدت کی محکومی کے بعد دوبارہ آزادی کی ہوا کھانے لگی۔

طولونی خاندان

احمد بن طولون ایک ترکی افسر سن ۲۵۴۔ ہجری، سن ۸۶۸۔ عیسوی میں خلیفہ معتز کے عہد میں مصر کا والی مقرر ہوا۔ کچھ مدت کے بعد اس نے دربارِ خلافت میں خراج بھیجنا بند کر دیا اور عملی طور پر خود مختار ہو گیا۔ اس نے سن ۲۷۷۔ ہجری میں شام پر بھی قبضہ کر لیا۔ ابن طُولُون ایک بڑا منصف مزاج، فیاض، بہادر اور باہمت حکمران ثابت ہوا۔ اس نے اپنی فوج میں ترک اور سودانی کثرت سے بھرتی کیے اور اس کی تنظیم کر کے اپنی مملکت کو خوب طاقتور بنایا۔ اس نے ملک کی زراعتی ترقی اور رعایا کی فلاح و بہبود پر خاص توجہ دی۔ اس کی خود مختاری سے مصر کو فائدہ پہنچا اور پہلے کی نسبت ملک خوشحال ہو گیا۔ ابن طُولُون کے بعد اس کے تین جانشین مصر کے تخت پر بیٹھے۔ ان کے عہد میں مصر نے بڑی ترقی کی، رعایا آسودہ حال ہو گئی۔ مصر کے دربار میں شاہانہ شان و شوکت پیدا ہو گئی اور حکمرانوں کی سرپرستی سے مصر علوم و فنون کا ایک مستقل مرکز بن گیا۔ سن ۲۹۲۔ ہجری، سن ۹۰۵۔ عیسوی میں عباسیوں نے مصر واپس لے لیا۔ مگر طولونی عہد کی خوشحالی اور درخشندگی کی یاد بہت دیر تک لوگوں کے دلوں میں باقی رہی۔ ①

۱۵۔ معتمد علی اللہ ۲۵۶ھ تا ۲۷۹ھ

مہتدی کے قتل کے بعد ترکوں نے متوکل کے ایک بیٹے احمد نامی کو معتمد علی اللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا۔ اس نے اپنے بھائی موفق کو وزیر جنگ بنایا اور ساتھ ہی اسے کئی صوبوں کا امیر مقرر کیا۔ چونکہ معتمد ایک عیش پرست اور کمزور طبیعت کا انسان تھا، اس لیے موفق حکومت پر حاوی ہو گیا۔ اگرچہ معتمد تیئس سال تک منصب خلافت پر فائز رہا۔ مگر اس کی خلافت برائے نام تھی، تمام اختیارات موفق کے ہاتھ میں تھے وہی سلطنت کا کام چلاتا تھا۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۷/۱۸۷

Marfat.com

۲۶۰ھ

معتمد کے عہد خلافت میں سن ۲۶۰۔ہجری خاص طور پر اہم ہے۔اس سن میں کئی ایک اہم واقعات رونما ہوئے۔اولاً ماوراء النہر میں سامانی خاندان کی ابتداء ہوئی۔دوسرے شیعہ امامیہ کے گیارہویں امام ابومحمد حسن عسکری نے سامرّا میں وفات پائی اوران کے خورد سال بیٹے محمد مہدی اپنے والد کی تلاش میں ایک سرداب میں غائب ہوگئے اوران پر ائمہ دوازدہ کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ ①

تیسرے اسمٰعیلیہ یا سبعیہ کی دعوت کی ابتداء ہوئی جس سے بعد میں فرقہ قرامطہ پیدا ہوا۔ ان تمام واقعات کا مختصر بیان آئندہ صفحات میں حسب موقع آئے گا۔معتمد کے عہد کے آخری سال یعنی سن ۲۷۹۔ہجری میں دولت عباسیہ کا دارالحکومت سامرا سے دوبارہ دارالسلام بغداد میں منتقل ہوا۔ ② موفق نے سن ۲۷۸۔ہجری میں اور خلیفہ معتمد نے ایک سال بعد سن ۲۷۹۔ہجری، سن ۸۹۲۔عیسوی میں وفات پائی۔

اس کے بعد موفق کا بیٹا احمد ''معتضد باللہ'' کے لقب سے خلیفہ مقرر ہوا۔

حدیث نبوی ﷺ کی تدوین

جیسا کہ پیشتر بیان ہوا ہے۔حدیث نبوی ﷺ کی جمع وکتابت بنو امیہ کے عہد میں مدینہ، عراق اور شام میں شروع ہوچکی تھی۔عہد عباسی کے آغاز میں خلیفہ منصور کی فرمائش پر امام مالک بن انس نے مدینہ میں احادیث کا ایک مجموعہ موطا کے نام سے تیار کیا، مگر حدیث کے اکثر مجموعے تیسری صدی ہجری میں مرتب ہوئے۔امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) نے ایک ضخیم مجموعہ مسند کے نام سے تیار کیا۔پھر امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن الحجاج، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حدیث کی کتابیں تالیف کیں اوران پانچوں محدثین کا انتقال معتمد کے عہد خلافت میں ہوا۔ ③ امام احمد بن شعیب نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) ان سے متاخر ہیں۔ان کی تالیف کو شامل

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۷/ ۲۷۴

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۳۲۹

③ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۴۰

Marfat.com

کر کے ان محدثوں کی کتابیں ''صحاح ستہ'' کہلاتی ہیں۔

خاندانِ سامانیہ ۲۶۰ھ تا ۳۸۹ھ

خاندان سامانیہ کا مورث اعلیٰ سامان بلخ کا ایک ایرانی سردار تھا جو مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ اس کے چار پوتوں نے خلیفہ مامون کے عہد میں اپنی خدمات کے صلہ میں مختلف شہروں کی گورنری تک ترقی پائی۔ چنانچہ ان میں سے احمد فرغانہ کے علاقے پر مقرر رہا۔ بعد ازاں سمرقند اور ہرات بھی اس کی حکومت میں شامل ہو گئے۔ احمد کے بعد سن ۲۶۰۔ ہجری میں اس کے بیٹے نصر کو خلیفہ معتمد کی طرف سے تمام ماوراء النہر کی ولایت تفویض ہوئی۔ ① نصر کا چھوٹا بھائی اسمٰعیل بخارا میں اس کا نائب مقرر ہوا اور اپنے بھائی کی وفات کے بعد سن ۲۷۹۔ ہجری، سن ۸۹۲۔ عیسوی میں اس کا جانشین بنا۔ اس نے سن ۲۸۷۔ ہجری میں صفاریوں سے خراسان چھین لیا اور طبرستان کے علوی فرمانروا کو بھی شکست دی۔

اس طریق سے سامانیوں نے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی اور بخارا ان کا پایہ تخت قرار پایا۔

اگرچہ سامانی حکمران بظاہر عباسی خلفاء کا دم بھرتے تھے اور انھیں برائے نام خراج بھی ادا کرتے تھے۔ مگر اپنی مملکت کے نظم و نسق میں خود مختار تھے۔ سامانی خاندان کی شان و شوکت امیر نصر بن احمد کے عہد میں انتہائی کمال کو پہنچ گئی۔ آخر کار امراء کی بغاوتوں اور تخت نشینی کے جھگڑوں نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ مملکت کی شمالی سرحد پر ترک نمودار ہوئے۔ دربار پہلے ہی ترک غلاموں سے بھرا تھا اور حکومت کے اختیارات ان کے ہاتھ میں جا رہے تھے۔

آخر کار ایلک خان نے سن ۲۸۰۔ ہجری، سن ۹۹۰۔ عیسوی میں بخارا فتح کر لیا اور نو سال کے بعد سامانی خاندان کا چراغ گل کر دیا۔

اس خاندان کے دس فرمانروا گزرے ہیں جن کی کل مدتِ حکومت ۱۲۸ سال ہے۔

سامانیوں کی سرپرستی سے سمرقند، بخارا اور ترکستان تہذیب و تمدن اور علم و ہنر کے مرکز بن گئے اور ان کی قدردانی سے اس عہد کے بہت سے نامور فضلاء و حکماء ان کے دربار میں جمع ہو گئے

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۲۷۹/۷

Marfat.com

تھے۔ مشہور عالم فلسفی اور طبیب بوعلی سینا ایک سامانی امیر کی فرمائش پر بخارا آیا اور وہاں کے شاہی کتب خانہ سے مستفید ہوا۔ ①

علمی ترقی کے سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس عہد میں فارسی ادب کے کئی ایک نامور ادیب اور شاعر ہوئے مثلاً: رودکی، فردوسی اور بلعمی پیدا ہوئے۔

بلعمی نے تاریخ طبری کو اختصار کے ساتھ فارسی زبان میں منتقل کیا۔

❀❀❀

① ابن ابی اصیبعہ، عیون الانباء، ص:۴۰۱

Marfat.com

ساتواں باب

فرقہ اسمٰعیلیہ

فرقہ اسمٰعیلیہ کی ابتداء

فرقہ شیعہ کے چھٹے امام جعفر صادق نے جو سن ۱۴۸۔ہجری، سن ۷۶۵۔عیسوی میں خلیفہ منصور کے عہد میں فوت ہوئے۔ اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیل کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا مگر کچھ مدت کے بعد اُنھوں نے اس نامزدگی کو منسوخ کر کے اپنے ایک دوسرے بیٹے موسیٰ کو جانشین بنایا۔ اسمٰعیل نے اپنے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں وفات پائی۔

امام جعفر کے انتقال کے بعد ان کی جماعت میں جانشینی کے مسئلہ پر اختلاف ہو گیا۔ اکثر لوگوں نے موسیٰ کو امام تسلیم کیا اور وہ موسیٰ الکاظم کے لقب سے مشہور ہو کر فرقہ امامیہ کے ساتویں امام ٹھہرے۔ مگر بعض لوگوں نے ان کی جانشینی کو قبول نہ کیا۔ بلکہ اسمٰعیل کے بیٹے محمد کو اپنا امام تسلیم کیا۔ یہ لوگ اسمٰعیلی کہلائے اور یہیں سے فرقہ اسمٰعیلیہ کی بنیاد پڑی۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ امامت کا سلسلہ محمد بن اسمٰعیل پر ختم ہو گیا جو اس سلسلہ کے ساتویں امام ہیں۔ چونکہ اسمٰعیلی لوگ اپنے اماموں کی تعداد کو سات تک محدود رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ سبعیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اسمٰعیل نے درحقیقت وفات نہ پائی، وہ صرف غائب ہو گئے ہیں اور آئندہ پھر ظہور کریں گے۔

ابتداء میں اسمٰعیلیہ بھی دوسرے شیعی فرقوں کی طرح ایک فرقہ تھا۔ جس کا امتیازی عقیدہ محمد بن اسمٰعیل کی امامت کا اقرار تھا۔ مگر رفتہ رفتہ ان کے عقائد میں اور بہت سی باتوں کی آمیزش ہوتی گئی اور دیگر فرقوں سے ان کا امتیاز و اختلاف بڑھ گیا۔ مثلاً: اکثر اسمٰعیلیہ مذہبی نصوص و احکام کے ظاہر و باطن میں ایک بین فرق دیکھنے لگے، جس سے تاویل کا راستہ کھل گیا، اس لیے اسمٰعیلیہ کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

امام حاضر کی تعین اور دیگر امور کے بارے میں خود اسمٰعیلیہ کے درمیان اختلاف رائے رونما ہوتا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ وقتاً فوقتاً مختلف فرقوں میں منقسم ہوتے رہے۔ اسمٰعیلی عقائد نے نہ صرف مسلمانوں کی مذہبی تاریخ بلکہ ان کی سیاسی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ قرامطہ، افریقہ کے بنو فاطمہ اور ایران و شام کے حشیشین اور شام کے دروز انہی عقائد کی پیداوار ہیں۔

اسمٰعیلی دعوت ۲۶۰ھ

جب عباسی خلفاء نے اپنی حکومت کی حفاظت کے لیے علویوں پر سختی کی تو اسمٰعیل بن جعفر الصادق کی اولاد نے تنگ آکر مدینہ کو خیر باد کہا اور مختلف ملکوں کی راہ لی۔ بعض شام اور مغرب کی طرف چلے گئے اور بعض ایران میں جا کر روپوش ہو گئے۔ یہاں سے ان کی اولاد قندھار اور سندھ تک پھیل گئی۔ اگرچہ علوی عباسیوں کے خوف سے متفرق مقامات میں چھپتے پھرتے تھے۔ مگر ان کے پیرو بدستور ان کا دم بھرتے تھے۔ اُنھوں نے نہ صرف اپنے عقائد کو زندہ رکھا بلکہ پوشیدہ طور پر اپنے خیالات کی اشاعت بھی جاری رکھی۔

تیسری صدی کے وسط میں خوزستان کا ایک باشندہ عبداللہ بصرہ میں نمودار ہوا۔ اس کا باپ میمون ایک غالی شیعہ تھا جو اماموں کی اُلوہیت کا قائل تھا۔ عبداللہ بن میمون ایک غیر معلوم علوی امام ''صاحب الزمان'' کے نام پر دعوت شروع کر کے اسمٰعیلی تحریک میں شامل ہو گیا۔ بعدازاں وہ شام پہنچا اور اپنی ہمت اور کوشش سے اس نے اسمٰعیلی تحریک کو سرگرمی سے چلایا اور اس کی باقاعدہ تنظیم کر کے اس میں ایک نئی روح پھونک دی۔

عبداللہ بن میمون عوام کو متاثر کرنے کے لیے کرامات اور شعبدے بھی دکھاتا تھا۔ اس نے تمام اطراف میں اپنے داعی (مبلغ یا کارندے) بھیجنے شروع کیے۔ جو لوگوں کو خفیہ طور پر اپنے عقائد کی تلقین کرتے تھے، ان کا طریق کار یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کے دلوں میں اپنے قدیم آبائی عقائد کے متعلق شکوک پیدا کرتے۔ پھر ان کو بتدریج اسمٰعیلی عقائد کی تعلیم دیتے۔ ان کے بنیادی عقائد میں سے ایک بات یہ تھی کہ قرآن مجید کے ہر ظاہری مضمون کا ایک باطنی مفہوم

Marfat.com

ہے۔جس کا علم صرف امام زمان ہی کے واسطے سے حاصل ہوسکتا ہے۔اس اُصول کے مطابق ان کے لیے تاویل کا ایک غیر محدود میدان کھلا تھا اور وہ تقریباً تمام نصوص وآیات کی حسب منشاء تشریح کرتے تھے۔چونکہ ان کا یہ قول تھا کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔اس لیے اسمٰعیلیہ کو باطنیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسمٰعیلی داعی لوگوں سے یہ بھی کہتے تھے کہ امام زمان جو اس وقت مخفی ہے،عنقریب ظہور کرے گا اور دُنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔اس طریق سے وہ لوگوں کے دلوں میں عباسی حکمرانوں کے خلاف نفرت کا بیج بوتے اور انھیں انقلاب کے لیے تیار کرتے تھے۔عبداللہ بن میمون اور اس کے جانشینوں کی تبلیغی کوششوں سے دنیائے اسلام کے متعدد حصوں میں اسمٰعیلی تحریک جاری رہی اور شام،مغرب،یمن اور ایران وغیرہ میں بہت سے لوگوں نے اسمٰعیلی عقائد اختیار کر کے ایک آنے والے امام کا انتظار کرنے لگے۔

اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے خیالات میں انقلاب پیدا کر کے نہ صرف حکومت بلکہ سوسائٹی کے نظام کو بدل دیا جائے۔مگر جب تک حکومت عباسیہ کا نظم ونسق درست رہا اور خود شیعان علی کی اکثریت امام موسیٰ کاظم اور ان کی اولاد کی امامت کی قائل رہی۔

اسمٰعیلیہ میں اتنی قوت پیدا نہ ہوسکی کہ وہ حکمرانوں کے خلاف علانیہ اقدام کرسکیں۔

❀❀❀

Marfat.com

قرمطی تحریک

قرامطہ کا ظہور ۲۷۸ھ

جو لوگ فرقہ اسمٰعیلیہ کی تعلیم سے متاثر ہوئے۔ ان میں عراق کا ایک دیہاتی شخص حمدان قرمط بھی تھا جو ایک علیحدہ تحریک کا بانی بنا، اس کے پیرو قرامطہ کہلائے۔ قرامطہ اسمٰعیلیہ ہی کی ایک شاخ تھے مگر مقامی ضروریات خصوصاً معاشی حالات کے اقتضاء سے ان کی جماعت نے ایک خاص صورت اختیار کی۔

قرمطی تحریک کا پہلا مرکز جنوبی عراق تھا۔ یہاں عربوں، زنگی غلاموں اور مقامی قبیلوں کی مخلوط آبادی تھی، یہ لوگ کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے مگر ان کی محنت سے مالکان اراضی فائدہ اُٹھاتے تھے۔ حمدان قرمط نے کاشتکاروں اور پیشہ وروں کی تنظیم کی۔ چونکہ خلیفہ معتمد کے عہد میں دولت عباسیہ کمزور پڑ چکی تھی۔ لہٰذا حمدان نے سلطنت کی بدنظمی سے فائدہ اُٹھایا اور سن ۲۷۸ ہجری میں کوفہ کے مشرق میں ایک مرکز قائم کر کے اس کا نام دارالہجرت رکھا[1] اور حکومت کے خلاف علانیہ بغاوت کی۔ اس نے اپنے آپ کو ''امام الزمان'' کا نمائندہ ظاہر کیا اور لوگوں سے کہا کہ امام اس وقت مستور ہے۔ عنقریب ظہور کر کے تمہیں حکام کے ظلم وستم سے نجات دلائے گا اور ان کی معاشی اور اجتماعی حالت کو سدھارے گا۔ حمدان قرمط کا کاروبار ان چندوں سے چلتا تھا جو اس کے پیرو کار اسے برضاء ورغبت ادا کرتے تھے۔

قرمطی تحریک عراق کے قرب وجوار کے ملکوں یعنی خراسان، شام اور بلادِ عرب میں پھیل گئی۔ قرامطہ کے ساتھ شاہی فوجوں کی بہت سی لڑائیاں ہوئی تھیں اور اگرچہ ان کو عراق میں دبا دیا گیا۔ مگر بحرین کی سرزمین قرمطی تحریک کے لیے خاص طور پر سازگار ثابت ہوئی اور چند سال کے بعد قرامطہ نے احساء اور بحرین کے علاقے میں ایک خودمختار جمہوری حکومت قائم کر لی تھی۔

---

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۵۴

Marfat.com

۱۶۔ معتضد باللہ ۲۷۹ھ

معتمد کی وفات کے بعد اس کے بھائی موفق کا بیٹا ابو العباس احمد سن ۲۷۹ ہجری میں معتضد باللہ کے لقب سے خلیفہ بنا۔ وہ ایک مستعد، عدل پسند، صاحب تدبیر اور بارعب حکمران تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت خلفاء کی کمزوری اور حکومت کی بدنظمی کی وجہ سے ملک ویران ہو رہا تھا اور سلطنت کے صوبجات خلیفہ کے ہاتھ سے نکلے جا رہے تھے۔

دربار خلافت میں ترک امیروں کا زور بدستور قائم تھا۔ معتضد نے ان تمام مفاسد کی اصلاح کی۔ ترک افسروں کے زور کو توڑ کر سلطنت کو ان کی زیادتیوں سے نجات دلائی، عاملوں کو ظلم و ستم سے روکا۔ خلفاء کے اخراجات حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے ان کو بند کیا اور ملک میں امن و امان قائم کیا، اس سے سلطنت کے محاصل خود بخود بڑھ گئے اور خزانہ شاہی معمور ہو گیا، ملک آباد، رعایا خوش اور آسودہ حال ہوگئی۔ جب معتضد نے زمامِ خلافت سنبھالی تو احمد بن طولون کا بیٹا خُمارَوَیہ مصر کا مطلق العنان حاکم تھا۔

اس نے اپنی بیٹی خلیفہ بغداد کے عقد نکاح میں دے دی اور سالانہ خراج بھی دینا منظور کیا۔

صفاری خاندان نے نہ صرف خلافت عباسیہ کے کئی مشرقی صوبے اپنے تصرف میں کر لیے تھے بلکہ ان کی روز افزوں قوت سے خود دارالخلافہ بغداد مدت سے معرضِ خطر میں تھا۔ عمرو بن لیث صفار نے ماوراء النہر بھی سامانیوں سے چھیننا چاہا۔ مگر اسمٰعیل سامانی نے اسے شکست فاش دی اور گرفتار کر کے اسے بغداد بھیج دیا۔ خلیفہ معتضد نے اسے قید کر دیا اور یوں صفاریوں کے خطرے سے نجات پائی۔ یہ سن ۲۸۷ ہجری، سن ۹۰۰ عیسوی کا واقعہ ہے۔[۱]

بحرین کی قرمطی حکومت

اگرچہ خلیفہ معتضد نے عراق میں قرامطہ کا قلع قمع کر دیا تھا۔ مگر اُنھوں نے بلادِ عرب میں قدم جما لیے۔ حمدان قرمط کے داعیوں میں ایک داعی ابو سعید حسن جنابی تھا۔ اس نے فارس میں اشترا کی اصول کی تعلیم دی۔ مگر خلیفہ کے عاملوں نے اسے وہاں سے نکال دیا، اس پر اس نے

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۰۰/۷

Marfat.com

بحرین کا رُخ کیا۔ اس علاقے میں قرمطی داعی پہلے ہی سے اپنے عقائد کی تبلیغ کر رہے تھے۔ لہٰذا اسے یہاں خوب کامیابی ہوئی اور بہت سے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔ اس نے بحرین کے بہت سے حصے پر قبضہ کر لیا اور قطیف کا شہر بھی لے لیا۔ رفتہ رفتہ اس کی قوت یہاں تک بڑھی کہ وہ سن ۲۸۷۔ ہجری، سن ۹۰۰۔ عیسوی میں بصرہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا۔

معتضد نے دو ہزار فوج اس کے مقابلے میں بھیجی۔ مگر جنابی نے اسے شکست دے کر تقریباً تمام فوج کو تباہ کر دیا۔ اگرچہ کچھ مدت کے بعد قرامطہ کی فوجی قوت کو زوال آ گیا۔ مگر ان کی حکومت بحرین کے علاقے میں دو سو سال تک قائم رہی اور وہ دولتِ عباسیہ کے خلاف وقتاً فوقتاً شورش برپا کرتے رہے۔ ①

۱۷۔ مکتفی باللہ ۲۸۹ھ تا ۲۹۵ھ

سن ۲۸۹۔ ہجری، سن ۹۰۲۔ عیسوی میں خلیفہ معتضد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا علی ''مکتفی باللہ'' کے لقب سے خلیفہ بنا۔ اس کے عہد میں بھی قرامطہ کی شورش بدستور جاری رہی۔ اگرچہ شام میں خلیفہ کی فوجوں نے ان کی سرکوبی کی۔ مگر بحرین میں ان کے قدم اور زیادہ مضبوط ہو گئے، وہ قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ اس سے حجاز کا راستہ پرخطر ہو گیا۔ ابوسعید جنابی نے یمامہ کی تسخیر کے بعد عمان کی طرف پیش قدمی کی۔ مگر سن ۳۰۱۔ ہجری میں ایک سازش کے سبب سے مارا گیا۔

معتضد کے تشدد کی وجہ سے رعایا اس سے بہت خائف رہتی تھی۔ مکتفی نے ان کی تالیف قلوب کے لیے قیدیوں کو رہا کر دیا اور زمین دوز جیل خانوں کو تڑوا کر عبادت گاہوں میں تبدیل کر دیا۔ جو اراضی اور باغات اس کے والد نے اپنے محل کی تعمیر کے لیے لوگوں سے جبراً لے لیے تھے۔ مکتفی نے انھیں معہ ہرجانہ کے واپس کر دیا گیا۔ ②

بنوحمدان

سن ۲۹۳۔ ہجری میں خلیفہ مکتفی نے ابوالہیجاء عبداللہ بن حمدان کو موصل کا والی مقرر کیا تھا۔ وہ

① ابن الاثیر، الکامل: ۷/ ۴۹۳، ۴۹۸

② المسعودی، مروج الذہب: ۴/ ۳۱۰

Marfat.com

عربوں کے مشہور قبیلہ تغلب سے تھا۔ موصل کی حکومت ایک مدت تک اسی کے خاندان میں رہی۔ بلکہ ۳۳۳ھ میں اُنھوں نے حلب اور شمالی شام پر بھی قبضہ کر لیا۔ [1] سیف الدولہ حمدانی جس کی مدح میں عربی زبان کے مشہور شاعر متنبّی نے بہت سے قصیدے کہے، اسی خاندان سے تھا۔

۱۸۔ مقتدر باللہ ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ، ۹۰۸ء تا ۹۳۲ء

مکتفی کی وفات کے بعد سن ۲۹۵۔ہجری، سن ۹۰۸۔عیسوی میں وزیر سلطنت اور دوسرے اراکین دربار نے اس کے بیٹے جعفر کو مقتدر باللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا۔ اس وقت اس کی عمر صرف تیرہ سال کی تھی۔ [2] چونکہ خلیفہ کمسن تھا، اس لیے اس کی والدہ اور قصر خلافت کی قہرمانہ اُمور سلطنت میں دخیل ہوگئیں۔ مگر ان کی مداخلت سے کئی قسم کی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ وزیروں، امیروں کی معزولی و تقرری کا عمل بھی انھیں کے اشارے پر ہوتا تھا۔ اُنھوں نے منصبوں کو بیچ کر اور محاصل سلطنت کو اپنے تصرّف میں لا کر خزانہ سمیٹ لیا۔

خلیفہ ان کے زیر اثر تھا اور در پردہ وہی حکومت کرتی تھیں۔

خاندانِ فاطمیہ کی ابتداء

جیسا کہ اُوپر بیان ہوا، عبداللہ بن میمون اور اس کے جانشینوں کی تبلیغی کوششوں سے اسمٰعیلی عقائد دُنیائے اسلام کے بہت سے حصوں میں پھیل چکے تھے اور اسمٰعیلی خیالات سے متاثر ہو کر آنے والے امام کے منتظر تھے۔ آخر کار اس کے پوتے سعید بن حسین کو اپنے کارندوں کے ذریعے سے معلوم ہوا تھا کہ شمالی افریقہ کے بربروں کے درمیان ابوعبداللہ شیعی کی تبلیغ سے اسمٰعیلی عقائد خوب سرایت کر چکے ہیں اور وہ امام موعود کے ظہور کے منتظر ہیں تو اس نے سن ۲۹۷۔ہجری میں چپکے سے سَلَمیَہ (شام) کو خیر باد کہا اور افریقہ میں جا کر ہوا خواہوں سے ملا اور ابو محمد عبیداللہ کا نام اختیار کر کے دعویٰ کیا کہ میں محمد بن اسمٰعیل کی اولاد سے ہوں اور مہدی موعود ہوں۔ بربروں کی ایک کثیر جماعت اس کے ساتھ ہوگئی۔ [3] جن کی مدد سے اُنھوں نے سن ۲۹۶۔ہجری،

(1) ابن الاثیر، الکامل: ۵۳۸/۷
(2) المسعودی، مروج الذہب: ۳۲۸/۴
(3) ابن الاثیر، الکامل ص: ۲۴/۸، ۳۶

Marfat.com

سن ۹۰۹ ۔عیسوی میں اغلبی خاندان کا خاتمہ کر دیا اور شمالی افریقہ کے اکثر حصے کو فتح کر کے تونس کے مشرقی ساحل پر سن ۳۰۰ ۔ہجری، سن ۹۱۲ ۔عیسوی مہدیہ کے نام سے ایک نیا شہر بسایا اور اسے اپنا دار الحکومت قرار دے کر ایک نئے حکمران خاندان کی بنیاد ڈالی جو فاطمیہ کے نام سے مشہور ہے، مگر جو لوگ اس انتساب کو صحیح نہیں سمجھتے وہ انھیں عُبَید یہ کہتے ہیں۔ ①

خلیفہ مقتدر سن ۳۲۰ ۔ہجری، سن ۹۳۲ ۔عیسوی میں ایک باغی امیر کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ اس کی مدت خلافت پچیس سال ہے۔ ②

۱۹۔ القاہر باللہ

مقتدر کے قتل کے بعد ارکان دولت نے اس کے بھائی محمد کو القاہر باللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا۔ وہ ایک دلاور اور سخت گیر حکمران تھا۔ اس نے سرکش اور سازشی امیروں کا زور توڑنے کی کوشش کی۔ جو خلیفہ کے اختیارات سلب کرنے کے عادی ہو چکے تھے مگر وہ اس کوشش میں ناکام رہا۔ ابن مُقلہ نے ایک طاقتور ترکی امیر کو اس سے بدظن کر دیا۔ اس نے خلیفہ کو اپنا دشمن سمجھ کر تخت سے اتار دیا۔ اس کی مدت خلافت صرف ڈیڑھ سال ہے۔ ③

۲۰۔ راضی باللہ

قاہر کی معزولی کے بعد امراء سلطنت نے مقتدر کے بیٹے احمد کو الراضی باللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا۔ راضی نے ابن مقلہ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ اس کے عہد میں حنابلہ یعنی امام احمد بن حنبل کے پیروؤں نے لوگوں کے اخلاق کی جبراً اصلاح کرنی چاہی۔ لوگوں کے گھروں میں داخل ہو کر تلاشیاں لیں، گانے بجانے کے آلات کو توڑ ڈالا، گانے والیوں کو مارا پیٹا۔ آخر کار جب بغداد والے ان کی سخت گیری سے تنگ آ گئے تو خلیفہ راضی نے ان کو ڈرایا دھمکایا اور دوسرے لوگوں کے معاملات میں بے جا مداخلت کرنے سے روکا۔ ④

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۵/ ۲۳۰

② المسعودی، مروج الذہب: ۴/ ۳۲۸

③ سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۵۹

④ ابو الفداء، التاریخ: ۱/ ۴۱۳

Marfat.com

امیر الامراء کا تقرر

عجمیوں اور ترکوں کی دست اندازی اور دیگر اسباب سے دولت عباسیہ بتدریج کمزور ہو رہی تھی۔ راضی باللہ کا زمانہ آیا تو حالت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ اکثر والیوں اور عاملوں نے خراج بھیجنا بند کر دیا۔ عہدیداروں کی بددیانتی اور خیانت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وزیر سلطنت ملک کا انتظام کرنے سے عاجز آ گیا تھا۔ خلیفہ راضی نے مجبور ہو کر سن ۳۲۴ ہجری میں محمد بن رائق کو جو بصرہ اور واسط کا حاکم تھا، مدیر المہام بنایا اور محکمہ مالیات اور سلطنت کے دیگر اختیارات اس کے سپرد کیے۔ محمد بن رائق نے امیر الامراء کا لقب اختیار کر کے سلطنت کا تمام کاروبار اپنے ہاتھ میں لے لیا بلکہ خطبے میں بھی وہ خلیفہ کا شریک بن گیا۔

امیر الامرا کا عہدہ خلیفۃ المسلمین کے بعد حکومت کا سب سے اعلیٰ منصب قرار پایا اور وزیر سلطنت اس کے ماتحت ٹھہرا۔ محمد بن رائق کو امیر الامراء مقرر کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ملک کا انتظام درست ہو جائے، مگر یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ حکومت کا نظام بدستور درہم برہم رہا۔ امیر الامراء تمام سلطنت پر حاوی ہو گیا اور خلیفہ کی حیثیت محض رسمی رہ گئی۔ ①

۲۱۔ المتقی للّٰہ ۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ

خلیفہ راضی نے سات سال خلافت کی، اس کے بعد ارکان سلطنت نے مقتدر کے بیٹے ابراہیم کو خلافت کے لیے منتخب کیا۔ چنانچہ ابراہیم نے ''المتقی لِلّٰہ'' کا لقب اختیار کر کے خلافت سنبھالی۔ اس کے عہد میں بھی مختلف امیروں اور صوبجات کے والیوں کے درمیان جنگ وجدال جاری رہا۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ دوسرے کو زک دے کر سلطنت کے کاروبار پر قابو پا لے، خلیفہ بالکل بے بس تھا۔ جو امیر طاقتور بن جاتا خلیفہ اس کی ہمنوائی پر مجبور ہو جاتا۔ آخر کار اسی بیچارگی کے عالم میں امیر الامراء توزون نے اسے اندھا کر کے منصب خلافت سے برطرف کر دیا۔ متقی کی مدت خلافت چار سال ہے۔ ②

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۲/ ۱۲۱

② ابن الاثیر، الکامل: ۸/ ۴۱۹

Marfat.com

۲۲۔ مُستکفی

خلیفہ متقی کے بعد توزون نے مکتفی کے بیٹے کو مستکفی باللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا۔ اس کے عہد میں خاندان بُویہ نے امیر الامراء کے منصب پر قبضہ کر کے خلیفہ کو بالکل نہتا کر دیا۔ اس سے پیشتر ہی خلافت عباسیہ اپنا اقتدار اور وقار بہت حد تک کھو چکی تھی۔ مگر بویہ خاندان کے حکمران نے عباسی خلیفہ کو بالکل معطل بنا دیا۔ اس خاندان کو دَیلم یا دَیالمہ بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ تک بغداد پر مسلط رہے۔ [۱]

ان کی ابتداء اور تدریجی ترقی کی مختصر کیفیت آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

❀❀❀

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۲/ ۱۶۵

Marfat.com

آٹھواں باب

عبّاسی عہد کا تیسرا دَور

دَیلم کا زمانہ

۳۳۴ھ تا ۴۴۷ھ

یہ دَور ۱۱۳۔سال کا ہے۔جس میں دَیلم (ایران) کا بُویہی خاندان برسر اقتدار رہا۔ یہ لوگ نسلاً ایرانی اور مذہباً شیعی تھے۔ان کے زمانے میں شیعی عقائد کا زور رہا اور بغداد میں شیعہ سنی کا فساد شروع ہوا۔اس دَور میں ذیل کے خلفاء تخت نشین ہوئے۔مگر بُویہی حکمرانوں کے آگے بالکل بے بس تھے۔المستکفی،المطیع،الطائع،القادر اور القائم۔ان کی اوسط مدّتِ حکومت ۲۲ سال ہے۔

خاندان بویہ یا دَیالمہ کی ابتداء

شمالی ایران کے اس پہاڑی علاقے کو جو بحیرہ خزر کے جنوب مغربی گوشہ کے متصل واقع ہے۔قدیم زمانے میں دَیلم کہتے تھے اور وہاں کے باشندے بھی اسی نام سے موسوم تھے۔ خاندان بویہ کا مولد ومنشاء یہی خِطّہ ہے۔اسی لیے تاریخ میں وہ دَیلم یا دَیالمہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں ایک امیر مرداویج نامی دَیلم کے علاقے پر حکمران تھا۔ وہاں کے ایک مقامی سردار بویہ نامی کے تین بیٹے حسن،علی اور احمد اس کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ مرداویج نے سن ۳۲۰۔ہجری میں علی کو شہر کرج کا حاکم مقرر کیا۔

علی نے اپنے حسن انتظام سے لوگوں کو گرویدہ بنالیا اور اپنی طاقت بڑھانے لگا۔

چنانچہ اس نے اصفہان اور دیگر مقامات پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کو وسعت دی۔پھر تینوں بھائیوں نے مل کر سن ۳۲۲۔ہجری میں شیراز فتح کر لیا اور فارس کے تمام صوبے پر قابض ہو گئے اور ایران کے بعض دوسرے حصے بھی لے لیے۔[1] اسی اثناء میں مرداویج اپنے ہی امیروں کے

[1] ابن الاثیر،الکامل:۸/۲۷۵

Marfat.com

طاقت ور ہو گئے اور خلیفہ بغداد بنو بویہ کو ان اطراف کا حکمران تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔

بنو بویہ بغداد میں

احمد بن بویہ جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور بڑا بہادر جو انمرد تھا، اس نے کرمان فتح کیا۔ پھر خوزستان پر قبضہ جمایا اور سن ۳۳۴ ہجری میں بغداد میں فاتحانہ داخل ہو گیا۔ خلیفہ مستکفی کو مجبوراً ان کا استقبال کرنا پڑا اور اس کو معز الدولہ کا خطاب دے کر امیر الامراء مقرر کر دیا۔ اس کے بڑے بھائی علی کو عماد الدولہ اور حسن بن بویہ کو رکن الدولہ کا خطاب دیا۔ یہ معزز خاندان بنو بویہ میں معروف ہو گیا اور اس کے مختلف افراد یکے بعد دیگرے ۳ سال تک بغداد میں متمکن رہے۔

معز الدولہ تھوڑے ہی عرصے میں تمام ملکی اور جنگی امور پر حاوی ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد اسے معلوم ہوا کہ مستکفی اسے قتل کرانا چاہتا ہے۔ اس نے اسے پہرہ دار اپنے دربار میں حاضر کرایا اور خلافت سے برطرف کر کے سن ۳۳۴ ہجری میں قید کر دیا۔

مستکفی کی مدت خلافت صرف ایک سال اور چار ماہ ہے۔ ①

۲۳۔ مُطیع لِلّٰہ

مستکفی کو قید کرنے کے بعد معز الدولہ نے مقتدر کے بیٹے ابو القاسم فضل کو مُطیع لِلّٰہ کے لقب سے خلیفہ بنایا، مگر وہ برائے نام خلیفہ تھا۔ تمام اختیارات معز الدولہ کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے خلیفہ کے لیے روزینہ مقرر کر کے اسے سلطنت کے عملی انتظام سے بالکل الگ کر دیا اور خطبہ و سکہ میں خلیفہ کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی داخل کر دیا۔ معز الدولہ نے سن ۳۵۶ ہجری میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بختیار عز الدولہ کے لقب سے امیر الامراء بنا۔

اس نے ایک ترکی امیر سبکتگین کو بغداد میں اپنا قائم مقام مقرر کر دیا۔ ②

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۶۷

② سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۷۱

Marfat.com

دولتِ فاطمیہ مصر میں

جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ابو محمد عبید اللہ نے تیسری صدی ہجری کے آخر میں تونس کے علاقہ میں ایک خود مختار حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جو تاریخ میں دولتِ فاطمیہ یا عُبید یہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کو بڑی مستعدی سے مشرق و مغرب میں وسعت دی۔ یہاں تک کہ برقہ سے لے کر مراکش تک تمام شمالی افریقہ اس کے زیر نگیں آ گیا۔ عبید اللہ کے جانشینوں کے زمانے میں ان کی مملکت برابر ترقی کرتی گئی، ان کے مشرق میں مصر کا ملک تھا۔ جہاں اِخشیدی حکمران کی کمزوری کی وجہ سے ہر طرف بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ چوتھے فاطمی حکمران المعزلدین اللہ نے اپنے سپہ سالار ابوالحسن جوہر کو ایک بھاری فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا، جوہر نے مصری فوج کو شکست دی اور سن ۳۵۸ ہجری میں مصر کے دارالسلطنت فسطاط میں داخل ہو گیا۔ اس نے قدیم دارالحکومت کے نزدیک قاہرہ کے نام سے ایک نیا شہر بسایا اور عباسی خلفاء کا نام خطبہ وسکہ سے موقوف کر کے فاطمی حکمرانوں کا نام داخل کر دیا۔ ①

جوہر نے قاہرہ میں ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر کی۔ اور اس کا نام جامع اَزْہَر رکھا اور دُنیائے اسلام میں اسلامی علوم کی سب سے پرانی اور بڑی درسگاہ (یونیورسٹی) ہے۔ سن ۳۶۲ ہجری میں معز مہدیہ چھوڑ کر مصر آ گیا۔ دوری کی وجہ سے شمالی افریقہ کے دوسرے مقبوضات ان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مگر اُنھوں نے فِلَسْطِین، شام اور حجاز کو فتح کر کے اپنے نقصان کی تلافی کر لی۔ اس کے خاندان کے کل چودہ حکمران گزرے ہیں۔ ان کی کل مدت حکومت دو سو ستر سال ہے۔ اس مدت میں اُنھوں نے مصر پر دو سو سال سے زیادہ فرمانروائی کی۔

فاطمیوں کی سلطنت بڑی منظم تھی اور وہ رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے تھے، اس لیے جب تک سلطنت کا نظم و نسق درست رہا۔ تمام مملکت میں خوشحالی کا دور دورہ رہا۔ صنعت و حرفت اور تجارت کا بازار گرم رہا اور علوم و فنون نے ترقی پائی۔ فاطمی حکمرانوں نے متعدد مدارس اور کتب خانے کھولے۔ علماء حکماء کے بیش قرار مشاہرے مقرر کیے اور ہر قسم کے اہل ہنر اور باکمالوں کی

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۹۰/۸

Marfat.com

دریادلی سے سرپرستی کی۔ ان کی وجہ سے قاہرہ چند ہی سالوں میں تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کا ایک بڑا بارونق مرکز بن گیا۔ یہاں تک کہ دارالخلافہ بغداد کی ہمسری کرنے لگا اور فاطمی حکمران اپنے جاہ وجلال اور مذہبی اور سیاسی اثر ونفوذ میں عباسی خلفاء سے سبقت لے گئے۔

سلطنتِ فاطمیہ، دعوت اسمٰعیلیہ کی بدولت معرضِ وجود میں آئی تھی۔ اس لیے فاطمی حکمرانوں کے لیے اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے اپنے مخصوص عقائد کی اشاعت جاری رکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے قاہرہ میں ایک دارالمجالس قائم کیا۔ جہاں اسمٰعیلی عقائد کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تبلیغ کا محکمہ ایک جلیل القدر عالم کے سپرد تھا۔ جو داعی الدعاۃ یعنی سب سے بڑا داعی اور مبلغ کہلاتا تھا اور حکومت میں بڑا مرتبہ رکھتا تھا۔ فاطمیوں کے داعی تمام اسلامی ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے اور لوگوں کو مذہبی اور سیاسی انقلاب کے لیے تیار کرتے تھے۔

اگرچہ مصر کے اکثر لوگ بدستور سُنّی رہے۔ مگر ایران، یمن سندھ وغیرہ ملکوں میں بعض لوگوں نے ان کا مذہب قبول کرلیا اور اس سے بڑے دوررَس نتائج پیدا ہوئے۔ مثلاً: شمالی ایران میں حسن بن صباح نے ایک اسمٰعیلی ریاست قائم کرلی۔ جس کے فدائیوں نے تین سو سال تک اسلامی دُنیا میں دہشت پھیلائے رکھی۔ اسی طرح اسمٰعیلی داعیوں نے سندھ اور ملتان میں انقلاب پیدا کر کے وہاں کی حکومت پر قبضہ کرلیا اور ان مقامات میں فاطمیوں کا خطبہ وسکہ جاری کر دیا۔ لبنان کے دُروز آج تک چھٹے فاطمی حکمران الحاکم کی پرستش کرتے ہیں۔

۲۴۔ طائع للہ ۳۶۳ھ تا ۳۸۱ھ

خلیفہ مطیع للہ اخیر عمر میں مفلوج ہوگیا تھا۔ امیر سبکتگین کو اس بات کی اطلاع ملی تو اس نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ خلافت سے دستبردار ہو جائے۔ چنانچہ مطیع تیس سال کی خلافت کے بعد سلطنت سے دستبردار ہوگیا اور سن ۳۶۳۔ ہجری میں اس کا بیٹا طائع للہ کے لقب سے خلافت پر بیٹھا، طائع نے اٹھارہ سال خلافت کی۔ آخر کار بُویہی حکمران نے اس کے مال ودولت کے لالچ میں اسے سن ۳۸۱۔ ہجری میں معزول کر دیا اور اس کی تمام جائیداد پر قبضہ کرلیا۔ [1]

---

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۷۹

Marfat.com

بنو بُو یہ کی مذہبی اور سیاسی روش

بنو بنو یہ نے دَیلم اور طبرستان کے دوسرے لوگوں کی طرح بیشتر فاطمی سادات کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا اس لیے وہ مذہباً شیعی تھے۔ جب وہ بغداد میں امیر الامراء کے منصب پر فائز ہوئے تو اُنھوں نے دارالخلافہ میں شیعی عقائد کا علی الاعلان مظاہرہ شروع کیا اور چند نئی رسوم کو رائج کیا۔ معزالدولہ نے حکم دیا کہ عاشورہ محرم کے دن سب لوگ دکانیں بند رکھیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کا ماتم کریں۔ اسی طرح ۱۸۔ ذوالحجہ کو عید غدیر منانے کا فرمان جاری کیا اور لوگوں سے جبراً اس کی تعمیل کرائی۔ ①

چونکہ بغداد کے لوگ بالعموم اہل سنت تھے اور ان رسومات کو دین کا جز نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے جا بجا شورش پیدا ہوئی اور کشت وخون تک نوبت پہنچی۔ غرض بنو بو یہ کی مذہبی روش سے شیعہ اور سنیوں کے درمیان ایسا شدید بغض وعناد پیدا ہو گیا جو مدتِ مدید تک بغداد کے امن وامان میں خلل انداز رہا اور ملت اسلام کی کمزوری کا باعث ہوا۔ اس باہمی عداوت سے فتنہ وفساد کی آگ وقتاً فوقتاً بھڑکتی رہی۔ طرفین ایک دوسرے کو قتل کرتے۔ گھروں کو آگ لگا دیتے اور مقبرے مسمار کر دیتے تھے۔ غرض ان ہنگاموں سے جان ومال کا بہت نقصان ہوتا تھا۔

بنو بُو یہ کے دورِ امارت میں رومیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں غلبہ حاصل رہا۔ کیونکہ بنو بو یہ ان کو روکنے اور مملکتِ اسلام کی قرار واقعی حفاظت کرنے سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے اسلامی علاقے پر متواتر حملے کر کے بہت سے شہروں کو تباہ کر ڈالا۔

❀❀❀

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۷۱

Marfat.com

نواں باب

عباسی عہد کا چوتھا دور

سلاجقہ کا زمانہ

۴۴۷ھ تا ۵۹۰ھ

عباسی عہد کا چوتھا دور ۱۴۳ سال کا ہے۔ جس میں سلجوتی قوم کے ترک سلاطین برسر حکومت رہے۔ اس دور کی ابتداء سن ۴۴۷ ہجری سے ہوتی ہے۔ جب سلجوقیوں نے دیلمیوں کو بغداد سے نکال دیا۔ یہ لوگ سُنّی تھے اور خلفاء کا احترام کرتے تھے مگر حکومت کے کل اختیارات ان کے اپنے ہاتھ میں تھے۔ ①

ان کے زمانے میں یورپ کے عیسائیوں نے بیت المقدس (فِلَسْطِیْن) پر قبضہ کرنے کے لیے اسلامی ملکوں پر بار بار حملے کیے۔ ان جنگوں کو صلیبی جنگیں کہتے ہیں۔ سلاجقہ کو آخر کار خانہ جنگی نے کمزور کر دیا اور خوارزم شاہیوں نے ترکستان سے نکل کر ایران میں ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ باقی ملکوں میں اتابیگوں نے ان کی جگہ لے لی۔

القائم بامر اللہ ۴۲۲ھ تا ۴۶۷ھ

خلیفہ قادر باللہ کی وفات ۴۲۲ھ کے بعد ان کا بیٹا ابو جعفر عبداللہ ''القائم بامر اللہ'' کے لقب سے خلیفہ قرار پایا۔ اس کے عہد خلافت میں خاندانِ بویہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور سلجوقی ترکوں کا اقتدار قائم ہوا۔ خلیفہ قائم کے بعد مقتدی، مستظہر، مسترشد، راشد اور مقتفی یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے۔ ② مگر ان کی خلافت محض رسمی تھی۔ ایشیا کے اکثر اسلامی ملکوں کے حکمران عملی طور پر سلجوق قوم کے ترک تھے۔

① ابن خلدون، التاریخ: ۳/ ۴۴۸

② سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۳۹۰، ۴۰۳

Marfat.com

سلجوقی سلطنت

سلاجقہ کی اہمیت اسلامی تاریخ میں

پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں بغداد کی خلافت کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا تھا۔ وہ عظیم الشان سلطنت جو کبھی ایک خلیفہ کے زیر فرمان ہوا کرتی تھی ۔ کثیر تعداد خود مختار خاندان میں تقسیم ہو چکی تھی ۔ اندلس اور افریقہ کے اسلامی ملک مدت سے خلافتِ بغداد کے حلقۂ ارادت سے نکل چکے تھے۔ شام اور الجزائر عرب نسل کے حکمرانوں کے قبضے میں تھے۔ ایران کا اکثر حصہ آل بویہ کی مختلف شاخوں میں منقسم تھا۔ جنھوں نے ایک سو سال سے خلیفہ بغداد کو کٹھ پتلی بنا رکھا تھا۔ یہ مختلف خاندان بالعموم ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے اور اسلام کی سیاسی قوت کو ضائع کر رہے تھے۔ دُنیائے اسلام کا یہ تفرقہ سیاست تک محدود نہ تھا بلکہ مذہبی اختلافات کی بنا پر بھی مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے۔ اطرافِ مملکت میں ابھی قرامطہ کی شورش فرو نہیں ہوئی تھی کہ آل بویہ کی شیعہ نوازی نے شیعہ اور سنیوں کو آپس میں اُلجھا دیا۔

دُنیائے اسلام کی اس کش مکش، زبوں حالی اور خستگی کے عالم میں مشرق سے ایک ترک قوم نے سر اُٹھایا، جس کی یلغار کا بڑھتا ہوا سیلاب متفرق خاندانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔ فاتح قوم نے ایشیا کے تمام اسلامی ممالک کو دوبارہ ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور اسلام کے نیم جان قالب میں از سر نو روح پھونک دی، یہ لوگ سلجوقی ترک تھے۔

سلاجقہ کی ابتداء

سلجوق غز قوم کا ایک بہادر سردار تھا جس نے اپنے آبائی وطن کو خیر باد کہا اور اپنی قوم کے ہمراہ دریائے سیحون کے شمال کی طرف جند کے علاقے میں قیام اختیار کیا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے میل جول سے دین اسلام قبول کیا اور ماوراء النہر کے عام لوگوں کی طرح اہل سنت

Marfat.com

کے ہمنوا ہو گئے۔ اس وقت ماوراء النہر کا بیشتر حصہ سلطنت غزنویہ میں شامل تھا۔ جب سلطان محمود ہندوستان کی فتوحات میں مصروف تھا۔ تو سلجوق قوم کے بہت سے لوگ ماوراء النہر میں آ کر آباد ہو گئے۔ بلکہ جیحون کو عبور کر کے خراسان میں گھس آئے اور سلطان کی اجازت سے نساء، آبیورد اور طوس کے اضلاع میں آباد ہو گئے۔ جب تک سلطان محمود زندہ رہا سلجوقیوں نے جادۂ اطاعت سے باہر قدم نہ رکھا۔ مگر اس کے فوت ہوتے ہی وہ خاندان غزنویہ کی اطاعت سے پھر گئے اور سلطان محمود کے جانشین سلطان مسعود کو کئی بار شکستیں دے کر ماوراء النہر اور خراسان پر قابض ہو گئے۔

سن ۴۲۹ھ۔ ہجری، سن ۱۰۳۷ء عیسوی میں مَرو میں سلجوق کے پوتے چغری بیگ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور دوسرے سال اس کے بڑے بھائی طغرل بیگ کو نیشاپور میں بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ پھر دونوں بھائیوں نے مل کر بلخ، جرجان اور طبرستان کے علاقے فتح کر لیے اور ایران سے آلِ بویہ کو بے دخل کر کے وہاں کے تمام اہم مقامات رَے، اصفہان، ہمدان پر قبضہ کر لیا۔ طغرل بیگ نے رَے کو اپنا دار السلطنت بنایا اور مفتوحہ ملکوں کو از سر نو درست کیا۔ ①

طغرل بیگ اور چغری بیگ نے خلیفہ القائم کو لکھا کہ ہم خاندانِ رسالت کے مطیع اور ہوا خواہ ہیں۔ ہمیں امیر المؤمنین کے زیر فرمان مفتوحہ ممالک میں حکومت کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے خطاب اور خلعت کے ساتھ ان کو بلادِ مفتوحہ کی سندِ حکومت بھی عطا کر دی۔

طُغرل بیگ سلجوقی

جب طغرل بیگ نے ایران کی فتح سے فراغت پائی تو دار الخلافہ بغداد کا رُخ کیا۔ اگرچہ اس وقت زمامِ خلافت القائم بامر اللہ کے ہاتھ میں تھی۔ مگر حکومت کے تمام اختیارات بُویہی شہنشاہ ملک رحیم کے قبضہ تصرف میں تھے اور خلیفہ اس کی چیرہ دستی سے بہت پریشان تھا۔ طغرل بیگ نے ملک رحیم کو قید کر کے خلیفہ کو اس کے تسلط سے نجات دلائی اور خلافت کی عزت و حرمت کو از سر نو قائم کیا۔ جب حکمران عملی طور پر سلجوق قوم کے ترک تھے۔ طغرل بیگ سن ۴۴۷ھ۔ ہجری، ۱۰۵۵ء میں بغداد میں داخل ہوا تو خلیفہ نے بہت تعظیم و تکریم کی۔ قیمتی خلعت اور بیش بہا تحائف

① ابن الاثیر، الکامل: ۹/ ۴۹۹

Marfat.com

کے علاوہ اسے شاندار خطاب دے کر اس کا نام خطبہ میں شامل کیا اور اسے مفتوحہ ممالک کا باضابطہ حکمران تسلیم کیا۔ تمام لوگوں نے جو آل بویہ کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔ سلجوقیوں کی آمد کو اپنے لیے باعث رحمت سمجھا۔ چنانچہ طغرل بیگ جو اس سے پیشتر محض ایک خانہ بدوش قبیلے کا سردار تھا بادشاہت کے رُتبے پر جا پہنچا اور ایک عظیم الشان خاندان کا بانی ہوا۔

سن ۴۵۵ ہجری، سن ۱۰۶۳ عیسوی میں طغرل بیگ نے ستر سال کی عمر میں رَے کے شہر میں وفات پائی اور مَر و میں اپنے بھائی چغری بیگ کے مقبرہ میں دفن ہوا۔ اگرچہ وہ ایک سپاہی منش تھا مگر اس میں دانشمندی، عدل وانصاف علم دوستی اور حلم و کرم کے اوصاف بھی پائے جاتے تھے۔ وہ شریعت کا پابند اور اسلام کا زبردست حامی تھا۔ اس نے اکثر مفتوحہ مقامات میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ جو عبادت گاہوں کے علاوہ مدارس کا کام بھی دیتی تھیں۔ ①

الپ ارسلان سلجوقی ۴۵۵ھ تا ۴۶۵ھ

طغرل بیگ لاولد تھا، اس کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے چھوٹے بھائی چغری بیگ کا بیٹا الپ ارسلان سلطنت کا وارث بنا اور خلیفہ بغداد نے اسے خلعت اور القاب سے نوازا۔ الپ ارسلان اس سے پیشتر بھی خراسان کی حکومت پر فائز رہ چکا تھا۔ وہ ایک نیک دل اور عالی حوصلہ حکمران تھا۔ سیرت میں پاکباز اور پرہیزگار تھا۔ بیکسوں اور ناداروں کے ساتھ رحم اور فراخدلی سے پیش آتا تھا۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ وہ بہادر اور شجاع بھی تھا۔ اگرچہ اس نے صرف نو سال حکومت کی۔ مگر اس نے اس مختصر مدت میں شاندار فتوحات حاصل کیں اور اپنی وسیع سلطنت کے نظم ونسق کو عدالت وشفقت کے اعلیٰ اُصولوں پر قائم کیا۔ مشرق میں فرغانہ اور چغانیاں کے علاقوں کو تسخیر کیا اور مغرب میں نہ صرف مصر کے بنو فاطمہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا۔ بلکہ ان کو حلب کے علاوہ حجاز سے بھی بے دخل کر دیا۔

ان فتوحات کی بدولت اس کی سلطنت دریائے جیحون سے لے کر بحیرہ روم تک پھیل گئی۔ ②

① ابن الاثیر، الکامل: ۲۶/۱۰، ۲۸

② ابن الاثیر، الکامل: ۲۹/۱۰، ۴۷

Marfat.com

جنگ ملازگرد ۴۶۳ھ ، ۱۰۷۱ء

ان فتوحات کے سلسلے میں سلاجقہ کا رومیوں سے ٹکرانا ایک ناگزیر امر تھا۔ چنانچہ جب الپ ارسلان گرجستان اور آرمینیہ کو فتح کر چکا اور رومیوں نے دیکھا کہ اب وہ ان کی سلطنت کا قصد رکھتا ہے تو قیصر رومانوس کئی لاکھ فوج کے ساتھ اسلامی علاقے کی طرف بڑھا۔ مختلف مقامات میں جو مسلمان فوجیں منتشر پڑی تھیں، انھیں پیچھے ہٹایا اور شہر ملازگرد لے لیا۔ اس وقت سلطان الپ ارسلان آرمینیہ کی سرحد پر مقیم تھا۔ اس نے اول قیصر کو صلح کا پیغام بھیجا، مگر قیصر نے اس پیغام کو سلطان کی کمزوری پر محمول کیا اور صلح کی پیش کش کو رد کر دیا۔

اس وقت سلطان کے ہمرکاب صرف پندرہ ہزار فوج تھی مگر وہ قیصر کے ساتھ نبرد آزمائی پر آمادہ ہو گیا اور دشمن پر آندھی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ شہر ملازگرد کے قریب بڑے معرکے کا رن پڑا۔ پہلے پہل رومیوں کو غلبہ حاصل رہا۔ آخر کار قیصر کے رفیق اُسے ایک ایک کر کے چھوڑنے لگے اور اس کی تمام فوج تتر بتر ہو گئی، بے شمار رومی مارے گئے۔ خود رومانوس سلطان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ جب سلطان کے سامنے پیش ہوا تو سلطان نے اس کی جان بخش دی اور تاوان جنگ اور سالانہ خراج کی شرط پر اسے رہا کر دیا۔ اس لڑائی میں بے انداز مال غنیمت فاتحین کے ہاتھ آیا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد سلطان رے کی طرف لوٹ آیا۔ ①

ایشیائے کوچک کی فتح

ملازگرد کی فتح سے سلاجقہ کے لیے ایشیائے کوچک کا راستہ کھل گیا اور اُنھوں نے پیش قدمی کر کے اندرون ملک میں اسلامی پرچم نصب کر دیا۔ اَلپ ارسلان نے ایشائے کوچک کو اپنے چچا زاد بھائی قتلمش کے بیٹے سلیمان کی تحویل میں دے دیا اور وہاں کے تمام مفتوحہ علاقوں کو اس کی جاگیر قرار دیا۔ سلیمان ایک ماہر سپہ سالار اور مدبر حکمران ثابت ہوا۔ اس نے چند سال کے عرصے میں اپنی فتوحات کو بوسفورس اور بحیرۂ روم تک وسعت دے کر وہاں اپنی ریاست قائم کر لی اور قیصر روم سے خراج وصول کیا، اس کا صدر مقام نیقیہ تھا۔ سلیمان کے جانشین سلاجقہ روم کہلائے۔ ②

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۰/ ۶۴

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۰/ ۱۳۸، ۱۴۷

Marfat.com

جب صلیبی جنگوں میں ان کی مملکت کے شمالی اور مغربی علاقے ان کے ہاتھ سے نکل گئے تو اُنھوں نے قونیہ کو اپنا صدر مقام بنایا اور حملۂ تاتار تک وہاں حکمران رہے۔

اس خاندان کے دسویں تاج دار علاؤالدین کیقباذ (سن ۱۲۱۹، ۱۲۳۶ء ہجری) کے زمانے میں فارسی زبان کے مشہور شاعر مولانا جلال الدین رومی صاحب مثنوی نے قونیہ کو اپنا شہر بنایا۔ ان کی مثنوی فارسی زبان کی مشہور ترین کتابوں میں سے ہے۔ شعروشاعری میں تمثیل نگاری کی اس سے بہتر مثال اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اس مثنوی میں اُنھوں نے صوفیانہ عقائد و مسائل کی توضیح امثال و حکایت کے ذریعے سے کی ہے۔①

نظام الملک طُوسی

الپ ارسلان اور اس کے جانشین کے عہد میں سلجوقی سلطنت کا حسنِ انتظام بہت حد تک ان کے لائق اور مدبر وزیر نظام الملک طوسی کا رہین منت رہا۔ اس کا نام ابوعلی حسن بن علی اور جائے پیدائش طوس تھا۔ اس نے تمام مروجہ علوم کی باقاعدہ تحصیل کی اور دینی علوم میں خاص طور پر درک حاصل کیا۔ اس نے ابتداء میں حکومت کے دفتر انشاء کی ملازمت اختیار کی اور اپنی لیاقت کی بدولت یہاں تک ترقی کی کہ الپ ارسلان نے اسے اپنا وزیر مقرر کر کے اُسے نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔

نظام الملک انتظامی قابلیت، عدل و انصاف، فیاضی، معارف پروری اور پرہیز گاری میں بے مثل تھا اور اپنے فرائض منصبی کو پوری تندہی اور دیانت داری سے سرانجام دیتا تھا۔ سلطان کو اس کی لیاقت اور وفاداری پر پورا پورا اعتماد تھا اور سلطنت کا تمام کاروبار اس کے سپرد کر رکھا تھا۔

نظام الملک نے اپنی عمر کے آخری ایام میں الپ ارسلان کے جانشین سلطان ملک شاہ کی فرمائش پر اُصول سیاست پر ایک کتاب ''سیر الملوک''② کے عنوان سے لکھی جسے عام طور پر سیاست نامہ کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جس میں مصنف نے بادشاہ کے حقوق و

① حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ۲/ ۱۵۸۷

② حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ۲/ ۱۰۱۴

Marfat.com

فرائض سے بحث کی ہے اور تاریخی واقعات کو مثالاً بیان کر کے اُصول سیاست کی توضیح کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے سلطنت کے مختلف محکموں اور شعبوں کی تفصیل دی ہے جس سے اس زمانے کے طرز حکومت پر روشنی پڑتی ہے۔

مدرسہ نظامیہ ۴۵۹ھ ، ۱۰۶۷ء

نظام الملک خود بڑا عالم و فاضل تھا اور علماء کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اس نے علوم وفنون کی ترویج کے لیے اپنے عہد وزارت کی ابتداء ہی میں بغداد میں ایک دارالعلوم اعلیٰ پیمانے پر قائم کیا۔ اس کے لیے ایک عالی شان عمارت تیار کرائی اور مصارف کے لیے ایک کثیر رقم سالانہ مقرر کی اور تعلیم و تدریس کے لیے چوٹی کے علماء مقرر کیے۔ مدرسہ نظامیہ تقریباً چار سو برس تک علم وحکمت کی روشنی پھیلاتا رہا۔ اس مدت میں سینکڑوں علماء مثلاً: ابو اسحاق شیرازی، امام غزالی اور خطیب تبریزی نے مسند درس کو زینت بخشی اور ان کے حلقہ درس سے ہزاروں طلباء مثلاً: شیخ سعدی، شیرازی وغیرہ علم وفضیلت کی دستار پہن کر نکلے۔ نظامیۂ بغداد کے علاوہ نظام الملک نے نیشاپور، اصفہان، مرو، خُوزِستان، مَوصِل، آمُل، بصرہ، ہرات، بَلخ اور طُوس میں بھی مدرسے قائم کیے۔ ①

ملک شاہ سلجوقی ۴۶۵ھ تا ۴۸۵ھ

سلطان الپ ارسلان تُرکستان کے بعض غیر مفتوحہ علاقے کی تسخیر میں مصروف تھا کہ سن ۴۶۵ھ ہجری، ۱۰۷۲ء عیسوی میں ایک باغی امیر کے ہاتھوں سرِ دربار زخمی ہو کر انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ جلال الدولہ کے لقب سے اس کا جانشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر صرف سترہ سال کی تھی۔ شاہی خاندان کے کئی افراد نے جو سلطنت کے مختلف حصوں پر حکمران تھے، اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی مخالفت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر نظام الملک نے اپنی تدبیر اور ہمت سے سب مخالفوں کو نیچا دکھایا اور ملک شاہ بلاشرکتِ غیرے سلطان قرار پایا۔ حرمین شریفین، بیت المقدس، بغداد، شام اور ماوراء النہر میں اس کے نام سے خطبہ پڑھا گیا اور مملکت میں ہر طرف اس کے نام کا سکہ جاری ہو گیا۔ سلطان نے نظام الملک کو

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۳۶/۱۳

Marfat.com

اس کی خدمت کے صلہ میں ''اتا بیگ'' کا خطاب دیا۔

ملک شاہ کا عہد حکومت سلجوقی دَور کا سب سے درخشاں زمانہ ہے۔ اس کے عہد میں سلجوقی سلطنت اپنے انتہائی عروج کو پہنچ گئی۔ حدودِ چین سے لے کر اقصائے شام تک اور بحیرہ خزر سے لے کر عدن تک تمام ممالک اسی کے زیر نگین تھے۔ قیصر روم بھی اسی کا باجگزار تھا۔ سلطنت کا مالی انتظام نظام الملک کی اولاد کے سپرد تھا۔ فوج میں زیادہ تر ترک تھے اور مختلف صوبوں کی حکومت پر سلطان کے رشتہ دار یا معتبر غلام مقرر تھے۔ محکمہ عدالت قاضیوں کے ہاتھ میں تھا۔

سلطان نے اپنی وسیع سلطنت کا کئی بار دَورہ کیا اور ایک بار حج بیت اللہ شریف سے بھی مشرف ہوا۔ اس نے راستہ میں کئی حاجیوں کی آسائش کے لیے تالاب اور حوض اور ان کے قیام کے لیے سرائیں بنوائیں اور امیر مکہ کی طرف سے حاجیوں پر جو ٹیکس لگائے جاتے تھے، انھیں موقوف کر دیا۔ سلطان کئی بار بغداد بھی گیا اور وہاں خلیفہ مقتدی سے ملاقات کی، سلطان کو محل اور قلعے بنانے کا بڑا شوق تھا۔ اس نے اصفہان کو خاص طور پر عالی شان عمارات اور خوشنما باغات سے آراستہ کیا۔ بڑے بڑے شہروں کے گرد فصیلیں بنوائیں اور مسمار شدہ قلعوں کی مرمت کرائی۔

ملک شاہ نے سن ۴۸۵ھ ہجری، سن ۱۰۹۲ء عیسوی میں چند دن کی علالت کے بعد ۳۸ سال کی عمر میں وفات پائی اور اصفہان کے مدرسے میں مدفون ہوا۔ [1]

حسن بن صباح

ملک شاہ کے آخری ایام میں حسن بن صباح اور اس کی جماعت نے جس کو باطنیہ یا حشیشین بھی کہتے ہیں ظہور کیا اور اپنے خفیہ حملوں اور خونریزی سے دنیائے اسلام میں تہلکہ مچا دیا۔

حسن بن صباح نظام الملک کا ہمعصر تھا۔ اس نے ملک شاہ کے دربار میں رسائی حاصل کر کے کوشش کی کہ کسی طرح نظام الملک کی جگہ لے لے۔ مگر اسے اپنے منصوبہ میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جب وہ دربار شاہی سے ناکام ہو کر نکلا تو اس نے اسمٰعیلی مبلّغوں کے اثر سے اسمٰعیلی عقائد اختیار کر لیے اور چند سال کی مسلسل دعوت و تبلیغ سے اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک کثیر

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۳/۱۴۰

Marfat.com

جماعت پیدا کرلی۔ سن ۴۸۳ھ۔ ہجری، سن ۱۰۹۱ء عیسوی میں ماژندران کے دشوار گزار پہاڑی علاقے میں اُلَمُوت کے مضبوط قلعے پر قبضہ کر کے اسے اپنا صدر مقام بنایا اور آس پاس کے کوہستان میں اور بہت سے قلعے فتح کر کے وہاں ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔ ①

حسن بن صباح کے مرید مختلف درجوں میں منقسم تھے، ایک درجہ فدائیوں کا تھا۔ یہ لوگ اپنے امام کا ہر ایک حکم بلا چوں و چرا بجا لانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ حسن بن صباح اور اس کے جانشینوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے مخالفوں کو فدائیوں کے ہاتھ سے چپکے سے مروا ڈالتے تھے۔ اس قسم کے خفیہ قتل کی مسلسل وارداتوں سے ملک میں دہشت پھیل گئی تھی اور لوگ ان سے بہت خائف رہتے تھے۔ آخر کار سن ۴۸۵ھ۔ ہجری، سن ۱۰۹۲ء۔ عیسوی میں نظام الملک بھی ان کی سفاکی کا شکار ہو گیا۔ ②

لوگ عام طور پر حسن بن صباح کو ''شیخ الجبل'' کہتے تھے اور اس کے پیروؤں کو باطنی یا مَلاحِدہ (بے دین، بدعقیدہ) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حسن بن صباح اپنے مریدوں کو حشیش (بھنگ) کے نشے میں مدہوش کر کے ایک مصنوعی بہشت کے جلوے دکھاتا تھا، اس لیے اس کے فرقے کو حشیشین بھی کہتے تھے۔

حسن بن صباح کی بیخ کنی کے لیے سلجوقیوں نے اَلَمُوت پر چڑھائی کی۔ مگر نظام الملک کے قتل اور ملک شاہ کی وفات کے سبب سے یہ مہم ناتمام رہی اور اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ملک شاہ کے انتقال پر سلاجقہ میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جس سے حسن بن صباح نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ اس نے آس پاس کے بہت سے قلعے فتح کر کے اپنا اقتدار بڑھایا اور اپنے عقائد کی اطمینان سے اشاعت کرنے لگا۔

حسن بن صباح نے سن ۵۱۸ھ۔ ہجری ۱۱۲۴ء۔ عیسوی میں انتقال کیا۔ اس کے سات جانشینوں نے اَلَمُوت اور اس کے مضافات میں ۱۷۱ سال تک حکومت کی۔ آخر کار سن ۶۵۴ھ۔ ہجری، سن ۱۱۵۶ء۔ عیسوی میں تاتاریوں کے بادشاہ ہلاکو خان نے الموت کو فتح کر کے ان کی

---

① القزوینی، آثار البلاد، ص: ۳۰۱

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۰/ ۲۰۴

Marfat.com

حکومت کا خاتمہ کردیا۔ ①

اگرچہ حسن بن صباح کی قائم کردہ ریاست مٹ گئی تھی مگراس کے فرقے کے لوگ اب تک موجود ہیں۔ ہز ہائی نس سر محمد شاہ آغا خاں الموت کے آخری حکمران رکن الدین خوارزم شاہ کی اولاد سے تھے۔

سلاجقہ کی خانہ جنگی

سلطان ملک شاہ کے انتقال کے ساتھ ہی سلجوقیوں کی عظمت اورشان وشوکت میں زوال آگیا۔ شاہی خاندان میں خانہ جنگی شروع ہوگئی، جس میں سلجوقی سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ ملک شاہ کی وفات کے بعداس کی بیگم ترکان خاتون نے کوشش کی کہ اس کا خوردسال بیٹا محمود تخت وتاج کا وارث بنے۔ مگر سلطان کا بڑالڑکا برکیارق اس کے مقابلے میں کھڑا ہوگیا اور نظام الملک کے لڑکے بھی اس کی امداد پر کمربستہ ہوگئے۔

دوسال کے بعد محمود نے انتقال کیااور برکیارق ۱۳ سال کی عمر میں تمام سلطنت کا فرمانروا قرار پایا۔ (سن ۴۸۷۔ہجری، سن ۱۰۹۴۔عیسوی) لیکن اسے امن کے ساتھ حکومت کرنی نصیب نہ ہوئی۔ اس کے بھائی محمد نے اس کے خلاف بغاوت کردی۔ دونوں بھائیوں کے درمیان بڑے معرکے ہوئے، آخر کاران میں صلح ہوگئی۔ سن ۴۹۸۔ہجری، سن ۱۱۰۴۔عیسوی برکیارق نے پچیس سال کی عمر میں وفات پائی اور محمد غیاث الدین کے لقب سے تمام سلطنت پر قابض ہوگیا۔ ②

سلطان غیاث الدین محمد

سلطان غیاث الدین محمد عدالت گستری رعایا پروری اور پرہیز گاری میں مشہور تھا۔ حسن بن صباح کے پیروؤں نے اصفہان کے قریب قلعہ وژکوہ پر قبضہ کررکھا تھا۔ سلطان محمد نے انھیں وہاں سے نکال دیااوران میں بہت سے لوگوں کوقتل کردیا۔ مگراس کے باوجودان کا دم خم باقی رہااوران

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۵/ ۳۱۲

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۰/ ۲۸۷، ۳۸۰

Marfat.com

کی شرارتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ سلطان نے ان کے صدر مقام قلعہ الموت کے محاصرے کے لیے بھی ایک لشکر بھیجا اور قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے۔ مگر اسی اثناء میں سلطان محمد نے تیرہ سال کی حکومت کے بعد سن ۵۱۱ ۔ ہجری ، سن ۱۱۱۸ ۔ عیسوی میں وفات پائی ، اس پر سلطانی فوج محاصرہ چھوڑ کر واپس آ گئی ۔ ①

سلطان سنجر سلجوقی

سلطان محمد کے بعد اس کا بھائی سنجر جو بیس سال سے خُراسان کا حاکم چلا آ رہا تھا ، سلجوقیوں کا سلطان اعظم قرار پایا اور بغداد میں بھی اس کے نام سے خطبہ پڑھا گیا۔ سلطان محمد کے بیٹے محمود نے پہلے پہل اطاعت سے انکار کر دیا۔ مگر سنجر نے اس پر فتح یاب ہو کر عراق کا ملک اس کو واپس دے دیا۔ اس وقت سے سلطان سنجر کے زیر سایہ عراق میں سلجوقیوں کا ایک الگ خاندان قائم ہوا۔ جو سلاجقہ عراق کے نام سے مشہور ہیں۔ خلفاء بغداد کا براہِ راست ان ہی سے سروکار رہا۔

سلطان سنجر کی عمر کا اکثر حصہ باغیوں کی سرکوبی اور مخالفوں کے مقابلے میں گزرا۔ سلطان نے سن ۵۲۵ ۔ ہجری میں دریائے جَیحُون کو عبور کر کے احمد خاں والی سمرقند کو مغلوب کیا۔ خَوارِزم کے حاکم اَتسِز نے بار بار بغاوت کی ۔ اس کو زیر کرنے کے لیے سلطان کو تین بار فوج کشی کرنی پڑی اور آخر کار اسے مطیع بنانے میں کامیاب ہوا۔ اسی اثناء میں غور کے بادشاہ حسین بن حسن جہاں سوز نے خراسان پر حملہ کیا۔ مگر سلطان سنجر سے شکست کھائی اور اس کی باجگزاری قبول کی ۔

سنجر کو اپنی آخری عمر میں غزوہ قوم کے ترکمانوں سے بڑی زک اُٹھانی پڑی۔ اُنھوں نے خراسان پر حملہ کر کے سنجر کو شکست دی اور اُسے قید کر لیا اور خراسان کے اکثر شہروں کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔ سنجر نے آخر کار ان کی قید سے رہائی پائی ۔ مگر اپنے ملک کی تباہی کو دیکھ کر جس پر اس نے ساٹھ سال کے قریب حکومت کی ۔ اُسے اتنا رنج ہوا کہ وہ سن ۵۵۲ ۔ ہجری ، ۱۱۵۶ ۔ عیسوی میں اسی غم کی کوفت میں مر گیا۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ۷۳ سال کی تھی ۔ ②

---

① ابن الاثیر ، الکامل : ۱۰/ ۵۲۷

② ابن خلکان ، وفیات الاعیان : ۲/ ۴۲۷ ، ۴۲۸

Marfat.com

سلاجقہ کی متفرق شاخیں

ملک شاہ کی وفات پر اس کی اولاد میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور سلاجقہ کی مختلف شاخوں نے مملکت کے حصوں میں الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں۔ یہ حکمران سلطان سنجر کے عہد تک سلطان اعظم کی بزرگی تسلیم کرتے رہے۔ مگر اس کی وفات کے بعد وہ عملی طور پر خود مختار ہو گئے۔ ان شاخوں میں سے کرمان، عراق، شام اور ایشیائے کوچک (روم) کے سلجوقی حکمران مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔

خوارزم شاہیوں نے مشرق کی طرف سے بڑھ کر سلاجقہ کو ایران سے بے دخل کر دیا۔ باقی علاقوں میں سلاجقہ کے اتابیگ افسروں نے ان کی جگہ لے لی۔ صرف ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کی حکومت عثمانی ترکوں کی آمد سن ۷۰۰ ہجری، سن ۱۳۰۰ عیسوی تک قائم رہی۔

اتابیگ

سلجوقی سلاطین کا یہ دستور تھا کہ وہ معزز اور قابل اعتماد امراء کو اپنی اولاد کے لیے بچپن ہی سے اتالیق مقرر کر دیتے تھے۔ یہ امراء جو اتابیگ کہلاتے شہزادوں کی تربیت کرتے اور ان کے مفاد میں ہر طرح سے کوشاں رہتے تھے۔ جب کوئی سلطان انتقال کر جاتا تو ہر ایک امیر کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ اپنے شہزادے کے لیے تاج و تخت حاصل کرے تا کہ نائب السلطنت بن کر ملک پر حکمرانی کر سکے۔

چنانچہ سلاجقہ کی خاندانی رشک و رقابت اور امراء کے ساز باز سے وارثانِ سلطنت آپس میں لڑتے، اکثر سلجوقی سلاطین عین عالم شباب میں راہیِ ملک بقاء ہوئے۔ اس لیے ان کے نوعمر جانشینوں کے اتابیگوں کو اختیاراتِ حکومت استعمال کرنے کا خوب موقعہ ملا اور اُمور سلطنت میں ان کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ سلجوقیوں کے کمزور ہوتے ہی یہی اتابیگ نائب السلطنت سے صاحب السلطنت بن گئے، اور اتابیگ ملک یا شاہ کا لقب اختیار کر کے مستقل خاندانوں کے بانی ہوئے۔ چنانچہ سلطان تُتُش پسر الپ ارسلان کے آزاد کردہ غلام طغتگین نے دمشق میں، عماد الدین زنگی نے الجزیرہ میں، اُرتوق نے دیار بکر میں ایلدغز نے آذربائیجان میں مستقل حکومتیں قائم کر لیں۔ ①

① ابن خلکان، وفیات الاعیان: ۱/ ۴۱۵، ۴۲۰

Marfat.com

دسواں باب

صلیبی جنگیں

بیت المقدس کو، جو ملک فلسطین میں واقع ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے واقعات سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے عیسائی زائرین وہاں عربوں کے عہد میں بلا روک ٹوک جاتے تھے۔ مگر جب سلاجقہ کے قبضہ میں آیا اور انقلاب حکومت کی وجہ سے وہاں بدنظمی پیدا ہوئی تو بعض عیسائی زائرین کو تکلیف پہنچی اور ان کے لیے شکایت کا موقع پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ سلاجقہ نے ایشیائے کوچک کو فتح کر کے رومیوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا اور وہاں اپنی سلطنت قائم کر کے قسطنطنیہ کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے یورپ کے عیسائی ملکوں میں خوف وہراس پیدا ہو گیا۔

پاپائے روم نے سن ۴۸۸ ہجری، سن ۱۰۹۵ عیسوی میں ایک بڑی بھاری مجلس مشاورت منعقد کی۔ جس میں ہزاروں پادریوں اور عامۃ الناس نے شرکت کی۔ قسطنطنیہ کے قیصر نے بھی امداد کے لیے اپنے سفیر بھیجے۔ پوپ نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کے ہاتھ سے بیت المقدس چھڑانے کی پرزور تلقین کی۔ پادری لوگ ملک ملک پھرتے اور عیسائی زائرین کی تکالیف اور مسلمانوں کے مفروضہ مظالم کو مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے لوگوں کو جنگ کے لیے آمادہ کرتے تھے۔ ان پادریوں میں شہر (AMIENS) (شمالی فرانس) کا رہنے والا پطرس راہب پیش پیش تھا۔ اس نے اپنی آتشیں تقریروں سے اپنے ہم مذہبوں کے دلوں میں مسلمانوں کے برخلاف غیظ وغضب کی آگ بھڑکا دی۔ چنانچہ یورپ کے مختلف حصوں سے عیسائیوں کے کثیر التعداد لشکر فلسطین اور اس کے متصلہ ممالک کو مسلمانوں سے چھڑانے کے لیے روانہ ہوئے اور اسلامی ملکوں پر حملے کرتے رہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کی ان باہمی لڑائیوں کا سلسلہ تقریباً دو سو سال تک جاری رہا۔ جس میں ہزاروں لاکھوں آدمی مارے گئے اور بیسیوں شہر تباہ ہوئے۔

Marfat.com

صلیب عیسائیوں کا مذہبی نشان ہے اور چونکہ عیسائی سپاہی اپنے کپڑوں پر سرخ صلیب کا نشان لگاتے تھے اس لیے انھیں (CRUSADERS) یعنی صلیبی سپاہی اور ان لڑائیوں کو صلیبی جنگیں (CRUSADES) کہا جاتا ہے۔

پہلی صلیبی جنگ

سن ۴۸۹ھ ہجری، مطابق سن ۱۰۹۶ء عیسوی میں پطرس راہب کی سرکردگی میں مختلف ملکوں اور قوموں کے چالیس ہزار عیسائی یورپ سے ایشیاء کی طرف روانہ ہوئے۔ تاکہ ارضِ مقدس کو مسلمانوں کے تسلط سے آزاد کرائیں۔ یہ کوئی منظم فوج نہ تھی۔ بلکہ مختلف طبقوں کے لوگوں کا ایک کثیر انبوہ تھا۔ جو اپنے ہی ہم مذہبوں کو لوٹتے مارتے چلے آتے تھے۔ ان کی لوٹ مار کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے کئی علاقے ویران ہو گئے۔ ہنگری اور بلغاریہ کے باشندوں سے بھی ان کی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں بہت سے صلیبی سپاہی مارے گئے۔ باقی لوگ جب آبنائے بوسفورس کو عبور کر کے ایشیائے کوچک میں پہنچے تو وہاں کے سلجوقی سلطان قلیج ارسلان نے ان پر حملہ کر کے اکثر کو ہلاک کر دیا تھا۔

اس ناکامی کے بعد اہل یورپ نے تیاری کی۔ اس لشکر کشی میں ان تین عیسائی سرداروں نے شرکت کی۔ گودفرائے جو شمالی فرانس کا ایک نامور بہادر اور امیر تھا۔ شاہ فرانس کا بھائی ہیو اور بوہیمند جو تارنت (اطالیہ) کا ایک نارمن سردار تھا۔ ان کے لشکروں کی مجموعی تعداد سات لاکھ کے قریب تھی۔ جب یہ ٹڈی دل ایشیائے کوچک میں پہنچا تو وہاں کا سلجوقی سلطان ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور اس کا دارالحکومت نیقیہ قیصر روم کے قبضہ میں چلا گیا۔ وہاں سے عیسائی لشکر شام کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں ایک سردار بالڈون نامی شہر الرہا (اڈیسہ) کے حاکم کی امداد کو پہنچا اور اس بہانے سے شہر پر قبضہ کر کے وہاں کا حاکم بن بیٹھا اور ایک مستقل ریاست کا بانی ہوا، یہ پہلی ریاست تھی، جو صلیبی سپاہیوں نے مشرق میں قائم کی۔ باقی لشکر نے بڑھ کر شہر انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے سلجوقی سپہ سالار یاغیسیان (یاغی سیان) نے خوب دادِ شجاعت دی۔ مگر نو ماہ کے

Marfat.com

محاصرے کے بعد عیسائیوں نے ایک ارمنی محافظ کو اپنے ساتھ ملا کر شہر فتح کر لیا اور اس میں داخل ہو کر ہزار ہا باشندوں کو بلا دریغ تہ تیغ کیا۔ انطاکیہ بوہیمنڈ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ یہ دوسری ریاست تھی جو عیسائی سپاہیوں نے مشرق میں قائم کی۔

انطاکیہ پونے دو سو سال تک عیسائیوں کے قبضے میں رہا۔ ①

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

انطاکیہ کی فتح کے بعد صلیبی سپاہیوں نے بیت المقدس کا رُخ کیا اور ڈیڑھ ماہ کے محاصرے کے بعد سن ۴۹۲ھ۔ ہجری، سن ۱۰۹۹۔ عیسوی میں اسے بزور شمشیر فتح کر لیا۔ شہر میں داخل ہو کر انھوں نے تین دن تک باشندوں کا قتل عام کیا۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بلا تمیز موت کے گھاٹ اُتارا۔ جس سے ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں اور تمام شہر ایک مذبح کی صورت نظر آنے لگا۔ یہودیوں کی عبادت گاہیں بھی جل کر خاک سیاہ ہو گئیں اور ہزاروں یہودی جنھوں نے وہاں پناہ لی تھی نذر آتش ہو گئے۔ غرض اس قتل عام میں ستر ہزار سے زیادہ لوگ مارے گئے، جو بچے انھیں غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ ②

پہلی صلیبی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیت المقدس، انطاکیہ اور الرہا (اڈیسہ) میں عیسائیوں کی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان میں بیت المقدس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اکثر عیسائی سردار وہاں کے بادشاہ کو اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کرتے تھے۔ بیت المقدس کی عیسائی سلطنت نوے سال تک قائم رہی۔ عیسائیوں نے مفتوحہ علاقوں میں اپنے قوانین اور آئینی دستور جاری کیے۔ شام اور فلسطین میں فرنگیوں (FRANKS) کے اثر و رسوخ اور سیاسی دعوتوں کی ابتداء اسی عہد سے ہوئی۔

مذکورہ بالا عیسائی ریاستوں کے گرد و پیش کے علاقے بدستور مسلمانوں کے قبضے میں رہے۔ وہاں کے مسلمان حکمران ان ریاستوں کے ساتھ ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے۔ مگر اپنی نااتفاقی کی وجہ سے عیسائیوں کو نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور شام اور فلسطین کے اکثر حصوں میں

---

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۵۹/۱۳

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۲۶۰/۱۳

Marfat.com

عیسائیوں کے قدم دو سو سال تک جمے رہے۔

عمادالدّین زنگی

ان مسلمان حکمرانوں میں سے جنھوں نے عیسائیوں کے خلاف جدوجہد جاری رکھی اور حامی دین اسلام کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ عمادالدین زنگی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس نے نہ صرف فرنگیوں کے حملوں کو روکا۔ بلکہ ان کو قدم بقدم پیچھے ہٹا کر متعدد مقامات سے نکال دیا۔ عمادالدین سلطان ملک شاہ سلجوقی کے حاجِب آق سُنقُر کا بیٹا تھا۔ عراق کے سلجوقی سلطان محمود نے اسے سن ٥١٦ ہجری، سن ١١٢٢ عیسوی میں شہر واسط کا حاکم مقرر کیا۔ [1] اور چند سال بعد اتابیگ کا لقب دے کر اسے موصل کی ولایت بھی دے دی۔

عمادالدین نے اپنے مقبوضات کا نظام درست کیا اور اپنی حکومت کو مستحکم کر کے ایک مستقل خاندان کی بنیاد رکھی۔ جس کے حکمران تاریخ میں اتابیگانِ موصل کے نام سے مشہور ہیں۔

جس وقت عماد الدین زنگی نے موصل کی عنانِ حکومت سنبھالی تو شام اور فِلَسطِین میں عیسائیوں کی چیرہ دستی حد سے گزر چکی تھی اور وہاں کے مسلمان باشندے ان کے رحم و کرم پر تھے۔ عمادالدین نے اپنی فوج کو منظم کر کے عیسائیوں کے خلاف جارحانہ کارروائی جاری رکھی۔ [2]

عمادالدین زنگی ایک نیک سیرت اور ستودہ خصال بادشاہ تھا جو اپنی رعایا کی بہتری میں ہر طرح کوشاں رہتا تھا اور ان کے ساتھ ایک شفیق باپ کی طرح سلوک کرتا تھا۔ اس نے ویران شدہ شہروں کو دوبارہ آباد کیا اور زراعت کو از سر نو فروغ دینے میں خاص طور پر کوشش کی۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا اور ملک میں امن و امان قائم کر کے تجارت کے راستے کھول دیے۔

نورالدین زنگی

عمادالدین زنگی کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا سیف الدین غازی موصل کا بادشاہ بنا اور حلب وغیرہ کی حکومت اس کے دوسرے بیٹے نورالدین محمود کے حصے میں آئی۔ نورالدین نے بھی

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ١٤/ ٤٩

[2] ابن الاثیر، الکامل: ١٠/ ٦٤٣، ٦٦٢

Marfat.com

اپنے نامور باپ کی طرح اپنی تمام عمر عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے میں صرف کردی اور مملکت کے حسن انتظام میں خاص ناموری حاصل کی۔

نورالدین نے انطاکیہ کے نواح میں عیسائیوں کو شکست دے کر آس پاس کے بہت سے قلعے چھین لیے۔ چونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ دمشق کا اہم شہر عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ اس لیے نورالدین نے وہاں کے امیر کو بے دخل کر کے اس کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔ ① اس پر خلیفہ بغداد نے اسے ملک العادل کا خطاب دیا۔

نورالدین محمود زنگی ایک پرہیزگار اور عادل حکمران تھا۔ جس کی نیک سیرت اور عدل وانصاف کی یاد مدت تک لوگوں کے دلوں میں باقی رہی۔ وہ نہ صرف ایک بہادر سپہ سالار اور نیک دل حاکم تھا۔ بلکہ خود عالم بھی تھا اور علماء وفضلاء کی تعظیم وتکریم کرتا تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں بہت سے مدارس اور شفاخانے جاری کیے اور رعایا کی دادرسی کے لیے ایک دارالعدل بھی قائم کیا۔

دوسری صلیبی جنگ

جب اہل یورپ کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے انطاکیہ پر قبضہ کر کے وہاں کی عیسائی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو پادریوں نے ان کو دوبارہ لشکر کشی کرنے پر برانگیختہ کیا۔ چنانچہ سن ۵۴۲ھ۔ ہجری، سن ۱۱۴۷۔ عیسوی میں جرمن شہنشاہ کونرید ثالث اور فرانس کے بادشاہ لوئی ہفتم نے حمایت دین کا بیڑا اُٹھایا اور وہ دونوں اپنے اپنے لشکر لے کر مشرق کی طرف چل دیے۔ ان فوجوں کی مجموعی تعداد نو لاکھ کے قریب تھی۔ جرمن بادشاہ کی بہت سی فوج راستے میں ہلاک ہوگئی۔ اسی طرح شاہ فرانس کی فوجیں بھی جو ایشیائے کوچک کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلی آرہی تھیں، سلجوقیوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئیں۔ چنانچہ جب لوئی انطاکیہ میں وارد ہوا تو اس کی فوج کا تین چوتھائی حصہ برباد ہو چکا تھا۔ عیسائیوں کے لشکر انطاکیہ میں چند ماہ آرام کرنے کے بعد دمشق کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت دمشق میں امیر مُجیر الدین اَبَق کی حکومت تھی۔ اس نے سیف الدین زنگی شاہِ موصل سے مدد مانگی۔ جب سیف الدین اپنے بھائی نورالدین کے ہمراہ اہل دمشق کی امداد کو

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۱/ ۱۹۷

Marfat.com

پہنچا تو عیسائی لشکر محاصرہ اُٹھا کر فلسطین کی طرف چل دیے اور پھر سمندر کے راستے سے اپنے وطن کی طرف واپس روانہ ہو گئے، اس پر دوسری صلیبی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ ①

فاطمیہ مصر کا زوال

چھٹی صدی ہجری کے وسط میں مصر کے فاطمی خاندان کا انحطاط حد سے گزر چکا تھا۔ عاضِد باللہ برائے نام حاکم تھا۔ تمام اختیارات وزیروں کے ہاتھ میں تھے۔ جو امیر طاقتور ہوتا منصب وزارت پر قبضہ کر کے مختارِ کل بن بیٹھتا۔ سن ۵۵۸ ہجری میں امیر ضرغام نے وزیر سلطنت شادر کو قاہرہ سے نکال دیا۔ شادر نے بھاگ کر نور الدین محمود سے مدد کی درخواست کی اور اس کے صلہ میں محاصلِ مصر کا تیسرا حصہ دینے کا وعدہ لیا۔ نور الدین نے ایک لشکر اپنے سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کی سرکردگی میں مصر روانہ کیا۔ شادر کی مسلسل سازشوں سے تنگ آ کر شیرکوہ نے سن ۵۶۴ ہجری، سن ۱۱۶۹ عیسوی میں قاہرہ پر قبضہ کر کے شادر کو قتل کر دیا۔ اسی سال شیرکوہ نے بھی وفات پائی اور عاضد باللہ فاطمی نے صلاح الدین یوسف کو وزیر مقرر کیا۔ صلاح الدین رفتہ رفتہ تمام اُمور سلطنت پر حاوی ہو گیا اور اپنے حسن انتظام اور حسن اخلاق سے ملک میں ہر دلعزیز بن گیا۔ اس نے محرم سن ۵۶۷ ہجری میں خطبہ میں عاضِد فاطمی کی بجائے بغداد کے عباسی خلیفہ کا نام داخل کر دیا۔

اسی اثناء میں عاضد نے وفات پائی اور فاطمی خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ ②

سلطان صلاح الدّین کا عروج

عاضد باللہ کی وفات کے بعد صلاح الدین یوسف مصر کا حاکم بن گیا اور عملی طور پر اس نے ایک خود مختار فرمانروا کی حیثیت اختیار کی۔ حرمین شریفین ایک مدت سے سلطنت مصر کے ساتھ ملحق تھے۔ صلاح الدین نے اپنے بھائی تُوران شاہ کو یمن بھیج کر اس کو بھی اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ اس طرح اس کی قلمرو دُور دُور تک وسیع ہو گئی۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۱/ ۱۲۲، ۲۸۵

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۱/ ۳۶۸

Marfat.com

بیت المقدس کی فتح

بیت المقدس کی عیسائی حکومت اور سلطان صلاح الدین کے درمیان ایک مدت سے صلح کا معاہدہ چلا آ رہا تھا۔ مگر سن ۱۱۸۶۔ عیسوی میں ایک عیسائی سردار نے ایک مسلمان قافلے پر حملہ کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ سلطان نے بیت المقدس کے عیسائی حکمران سے ہرجانہ طلب کیا۔ اس کے انکار کرنے پر سلطان نے چڑھائی کر دی اور حبریہ کے قریب حطین کے مقام پر عیسائی لشکر کو شکست دی۔ (سن ۵۸۳۔ ہجری) دس ہزار عیسائی کھیت رہے اور ان کے اکثر سردار مارے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، معرکہ حطین کے بعد نابُلس، رَملہ، قیصریہ، یافہ اور بیروت کے شہروں نے بھی اسلامی فوجوں کے لیے اپنے دروازے کھول دیے اور عیسائیوں کے پاس صرف صُور، طرابُلس اور عَسقلان کے ساحلی مقامات رہ گئے۔

کچھ عرصے کے بعد اہل عسقلان نے بھی سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔

فتح حِطّین کے بعد سلطان نے بیت المقدس کی طرف رُخ کیا۔ اس وقت وہاں عیسائی آبادی کے علاوہ ساٹھ ہزار سے زیادہ مسلح سپاہ موجود تھی، سلطان نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ عیسائیوں نے پہلے تو مقابلہ کیا مگر پھر دل شکستہ ہو کر امان طلب کی۔ سلطان نے اس کی درخواست منظور کر لی اور شامی اور رومی عیسائیوں کو بدستور وہاں رہنے کی اجازت دی اور دیگر فرنگیوں کو بھی جو اسلامی رعایا کی حیثیت سے رہنا چاہیں قیام کی اجازت بخشی۔ باقی ہتھیار بند فرنگیوں کو حکم دیا کہ اپنے بیوی، بچوں اور مال و اسباب سمیت چالیس دن کے اندر اندر شہر سے نکل جائیں۔ ہر بالغ مرد کے لیے دس دینار زرِ فدیہ مقرر کیا۔ مگر ہزاروں لوگوں کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا۔ جو لوگ نادار تھے ان کو صدقہ و خیرات سے امداد دی۔ بلکہ بوڑھے اور ضعیف لوگوں کو سواری کے جانور بہم پہنچائے۔ جب تمام عیسائی سپاہی اور دیگر فرنگی شہر سے نکل گئے تو سلطان جمعہ کے روز ۲۷ رجب سن ۵۸۳۔ ہجری، سن ۱۱۸۷۔ عیسوی کو اپنے رئیسوں اور امیروں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور بیت المقدس نوے سال کے وقفہ کے بعد دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ سلطان نے شہر کا نظم و نسق درست کیا اور جو مسجدیں اور مدرسے گزشتہ لڑائیوں سے منہدم ہو چکے تھے ان کی دوبارہ تعمیر کا حکم دیا۔ ①

① ابن الاثیر، الکامل: ۵۴۶/۱۱

Marfat.com

تیسری صلیبی جنگ

جب یورپ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں نے بیت المقدس دوبارہ لے لیا ہے، تو پاپائے روم نے یورپ کے بادشاہوں اور امیروں کو ارضِ مقدس کی حفاظت میں ہتھیار اُٹھانے پر برانگیختہ کیا۔ چنانچہ فریڈرک باربروسہ شہنشاہ جرمنی، فیلیپ آگسٹس شاہ فرانس اور رچرڈ شاہ انگلستان نے جنگ میں شرکت کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ شاہ فرانس کی فوجیں شام کے ساحل پر اُتر کر صُور کی بندرگاہ میں جمع ہوئیں اور وہاں سے چل کر اُنھوں نے سن ۵۸۵۔ ہجری میں عَکّہ کا محاصرہ کیا۔ سلطان صلاح الدین شہر والوں کی امداد کو آیا اور فریقین میں کئی خونریز معرکے ہوئے۔ مگر باوجود مسلسل کوشش کے سلطان عیسائی لشکر کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکا اور نہ ہی عیسائی شہر کو فتح کر سکے۔ اسی اثناء میں خبر پہنچی کہ جرمن بادشاہ فریڈرک اپنی سپاہ کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ مگر وہ ایشیائے کوچک کا علاقہ طے کرنے کے بعد ایک دریا میں ڈوب کر مر گیا اور اس کے لشکر کے بہت سے سپاہی واپس چلے گئے (جون، سن ۱۰۹۰۔ عیسوی)۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد انگلستان کا بادشاہ رچرڈ تازہ دم فوج اور سامان جنگ کے ساتھ فِلَسْطِین میں وارد ہوا۔ اس کی آمد سے عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور اُنھوں نے عکہ کے محاصرہ میں اور بھی سختی دکھائی۔ محصورین نے لاچار ہو کر آخر کار سن ۵۸۷۔ ہجری میں اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ ان کو جان کی امان دی جائے گی۔ مگر جب زرِ فدیہ کی ادائیگی میں قدرے تاخیر ہوئی تو رچرڈ نے مسلمان لشکریوں کو بے دردی سے قتل کر دیا۔

عکہ کی فتح کے بعد رچرڈ ساحل کے ساتھ ساتھ عَسقلان کی طرف بڑھا۔ مگر سلطان نے رچرڈ کو بیت المقدس کی طرف ایک قدم نہ بڑھنے دیا۔ چونکہ شاہ انگلستان جلد واپس جانا چاہتا تھا۔ اس لیے فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ عیسائی زائرین بلامزاحمت بیت المقدس کی زیارت کر سکیں گے۔ [1] تیسری صلیبی جنگ اپنے مقصد کے لحاظ سے ناکام رہی۔ صرف چند ایک ساحلی مقامات مثلاً: عکہ، یافہ، طرابلس، الشام اور انطاکیہ وغیرہ پر عیسائیوں کا تسلط رہا۔

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۲/ ۳۲، ۸۷

Marfat.com

سلطان صلاح الدین کی سیرت اور وفات

شاہ رچرڈ کے فِلسطین سے رخصت ہونے کے بعد سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس میں کچھ مدت آرام کیا اور شہر کا انتظام درست کر کے وہاں ایک مدرسہ اور شفاخانہ قائم کیا۔ اس کے بعد ساحلی استحکامات کا معائنہ کرتے ہوئے دمشق پہنچا اور اپنے خاندان سمیت وہاں قیام پذیر ہوا۔ مگر کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ پیغام اجل آ پہنچا اور یہ کریم النفس سلطان صَفر سن ۵۸۹ ہجری، سن ۱۱۹۳ عیسوی میں ۵۷ سال کی عمر پا کر راہی ملک بقا ہوا۔ ①

صلاح الدین ایک بڑا نیک سیرت، شجاع، فیاض اور مدبر سلطان تھا۔ اس نے اپنی تمام عمر مسلمانوں کی منتشر قوتوں کو جمع کرنے اور مملکتِ اسلام کی حفاظت میں صرف کر دی اور مسلسل جنگ و جدال سے جو نقصان ملک و قوم کو پہنچا تھا، اس کی تلافی کی کوشش کی۔ سلطنت کے استحکام کے لیے قلعوں کو درست کیا۔ برباد شدہ مساجد اور عمارات کو دوبارہ تعمیر کیا اور جا بجا مدرسے اور شفاخانے قائم کیے۔ وہ علماء اور صلحاء کا قدردان تھا اور بہت سے فاضل لوگ اس کے دربار میں مختلف خدمات پر متعین تھے۔ جن سے وہ اُمور سلطنت میں مشورہ لیتا تھا۔ رحمدلی اور خداترسی اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ سب کے ساتھ لطف و مدارت سے پیش آتا تھا۔ یہاں تک کہ دشمن اس کے ایفائے عہد، اعلیٰ ظرفی، حسن سلوک کے قائل تھے۔ اس نے نہ صرف دور دور تک اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی بلکہ شرافت اور مروت کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے اپنے دشمنوں سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔

صلیبی جنگوں کا خاتمہ اور ان کے نتائج

سلطان صلاح الدین کی وفات کے بعد اس کی اولاد نے مصر، دمشق اور الجزائر میں الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں۔ ان میں سے مصر کا خاندان زیادہ پرشوکت اور دیرپا ثابت ہوا۔ یہ حکمران سلطان صلاح الدین کے والد نجم الدین ایوب کے نام پر ایوبی کہلائے۔ جب ایوبی خاندان کی مختلف شاخیں آپس میں مصروفِ پیکار تھیں تو عیسائیوں نے بیروت، صَفا، طریہ اور عسقلان کے

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۴۱۸

Marfat.com

شہر دوبارہ فتح کر لیے۔ مگر وہ مسلمان حکمرانوں کی نا اتفاقی سے پورا فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ خود عیسائی امیروں کے درمیان یک جہتی مفقود تھی۔ اگرچہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر عیسائی لشکر اپنے اصلی مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

صلیبی جنگوں کے اثرات

صلیبی جنگوں سے، جن کا سلسلہ دو سو سال تک جاری رہا، یورپ اور ایشیا دونوں براعظموں میں نہایت گہرے اور دور رس نتائج پیدا ہوئے، فریقین کا بے انداز جانی نقصان ہوا۔ خصوصاً شام اور فلسطین میں ان کے سبب سے بہت تباہی پھیلی۔ مسلسل لڑائیوں سے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان عداوت اور منافرت کا جذبہ زوروں پر رہا۔ جس کے اثرات آج تک باقی ہیں۔ یورپ میں جاگیردار امیروں کا زور ٹوٹ گیا اور اس کی بجائے کلیسا کا اثر و رسوخ پہلے کی نسبت بڑھ گیا۔ یورپ کے جو عیسائی شام اور فلسطین میں آباد ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے مقامی مسلمانوں کے میل جول سے مشرقی تمدن کے بہت سے عناصر کو قبول کیا اور مشرقی طرز کے لباس، خوراک اور مکانات کو بہت حد تک اختیار کیا۔ اس کے علاوہ وہ مشرقی رسوم و آداب، علوم و فنون اور صنائع و حرف سے بھی کم و بیش آشنا ہوئے۔ ان علوم کا اثر رفتہ رفتہ عرب تک جا پہنچا اور وہاں کی تمدنی ترقی میں ممد و مددگار ثابت ہوئے۔

❁❁❁

Marfat.com

گیارھواں باب

عہد عباسی کا پانچواں دَور

سلاجقہ کے زوال سے سقوطِ بغداد تک

۵۹۰ھ تا ۶۵۶ھ

عباسی عہد کا پانچواں اور آخری دَور ٦٦ سال کا ہے جو سلاجقہ کے زوال کے بعد شروع ہوا۔ اس دور میں عباسی خلفاء نے اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کیا مگر یہ اقتدار دیرپا ثابت نہ ہو سکا، کیونکہ اس کے جلد بعد ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں اسلامی ملکوں پر تاتاریوں کے حملے شروع ہو گئے اور اُنھوں نے آخر کار سن ٦٥٦۔ہجری میں دارالخلافہ بغداد کو تباہ کر کے خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا۔

بغداد کی حالت سلاجقہ کے بعد

جس زمانے میں سلاجقہ کی حکومت زوال پذیر تھی، بغداد کی مسند خلافت پر مقتفی لأمراللہ متمکن تھا۔ جب سلاجقہ کا دستِ قدرت کمزور پڑ گیا تو خلیفہ نے سلجوقی حکام کو بغداد سے نکال دیا اور ان کی جائیداد ضبط کر لی۔ اس نے ایک فوج تیار کر کے عراق کا بہت سا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا اور اس کے بندوبست پر پوری توجہ دی۔ مقتفی نے اپنی کوشش سے خلافت کا کھویا ہوا وقار دوبارہ قائم کیا اور پچیس سال کی حکومت کے بعد سن ۵۵۵۔ہجری، سن ١١٦٠۔عیسوی میں وفات پائی۔

خلیفہ مقتفی کے بعد اس کا بیٹا یوسف مُستنجد باللہ کے لقب سے خلیفہ بنا۔ وہ ایک عادل اور باہمت حکمران تھا جس نے مفسدوں اور باغیوں کو سختی سے دبایا اور اپنی حکومت کو وسیع کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی وفات (سن ٥٦٦۔ہجری) کے بعد اس کا بیٹا مُستضی کے لقب سے خلیفہ بنا۔ اس کے زمانے میں عراق میں امن رہا اور رعایا خوش حال رہی۔

Marfat.com

اس کے عہد میں صلاح الدین یوسف نے فاطمی خاندان کا خاتمہ کر کے مصر اور اس کے ملحقات میں خلیفہ بغداد کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ اس سے خلافت بغداد کا روحانی اقتدار دور دور تک وسیع ہو گیا۔ مستضی نے سن ۵۷۵ ہجری میں انتقال کیا اور اس کا بیٹا احمد ''الناصر لدین اللہ'' کے لقب سے خلیفہ بنا۔ ①

خلیفہ الناصر

خلیفہ ناصر ایک قابل اور ہوشیار حکمران تھا جو نہ صرف بغداد بلکہ دُور دُور کے ملکوں کے حالات سے باخبر رہتا تھا مگر انتظامی اُمور میں بعض اوقات حد سے زیادہ سخت گیری سے کام لیتا تھا۔ اس کے عہد میں علم و فضل کا چرچا رہا اور مدرسے اور کتب خانے آباد رہے۔ اس نے ایک طاقتور فوج تیار کی اور الجزیرہ اور ایران کے علاقوں میں اپنی حکومت وسیع کی اور دُور دُور کے حکمرانوں سے بیعت لینے کی کوشش کی۔ اس کی خارجی حکمت عملی کا یہ بھی نصب العین تھا کہ سلاجقہ ایران کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر انھیں نیست و نابود کر دے۔

چنانچہ اس نے اس غرض سے خوارِزم کے فرمانرواؤں کے ساتھ ساز باز کی مگر جب خوارزم شاہیوں نے سلاجقہ ایران کا خاتمہ کر دیا تو ان کے ساتھ بھی خلیفہ بغداد کے تعلقات خراب ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں خاندان تباہ ہو گئے۔ اگرچہ خلیفہ الناصر کے عہد میں بغداد میں امن و امان قائم رہا مگر دُنیائے اسلام کے مشرقی ملکوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

تاتاریوں نے منگولیہ کے میدانوں سے نکل کر مشرق و مغرب کے بہت سے ملکوں مثلاً: چین، یورپ، تُرکستان اور خُراسان کو تہ و بالا کر ڈالا اور اسلامی ملکوں پر حملہ کر کے ترکستان اور خراسان کے بہت سے شہروں کو بے چراغ کر دیا۔ ②

خوارِزم شاہیہ

اس خاندان کا مستقر خوارزم یعنی خیوا کا علاقہ تھا جسے ملک شاہ سلجوقی نے اپنے امیر انوشتگین کو

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۴/ ۱۵۸، ۲۰۵

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۱/ ۴۵۹

Marfat.com

جاگیر کے طور پر دے رکھا تھا۔ انوشگین کے بعد اس کا بیٹا محمد اس کا جانشین بنا۔ سلطان سنجر نے اس کی کارگزاری سے خوش ہوکر اسے خوارزم شاہ کا لقب دیا اور وہی اس خاندان کا بانی سمجھا جاتا ہے۔

محمد خوارزم شاہ کے بعد اس کا بیٹا اَتسِز نے خوارزم کی ولایت کا جانشین بنا اور اس نے سنجر کے خلاف کئی بار بغاوت کر کے مطلق العنان بننے کی کوشش کی مگر آخرکار طرفین میں صلح ہوگئی۔

سنجر کی وفات کے بعد خوارزم شاہی کلیۃً خودمختار ہوگئے۔

اَتسِز کا پوتا تکُش خلیفہ ناصر کا ہمعصر تھا۔ جب سن ۵۸۷۔ہجری میں آخری سلجوقی سلطان طغرل خانہ جنگی میں مارا گیا اور خوارزم شاہ تکش متوفی سن ۵۹۶۔ہجری، نے ایران میں پیش قدمی کر کے جبال وغیرہ کے علاقے پر قبضہ کرلیا تو خلیفہ ناصر نے بھی اسے ان ملکوں کا باضابطہ فرمانروا تسلیم کیا۔ ①

تکش کی وفات سن ۵۹۶۔ہجری کے بعد اس کے بیٹے علاؤالدین محمد نے اتابیگانِ فارس کو حکومت سے بے دخل کر کے جنوبی ایران پر قبضہ کرلیا اور خلیفہ بغداد سے درخواست کی کہ خطبہ میں اس کا نام نائب السلطنت کی حیثیت سے لیا جائے گا۔ جب خلیفہ نے انکار کیا تو علاؤالدین نے بغداد پر لشکرکشی کردی مگر اس کی فوج کا اکثر حصہ برفباری سے راستہ ہی میں ہلاک ہوگیا۔

علاؤالدین نے اپنے دارالحکومت کی طرف مراجعت کی اور اپنے تمام مقبوضات میں خلیفہ کا نام خطبہ سے نکال دیا۔

تاتاریوں کا ظہور

تُرکِستان کے مشرق کی طرف دریائے آمور کے ساحل تک منگولیا کا لق و دق صحرا پھیلا ہوا ہے جس کو تاتار بھی کہتے ہیں۔ یہ صحرا قدیم الایام سے نیم وحشی قوموں کا مسکن رہا ہے۔ اگرچہ تاتاری لوگ مختلف قبیلوں میں منقسم تھے مگر قومیت اور شکل و شباہت کے لحاظ سے ایک ہی نسل سے تھے۔

بارہویں صدی کے وسط میں (سن ۱۱۵۵۔عیسوی) کو ان کے ہاں ایک دلیر اور باہمت سردار پیدا ہوا۔ اس کا اصلی نام تموچن تھا مگر وہ تاریخ میں چنگیز خاں کے لقب سے مشہور ہے۔

① ابن الاثیر، الکامل: ۲۶۷/۱۰، ۲۶۸_۱۰۶/۱۲، ۱۸۵

Marfat.com

اس نے متفرق تاتاری قبائل کو اپنے جھنڈے تلے جمع کیا اور اپنے دائرہ حکومت کو وسیع کرنا شروع کیا۔ تاتاری لوگ بالعموم گھوڑے پالتے تھے۔ انھی کے دودھ اور گوشت پر ان کا گزارہ تھا اور چمڑے کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے۔ وہ جنگ کے موقع پر تیر کمان کے ساتھ لڑتے تھے اور بڑے شہسوار تھے۔ ان کی فوجوں کی برق رفتاری کا راز اسی شہسواری میں مضمر تھا۔

غارت تاتار

جب تاتاریوں نے سن ۱۱۹۹ء عیسوی میں چنگیز خان کو اپنا خاقانِ اعظم تسلیم کیا تو اس نے جنوب اور مشرق کی طرف اپنی سلطنت کو وسیع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس نے سن ۱۲۱۴ء عیسوی میں پیکنگ کو فتح کر کے شمالی چین پر قبضہ کرلیا، پھر اس نے اسلامی ملکوں کا رُخ کیا۔ چنگیز خاں کے عروج کے زمانہ میں ایران اور تُرکستان سے سلجوقیوں کی سلطنت مٹ چکی تھی اور چنگیزی سلطنت کے متصل خوارِزم شاہیوں کی مملکت تھی۔ ان ہر دو سلطنتوں کے درمیان تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے اور سوداگروں کے قافلے ایک ملک سے دوسرے ملک کو آیا جایا کرتے تھے۔

سن ۶۱۵ ہجری، سن ۱۲۱۸ عیسوی میں تاجروں کا ایک قافلہ تاتار سے ترکستان کی طرف آیا، ان میں سے اکثر لوگ مسلمان تھے۔ جب وہ اُترار کے سرحدی شہر میں اُترے تو وہاں کے حاکم نے ان کو جاسوسی کے شبہ میں قتل کر ڈالا اور ان کا مال ضبط کر کے سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے پاس بھیج دیا۔ چنگیز خاں نے سلطان کے پاس اپنا سفیر بھیج کر نقصان کی تلافی چاہی۔ سلطان نے کوتاہ اندیشی سے سفیر کو بھی قتل کر دیا۔

اس پر چنگیز خاں نے غضبناک ہو کر تُرکستان پر چڑھائی کر دی۔

جب سلطان علاؤالدین نے دیکھا کہ چنگیز خاں کے ساتھ جنگ ناگزیر ہے تو اس نے تاتاری سلطنت پر حملہ کرنے میں سبقت کی مگر شکست کھائی۔ چنگیز خاں نے لشکر کشی کی اور خوارزم شاہ کی فوجوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا اور بخارا کا محاصرہ کرلیا۔

اہل بخارا تاب مقاومت نہ لا سکے اور شہر حملہ آوروں کے حوالے کر دیا۔

چنگیز خاں نے شہر پر قبضہ کر کے قتل عام کیا۔ باشندوں کا مال و اسباب لوٹا اور شہر کو آگ لگا

Marfat.com

کر خاکستر کر دیا۔ بخارا کو ویران کرنے کے بعد چنگیز خاں نے سمرقند کا رُخ کیا جو ماوراء النہر کا دارالحکومت اور ایک بارونق تجارتی مرکز تھا۔ شہر کی حفاظت کے لیے ایک لاکھ فوج موجود تھی۔ اس نے تاتاریوں کا مقابلہ کیا مگر ان کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔

عمائد شہر نے باہر نکل کر اظہار اطاعت کیا اور شہر چنگیز خاں کے حوالے کر دیا۔ مگر باوجود اس کے تاتاریوں نے شہر لوٹ لیا اور ہزارہا لوگوں کو قتل کر دیا۔ جو بچ رہے ان کو اپنی خدمت کے لیے غلام بنالیا۔ اہل بلخ نے اظہار اطاعت کے ساتھ چنگیز خاں کے پاس تحفے اور ہدیے بھیجے مگر تاتاریوں نے ان کو بھی بلا تمیز قتل کر دیا اور شہر کو تباہ کر دیا۔ پھر اُنھوں نے خُراسان کا رُخ کیا اور وہاں نساء، نیشاپور، ہرات وغیرہ شہروں کو برباد کیا۔ اسی طرح شمالی ایران میں ان کے ہاتھوں رَے، دینور اور ہمذان ویران ہوئے اور وہاں ہزاروں باشندے ہلاک ہو گئے۔

چنگیز خاں نے علاؤ الدین محمد کے خاندان کو گرفتار کر کے مردوں کو قتل کر ڈالا۔ صرف سلطان کے تین لڑکے بھاگ کر جان بچا سکے۔ چنگیز خاں نے ایک فوج علاؤ الدین کے تعاقب میں بھیجی۔ وہ شہر بہ شہر بھٹکتا ہوا آخر کار بحیرۂ خزر کے ایک جزیرے میں فوت ہو گیا اور سن ۶۱۷۔ ہجری، سن ۱۲۲۰۔ عیسوی میں اس کا بیٹا جلال الدین اس کا جانشین ہوا۔ اس نے تازہ دم فوج تیار کر کے نہایت بہادری سے تاتاریوں کے ساتھ جنگ کی مگر ان کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا۔

چنگیز خاں نے بذاتِ خود اس کا خُوارِزم سے ہرات، ہرات سے غزنی اور غزنی سے ہندوستان کی سرحد تک پیچھا کیا، مگر جلال الدین دریائے سندھ عُبور کر کے ہندوستان سے نکل کر چند سال ایران میں لڑتا رہا، مگر کہیں اس کے قدم نہ جم سکے۔ [1]

تاتاریوں کی غارتگری سے تُرکِستان اور خُراسان ویران ہو گئے اور تہذیب وتمدن کی وہ عمارت جو صدیوں کی مسلسل کوشش سے تیار ہوئی تھی، چند سالوں میں برباد ہو گئی۔ صنعت وحرفت اور علوم وفنون معدوم ہو گئے اور ملک پر جہالت کی تاریکی چھا گئی۔ وہ علاقے جو اپنی شادابی اور زرخیزی میں مشہور تھے، ویران بن گئے شہر اور گاؤں اُجڑ گئے اور وہاں کے باشندے یا تو مارے

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۲/۳۶۱، ۳۶۲۔

Marfat.com

گئے یا تاتاری ان کو غلام بنا کر لے گئے۔

اگرچہ ایران اور دوسرے مغربی ممالک آہستہ آہستہ از سرنو آباد ہو گئے مگر بخارا اور سمرقند ایسے اُجڑے کہ وہاں علوم وفنون کو پہلا سا فروغ کبھی حاصل نہ ہو سکا۔

خلیفہ مستنصر باللہ

خلیفہ ناصر کے بعد اس کا بیٹا ظاہر خلیفہ بنا مگر وہ نو ماہ کی حکومت کر کے انتقال کر گیا اور اس کے بیٹے نے مستنصر باللہ کے لقب سے یہ خلافت سنبھالی۔ مستنصر نہایت فیاض، سیر چشم اور عالی حوصلہ تھا۔ اس نے رفاہِ عام کے لیے بہت سے پل اور سرائیں بنوائیں اور بغداد میں دِجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک عالی شان مدرسہ بھی بنوایا جو مدرسہ مستنصریہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تعمیر کا کام سن ۶۱۵ ۔ہجری میں شروع ہو کر سن ۶۲۱ ۔ہجری میں ختم ہوا۔[1] خلیفہ نے تعلیم و تدریس کے لیے بڑے بڑے عالم مقرر کیے۔ علم حدیث، فقہ، نحو، طب، ہیئت وغیرہ علوم کے استاد الگ الگ تھے۔ ان سب کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کی کفالت مدرسہ کے ذمہ تھی۔ ان تمام اخراجات کے لیے بہت سے گاؤں وقف تھے۔ مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں نفیس اور عمدہ کتابیں کثیر تعداد میں جمع تھیں۔ اس مدرسہ کی عمارت کا ایک حصہ آج تک باقی ہے۔

مستنصر کے عہد میں چنگیز خاں نے سن ۶۲۴ ۔ہجری، سن ۱۲۲۷۔عیسوی میں انتقال کیا اور ایک وسیع سلطنت اس کے چار بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ خُراسان اور ایران کے ملک عراق تک اس کے تیسرے بیٹے تولے خاں کے حصے میں آئی۔ اس نے ایران کے باقی ماندہ حصوں پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کیا اور جلال الدین خوارِزم شاہ کی بیخ کنی کے لیے جو اس وقت آذربائیجان میں تھا، ایک فوج روانہ کی۔ جلال الدین نے کردستان کے پہاڑوں میں پناہ لی جہاں وہ کسی گمنام شخص کے ہاتھوں سن ۶۲۸ ۔ہجری میں مارا گیا۔[2]

اس کی موت سے خوارزم شاہی خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور ایران کے تمام صوبے عراق کی

---

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۴۲۴

② ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۵/۱۵۹، ۱۸۳

Marfat.com

سرحد تک تا تاریوں کے قبضے میں آ گئے جس سے بغداد خطرے میں پڑ گیا۔

مستعصم باللہ ۶۴۱ھ تا ۶۵۶ھ

خلیفہ مستنصر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ سن ۶۴۱۔ہجری میں مستعصم باللہ کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا۔ وہ کمزور دل، غیر مستقل مزاج اور لہو ولعب کا دلدادہ تھا۔ اس کے زمانے میں بغداد میں فتنہ وفساد کا بازار گرم رہا۔ حنبلی جو پیشتر بھی بغداد کے امن میں خلل ڈال چکے تھے حنفیوں کے ساتھ الجھتے رہے۔ اسی طرح تہی دست اوباش امراء اور دوسرے اعلیٰ طبقے کے لوگوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ مگر اس سے بھی زیادہ قابل افسوس اور مضرت رساں شیعہ اور سنیوں کی باہمی عداوت تھی جس کی آگ بنو بویہ کے وقت سے وقتاً فوقتاً بھڑکتی اور بغداد کے خرمن امن کو جلاتی رہتی تھی۔

اس قسم کا فساد اور فتنہ مستعصم کے زمانے میں بھی برپا ہوا اور جنگ وجدال تک نوبت پہنچی۔ خلیفہ کے بیٹے ابوبکر اور رکن الدین وفادار نے فوج کو شیعوں پر حملہ کرنے پر برانگیختہ کیا جو کرخ کے محلّہ میں آباد تھا۔ سُنیوں نے حملہ کر کے کرخ کو لوٹ لیا، عمارات کو مسمار کر دیا، باشندوں کو مارا پیٹا اور بے عزت کیا۔ خلیفہ کا وزیر ابن علقمی مذہباً شیعہ تھا۔ اسے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی تباہی پر بڑا رنج ہوا۔ چنانچہ اس نے جذبۂ انتقام سے متاثر ہو کر تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔

سقوطِ بغداد ۶۵۶ھ، ۱۲۵۸ء

تولے خاں کی وفات سن ۶۵۴۔ہجری کے بعد اس کے بیٹے منگو خاں نے اپنے چھوٹے بھائی ہلاکو خاں کو باقی ماندہ اسلامی ملکوں کی تسخیر پر مقرر کیا۔ جب ہلاکو کو اہل بغداد کی باہمی نزاع کا حال معلوم ہوا اور بغداد کے منافق امراء نے اسے دارالخلافہ پر حملہ کرنے کے لیے اُبھارا تو اس نے سن ۶۵۶۔ہجری کی ابتداء میں عراق پر فوج کشی کی اور بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ تاتاریوں نے شہر کے اردگرد بلند مقامات پر منجنیقیں نصب کر دیں اور شہر پر پتھر اور آتشیں گولے پھینکنے شروع کر دیے۔ جس سے شہر پناہ ٹوٹ گئی اور کئی جگہ آگ لگ گئی۔

Marfat.com

ہلاکو نے خلیفہ کے کئی ایک ممتاز درباریوں کو اپنی لشکر گاہ میں دھوکہ سے قتل کر دیا۔ جب خلیفہ مستعصم نے دیکھا کہ اس کے مقابلے کی طاقت نہیں تو اس نے علقمی کے مشورے سے اپنے آپ کو، اپنے خاندان اور اہل دربار سمیت ہلاکو کے حوالے کر دیا۔ جب دارالخلافہ محافظ فوج سے خالی ہو گیا تو ہلاکو نے اپنے لشکر کو اہل بغداد کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ تاتاریوں نے شہر میں داخل ہو کر باشندوں کو بے دریغ تہ تیغ اور شہر کو برباد کرنا شروع کیا جس سے شہر میں خون کی ندیاں بہنیں لگیں۔ محلات، مساجد، مدارس اور مقابر نذر آتش ہو گئے۔ وحشی تاتاریوں نے کتب خانوں کو جلا دیا یا دجلہ میں پھینک دیا۔ غرض پانچ صدیوں کی مسلسل تمدنی اور علمی ترقی کے آثار و ذخائر چند دنوں میں برباد ہو گئے اور وہ دارالخلافہ جو علوم کا گہوارہ اور تہذیب و تمدن کا مرکز، دنیائے اسلام کا چشم و چراغ اور بیس لاکھ آدمیوں کا مسکن تھا، کھنڈروں میں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ تین دن کے قتل عام کے بعد ہلاکو نے خلیفہ کو بھی اس کے خاندان سمیت قتل کر دیا جس سے بغداد کے خلفاء کا خاتمہ ہو گیا۔ ①

❁❁❁

① ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۱۵/ ۳۴۹

Marfat.com

دولتِ عباسیہ کے زوال کے اسباب

خلافت عباسیہ کے زوال کے اسباب حسب ذیل ہیں:

(۱) ترکوں کی چیرہ دستی

عباسی خاندان کے آٹھویں خلیفہ معتصم نے اپنی فوج کی قوت بڑھانے کے لیے وسط ایشیا سے ترک لشکری فراہم کیے اور ان کی ایک فوج تیار کی جس کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ جو افسر ذاتی وجاہت اور خاص قابلیت کے مالک تھے وہ ترقی کر کے سپہ سالاری کے منصب سے سرفراز ہوئے۔ اگر چہ ابتداء میں ترکوں کے ذریعہ بڑی فتوحات حاصل ہوئیں مگر وہ آہستہ آہستہ حکومت پر چھا گئے اور خلفاء کے اقتدار سے باہر ہو گئے اور ان کی خودسری اس حد تک بڑھ گئی کہ خلفاء ان کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔

ترک سپہ سالار جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے اور جب چاہتے اُتار دیتے۔ جب دسواں خلیفہ متوکل تخت پر بیٹھا تو ترک لشکریوں کے اختیارات حد سے بڑھ چکے تھے۔ اس نے ان کا زور توڑنا چاہا۔ چنانچہ اس نے ایک ترک افسر ایتاخ کو قید کر دیا اور دوسرے کئی افسروں کی جاگیریں ضبط کر لیں مگر اس طرزِ عمل سے ترک افسر اور لشکری بدگمان ہو گئے اور اس کے دشمن بن گئے۔

چنانچہ جب متوکل اور اس کے بیٹے محمد مستنصر کے درمیان رنجش پیدا ہوئی اور محمد اپنے باپ کے خلاف ترکوں سے ساز باز کرنے لگا تو ترک افسر خوشی سے اس کی سازش میں شریک ہو گئے اور اُنھوں نے اس کے ساتھ مل کر خلیفہ کو قتل کر ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کا وقار خاک میں مل گیا اور ترک افسر اور زیادہ بے باک اور خودسر ہو گئے اور بنی بُویہ (دیلمیوں) کی آمد تک حکومت کے کاروبار پر چھائے رہے۔ چنانچہ ترکی فوجوں کی چیرہ دستی اور خودسری عباسی خلفاء کی کمزوری کا سب سے پہلا سبب ثابت ہوئی۔

Marfat.com

(۲) عربوں کی بددلی اور علیحدگی

جب عباسی خلفاء نے عربوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں توازن پیدا کرنے کے لیے ترکوں کو فوج میں بھرتی کیا تو اس کا نتیجہ نہ صرف یہ ہوا کہ ترک لشکری اور ان کے افسر جلد ہی خود سر ہو گئے اور خلفاء ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے، بلکہ اس طرزِ عمل سے عرب لوگ بھی اس سے بدظن ہو گئے۔

اس سے پیشتر اُموی عہد میں عرب لوگ اسلامی سلطنت کے پشتی بان تھے اور اس کے حامی و ناصر۔ مگر عباسیوں کے زمانہ میں وہ فوجی خدمت سے برطرف کر دیے گئے اور ان کی پہلی سی قدر و منزلت جاتی رہی۔ جب ان کے لیے ملک گیری اور جہاں بانی کی گنجائش باقی نہ رہی تو اُنھوں نے اپنے آبائی وطن یعنی دیارِ عرب کی راہ لی اور جاہلی زمانہ کی بدوی زندگی اختیار کر کے ایک دوسرے پر تاخت و تاراج شروع کر دی جس سے تمام بلادِ عرب میں بدنظمی پھیل گئی۔

عباسیوں نے اس شورش کو فرو کرنے کے لیے عرب میں ترک فوجیں بھیج دیں۔ اُنھوں نے عربی قبائل کو شکست دی اور خوب پامال کیا۔ اس سے عربوں کے قومی وقار کو بہت صدمہ پہنچا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی اپنی قوم یعنی عربوں کی حمایت سے محروم ہو گئے اور عربوں کو چھوڑ کر اُنھوں نے جن لوگوں پر بھروسہ کیا تھا اور جن کی حمایت کی اُمید باندھی تھی اس میں ناکام رہے۔ ①

(۳) علویوں کی مخالفت

عباسیوں کے زوال کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ خلافت کے معاملہ میں علوی ان کے رقیب اور حریف بن گئے اور ان کی مخالفت پر کمربستہ رہے اور عباسی ان کی مخالفت سے خوف کھاتے رہے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی قرابت داری کی وجہ سے اہل بیت اپنے آپ کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے اور بہت سے لوگ ان کے دعوے کو تسلیم کرتے اور ان کی طرف داری کرتے تھے۔ چنانچہ اُموی عہد میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، زید بن علی بن حسین اور ان کے بیٹے یحییٰ خلافت کے لیے اُٹھے لیکن اپنے مقصد میں ناکام رہے۔

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۱۲/ ۳۵۸، ۳۹۸

Marfat.com

جب عباسیوں نے بنی اُمیہ کے خلاف تحریک شروع کی تو اُنھوں نے اس عقیدت سے بہت فائدہ اُٹھایا جو لوگوں کو اہل بیت سے تھی۔ جب وہ بنی اُمیہ کا خاتمہ کر چکے تو خود خلافت پر قابض ہو گئے اور علوی خاندان کے لوگ جو خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے ان کا منہ دیکھتے رہ گئے اور ان کو اُمویوں کی طرح غاصب اور ظالم سمجھنے لگے۔ اگرچہ سفاح نے ان کو مال و دولت دے کر عارضی طور پر خاموش کر دیا مگر خلافت کا خیال ان کے دل سے زائل نہ ہو سکا۔ چنانچہ منصور کے عہد میں نفس زکیہ مدینہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم بصرہ میں عباسیوں کے خلاف اُٹھے۔ اگرچہ وہ ناکام رہے مگر عباسیوں کے شکوک علویوں کی طرف سے اور بڑھ گئے۔

ان کی سخت نگرانی شروع کر دی اور ان پر بہت سی پابندیاں لگا دیں۔

چنانچہ ان سے تنگ آ کر علوی وقتاً فوقتاً حکومت کے خلاف اُٹھتے رہے اور بعض نے اسلامی سلطنت کے دور افتادہ حصوں میں جا کر اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ مثلاً نفس زکیہ کے بھائی ادریس نے مغرب اقصیٰ (مرّاکش) میں اور حسن بن زید نے طبرستان میں۔

اس سے سلطنت عباسیہ میں بڑا رخنہ پیدا ہو گیا۔

ان واقعات کے بعد عباسی خلفاء نے علوی خاندان کے لوگوں کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ خلیفہ ہارون نے امام موسیٰ کاظم کو بغداد میں کئی سال نظر بند رکھا اور وہ اسی نظر بندی کی حالت میں انتقال کر گئے۔ اس کے بعد خلیفہ مامون نے شیعوں کے امام ہشتم یعنی علی رضا کو اپنا ولی عہد بنایا اور خلافت کو علویوں کی طرف منتقل کرنا چاہا لیکن اس اقدام سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ اس کے اپنے خاندان والے اس سے ناراض ہو گئے اور اس کو خلافت سے الگ کرنا چاہا۔ اس کے بعد جلد ہی امام علی رضا فوت ہو گئے اور لوگوں نے قرائن کے پیشِ نظر خلیفہ مامون ہی کو ان کی وفات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

عباسی خاندان کا دسواں خلیفہ متوکل علویوں اور شیعوں کا جو ان کے معتقد تھے، بڑا دشمن تھا اور ان پر بڑی سختی کرتا تھا۔ اس نے امام علی نقی کو مدینہ سے گرفتار کر کے دارالخلافہ منگوایا اور اپنی نگرانی میں رکھا۔ اس کے علاوہ کربلا میں موجود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مرقد کو کھود ڈالا اور

Marfat.com

لوگوں کو اس کی زیارت سے روکا،① جس سے علویوں کی باہمی کشیدگی انتہا کو پہنچ گئی۔

تیسری صدی ہجری میں قرامطہ نے عباسی خلفاء کے خلاف سر اُٹھایا۔ ان لوگوں نے بھی اپنی تحریک شیعی اماموں کے نام سے شروع کی اور کہا کہ امام جو اس وقت مستور یعنی پوشیدہ ہے، عنقریب ظہور کرے گا اور تمھیں حاکموں کے ظلم وستم سے نجات دلائے گا۔ اُنھوں نے شاہی فوجوں کے ساتھ بہت سی لڑائیاں لڑیں اور عباسی خلافت کو بہت ضعف پہنچایا۔

چوتھی صدی ہجری میں بنو بُویہ نے، جو شیعی تھے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اُنھوں نے بغداد میں شیعی رسوم کو فروغ دیا اور عباسی خلفاء کے دینی اثر کو بہت حد تک بٹھا دیا۔② اس کے زمانے سے دارالخلافہ میں شیعہ سُنی فساد شروع ہوا، جس سے دونوں فریقوں کو بہت نقصان پہنچا اور مسلمان مجموعی طور پر کمزور ہو گئے۔

غرضیکہ عباسیوں اور علویوں کی باہمی کش مکش برابر جاری رہی، یہاں تک کہ نصیرالدین موسیٰ نے جو ہلاکو خاں کا مشیر تھا اور ابن علقمی نے، جو آخری عباسی خلیفہ مستعصم کا وزیر تھا، ہلاکو خاں کو بغداد پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا اور اس کے ہاتھوں خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ کرا دیا۔③

(۴) شخصی حکومت کی خرابیاں

خلافتِ عباسیہ ایک شخصی حکومت تھی جس میں جمہور کی آواز بالکل دب گئی تھی۔ خلفاء بالکل خود مختار تھے۔ اپنے اور اپنے خاندان کے مفاد کے لیے جو چاہتے کرتے تھے۔ جب تک حکمران دانشمند اور طاقتور رہے حکومت کا نظام درست رہا۔ جب وہ کمزور اور نااہل ہو گئے تو سلطنت کے معاملات میں خود بخود ابتری پھیل گئی۔ خصوصاً ترکوں کی سرکشی اور بنی بُویہ کے تسلط کے بعد عباسی حکمرانوں سے حکومت کا سلیقہ بالکل جاتا رہا اور وہ ان کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ بنی عباس کے ابتدائی دور میں کئی خلفاء ذاتی طور پر بہت سے

① سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:۳۲۱

② ابن الاثیر، الکامل: ۴۴۹/۸

③ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳۴۹/۱۵

Marfat.com

اوصاف کے مالک تھے اور ان کی دانشمندی اور سیاست کی قابلیت، ان کی فیاضی، سخاوت اور ان کی علم دوستی اور مروّت مشہور زمانہ تھی مگر آہستہ آہستہ وہ عیش وعشرت کی طرف مائل ہوتے گئے اور اُمور سلطنت سے غافل ہوتے گئے۔

سب سے پہلا عباسی خلیفہ جو اس غفلت کا شکار ہوا، ہارون الرشید کا بیٹا الامین تھا۔ اس نے اپنے امیروں اور فوج کے سپہ سالاروں کو دربار سے الگ کر دیا اور اپنا وقت مسخروں، خواجہ سراؤں اور حسین لونڈیوں کی صحبت میں گزارنے لگا۔ اس نے دُور دُور سے بہترین گانے والیاں محل میں جمع کیں اور ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں۔ ان تفریحی مشاغل کے لیے نئے نئے محل اور نئی نئی سیر گاہیں تعمیر کرائیں اور دریا کی سیر کے لیے انوکھی طرز کی کشتیاں بنوائیں۔ غرضیکہ شاہی خزانہ کو عیش وعشرت کے اسی قسم کے سامانوں پر خرچ کر دیا۔ اس کی غفلت شعاری آخر کار رنگ لائی اور المامون کے ہاتھوں سے اس کی تباہی کا موجب ہوئی۔

عباسی خلفاء کے ذاتی اور اخلاقی معایب میں ان کی بدعہدی ایک نمایاں عیب ہے جس کا اُنھوں نے یکے بعد دیگرے مسلسل طور پر ارتکاب کیا۔ عہد کی پابندی اہل عرب کا ایک قابل تعریف خلق تھا جس پر وہ زمانہ جاہلیت میں بھی فخر کیا کرتے تھے اور جس کو اسلام نے اور بھی پختہ کر دیا۔ مگر عباسی خلفاء نے اس عمدہ اور مستحسن خلق کو چھوڑ دیا بلکہ عہد شکنی کو اپنا شیوہ بنالیا۔

یہ بات ان کے لیے اس لحاظ سے اور بھی زیادہ بدنما تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور اہل اسلام کے ہاں امیر المؤمنین کہلاتے تھے۔ خلیفہ منصور نے ابن ہُبَیرہ ابو مسلم خراسانی اور اپنے چچا عبداللہ کو باوجود امان دینے کے قتل کرا دیا۔

اسی طرح باقی خلفاء نے بھی کئی مرتبہ بدعہدی کا ارتکاب کیا۔

عباسی خلفاء بعض اوقات لوگوں کو بلکہ اپنے محسنوں کو بھی بغیر کافی ثبوت کے محض اس شبہ کی بنا پر قتل کرا دیتے تھے کہ وہ ان کی حکومت کے مخالف ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید نے برمکی خاندان کو محض شک کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا۔ ①

① ابن جریر، تاریخ الطبری: ۸/ ۲۸۷، ۳۰۲

Marfat.com

بارھواں باب

عباسی نظام حکومت وثقافت

۱۳۲ھ تا ۶۵۶ھ

خلافت

بنی اُمیہ کی طرح بنی عباس کی حکومت بھی شخصی اور موروثی تھی جو ایک خاص خاندان تک محدود تھی۔ بنی عباس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ رسول خدا ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں، لہٰذا اہل بیت میں سے ہیں اور اسلامی خلافت کے حقدار ہیں۔

تاریخی واقعات سے ظاہر ہے کہ اُنھوں نے اپنے استحقاق کو طرح طرح سے ثابت کرنا چاہا اور اپنے دعویٰ کو بار بار دہرایا، یہاں تک کہ وہ عامۃ الناس کے دلوں پر ایک حد تک نقش ہو گیا اور اکثر لوگ ان کی خلافت کے قائل ہو گئے۔

چنانچہ عباسی خلفاء نہ صرف سیاسی لحاظ سے دُنیائے اسلام کے حاکم تھے بلکہ ان کو ایک قسم کی روحانی حیثیت بھی حاصل تھی اور منصبِ خلافت کو ایک قسم کا تقدس حاصل ہو گیا۔ تقدس واحترام کا یہ لبادہ عباسی خلفاء کے لیے بہت مفید ثابت ہوا کیونکہ جب دیلمی اور سلجوقی حکمرانوں نے ان کے اقتدار کو سلب کر لیا، تب بھی ان کا حق خلافت قائم رہا اور لوگ ان کو دُنیائے اسلام کا حقیقی اور جائز خلیفہ تسلیم کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کوئی شخص دُنیائے اسلام کے کسی حصہ میں اپنی حکومت قائم کر لیتا تو وہ عباسی خلیفہ سے سند حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا تاکہ لوگ اس کو جائز خلیفہ کا نائب تسلیم کر کے اس کی اطاعت سے روگردانی نہ کریں۔

بنی اُمیہ کی طرح بنی عباس بھی اکثر اوقات اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین نامزد کر دیتے تھے اور ارکانِ دولت ولی عہد کی اطاعت کا حلف اُٹھاتے تھے۔ جب ولی عہد تختِ سلطنت پر بیٹھ جاتا تو تمام امراء دوبارہ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔

Marfat.com

وزارت

دولتِ عباسیہ سے پہلے وزارت کا عہدہ نہ تھا۔ سب سے پہلا شخص جو وزیر کے نام سے مشہور ہوا، ابوسلمہ خلال تھا۔ ابتداء میں وہ عباسیوں کا ایک داعی تھا جو وزیر آل محمد ﷺ کے نام سے مشہور ہوا۔ ابوسلمہ کے بعد ابوالجہم کو وزارت ملی اور اس کے بعد خالد بن برمک کو، [1] یہاں تک کہ وزارت کا عہدہ عباسی خلافت میں ایک مستقل منصب بن گیا۔ وزیر کی حیثیت نائب السلطنت یا مدار المہام کی تھی اور وہ ارکانِ دولت میں سب سے بااختیار ہوا کرتا تھا۔ اس عہدے کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ جس طرح مؤرخین نے خلفاء کی تاریخیں لکھی ہیں اسی طرح ان کے وزراء کے حالات بھی قلم بند کیے ہیں۔

کچھ مدت کے بعد دولتِ عباسیہ کا وزیر اعظم ''امیر الامراء'' کے لقب سے بھی موسوم رہا۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جب عباسی خاندان کے بیسویں خلیفہ راضی باللہ کا زمانہ آیا تو سلطنت کی حالت بہت ہی خراب ہو چکی تھی۔ صوبیداروں نے خَراج بھیجنا بند کر دیا اور حکومت کے عہدہ دار بد دیانت ہو چکے تھے۔ خلیفہ نے مجبور ہو کر سن ۳۲۴ ہجری میں محمد بن رائق کو جو بصرہ اور واسط کا حاکم تھا، مدار المہام بنایا اور سلطنت کے تمام اختیارات اس کے سپرد کر دیے۔ محمد بن رائق نے امیر الأمراء کا لقب اختیار کیا جو حکومت کا سب سے اعلیٰ منصب قرار پایا۔ جب بنی بُویہ (یعنی دیلمیوں) نے بغداد پر قبضہ کیا تو اُنھوں نے دیگر اختیارات کے ساتھ یہ عہدہ بھی خود سنبھال لیا اور خلیفہ کی حیثیت محض رسمی رہ گئی۔ [2]

وزیر کے علاوہ حاجب بھی دربارِ خلافت میں ایک اہم عہدہ دار ہوا کرتا تھا۔ اس کے لفظی معنی دربان کے ہیں مگر عہدِ خلافت میں یہ ایک بڑا مقرب منصب سمجھا جاتا تھا۔ جو لوگ خلیفہ کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے وہ حاجب ہی کے ذریعے سے باریاب ہو سکتے تھے۔ بعض اوقات خلیفہ ملکی معاملات میں حاجب سے مشورہ لیتا تھا۔ اس لیے اسے ایک مشیر کی حیثیت بھی حاصل تھی۔

---

(۱) الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۳/ ۶۳، ۴۹

(۲) ابن الاثیر، الکامل: ۸/ ۴۴۹

Marfat.com

مرکزی حکومت کے شعبے

مرکزی حکومت کا کاروبار مختلف شعبوں یا محکموں میں منقسم تھا جن کو دیوان کہتے تھے۔ ہر ایک محکمہ یا دیوان ایک افسر کی نگرانی میں ہوا کرتا تھا اور یہ سب دیوان وزیر کے ماتحت تھے۔ ان محکموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دیوان الخراج: جس میں سلطنت کی آمدنی کے اخراجات کا حساب و کتاب رہتا تھا۔

(۲) دیوان الضّیاع: املاکِ خالصہ یعنی شاہی املاک کا انتظام کرتا تھا۔

(۳) دیوان زمام النفقات: شاہی محلات کے اخراجات کا حساب کتاب رکھتا تھا۔

(۴) دیوان الموالی والغلمان: شاہی خادموں اور غلاموں کی خوراک اور پوشش کا انتظام کرتا تھا۔

(۵) دیوان الرسائل: اس میں شاہی احکام اور فرامین تحریر کیے جاتے تھے اور بیرونی بادشاہوں کے مراسلات کے جواب لکھے جاتے تھے۔ اس محکمہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھے زباندان دَبیر کام کرتے تھے جو عمدہ عبارت نویسی پر قدرت رکھتے تھے۔

(۶) دیوان التوقیع: اس میں ان مراسلات اور درخواستوں کے جوابات لکھے جاتے تھے جو خلیفہ کے نام آتی تھیں۔ نیز یہاں شاہی فرامین کی نقلیں بھی محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ ①

(۷) دیوان البرید: ہر ایک صوبہ میں ایک پوسٹ ماسٹر ہوتا تھا جس کو صاحب البرید کہتے تھے۔ اس کا یہ فرض تھا کہ وہ سرکاری ڈاک کی روانگی اور رسید کا انتظام کرے۔ ڈاک کی ترسیل کے لیے تیز رفتار گھوڑے رکھے جاتے تھے جو ڈاک کو منزل بمنزل پہنچاتے تھے۔ ڈاک بھیجنے کے علاوہ صاحب البرید کا یہ کام بھی تھا کہ خلیفہ کو تمام مقامی حالات مثلاً: والی کی کارکردگی، قاضیوں کے فیصلے، سرکاری افسروں کی روِش اور رعایا کے تمام حالات سے آگاہ رکھے۔

پیغام رسانی کے لیے بعض اوقات نامۂ برکبوتر بھی کام میں آتے تھے۔ ②

① ابن الاثیر، الکامل: ۸۸/۷

② ابن الاثیر، الکامل: ۱۱۸/۷

Marfat.com

(۸) دیوان الاَحداث والشُرطہ: یہ دیوان ہمارے زمانے کے محکمہ پولیس کے مترادف تھا۔ اس محکمہ کے لوگ رعایا کی جان و مال کی حفاظت کرتے تھے اور رات کے وقت گشت کرتے تھے۔ اس محکمہ کا نگران اعلیٰ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا اور بڑے صاحب اختیار افسروں میں شمار ہوتا تھا۔

(۹) دیوان الجند: محکمہ فوج کا نام تھا۔

(۱۰) دیوان العطا: فوج کی تنخواہیں ادا کرتا تھا۔

(۱۱) دیوان النظر فی المظالم: محکمہ اپیل جس میں رعایا کی شکایات سنی جاتی تھیں اور ان کی تحقیق کی جاتی تھی۔

(۱۲) دیوان الاَقرحہ: زراعتی زمینوں اور نہروں کا بندوبست کرتا تھا۔[1]

محکمہ قضاء

عدالت گستری کو عہد اسلام میں ہمیشہ سے بڑی اہمیت تھی۔ مسلمانوں کے تمام باہمی قضیے اور جھگڑے ایک جج کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ جو قاضی کہلاتا تھا اور شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ دیتا تھا۔ اور یہ ادارہ محکمہ قضا کہلاتا تھا۔ ہر ایک بڑے شہر میں ایک قاضی ہوا کرتا تھا۔ مملکت کے سب سے بڑے قاضی کو ''قاضی القضاۃ'' کہتے تھے۔ اس کی حیثیت موجودہ زمانے کے چیف جسٹس کے مشابہ ہوتی تھی۔ قاضی کی عدالت میں صرف ایسے لوگوں کی گواہی قبول کی جاتی تھی جو اپنی سچائی اور نیک چال چلن کے لیے مشہور ہوں۔

غیر مسلموں کے دیوانی مقدمات کی سماعت ان کے مذہبی پیشوا کرتے تھے جو اپنے قانون اور رسم و رواج کے مطابق فیصلے کر دیتے تھے، مگر سنگین مقدمات کی صورت میں مذہب و ملت کی تمیز روا نہیں رکھی جاتی تھی بلکہ فریقین کو حکومت کی عام عدالتوں میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔

صوبہ جات

عباسی مملکت مختلف صوبوں میں منقسم تھی۔ ہر ایک صوبہ پر خلیفہ کی طرف سے ایک گورنر مقرر تھا جس کو والی کہتے تھے۔ بڑے بڑے صوبے حسب ذیل ہیں۔

[1] ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۵۳۳

Marfat.com

(۱) افریقہ جس کا صدر مقام قیروان تھا۔

(۲) مصر۔

(۳) الجزیرہ کی ولایت جس میں آرمینیہ اور آذربائیجان شامل تھے۔

(۴) مکہ، مدینہ اور تہامہ کا ساحلی علاقہ ایک ولایت میں شامل تھے۔

(۵) یمن کے ساتھ جنوبی عرب کے تمام علاقے شامل تھے۔

(۶) کوفہ اور عراق کا زراعتی علاقہ، جس کو سواد کہتے تھے۔

(۷) بصرہ کی ولایت جس میں بَحْرین اور عُمان کے علاقے بھی شامل تھے۔

(۸) عراق عجم، خُراسان اور ماوراء النہر کی ایک ولایت تھی۔

(۹) سندھ اور پنجاب کا علاقہ جو اس کے متصل تھا۔

(۱۰) اہواز اور فارس۔

(۱۱) ولایتِ موصل۔

(۱۲) شام۔

(۱۳) عواصم یعنی شام کے شمالی سرحدی علاقے جو رومیوں کی مملکت سے متصل تھے۔

اُندلُس یعنی اسپین کی ایک علیحدہ ولایت تھی مگر یہ ملک عباسی ابتداء ہی سے الگ ہو گیا اور وہاں عبدالرحمٰن اموی نے ایک مستقل خاندان کی بنیاد ڈالی۔ ①

دیارِ عرب کے بدوی قبائل اپنے اپنے قبیلے کا انتظام کرتا تھا اور اس کے امن وامان کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ کسی والی کو زیادہ مدت تک ایک ہی صوبہ میں نہیں رکھا جاتا تھا تاکہ وہاں اپنا رسوخ قائم کر کے خودمختار نہ ہو جائے۔ لیکن جب خلفاء کمزور ہو گئے تو مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر دُور دراز کے صوبوں کے گورنر یکے بعد دیگرے آزاد ہو گئے۔

خلیفہ کو ان کے اندرونی انتظام میں عمل ودخل نہ رہا، صرف خطبہ میں ان کا نام لیا جاتا تھا۔ سن ۲۵۰۔ہجری اور سن ۲۶۰۔ہجری کے درمیان عباسی سلطنت کے کئی حصے عباسی خلفاء کی حکومت

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۸/ ۱۶۷

Marfat.com

سے آزاد ہو گئے۔ چنانچہ اس دس سال کے عرصہ میں طبرستان میں علوی، خراسان میں صفاری، مصر میں طولونی اور ماوراء النہر میں سامانی[1] خاندان خودمختار بن بیٹھے۔

صوبوں کے والیوں یعنی گورنروں کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ صوبوں کے حالات سے بخوبی آگاہ رہنے کے لیے خلفاء نے برید یعنی ڈاک کا محکمہ قائم کر رکھا تھا۔

اس محکمہ کے افسر (صاحب البرید) کا فرض تھا کہ وہ مرکزی حکومت کو والی کی کارگزاری اور اس کی روش سے خفیہ طور پر دم بدم اطلاع دیتا رہے۔

صاحب البرید گویا پرچہ نویس یا خفیہ نویس کے فرائض انجام دیتا تھا۔

فوجی نظام

اُموی عہد میں اسلامی لشکر بیشتر عربوں پر مشتمل تھا اور ان میں اہل شام پیش پیش تھے جن پر اُموی خلفاء کو خاص اعتماد تھا۔ مگر عباسیوں نے عربوں کے علاوہ خراسانیوں اور ترکوں کو بھی کثیر تعداد میں بھرتی کیا جس سے اسلامی فوج میں عربی عنصر کم ہو گیا۔ ان کے علاوہ فوج میں المغرب (شمالی افریقہ) کے لوگ بھی تھے جو مغاربہ کہلاتے تھے۔

اسلامی لشکر دو حصوں پر مشتمل تھا۔

(۱) باقاعدہ فوج اور

(۲) رضا کار۔ باقاعدہ فوج کے لوگ چھاؤنیوں میں رہتے تھے اور ان کو شاہی خزانہ سے باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔ مگر جب حکومت کمزور ہو گئی اور خزانہ خالی ہو گیا تو اہل لشکر کو نقد تنخواہ کی بجائے جاگیریں ملنے لگیں۔

رضا کار لڑائی کے موقع پر اپنی خوشی سے جنگ میں شریک ہو جاتے تھے۔ ان کو باقاعدہ تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ مگر جب تک وہ جنگ میں شریک رہتے ان کو حکومت کی طرف سے خوراک اور ہتھیار ملتے تھے اور ان کے بیوی بچے بھی سرکاری خزانہ سے روزینہ پاتے تھے۔

لشکر عموماً پانچ حصوں میں منقسم ہوتا تھا:

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۷/ ۱۳۰، ۲۷۹

Marfat.com

مقدمہ (VANGUARD) مَیمنہ (RIGHT.WING)
مَیسرہ (LEFT.WING) قلب (CENTRE)
اورساقہ (REARGUARD)[1]

دس سپاہیوں کے افسر کو عارف کہتے تھے اور دس عارفوں یعنی سو سپاہیوں پر ایک نقیب مقرر ہوتا تھا۔ ایک ہزار لشکریوں کا افسر قائد کہلاتا تھا اور دس ہزار لشکریوں کے سالار کو امیر کہتے تھے۔

پیادہ فوج نیزوں، تلواروں اور ڈھالوں سے مسلح ہوتی تھی اور تیراندازوں کے پاس تیرو کمان کے علاوہ اپنی مدافعت کے لیے ڈھالیں بھی ہوتی تھیں۔ سوار تلواروں اور نیزوں کے ساتھ لڑتے تھے اور اپنی حفاظت کے لیے سر پر خود پہنتے تھے اور زرہ بکتر لگاتے تھے۔ قلعوں کی دیواروں اور شہروں کی فصیلوں کو توڑنے کے لیے ایک خاص قسم کا آلہ کام میں لایا جاتا تھا جس کو منجنیق کہتے تھے۔ اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے بھاری گولے اور پتھر دُور دُور تک پھینکے جاسکتے تھے۔ ان بھاری بھرکم آلات کو اونٹ کھینچتے تھے اور ان کو چلانے کے لیے خاص ماہر ہوا کرتے تھے جن کو منجنیقی کہتے تھے۔ عباسیوں کے زمانے میں ابھی توپ خانہ کا رواج نہیں ہوا تھا، کیونکہ بارود جو توپ اور آتشیں اسلحہ میں استعمال ہوتا ہے ابھی تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔

❀❀❀

① ابن الجوزی، غریب الحدیث: ۱/۳۰۶

Marfat.com

اَندلس میں اسلامی حکومت

جزیرۂ عرب کے شمال مغرب اور یورپ کے جنوب میں ہسپانیہ اور پرتگال کا علاقہ ہے۔ جو بحیرۂ روم کے کنارے ایک لمبا چوڑا جزیرہ نما ہے۔ یورپ اس ملک کو سپین کہتا ہے۔ پانچویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں قبائل فندال فروکش ہوئے۔ ہسپانوی لوگوں نے ان قبائل کی نسبت سے اس علاقے کو فندلس کہنا شروع کیا۔ عربوں نے فندلس کو اندلس میں تبدیل کر دیا۔

تب سے یہ ملک عربوں کی تاریخ اور جغرافیہ میں اندلس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فتح اندلس

موسیٰ بن نصیر کے ایک سپہ سالار طارق بن زیاد نے سن ۹۲۔ ہجری، سن ۷۱۰۔ عیسوی میں اندلس میں اسلامی پرچم لہرایا۔ اس زمانے میں ہسپانیہ پر شاہ راڈرک کی حکومت تھی جو کہ قوطی

نوٹ: تاریخ اسلام میں پروفیسر عبدالقیومؒ نے ''اندلس میں اسلامی حکومت'' کا سرِ عنوان اور پھر ذیلی عناوین کو فہرست میں جگہ دی ہے لیکن ان کے آگے صفحات کے نمبرز نہیں دیئے گئے اور وہ حصہ کتاب میں شامل بھی نہیں ہے۔ مقالات پروفیسر عبدالقیومؒ جلد ا۔ کے صفحہ ۱۴۹ سے صفحہ ۱۵۹ تک اسی عنوان کا ایک مضمون شائع شدہ ہے، لیکن اس میں ''تاریخ اسلام'' والی فہرست کا آخری ذیلی عنوان ''اندلسی مسلمانوں کے علوم وفنون'' شامل نہیں ہے۔ اس مضمون کے بقیہ تمام عناوین تاریخ اسلام کے عناوین کے مطابق ہیں، اس لیے اس مضمون کو یہاں شامل کر دیا گیا ہے۔ تاریخ اسلام کی فہرست میں سب سے آخری حصہ ''عہد عباسی کی ثقافت'' کے نام سے ہے، لیکن کتاب میں وہ بھی موجود نہیں، اسی سے ملتا جلتا ایک مضمون مقالات پروفیسر عبدالقیومؒ جلد ا۔ کے صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۸ میں شائع شدہ ہے، موضوع کی مناسبت سے وہی یہاں پر شامل کر دیا گیا ہے۔ اگر کسی صاحب علم کے پاس درج بالا مضامین ہوں تو عنایت کر دیں تا کہ آئندہ شامل اشاعت ہوں (حافظ محمد اسلم)

Marfat.com

خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ ہسپانیہ کے اکابر سلطنت بادشاہ سے بڑے دل برداشتہ ہو چکے تھے۔

انہوں نے اس جور و ظلم اور استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے افریقہ اور مراکش کے مسلمان حکمران اور فاتح موسیٰ بن نصیر سے مدد طلب کی۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنے سپہ سالار طارق کو بھیج کر ملک کو فتح کر لیا۔ موسیٰ نے خود پیش قدمی کر کے ہسپانیہ کے دارالسلطنت طلیطلہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اثنا میں خلیفہ ولید کی طرف سے موسیٰ کو شام پہنچنے کا حکم ملا۔

چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود شام کو روانہ ہوا۔ ①

مسلمانوں سے پہلے اہل ہسپانیہ پر حکومت کی طرف سے ہر قسم کا ظلم و جور اور سختی روا رکھی جاتی۔ مسلمانوں نے اپنی رعایا سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ ملک میں عدل و انصاف قائم کیا۔

زندگی کے ہر شعبے میں نظم و نسق پیدا کر کے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔

اندلس کے امیر

اندلس کی حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لیے خلیفہ اپنا امیر مقرر کیا کرتا تھا اور بعض اوقات اس امیر کا تقرر والی قیروان بھی کر دیتا تھا۔ پہلے تو امیر اندلس اشبیلیہ میں رہا کرتا تھا۔ بعد میں اس نے قرطبہ کو دارالحکومت مقرر کر کے وہیں رہائش اختیار کی۔ جب بدقسمتی سے مضری اور یمنی گروہوں میں ان بن ہو گئی تو ہر ایک فریق کی یہ خواہش تھی کہ ان کا آدمی امیر ہونا چاہیے۔ آخر کار فریقین اس بات پر رضامند ہو گئے کہ ہر سال باری باری فریقین میں سے امیر مقرر ہوا کرے۔

سن ۱۲۸ھ۔ ہجری، سن ۷۵۶ء۔ عیسوی میں مضری قبائل کا نمائندہ یوسف بن عبدالرحمٰن فہری امیر اندلس تھا۔ یہ امیر ایک سال کی مقررہ مدت کے بعد اپنے وعدے سے پھر گیا اور حکومت سے دست بردار ہونے سے منکر ہو گیا۔ یمنی قبائل نے احتجاج کیا لیکن یہ بدستور حکمرانی پر مصر رہا، یہاں تک کہ سن ۱۲۸ھ۔ ہجری میں ایک اور امیدوار حکومت کے میدان میں اُتر آیا اور اس نے سارے ملک پر قبضہ کر کے اندلس کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کیا، یہ عبدالرحمٰن الداخل تھا۔ ②

① ابن الاثیر، الکامل: ۴/ ۵۶۳، ۵۶۶

② ابن الاثیر، الکامل: ۵/ ۳۷۵

Marfat.com

عبدالرحمٰن الداخل

یہ اموی شہزادہ معاویہ بن ہشام بن عبدالملک کا بیٹا تھا، جو اموی خاندان کے زوال کے بعد عباسی خلیفہ سفاح کے قتل وخون ریزی سے بچ کر بھاگ نکلا تھا، اور وفادار خادم بدر کو ساتھ لیے صحرانوردی کرتے کرتے افریقہ میں جا پہنچا۔ عبدالرحمٰن بڑا نڈر، دلیر اور عالی ہمت جوان تھا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھائیس برس تھی۔ اس نے اندلس کی حکومت کو مطمح نظر ٹھہرایا۔

اندلس میں یمنی اور مضری اختلافات کی وجہ سے بڑا انتشار رونما ہو چکا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس خانہ جنگی، سیاسی اضطراب اور بدنظمی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے خادم بدر کو اندلس روانہ کیا۔ اس وقت یمنی گروہ مضری قبائل سے برسرپیکار تھا۔ بدر نے یمنی گروہ کو آسانی سے ساتھ ملا لیا۔ جب امیر عبدالرحمٰن کو یمنی حلیفوں کی امداد واعانت کا یقین ہوگیا تو وہ بربری قبائل کے ساتھ اندلس پر حملہ کر کے سن ۱۲۸ ہجری میں ملک کے بڑے حصے پر قابض ہوگیا۔ قرطبہ کو دارالحکومت بنایا اور خود اندلس کا امیر اکبر کہلایا۔

بنو امیہ کے خلفاء کی نسل سے وہ پہلا امیر تھا جو اندلس کی سرزمین میں داخل ہوا۔ اس لیے الداخل مشہور ہوا۔ اس کی عزیمت، استقلال، ہمت، جوانمردی اور بلند حوصلہ کی وجہ سے عباسی خلیفہ منصور، عبدالرحمٰن کو ''صقر قریش'' یعنی قریش کا ''شکرا'' (باز) کہا کرتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن کی عزیمت وشجاعت کی روشن دلیل یہ ہے کہ اس نے یکہ وتنہا ایک ملک پر قبضہ کر کے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی پھر یہ سلطنت پونے تین سو سال تک اس کے خاندان میں رہی۔ ①

دشمن شکست کھانے کے بعد انتقامی جوش میں فرانس کے بادشاہ شارلیمان کے پاس پہنچے اور اسے ساتھ لے کر اندلس پر حملہ کر دیا، لیکن امیر عبدالرحمٰن نے شارلیمان کی اس مہم کو پسپا کر کے دشمنوں کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔

امیر عبدالرحمٰن الداخل ایک طرف تو تلوار کا دھنی تھا اور دوسری طرف بڑا مدبر، منتظم، دور اندیش، بلند ہمت، تیز فہم، بیدار مغز، عالی حوصلہ، عالم وفاضل اور باکمال وفیاض حکمران تھا۔ علم و

---

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۸/ ۱۶۷

Marfat.com

فن کا بڑا قدر دان تھا۔ شعر و ادب کا ذوق سلیم رکھتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں ملک نے بڑی ترقی کی۔ قرطبہ اور دوسرے بڑے شہروں میں مسجدیں، پل، حمام اور قلعے تعمیر ہوئے۔ قرطبہ کی شاندار جامع مسجد اسی عالی ہمت حکمران کی یادگار ہے۔ اس مسجد کی تکمیل اس کے بیٹے ہشام اول نے کی تھی۔ عبدالرحمٰن اول کے عہد حکومت میں اندلس نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی اور علوم و معارف کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اس کے زمانے میں کچھ عرصے تک تو عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا، لیکن سن ۷۷۳۔ ہجری میں امیر عبدالرحمٰن الداخل نے خطبہ سے عباسی خلیفہ کا نام نکال دیا اور ۳۳ سالہ حکومت کے بعد سن ۱۷۲۔ ہجری، سن ۷۸۸۔ عیسوی میں وفات پائی۔ ①

امیر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کا بیٹا ہشام اول حکمران بنا۔ اس نے سن ۷۸۸۔ عیسوی سے سن ۷۹۶۔ عیسوی تک حکومت کی۔ ہشام اول بڑا دیندار، نیک اور صالح حکمران تھا۔ اس نے قرطبہ کی جامع مسجد کی تکمیل کی۔

شارلیمان کے حملہ کو پسپا کیا اور ملک میں کتاب و سنت کو رواج دیا۔

ہشام کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حکم اول تخت نشین ہوا۔ حکم اول بڑا بیدار مغز حکمران تھا۔ امور سلطنت میں بڑی دلچسپی لیتا۔ اس نے رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے جاسوس مقرر کیے۔ وہ جاہ و حشم کا شوقین تھا۔ اس نے گھوڑوں اور غلاموں کو بکثرت جمع کیا۔ لشکر اور فوج کو منظم کر کے بہت سا اسلحہ اور سامان جنگ فراہم کر لیا۔ اس نے ۲۷ برس حکومت کرنے کے بعد اندلس میں اپنے خاندان کی حکمرانی کے لیے زمین بالکل ہموار کر دی۔

حکم اول نے سن ۸۲۲۔ عیسوی میں وفات پائی۔

حکم اول کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمٰن (ثانی) مسند حکومت پر رونق افروز ہوا۔ وہ علوم و فنون کا قدر دان تھا۔ اس نے بیرونی حملہ آوروں کو پسپا کر کے ملک کو فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بخشی۔ جامع قرطبہ کی توسیع شروع کی۔ عبدالرحمٰن ثانی کے عہد میں سلطنت کے شان و

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۸/ ۱۶۷

Marfat.com

شکوہ میں بڑا اضافہ ہوا اور تہذیب وتمدن کی نئی راہیں کھل گئیں۔

اس نے ۳۱ برس کی حکومت کے بعد سن ۸۵۲ عیسوی میں وفات پائی۔ ①

عبدالرحمٰن ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ امیر محمد نے تقریباً ۳۴ برس حکومت کی، لیکن سارا وقت شورشوں اور فتنوں کو ختم کرنے میں صرف ہو گیا۔ اس نے باغیوں کو کچل کر از سرنو طلیطلہ، برشلونہ، اشبیلیہ، سرقسطہ اور قرطاجنہ کو فتح کیا اور بحری بیڑا تیار کیا۔

اس نے سن ۸۸۶ عیسوی میں وفات پائی۔ ②

امیر محمد کے بعد اس کے دو بیٹے منذر (سن ۸۸۶ عیسوی تا سن ۸۸۸ عیسوی) اور عبداللہ (سن ۸۸۸ عیسوی تا سن ۹۱۲ عیسوی) یکے بعد دیگرے حکمران بنے۔ ان کے عہد حکومت بھی شورشوں اور فتنوں کی نذر ہو گئے۔ عمرو بن حفصون کی بغاوت نے زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی، لیکن آخر کار شاہی افواج اسے کچلنے میں کامیاب ہو گئیں۔

امیر عبداللہ نے سن ۹۱۲ عیسوی میں وفات پائی۔ ③

عبدالرحمٰن الناصر ۳۰۰ھ تا ۳۵۰ھ = ۹۱۲ء تا ۹۶۱ء

سن ۳۰۰ ہجری/ سن ۹۱۲ عیسوی میں امیر عبدالرحمٰن الناصر (ثالث) قرطبہ کے تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس وقت سارا اندلس فتنہ وفساد کی نذر ہو چکا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن اگرچہ اکیس بائیس برس کا نوجوان تھا، لیکن عزم واستقلال اور ہمت وجرأت میں نظیر نہ رکھتا تھا۔ اس نے بڑی بہادری اور شجاعت سے تمام داخلی فتنوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا۔ فساد اور بدامنی کو مٹا کر ملک میں امن وامان قائم کر دیا۔ اس کی مستعدی اور ہمت دیکھیے کہ ایک طرف بربروں کی بغاوت کو فرو کیا، دوسری طرف عمرو بن حفصون کے حامیوں اور ساتھیوں کا سر کچل کر رکھ دیا۔

ملک کا کھویا ہوا وقار از سرنو بحال کیا۔

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۱۸/ ۸۴

② ذہبی، تاریخ الاسلام: ۲۰/ ۳۲۰

③ ذہبی، تاریخ الاسلام: ۲۰/ ۳۴۱

Marfat.com

حکومت کا نظم و نسق قائم کر کے رعایا کو امن و آسودگی بخشی۔ شاہراہوں پر پولیس کی چوکیاں قائم کیں۔ تمدنی اور معاشی ترقی کی طرف خاص توجہ دی۔ آب پاشی کا تسلی بخش انتظام کر کے زراعت کو بڑی ترقی دی، پھلوں کی پیداوار میں اضافہ کیا۔ تجارت، صنعت و حرفت اور علوم و فنون نے بڑا فروغ حاصل کیا۔ بیرونی ممالک میں بھی اس کی حکومت کا وقار بڑھ گیا اور مختلف ملکوں کے سفیر اور نمائندے آنے جانے لگے۔ اس کا انتقال سن ۳۵۰ ہجری/ سن ۹۶۱ عیسوی میں ہوا۔ ①

الحکم الثانی: المستنصر باللہ ۳۵۰ھ تا ۳۶۶ھ = ۹۶۱ء تا ۹۷۶ء

اندلس کے عظیم المرتبت حکمرانوں میں سے تھا۔ اس کا عہد حکومت سب سے زیادہ پر امن اور خوشحال تھا۔ اس کے زمانے میں قرطبہ ایک علمی مرکز کی حیثیت سے بہت مشہور ہوا۔ اس کے دور حکومت میں ولندیزیوں نے سن ۳۶۰ ہجری، سن ۹۷۱ عیسوی میں حملہ کیا، مگر منہ کی کھائی۔

وہ بڑا علم پرور اور علماء کا قدر دان تھا۔ وہ علماء کو کتابیں لکھنے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس نے دوسرے ملکوں سے کثیر تعداد میں کتابیں خرید کر اپنے کتاب خانے میں جمع کر رکھی تھیں۔ اس نے بہت سے نمائندے مقرر کر رکھے تھے جو نایاب اور کارآمد کتابیں خلیفہ کے لیے فراہم کرتے رہتے تھے۔ اس نے قرطبہ کے اپنے محل میں ایک دارالکتب قائم کیا۔ جس میں چھ لاکھ کتابیں جمع کیں۔ ان کتابوں کے نام چوالیس جلدوں پر مشتمل فہرست میں درج تھے۔ اس طرح خلیفہ حکم مشرقی ممالک میں وفود بھیج کر کتابوں کی نقلیں حاصل کیا کرتا تھا۔ صرف ایک کتاب ''الاغانی'' مؤلف ابوالفرح اصفہانی ایک ہزار دینار (سونے کا سکہ) کے عوض حاصل کی تھی۔ خلیفہ نے کتابوں کی نقلوں اور جلد سازی کے لیے بڑے ماہر کاتب اور جلد ساز بھی جمع کر رکھے تھے۔

خلیفہ علوم و فنون کی ترقی میں مصروف تھا لیکن بعض خود غرض سرداروں اور عہدے داروں نے اقتدار حاصل کر کے سلطنت پر قبضہ کرنے کی ٹھان لی۔

ہشام بن حکم

خلیفہ حکم نے سن ۹۷۶ عیسوی میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا نابالغ بیٹا ہشام بارہ

① ابن الاثیر، الکامل: ۸/ ۳۷

Marfat.com

برس کی عمر میں تخت حکومت پر بیٹھا، لیکن سارے اختیارات اس کی ماں کے ہاتھ میں تھے۔ حکومت کا سارا نظم ونسق محل کے داروغہ محمد بن ابی عامر المنصور کے سپرد تھا۔

ابن ابی عامر نے آہستہ آہستہ حاجب اور وزیر کے عہدے سنبھال لیے، ہشام صرف نام کا خلیفہ تھا۔ کاروبار سلطنت ابن ابی عامر کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ سکے پر بھی خلیفہ ہشام کے نام کے ساتھ ابن ابی عامر کا نام درج ہونے لگا۔ خطبہ میں بھی اس کا نام لیا جاتا تھا۔

ابن ابی عامر نے فوج کو از سرنو منظم کر کے عیسائی سرداروں کو پے در پے شکستیں دیں۔ فرانس کے اقتدار کو آس پاس کے جزیروں سے ختم کر دیا اور افریقہ پر چڑھائی کر کے بہت سا حصہ اپنے قبضے میں لے لیا۔

اس نے اپنے لیے ایک شہر بسایا اور اس کا نام الزہراء رکھا اور لقب منصور مشہور ہوا۔ ①

ابن ابی عامر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مظفر اور پھر عبدالرحمٰن سلطنت کا کاروبار چلاتے رہے۔ لیکن اندلس میں اموی خلافت کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ ہر طرف فتنہ وفساد اور بدنظمی وانتشار نے سر اُٹھایا۔ بربر، عرب اور اندلسی مسلمان جنگ اقتدار کی نذر ہو گئے۔ ہر طرف فساد اور قتل وغارت گری شروع ہو گئی اور مسلمانوں کی شان وشوکت کا جنازہ مسلمانوں نے اپنے ہاتھ سے نکال دیا۔ بنو عباد اشبیلیہ اور مغربی اندلس کے حاکم بن گئے۔

بنو ذی النون طلیطلہ میں خود مختار ہو گئے۔ بنو نصر نے غرناطہ کی حکومت سنبھال لی۔ اس کے علاوہ اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔

قرطبہ کی شان وشوکت

اموی امراء اور خلفاء بالخصوص عبدالرحمٰن الداخل، عبدالرحمٰن الناصر (ثالث) اور حکم ثانی نے قرطبہ کی شان وشوکت میں بڑا اضافہ کیا۔ بڑے بڑے محلات، شاندار عمارتیں، خوبصورت اور وسیع مسجدیں، سرسبز وشاداب باغات اور نہایت نفیس حمام تعمیر کیے گئے۔ شہر کی شادابی اور رونق کے لیے پانی کی فراوانی کا انتظام کیا گیا۔ شہر کے اکثر حصوں میں فوارے قرطبہ کے حسن و جمال میں

① الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات: ۳/ ۲۵۳، ۲۵۴

Marfat.com

اضافہ کرتے تھے۔صاف ستھرا شہر، پختہ بازار اور گلی کوچے۔ بازاروں اور منڈیوں میں تجارت کی وجہ سے ہر وقت ریل پیل رہتی تھی۔صنعت وحرفت نے شہر کی رونق میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ قرطبہ میں ہر قسم کی سہولت میسر تھی۔

ہزار ہا دکانیں سینکڑوں مساجد اور حمام شہر کی رونق کو دوبالا کرتے تھے۔شہر میں روشنی کا معقول انتظام تھا۔دس بارہ میل تک چراغوں کی قطار رات کو دن بنا دیتی تھی۔

خلیفہ کا محل صنعت وکاریگری کے لحاظ سے عجائبات کا نمونہ تھا۔قرطبہ کی جامع مسجد بھی حسن و جمال اور تزئین اور آرائش میں قابل دید تھی۔اس مسجد کو عبدالرحمٰن اول نے شروع کیا اور بعد کے خلفاء اس کی تکمیل وتوسیع اور تزئین وآرائش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

بالآخر یہ مسجد مسلمانوں کی صناعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ بن گئی۔مسجد میں سنگ مرمر کے بارہ سوترانوے ستون تھے۔چھت دس گز اونچی تھی۔اس کے وسط میں ایک جواہر نگار شمع دان تھا۔ جس میں مومی اور کافوری شمعیں روشن ہوتی تھیں۔تین سو خادم عنبر وعود جلانے اور روشنی کا انتظام کرنے کے لیے مقرر رہتے تھے۔سات برس کی محنت سے ایک بیش بہا منبر تیار ہوا جو قیمتی لکڑی، ہاتھی دانت، سیپ کے ٹکڑوں اور بیش بہا قیمتی جواہرات سے تیار کیا گیا تھا۔

قرطبہ کی یونیورسٹی اور شاہی دارالکتب بھی شہر کی شان وشوکت کا موجب تھے۔ [1]

مدینۃ الزہراء

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر (ثالث) جہاد اور غزوات سے فارغ ہو کر شاندار عمارات اور محلات کی تعمیر کی جانب متوجہ ہوا۔اس نے ایک محل ''قصر الروضۃ'' کے نام سے بنایا،اس طرح خلیفہ الناصر نے قرطبہ سے باہر چند میل کے فاصلے پر ایک اور محل تعمیر کیا جس کا نام اپنی بیوی کے نام پر ''الزہراء'' رکھا۔یہ قصر الزہراء عجائبات کا نمونہ تھا۔

اس کی تعمیر سن ۹۳۶۔عیسوی میں شروع ہوئی اور پچیس برس تک دس ہزار مزدور اور معمار کام کرتے رہے۔خلیفہ الناصر کے بعد اس کے بیٹے کے عہد میں یہ محل پایہ تکمیل کو پہنچا۔

---

① یاقوت الحموی، معجم البلدان: ۳۲۴/۴

Marfat.com

اس عظیم الشان محل میں سنگ مرمر کے چار ہزار تین سو ستون اور چار سو کمرے تھے۔ دلانوں میں سنگ مرمر کا فرش بچھایا گیا تھا۔ دیواروں پر سنگ مرمر کی استر کاری تھی۔ محل کے دالانوں میں ایک ہزار فوارے لگائے گئے تھے۔ فواروں کا پانی چھوٹی چھوٹی نہروں میں بہتا ہوا حوضوں میں جا گرتا تھا۔ صندل کے دروازوں پر آبنوس، ہاتھی دانت اور جواہرات سے گل کاری کی گئی تھی۔ پھر باغوں اور چمن زاروں نے ایک بہار پیدا کر رکھی تھی۔ غرضیکہ یہ محل انسانی صناعی اور دستکاری کا ایک حیرت افزا نمونہ تھا۔ خلیفہ نے کرسی حکومت کے لیے اس محل کو منتخب کیا۔

سفیروں کی آمد ورفت سے بڑی چہل پہل رہنے لگی اور محل کے اردگرد مکانات نے ایک نیا شہر بسا دیا۔ یہ شہر مدینۃ الزہراء کے نام سے مشہور ہوا۔ ①

ملوک الطّوائف

امیر عبدالرحمٰن اول (الداخل) کی قائم کردہ اموی حکومت کے مٹتے ہی سارا ملک انتشار و بدنظمی کی نذر ہوگیا۔ اندلس کا ملک کوئی بیس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم ہوگیا۔ غرناطہ، قرطبہ، ملاغہ، ساراگوسا، طلیطلہ، اشبیلیہ وغیرہ میں الگ الگ خودمختار حکومتیں قائم ہوگئیں۔ جن کے حکمران ملوک الطوائف مشہور ہوئے۔

ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے۔ انجام کار بعض پر تو شمالی علاقے کے عیسائی سرداروں نے قبضہ کرلیا اور بعض کو مرابطین اور موحدین نے مٹا دیا۔

یہ بات بڑی حیرت افزا ہے کہ اس بدنظمی اور انتشار واضطراب کے زمانے میں بھی شعر وادب اور علم وفن کی ترقی برابر جاری رہی۔ ملوک الطّوائف خود عالم وفاضل تھے اور علوم وفنون کی قدردانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بنو عباد کی ریاست سب سے مشہور تھی۔ ان کا پایہ تخت اشبیلیہ تھا کچھ عرصے کے بعد جب بنو عباد نے قرطبہ پر بھی قبضہ کرلیا تو اندلس میں ان کو بڑی نمایاں اور ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس خاندان کا بڑا نامور حکمران معتمد تھا۔ معتمد سیاسی قوت وسطوت کے ساتھ علمی اور ادبی ذوق وقدردانی میں سارے اندلس میں یگانہ تھا۔ بنو جمہور نے تقریباً چالیس

---

① ابن الاثیر، الکامل: ۸/ ۶۷۴

Marfat.com

برس تک قرطبہ میں حکومت کی، لیکن بنوعباد نے انہیں مار بھگایا اور قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔

بنوہود اور بنوذوالنون طلیطلہ پر حکمرانی کرتے رہے۔ بنونصر غرناطہ میں اپنی شان وشوکت کا ڈنکا بجاتے رہے اسی طرح بلنسیا اور دیگر ریاستوں کے حکمران اپنی اپنی حکومت میں مست تھے، تا آنکہ گیارھویں صدی عیسوی کے آخر میں افریقہ کے بربروں نے آکران سب پر تسلط جمالیا۔

مرابطین

مرابطین ابتدا میں دیندار اور بہادر بربروں کی ایک جماعت کا نام تھا، جس نے کچھ عرصے کے بعد شمال مغربی افریقہ میں طاقتور حکومت قائم کرلی تھی۔ یوسف بن تاشفین (سن ۱۰۶۱۔ عیسوی، سن ۱۱۰۶۔ عیسوی) اس خاندان کا سب سے طاقتور حکمران تھا اس کے عہد حکومت میں مرابطین کی سلطنت اوج کمال پر تھی۔

بنوعباد کے حکمران معتمد نے عیسائی حملے کی روک تھام کے لیے یوسف بن تاشفین سے مدد مانگی۔ وہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر اندلس پہنچا۔ زلاقہ کے میدان میں بڑا معرکہ ہوا۔ عیسائی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ جنگ کے بعد یوسف واپس چلا گیا، لیکن تھوڑا عرصہ بعد اس نے اندلس میں پہنچ کر اشبیلیہ اور غرناطہ وغیرہ ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔

مرابطین مراکش میں بیٹھ کر اندلس پر حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح بغداد کے عباسی خلیفہ نے اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اس کی طرف سے یوسف بن تاشفین کو امیر المسلمین کا لقب دیا گیا تھا۔ خطبہ میں عباسی خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ مرابطین نے اندلس پر ستاون برس حکومت کی۔

موحدین ۱۱۴۷ء تا ۱۲۱۲ء

بربر کے ایک اور خاندان نے مرابطین کو نکال دیا اور خود حکمرانی کرنے لگے۔ یہ موحدین کہلاتے تھے۔ اس خاندان کا بانی محمد بن تومرت تھا جس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اس کے پیرو موحدین کہلاتے تھے۔ محمد بن تومرت کے جانشین عبدالمومن نے بڑی قوت حاصل کرلی اور سن ۱۱۴۷۔ عیسوی میں مراکش پر قبضہ کر کے مرابطین کو نکال باہر کیا۔

تین برس کے اندر اندر اس کا اقتدار اندلس میں بھی قائم ہوگیا۔

Marfat.com

بعدازاں عبدالمومن نے طرابلس، تونس اورالجزائر کو بھی فتح کرلیا۔ موحدین عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھتے تھے اور نہ اس کی سیادت کے قائل تھے۔ عبدالمومن نے سن ۱۱۶۳ عیسوی میں وفات پائی۔ اس کا پوتا ابو یوسف یعقوب (سن ۱۱۸۴ عیسوی، سن ۱۱۹۹ عیسوی) بڑا نامور اور طاقتور حکمران ثابت ہوا۔ امیر ابو یوسف یعقوب نے اندلس سے عیسائی حکومت کو ختم کرنے کی بڑی کوشش کی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے ۱۸۰ جہازوں کا بیڑا بھی روانہ کیا۔ امیر یعقوب علوم وفنون کا قدردان تھا۔ مشہور فلسفی ابن رشد، نامور طبیب ابن زہر اور شہرۂ آفاق فلسفی اور ماہر ریاضی وہیئت ابن باجہ اسی کے عہد کی یادگار ہیں۔ امیر یعقوب نے مراکش میں ایک مشہور رباط بسایا۔ ملک میں نہریں بنوائیں۔ شفاخانے کھولے، اشبیلیہ میں ایک مینار سرخ اینٹوں سے تعمیر کیا۔ یعقوب کی وفات کے بعد اندلس میں اسلامی حکومت پر پھر زوال آ گیا۔

سلطنت غرناطہ

سلطنت غرناطہ کا بانی بنونصر کا سردار محمد بن یوسف (سن ۱۲۵۳ عیسوی تا سن ۱۲۷۳ عیسوی) تھا جو ابن الاحمر کے لقب سے مشہور ہے۔ موحدین کے زوال کے بعد ابن الاحمر نے شہر غرناطہ پر قبضہ کرلیا۔ بعد میں اردگرد کے علاقے بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیے۔ اب سلطنت غرناطہ اچھی خاصی حکومت بن گئی تھی۔ ابن الاحمر بڑا ہوشمند، مدبّر اور لائق حکمران تھا۔ اس نے مراکش کے سلاطین سے تعلقات استوار کرکے ان کی مدد سے پرتگال اور کسٹائل کے بادشاہوں کو کئی لڑائیوں میں شکست دی۔

اس خاندان کو بنونصر اور بنواحمر بھی کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے غرناطہ میں ۲۵۰ برس تک حکومت کی اور اس خاندان کے بیس اکیس حکمران یکے بعد دیگرے تخت حکومت پر بیٹھے۔

بنواحمر کے زمانے میں غرناطہ نے بڑی ترقی کی۔ یہ شہر تجارت اور صنعت وحرفت کا مرکز قرار پایا۔ ہزاروں مسلمان عیسائی علاقوں سے ہجرت کرکے غرناطہ میں آبسے۔ غرناطہ کی آبادی کئی لاکھ تک پہنچ گئی۔ بنواحمر (بنونصر) نے غرناطہ میں بہت سے شاندار محل تعمیر کیے، مسجدیں، مدرسے اور شفاخانے بکثرت بنوائے، دل کشا باغات لگائے، غرناطہ میں علوم وفنون کے چرچے ہوئے اور

Marfat.com

بہت سے عالم وفاضل یہاں پیدا ہوئے۔

ابن الاحمر حکومت کا ایک شاندار کارنامہ قصر الحمراء کی تعمیر تھا۔ یہ شاندار محل غرناطہ کی ایک پہاڑی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ محل اندلسی مسلمانوں کے فن تعمیر کا ایک حیرت افزا نمونہ ہے۔ اپنی وسعت، محل وقوع، شوکت وعظمت، صناعی اور ہنرمندی کے لحاظ سے ایک لاجواب اور بے نظیر عمارت ہے۔ اگرچہ ابن الاحمر کے زمانے میں اس کی تعمیر ہو چکی تھی، لیکن اس کے جانشین الحمراء کی آرائش وتزئین اور حسن وجمال میں برابر اضافہ کرتے رہے۔ جابجا گچ کی جالیاں، نقش ونگار، حوض اور فوارے اس کے حسن وجمال اور شان وشوکت کو دوبالا کرتے تھے۔

❀❀❀

Marfat.com

عہدِ عباسی کی ثقافت، معاشرتی واقتصادی حالات

معاشرت

عباسی عہد حکومت میں اسلامی معاشرت میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عباسی خلفاء نے ملکی اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر عربوں کو پیچھے ہٹا کر ایرانیوں اور ترکیوں کو آگے بڑھایا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ ایرانی اور پھر ترکی تہذیب وتمدن کو بھی معاشرے نے اپنانا شروع کیا۔ ایک اثر یہ پڑا کہ شاہی محلات اور خلفاء کے حرم میں عربی عورتوں کی جگہ عجمی بیگمات نے لے لی۔ عربی معاشرت کی جگہ ایرانی معاشرت نے رواج پایا۔

لباس، وضع قطع، رہن سہن سب پر ایرانی اثرات پڑے۔

عورتوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی گئی۔ قرآن وحدیث اور فقہ، شعر وشاعری اور موسیقی میں بعض عورتوں نے بڑا نام پایا۔ عورتیں ملکی معاملات میں بھی حصہ لیتی تھیں اور لڑائیوں میں بھی شریک ہوتی تھیں۔

گھروں کی آرائش وزیبائش اور کھانے پینے کے معاملات میں بھی عباسی عہد میں بڑی ترقی ہوئی۔ ایرانیوں اور ترکوں کی بہت سی رسوم بھی معاشرے میں رواج پا گئیں۔ شہروں کی توسیع و ترقی، صنعت وحرفت کی ترقی اور تجارت کی گرم بازاری سے معاشرے کو فراغت اور خوشحالی نصیب ہوئی۔ باغات اور سیر گاہیں بکثرت تعمیر کی گئیں۔ سبزہ وشادابی کی فراوانی نے فارغ البال عوام کو پرکیف مناظر سے لطف اندوز کر کے انہیں خوشی ومسرت سے مالا مال کر دیا۔

اقتصادی حالت

عباسی عہد حکومت میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت بڑی تسلی بخش تھی۔ زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت کی بدولت ملک نے بڑی ترقی کی۔ عراق زراعت کا بڑا مرکز تھا۔ دجلہ وفرات

Marfat.com

سے بہت سی نہریں نکال کر آب پاشی کا انتظام کیا گیا۔ ملک میں گیہوں، چاول، جو، گنا اور ہر قسم کے پھل بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ مالیہ کے تعین و تقرر میں رعایا کو بڑی سہولت دی جاتی تھی۔ شہروں کی دیکھ بھال کے لیے ایک الگ محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ خراسان کا علاقہ بھی زرعی پیداوار کے لیے مشہور تھا۔ ترکستان میں بخارا اور سمرقند کے علاقوں میں پھل بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ مصر میں وادی نیل بھی اپنی زرخیزی اور غلہ جات کی پیداوار کے لیے بڑی مشہور تھی۔

حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ زمینوں کا مالیہ تھا۔

صنعت و حرفت نے بھی بڑا فروغ پایا۔ کان کنی کے پیشہ نے بڑی ترقی کی۔ خراسان سے لوہا نکلتا تھا۔ کرمان سے چاندی اور سیسہ، تبریز سے سنگ مرمر اور ایران سے نمک۔ کئی شہروں میں شیشہ اور صابون کے کارخانے قائم ہوئے۔ کاغذ بنانے کے کارخانے بھی کھولے گئے۔ فارس اور اھواز میں گنے کی کثرت کی وجہ سے چینی اور شکر سازی کے کارخانے تھے۔ اونی، ریشمی اور سوتی کپڑوں اور قالینوں کے کارخانے بھی ملک کے مختلف حصوں میں بکثرت موجود تھے۔

عباسی عہد میں تجارت کو بھی بڑا عروج حاصل ہوا۔ ملک کے مختلف حصوں سے چاول، گندم، چینی، پھل، دھات کی چیزیں، شیشہ اور اونی و ریشمی کپڑے اور دیگر بہت سی اشیاء دوسرے ملکوں میں بھیجی جاتی تھیں۔ تجارت کی منڈیاں عام تھیں، بری اور بحری راستوں سے تجارت کا مال آتا جاتا تھا۔ بڑے بڑے تجارتی مرکزوں میں تاجروں نے اپنی اپنی مجالس اور انجمنیں قائم کر رکھی تھیں تاکہ تجارت کو ترقی دی جائے اور جعل سازی کی روک تھام کی جائے۔

تجارتی منڈیوں اور بازاروں میں بڑی رونق ہوتی تھی۔ دوکانوں پر خرید و فروخت کی وجہ سے بڑی چہل پہل رہتی اور تجارت کی وجہ سے روپے پیسے کی بڑی ریل پیل نظر آتی تھی۔

علم و ادب

اس عہد میں مختلف طبی علوم پر قیمتی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ شیخ بوعلی سینا نے طب کے ساتھ فلسفہ، ہندسہ، ہیئت اور دیگر فنون میں اپنا نام بڑا روشن کیا۔ ادھر فلسفہ و حکمت میں سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے نامور یونانی فلسفیوں کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کیا گیا اور ادھر ہمارے ہاں کندی،

Marfat.com

ابن سینا، فارابی، غزالی اور رازی جیسے نامور حکماء اور دانشوروں نے حکمت وفلسفہ پر کتابوں کے انبار لگادیئے۔

عباسی عہد میں علم جغرافیہ نے بھی خاصی ترقی کی۔ زمین شکل وصورت اور پیائش وغیرہ کا حساب لگایا گیا۔ ''یاقوت الحموی'' نے جغرافیہ کا ایک شاندار انسائیکلوپیڈیا (دائرہ معارف) تیار کردیا اور اس کا نام ''معجم البلدان'' رکھا۔ نامور جغرافیہ دانوں میں ابن حوقل، اصطخری، ادریسی اور مسعودی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس عہد میں مسلمانوں نے علم ہیئت اور ریاضی میں بھی بڑی قابلیت اور شہرت حاصل کی۔ ہیئت دانوں میں خوارزمی، ابراہیم الفزاری ابومعشر فلکی، موسیٰ بن شاکر بیرونی اور عمر خیام کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ریاضی میں مثلث کے علم کو بالخصوص ترقی ہوئی اور ابوالفداء، عمر خیام وغیرہ نے بڑا نام پایا۔ جبر ومقابلہ اور ہندسہ میں بھی مسلمانوں نے گہرے نقوش چھوڑے۔

علم الکیمیا والطبیعیات، علم النبات اور علم الفلاحۃ والزارعۃ میں بھی بڑا کمال حاصل کیا گیا اور قابل قدر تصانیف وجود میں آئیں۔ تاریخ نویسی میں امام ابن جریر، طبری، مسعودی، ابن مسکویہ، خطیب بغدادی، ابن عساکر الدمشقی، امام ذہبی اور ابن اثیر کے نام شہرہ آفاق ہیں۔ سیرت نگاری میں ابن سعد، ابونعیم اصفہانی، ابوالفرج اصفہانی، ابن الجوزی، ابن ہشام، ابن خلکان وغیرہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔

شعروشاعری اور ادبیات میں بھی بڑی سرگرمی اور دلچسپی کا اظہار کیا گیا اور کثیر التعداد شعراء اور نثر نگاروں نے عربی ادب کے دامن کو اپنے جواہر پاروں سے مالا مال کردیا۔ الف لیلہ کی کہانیاں بھی عباسی عہد کی یادگار ہیں۔ شاعروں میں ابونواس، ابو العتاھیۃ، بشار، ابوتمام، متنبی اور ابوالعلاء المعری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فنون لطیفہ

عباسی عہد میں فنون لطیفہ نے بھی بڑی ترقی کی۔ فن تعمیر، مصری نقاشی، خطاطی اور موسیقی نے

Marfat.com

بڑا فروغ پایا۔ شاہی محلات، مساجد، محلات اور شاندار عمارات تعمیر ہوئیں، فن کاروں نے مصری نقاشی اور خطاطی کے بہترین نمونے پیش کیے۔

کتب خانے

عباسی عہد کی ثقافت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خلفاء اور امراء کو کتاب خانے قائم کرنے کا بڑا شوق تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید اور خلیفہ مامون کی علم دوستی اور معارف پروری بڑی مشہور ہے۔ علماء و فضلاء ان کے ہم رکاب رہتے تھے۔ پہلا کتاب خانہ خلیفہ ہارون الرشید نے قائم کیا جو بیت الحکمت کے ساتھ وابستہ تھا۔ پھر خلیفہ مامون نے علما کی ایک جماعت کو اطراف عالم میں بھیج کر علم وحکمت کی بے شمار کتابیں جمع کیں۔

بعد ازاں تمام امراء وسلاطین نے کتابوں کو فراہم کرنا اپنا معمول قرار دے دیا، چنانچہ بغداد، دمشق، قاہرہ، بصرہ، کوفہ، مرو اور خوارزم وغیرہ شہروں میں بڑے عظیم الشان کتاب خانے قائم ہو گئے۔ اس طرح مساجد کے ساتھ بھی کتاب خانوں کا قیام عمل میں آیا۔

فیاض اور دیندار حضرات مسجدوں کے لیے اپنی ذاتی کتابیں وقف کر دیا کرتے تھے۔

مدرسے

عباسی عہد میں بچوں اور جوانوں، مردوں اور عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک ''تدریسی نظام'' وجود میں آیا۔ اس نظام میں مکتب، مدرسہ اور دارالعلوم کو عوامی تعلیم کے لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، دمشق اور مصر وغیرہ میں یہ نظام خوب ترقی پذیر ہوا۔ اسی طرح مرو، نیشاپور، موصل، اصفہان، ہرات اور بلخ وغیرہ شہروں میں بھی مدرسے کامیاب رہے۔

ہر مدرسے میں عالم وفاضل اساتذہ درس وتدریس کا کام کرتے تھے۔ ہر مدرسے کے ساتھ ایک کتاب خانہ بھی ہوتا تھا۔

❀❀❀

Marfat.com

اہم مصادر و مراجع

نوٹ:

مؤلف نے اس کتاب کی تصنیف میں بے شمار کتب سے استفادہ کیا، لیکن انھوں نے مصادر و مراجع کی کوئی فہرست مرتب نہیں کی تھی، دارالمعارف کے اہتمام سے اس کتاب کی نئی طبع پر مزید استفادے کے لیے حوالہ جات لگائے گئے، ان میں سے چند مصادر و مراجع درج ذیل ہیں:

١۔ ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری، المعارف، احیاء التراث، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ: ١٣٩٠ھ۔ ١٩٧٠ء

٢۔ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی، مروج الذہب و معادن الجوہر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ١٤٠٦ھ۔ ١٩٨٦ء

٣۔ ابومحمد عبداللہ مسلم بن قتیبہ الدینوری، الامامۃ والسیاسۃ، دارالمعرفۃ، بیروت

٤۔ ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی، اخبار مکۃ و مافیہا من الآثار، دارالثقافۃ مکۃ مکرمۃ، الطبعۃ الثالثۃ: ١٣٩٨ھ۔ ١٩٧٨ء

٥۔ ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الطبری تاریخ الامم والملوک، دارالتراث، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ: ١٣٨٧ھ۔ ١٩٦٧ء

٦۔ ابومحمد عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، الطبعۃ الثانیۃ: ١٣٧٥ھ۔ ١٩٥٥ء

٧۔ ابوبکر احمد بن الحسین بیہقی، دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ١٤٠٥ھ۔ ١٩٨٥ء

٨۔ شعب الایمان، دارالکتب العلمیۃ: بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ١٤١٠ھ۔ ١٩٩٠ء

٩۔ السنن الکبریٰ، دارالحدیث القاہرہ، طبع: ١٤٢٩ھ۔ ٢٠٠٨ء

Marfat.com

١٠۔ابو احمد علی بن احمد بن حزم، الفصل فی الملل والاھواءِ والنحل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ:١٤١٦ھ

١١۔ابو الفتح محمد بن محمد بن محمد بن عبداللہ، ابن سید الناس، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر ،دارالمعرفہ،بیروت

١٢۔ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت،الطبعۃ الثانیۃ :١٤٢٢ھ۔٢٠٠٢ء

١٣۔ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی،المعجم الکبیر،الطبعۃ الثانیۃ

١٤۔ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، المصنف ، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ:

١۵۔١٣٩٢ھ۔١٩٧٢ء

١٦۔ابونعیم الاصبہانی، دلائل النبوۃ،المکتبۃ العصریۃ، بیروت،الطبعۃ الاولیٰ:١٤٣٠ھ۔٢٠٠٩ء

١٧۔ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن الاصبہانی،اخلاق النبی وآدابہ، عالم الکتب، بیروت،الطبعۃ الاولیٰ:١٤٢٦ھ۔٢٠٠۵ء

١٨۔ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، المعجم الاوسط،مکتب المعارف، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ: ١٤٠۵ھ۔١٩٨۵ء

١٩۔ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی، معالم التنزیل المعروف بتفسیر البغوی، دارالمعرفۃ، بیروت،الطبعۃ الاولیٰ:١٤٠٦ھ۔١٩٨٦ء

٢٠۔ابو الفضل احمد بن علی المعروف حافظ ابن حجر العسقلانی ، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، القاہرۃ، الطبعۃ الاولیٰ:١٤٢٩ھ۔٢٠٠٨ء

٢١۔فتح الباری، دارنشر الکتب الاسلامیۃ ،لاہور، پاکستان،طبع:١٤٠١ھ۔١٩٨١ء

٢٢۔ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق الاصبہانی،معرفۃ الصحابۃ ،مکتبۃ الدار، مدینۃ منورۃ، الطبعۃ الاولیٰ:١٤٠٨ھ۔١٩٨٨ء

٢٣۔حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دارالکتب العربی ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ : ١٣٨٧ھ۔

Marfat.com

۱۹۶۷ء

۲۴۔ابوالحسن علی بن محمد الجزری المعروف بابن الاثیر،اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دارالمعرفۃ، بیروت،الطبعۃ الثالثۃ:۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۷ء

۲۵۔الکامل فی التاریخ،دارصادر،بیروت،۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء

۲۶۔ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر،تاریخ دمشق الکبیر،داراحیاء التراث العربی،بیروت،الطبعۃ الاولیٰ:۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۱ء

۲۷۔ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری،کتاب الخراج،المکتبۃ الازہریۃ،الطبعۃ الاولیٰ

۲۸۔ابوعبداللہ احمد بن حنبل، کتاب فضائل الصحابہ، مکتبۃ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبۃ الاولیٰ:۱۴۰۳ھ۔۱۹۸۳ء

۲۹۔ابوبکرعبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ ،المصنف ،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ،الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۷ء

۳۰۔ابوعمر یوسف بن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، دارابن الجوزی،الطبعۃ السابعۃ:۱۴۲۷ھ

۳۱۔ابوالحسن البلاذری،فتوح البلدان،المطبعۃ المصریۃ بالازہر،الطبعۃ الاولیٰ:۱۳۵۰ھ۔۱۹۳۲ء

۳۲۔ابوعمروخلیفہ بن خیاط،التاریخ،دارالقلم،بیروت،الطبعۃ الثانیۃ:۱۳۹۷ھ۔۱۹۷۷ء

۳۳۔ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری،المستدرک علی الصحیحین ، دارالمعرفۃ بیروت،الطبعۃ الثانیۃ:۱۴۲۷ھ۔۲۰۰۶ء

۳۴۔ابوعبید،عبداللہ بن عبدالعزیز بکری الاندلسی،معجم مااستعجم من اسماء البلادوالمواضع، عالم الکتب،بیروت

۳۵۔ابو الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی،مناقب عمر، دارالکتب العربی، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۳۱ھ۔۲۰۱۰ء

۳۶۔الوفاباحوال المصطفیٰ،المکتبۃ العصریۃ،بیروت،۱۴۳۲ھ۔۲۰۱۱ء

۳۷۔تلقیح فھوم اھل الاثر،ادارہ احیاء السنۃ باکستان،الطبعۃ الاولیٰ

Marfat.com

۳۸۔غریب الحدیث، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵ء
۳۹۔ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی، الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، دارالمعرفۃ، بیروت: ۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸ء
۴۰۔ابوجعفر محمد بن حبیب، کتاب المحبر، دارالافاق الجدیدۃ، بیروت
۴۱۔ابوالفداء اسماعیل المعروف حافظ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دار ابن کثیر، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۸ھ۔۲۰۰۲ء
۴۲۔احمد بن قاسم بن ابی اصیبعۃ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸ء
۴۳۔احمد بن سہل البلخی، کتاب البدء والتاریخ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۷ء
۴۴۔احمد بن حنبل، الموسوعۃ الحدیثیۃ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۸ء
۴۵۔الشریف علی بن محمد الجرجانی، کتاب التعریفات، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۰۳ھ۔۱۹۸۳ء
۴۶۔تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر المقریزی، امتاع الاسماع بما للنبی من الاحوال والاموال والحفدۃ والمتاع، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء
۴۷۔جعفر بن وہب یعقوبی، التاریخ الیعقوبی، مکتبہ موسسۃ الاعلمی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۳ھ۔۱۹۹۳ء
۴۸۔جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، تاریخ الخلفاء، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۵ھ۔۲۰۰۴ء
۴۹۔حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاہرۃ، داراحیاء الکتب العربیۃ، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۳۸۷ھ۔۱۹۶۲ء
۵۰۔حسین بن عبدالملک العاصمی، سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، دارالکتب العلمیۃ،

Marfat.com

بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۴ء

۵۱۔زکریا بن محمد بن محمود القزوینی، آثار البلاد واخبار العباد، دار الطباعۃ والنشر، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء

۵۲۔سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، دار السلام، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء

۵۳۔سید شہاب الدین المرعشی المعروف حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، دار العلوم الحدیثۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ

۵۴۔شہاب الدین احمد بن یحیی بن فضل اللہ، مسالک الابصار فی ممالک الامصار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۲۰۱۰ء

۵۵۔شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب النویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۴ء

۵۶۔شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، المکتبۃ التوفیقیۃ، مصر

۵۷۔شہاب الدین ابو عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی، معجم البلدان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۵۸۔صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی، کتاب الوافی بالوفیات، احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۰ھ۔۲۰۰۰ء

۵۹۔علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت: ۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء

۶۰۔عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون، تاریخ ابن خلدون، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۹ء

۶۱۔علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی، جمہرۃ أنساب العرب، دار المعارف، الطبعۃ الاولیٰ

۶۲۔عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن علی، التاریخ ابی الفداء المسمی المختصر فی اخبار البشر، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۷ء

Marfat.com

٦٣۔علاؤالدین علی بن بلبان الفاسی، صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ: ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء

٦۴۔محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۹ء

٦۵۔محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء

٦٦۔محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع الترمذی، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۲۹ھ۔ ۲۰۰۸ء

٦٧۔محمد بن علی البروسوی، اوضح المسالک الی معرفۃ البلدان والممالک، دارالغرب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۷ھ۔۲۰۰٦ء

٦٨۔محمود شکری الآلوسی البغدادی، بلوغ الأرب فی معرفۃ احوال العرب، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی

٦۹۔محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی، السیرۃ النبویۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۴ء

۷۰۔محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارصادر، بیروت

۷۱۔محمد بن عمر بن واقد الواقدی، کتاب المغازی، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت

۷۲۔محمد بن یوسف الصالحی، سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۳ء

۷۳۔کتاب ازواج النبی ﷺ، دارابن کثیر، بیروت، الطبعۃ الخامسۃ: ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳ء

۷۴۔محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری، السمط الثمین فی مناقب امہات المومنین، المکتبۃ التوفیقیۃ

۷۵۔محمد بن احمد الانصاری القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ

۷٦۔محمد بن اسحاق الھمزانی المعروف بابن الفقیہ، کتاب البلدان، عالم الکتب، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ: ۱۴۳۰ھ۔۲۰۰۹ء

Marfat.com

۷۷۔محمد حسین ہیکل،عمر فاروق،شرکت پرنٹنگ پریس،لاہور
۷۸۔محمد بن ابی بکر بن خلکان،وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، دار صادر، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ:۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸ء
۷۹۔محمد بن عبدالکریم بن ابی بکراحمدالشہر ستانی،الملل والنحل،دارالمعرفۃ، بیروت،الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۵ء
۸۰۔مسلم بن حجاج،صحیح مسلم،دارالسلام،الریاض،الطبعۃ الثانیۃ :۱۴۲۱ھ۔۲۰۰۰ء
۸۱۔یحیی بن جابرالبلاذری، کتاب جمل من انساب الاشراف، دارالفکر،الطبعۃ الاولیٰ:۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ء
۸۲۔یوسف بن تغری بردی، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت الطبعۃ الاولیٰ:۱۴۱۳ھ۔۱۹۹۲ء
۸۳۔یوسف بن الحسن بن عبدالہادی بن المبرد،محض الصواب فی فضائل امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ،مکتبہ جامعۃ اسلامیۃ مدینہ منورۃ،الطبعۃ الثانیۃ:۱۴۲۷ھ
۸۴۔اردودائرہ معارف اسلامیہ،جامعہ پنجاب لاہور،طبع اول:۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸ء

❀❀❀

Marfat.com

تاریخِ اسلام

پروفیسر عبد القیوم رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۰۹-۸۹ء)

Marfat.com